

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ كِنَانَةَ مِن وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ وَاصْطَفَىٰ قُرَيْشًا مِّن كِنَانَةَ  
وَاصْطَفَىٰ مِن قُرَيْشٍ نَّبِيَّ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِي مِّن بَنِي هَاشِمٍ (مريم)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# خاندانِ مصطفیٰ

تالیف  
سید محمد سعید الحسن شاہ

مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد



إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ كِنَانَةَ مِن وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ وَاصْطَفَىٰ قُرَيْشًا مِّنْ كِنَانَةَ  
وَاصْطَفَىٰ مِن قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِي مِّنْ بَنِي هَاشِمٍ (س)



تالیف  
شیخ محمد سعید حسن شاہ



مکملہ شب نور یہ ضویہ  
گلبرگ اے فیصل آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جُمْلہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	حنا ندان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
مصنف	سید محمد سعید الحسن شاد
کتابت	محمد عاشق حسین ہاشمی رچنیوٹ
طابع	سید حمایت رسول شاد قادری
بار	سوم، اکتوبر ۲۰۰۵ء
تعداد	500
قیمت	

ملنے کے پتے

- ۱۔ مکتبہ نور یہ رضویہ، گلبرگ اے، فیصل آباد،
- ۲۔ نور یہ رضویہ پبلی کیشنز - ۱۱ گنج بخش روڈ، لاہور
- ۳۔ مکتبہ حزب الاسلام ریپ، براستہ مانا نوالہ، فیصل آباد

# انتساب

خاندانِ بنو ہاشم کے اُس عظیم و سرزند حضرت سیدنا عبد اللہ  
(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے نام پر کہ

جن کی حسینِ سعادت میں چمکنے والے نور نے سراجِ امتیاز بن کر  
ظلمتِ کدہ کفر کو بقیعہ نور بنا دیا۔ جس عبد اللہ کی  
صلبِ طاہرہ سے اُس مولودِ مسعود عبد اللہ (اللہ تعالیٰ کے خاص بندہ  
نے جنم لیا کہ جس نے کفرستانِ دہر کے سارے معبودانِ باطلہ کی خدائی کے  
بت پاش پاش کر کے عبادِ الطاغوت کو عباد اللہ الصالحین بنا دیا۔

نیز اُس عظیم المرتبت ماں سیدہ آمنہ خاتون (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

## کے نسل پر کہ

جس کی پُر امن آغوشِ محبت و شفقت میں پرورش پانے والی ذاتِ با برکات  
پوری کائنات کے لئے پیامِ امن بن کر جلوہ گر ہوئی۔ اُس پیارے محبوب و  
مکرم و معظم۔ صادق و امین۔ نبی کی ماں سیدہ آمنہ کے نام !  
(صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و اہل بیتہ وسلم)

بصد اندازِ یکسانی، بغاتِ شانِ زیبائی

امیں بن کر امانتِ آمنہ کی گود میں آئی

یکے از غلامِ خلا مانِ اہل بیتِ نبی !  
سید محمد سعید الحسن شاہ عفی





مَوْلَاے صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالْثَّقَلَيْنِ

وَالْفَرِیقَيْنِ مِنْ عَرَبٍ وَمِنْ عَجَمٍ

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰی النَّبِیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ



# فہرست

## جُزْأَوَّلُ

۶۵	مزار: (انیسویں جلد محترم)	۲۷	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نسب
۶۵	مضمر: (اٹھارہویں جلد محترم)	۲۹	تذکرہ آباؤ اجداد
۶۶	الیاس: (سترھویں جلد محترم)	۲۹	حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام
۶۷	مدرکہ: (سولہویں جلد محترم)	۳۰	شہزادی سیدہ ہاجرہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۶۷	خزیمہ: (پندرھویں جلد محترم)	۳۲	سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بعض نہایت روشن پہلو
۶۸	کنانہ: (چودھویں جلد محترم)	۳۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد
۶۸	نضر: (تیرھویں جلد محترم)	۳۸	وفات
۶۹	مالک: (بارھویں جلد محترم)	۳۹	حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام
۶۹	قہر بنی قریش (گیارھویں جلد محترم)	۵۱	حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پریشانی اور خوشی
۶۹	قریش کی وجہ تسمیہ	۵۳	بنو جریم کی آمد، اور مکہ کی آبادی
۷۰	اولاد فہر	۵۴	حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی
۷۰	غالب: (دسویں جلد محترم)	۵۸	تعمیر کعبہ
۷۰	لوتی: (دہویں جلد محترم)	۶۰	سیدنا ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ
۷۱	کعب: (اسٹھویں جلد محترم)	۶۰	حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمارت سے شادی
۷۱	مرہ: (ساتھویں جلد محترم)	۶۱	حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نبوت مضائقہ سے شادی
۷۲	کلاب: (دھپے جلد محترم)	۶۳	حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رحلت مبارکہ
۷۳	قصی: (پانچویں جلد محترم)	۶۳	نذمان (ایسویں جلد محترم)
۷۶	عبد مناف: چوتھے جلد محترم	۶۴	معد (بیسویں جلد محترم)



۱۰۵	سفر ارمکہ دربار نجاشی میں	۷۹	ہاشم رتیسرے جد محترم
۱۰۶	حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر	۸۱	حضرت عبدالمطلب (جد محترم)
۱۰۷	دربار نجاشی میں تلاوت القرآن	۸۱	عبدالمطلب کی وجہ تسمیہ
۱۰۸	حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حبشہ واپسی	۸۲	فضائل حضرت عبدالمطلب
۱۱۰	حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت	۸۲	واقعہ اصحاب فیل
۱۱۱	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸۶	چاہ زمزم کی بھدائی
۱۱۲	کے لئے سیف اللہ کا لقب	۸۷	اولاد عبدالمطلب
۱۱۲	حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے طیار کا لقب	۸۹	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا
۱۱۳	خانہ جعفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد	۸۹	(۱) حارث بن عبدالمطلب
۱۱۴	اہل میت کے لئے کھانا	۸۹	اولاد حارث: حضرت نوفل حضرت
۱۱۴	حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد	۹۰	عبد اللہ، حضرت ربیعہ، حضرت مغیرہ
۱۱۵	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۹۱	(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)
۱۱۶	ولادت باسعادت	۹۲	(۲) حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب
۱۱۹	تربیت نبوی میں	۹۶	حضرت ابوطالب کی وفات
۱۲۰	القابات	۹۶	اولاد ابوطالب: ۱۔ طالب
۱۲۱	آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت	۹۷	۲۔ حضرت عقیل بن ابوطالب
۱۲۴	فیصلہ کی ایک مثال	۹۸	حضرت مسلم بن عقیل بن ابوطالب
۱۲۷	ربی زبان کے قواعد	۱۰۲	(دکوفہ روانگی اور شہادت)
۱۲۸	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت	۱۰۲	شہزادگان مسلم بن عقیل کی شہادت
۱۳۰	شہادت مقدسہ	۱۰۳	۳۔ حضرت جعفر طیار بن ابوطالب
۱۳۳	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت	۱۰۴	ہجرت حبشہ



۱۵۶	حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد	۱۳۴	ابن ملجم حارثی کا قتل
۱۵۸	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابولہب	۱۳۵	ابن ملجم کا دوسرا ساتھی
۱۶۳	ابولہب کی اولاد	۱۳۶	ابن ملجم کا تیسرا ساتھی
۱۶۵	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۷	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار پر الوار
۱۶۶	حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعلان عام	۱۳۸	علیہ مبارک
۱۶۸	حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خصوصی کرم	۱۳۸	اولاد و ازواج
۱۶۹	وفات	۱۴۲	حضرت عباس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۱۷۰	اولاد	۱۴۲	حضرت عمر بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۱۷۰	حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۱۴۳	حضرت محمد اکبر بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۱۷۱	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۱۴۴	(المعروف امام صنیف)
۱۷۳	حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۱۴۴	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بمبشیران
۱۷۳	حضرت معبد بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۱۴۵	حضرت اُمّ ہانی بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۱۷۳	حضرت قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۱۴۶	حضرت جمانہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۱۷۴	حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۱۴۶	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا
۱۷۴	حضرت تمام بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۱۴۶	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۷۴	حضرت عبدالرحمن بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۱۴۷	آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام
۱۷۵	حضرت زبیر رحمۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	۱۴۹	اسلام کے پہلے سہ سال
۱۷۵	حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمتا یعنی بھوپھیاں	۱۵۱	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علمبردار
۱۷۵		۱۵۲	حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
		۱۵۶	حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدفن



۱۹۹	۱۷۵	حضرت ام حکیم میضار رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۱۹۹	۱۷۶	حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۲۰۰	۱۷۷	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۰۴	۱۷۸	حضرت سائب بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۰۵	۱۷۸	حضرت تربت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۲۰۶	۱۷۸	حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۲۰۷	۱۸۰	حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۲۰۸	۱۸۱	حضرت اروی بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۲۰۹	۱۸۱	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے
۲۱۰	۱۸۵	والد ذی وقار حضرت سیدنا عبد اللہ بن عبدالمطلب
۲۱۱	۱۸۶	حضرت عبد اللہ کا فیہ اور فائدہ عظیمہ
۲۱۲	۱۸۷	عرفت مآب حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱۷	۱۸۷	سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد مبارک
۲۲۰	۱۸۸	سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شجرہ مبارکہ
۲۲۱	۱۸۹	نکستہ عجیبہ
۲۲۲	۱۸۹	حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات
۲۲۷	۱۹۰	حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین ثانی
۲۲۵	۱۹۱	حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اشعار
۲۲۶	۱۹۲	حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت
۲۲۶	۱۹۳	مادر محترمہ سے وابستہ یادیں
۲۲۶	۱۹۵	سانحہ عظیمہ
۱۹۹		باب اول (جز ثانی)
۱۹۹		ولادت با سعادت اعلیٰ نبوت تک
۲۰۰		اولیت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
۲۰۴		اس جہان رنگ و بو میں آپ کی جلوہ گری
۲۰۵		حجایات کا اٹھنا
۲۰۶		نور کا ظہور
۲۰۷		ستاروں کا جھکنا
۲۰۸		آتش کدہ فارس و قیصر و کسری
۲۰۹		بیتوں کا گرنا
۲۱۰		رضاعت با سعادت
۲۱۱		الوہب کے لئے انعام
۲۱۲		ذات گرامی کی برکات
۲۱۷		شق صدر کا واقعہ
۲۲۰		والدہ محترمہ کے پاس واپسی
۲۲۱		حضرت ابو طالب کے ساتھ سفرِ شام
۲۲۲		ملک شام کی طرف ایک اور سفر
۲۲۷		حضرت سیدہ خدیجہ الکلبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح
۲۲۵		تعمیر کعبۃ اللہ
۲۲۶		باب دوم
۲۲۶		اعلانِ نبوت، ہجرت مدینہ منورہ تک

۲۴۷	ترکِ وطن کی اجازت	۲۲۶	اعلانِ نبوت
۲۴۷	ہجرتِ نبوی	۲۲۹	دعوت و تبلیغ (۳ تا ۳۳)، شقِ نبوت
۲۴۸	شبِ ہجرت	۲۳۰	مصائبِ آلام (واقعاتِ صحابہ)
۲۵۱	قباء میں جلوہ گری	۲۳۴	صحابہ کرام کا جانبِ حبشہ ہجرت کرنا
۲۵۲	سلسلہ مدینہ اہنی میں تشریف آوری		(اعلانِ نبوت کا پانچواں سال)
۲۵۳	جشنِ آمدِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)	۲۳۵	اعلانِ نبوت کا چھٹا سال
۲۵۵	تعمیر مسجدِ نبوی شریفہ	۲۳۶	اعلانِ نبوت کا ساتواں سال
۲۵۶	اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ	۲۳۸	اعلانِ نبوت کا دسواں سال
	رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وفات	۲۳۸	عامِ الحزنی - حضرت ابوطالب اور
۲۵۶	سلسلہ کے مزید واقعات	۲۳۸	حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات
۲۵۷	سلسلہ کے مشہور واقعات	۲۳۹	سفرِ طائف
۲۵۷	تحويل قبلہ	۲۴۰	سلسلہ نبوی کے مزید واقعات
۲۵۸	حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح	۲۴۰	سلسلہ نبوی بیعتِ عقبہ اولیٰ
	ذکوۃ - روزہ - فطرانہ - عید	۲۴۱	سلسلہ نبوی بیعتِ عقبہ اولیٰ
۲۵۹	اور جہاد کا حکم	۲۴۲	مبلغِ اسلام حضرت مصعب بن عمیر
۲۵۹	غزوۃ بدر	۲۴۲	سلسلہ نبوی (مدینہ منورہ میں
۲۶۱	سلسلہ کے مشہور واقعات		اسلام کا چرچا)
۲۶۱	غزوۃ غطفان	۲۴۶	بارہ نقیبوں کا تفتہ
۲۶۲	کعب بن اشرف کا قتل	۲۴۷	باب سوم
۲۶۳	غزوۃ بخران - سریہ فزہ	۲۴۷	ہجرتِ مدینہ منورہ سے
۲۶۳	ابورافع یہودی کا قتل		رحلتِ مبارکہ تک



۲۸۱	غزوہ بدر صعدی	۲۶۳	حضرت سید امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ
۲۸۲	ہنگ خندق کی وجوہات		تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت
۲۸۳	بنو قریظہ کی بدعہدی	۲۶۴	حضرت سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا
۲۸۴	فدائین کی جھڑپیں		تعالیٰ عنہا کی شادی
۲۸۴	حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۶۴	غزوہ سولق (قرقرہ الکدر)
	کاز حسی ہونا	۲۶۵	غزوہ اُحد
۲۸۵	کفار کی بدحواسی اور فساد	۲۶۹	تدفین شہداء
۲۸۵	غزوہ بنو تریظہ		مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت اور
۲۸۷	بنو تریظہ کا انجام	۲۶۹	مشرکین مکہ کا تعاقب
۲۸۸	حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت	۲۷۳	سکھ کے اہم واقعات
۲۸۸	غزوہ مریض	۲۷۳	سریہ رجب
۲۸۹	عبداللہ بن ابی کے نبٹ باطن کا اظہار	۲۷۴	حضرت زید و خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۲۹۰	منافق ابن ابی کے بیٹے کی شان ایمان		کی بے مثال استقامت و شہادت
۲۹۱	قضیہ افک	۲۷۷	بیر معونہ کا واقعہ
۲۹۷	آیہ حجاب کا نزول		رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
۲۹۷	سکھ کے اہم واقعات	۲۷۹	کے قتل کی سازش
۲۹۷	حضرت ابوالعاص بن بکر رضی اللہ عنہ	۲۸۰	بنو نظیر کی جلا وطنی
	تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام	۲۸۰	غزوہ ذات الرقاع
۲۹۹	واقعات حدیبیہ		دیگر اہم واقعات حضرت فاطمہ بنت اسلم
۳۰۰	پانی کی سردی وانی کا اعجاز	۲۸۱	حضرت زینب بنت عزمیہ حضرت قینہ بنت جحش
۳۰۱	کفالت سے نامہ و پیغام		سید عبداللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی
			رحلت مبارک

۳۲۷	نامہ اقدس بنام حارث بن شمر	۳۰۲	حضرت تراش اور حضرت عثمان غنی
۳۲۹	نامہ اقدس بنام ہودہ بن علی	۳۰۳	رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روانگی
۳۳۰	گورنر یمن ہودہ کا جواب	۳۰۴	بیعت رضوان
۳۳۱	رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عمل	۳۰۵	مشرکین مکہ کی بدحواسی اور صلح
۳۳۱	مکتوب گرامی بنام منذر بن سیاوی	۳۰۶	حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد
۳۳۲	حضرت منذر بن سیاوی کے نام دوسرا مکتوب	۳۰۷	قبیلوں کا تبادلہ
۳۳۲	اہم بات	۳۰۸	سلاطین زمانہ کو دعوت اسلام
۳۳۵	سحہ کے واقعات	۳۰۹	انگشتہ ی یا مہر مبارک
۳۳۵	غزوہ خیبر اور اس کے اسباب	۳۱۰	حضرت نجاشی کے نام
۳۳۷	خیبر کو روانگی	۳۱۱	دوسرا مکتوب گرامی
۳۳۹	خیبر شکن حضرت علی المرتضیٰ	۳۱۲	حضرت نجاشی کی رحلت مبارکہ
۳۴۲	جنگ خیبر کے مقتولین	۳۱۳	مکتوب گرامی بنام قیصر روم
۳۴۲	اہل خیبر سے حسن سلوک	۳۱۴	قیصر روم ہرقل کا جواب
۳۴۳	غزوہ وادی القری	۳۱۵	مکتوب گرامی بنام شاہ ایران
۳۴۴	فندق	۳۱۶	قاصد نبوی کا اہل فارس کو انتباہ
۳۴۴	یہود کا خبیث باطن	۳۱۷	خسرو پرویز کا تباہی کی طرف قدم
۳۴۶	سحہ کے دیگر اہم واقعات	۳۱۸	مختبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر
۳۴۶	مہاجرین حبشہ کی آمد	۳۱۹	مقوقس شاہ اسکندریہ کے نام
۳۴۷	لحم خراور متعہ کی حرمت	۳۲۰	مقوقس کا رد عمل
۳۴۷	عمرۃ القضا	۳۲۱	حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حاضر جوابی
۳۴۷		۳۲۲	مقوقس کا جواب اور ہدایا



۳۶۶	مکہ مکرمہ کی جانب واپسی	۳۶۸	حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد مبارک
۳۶۸	حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوسفیان	۳۶۸	سہ ماہ کے واقعات
۳۶۹	شوکت لشکر اسلام	۳۶۸	سرداران و شریکین کا قبول اسلام
۳۷۱	شہر مکہ میں نزول اجلال	۳۶۹	جنگ موتہ
۳۷۲	بنتوں کی بربادی	۳۵۲	حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ جہاد
۳۷۶	حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کریمی	۳۵۲	جنگ کی ابتداء اور حضرت زید
۳۷۸	بیعت فخر مانا	۳۵۲	رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
۳۷۸	بعض مجرمین کا قتل اور بعض کی معافی	۳۵۳	حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت و شہادت
۳۷۹	قتل مجرمین پر ایک غیر مسلم کے تاثرات	۳۵۳	حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت و شہادت
۳۷۹	مختلف بیت خانوں کا انہدام	۳۵۴	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپہ سالاری
۳۸۰	عدل اسلام کی ایک تابناک مثال	۳۵۵	میدان جنگ اور نگاہ نبوت
۳۸۱	غزوہ حنین	۳۵۷	لشکر اسلام کے قاصد کی آمد
۳۸۲	جنگ اوطاس	۳۵۷	شرف انسانیت کی حفاظت
۳۸۳	شیما بنت جحیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳۵۹	جنگ موتہ کے شہداء کی تعداد
۳۸۳	طائف کا محاصرہ	۳۵۹	غزوہ فتح مکہ
۳۸۴	طائف کے نواحی قبائل کی اطاعت	۳۶۰	اسباب فتح مکہ
۳۸۴	مال غنیمت کی تقسیم اور انصار کی فضیلت	۳۶۳	حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث
۳۸۶	ہوازن کے وفد کی آمد	۳۶۴	جنگ کی تیاری
۳۸۷	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احسان	۳۶۵	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط
۳۸۸	حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت		

۴۰۹	باب چہارم	۳۸۸	شہزادی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ
۴۰۹	اللہ وصال مقدس		عہا کی رحلت مبارکہ
۴۱۱	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۸۸	منبر شریف کی تعمیر
	کو امامت کا حکم،	۳۸۹	۹۷ھ کے واقعات
۴۱۳	مسجد نبوی شریف میں آخری خطبہ	۳۸۹	بنو تمیم پر فوج کشی
۴۱۵	نا قابل فراموش	۳۹۱	غزوہ تبوک
۴۱۶	رحلت مبارکہ کا قیامت خیز منظر	۳۹۱	صحابہ کرام کا ایشیا اور جذبہ جہاد
۴۱۸	آخری گفتگو	۳۹۲	تبوک کی طرف روانگی اور حمید کی اطاعت
۴۱۹	نکستہ :	۳۹۴	مسجد ضرار کا انہدام
۴۱۹	وصال شریف پر اہلبیت صحابہ کی حالت	۳۹۶	مختلف قوم کی آمد
۴۲۲	تجہیز و تکفین اور صلوٰۃ الجنازہ -	۳۹۷	حضرت نبی کریم ﷺ کی موت
۴۲۳	غسل مبارک	۳۹۸	حضرت نجاشی کا انتقال
۴۲۵	کفن مبارک	۴۰۰	رحلہ اور اعلان نبوت
۴۲۵	عمل مرتضیٰ	۴۰۰	نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ
۴۲۶	صلوٰۃ الجنازہ	۴۰۱	اعتراف حقیقت
۴۲۶	دعا صلوٰۃ الجنازہ	۴۰۲	آیہ مباہلہ کا نزول
۴۲۷	اجتماعی دعاء	۴۰۴	حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۲۸	تدفین مبارک	۴۰۴	کی رحلت مبارکہ
۴۳۰	باب پنجم :- حلیہ مبارک	۴۰۵	حجۃ الوداع
۴۳۲	باب ششم :-	۴۰۷	خطبہ حجۃ الوداع
۴۳۴	امہات المؤمنین		مذہبی نبوت مسلمانہ کذاب



۴۳۵	سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۴۶۲	حضرت امیہ المؤمنین کی ذاتی اور
۴۳۹	رحلت مبارکہ	۴۶۳	مقام المؤمنین کی مکہ مکرمہ کو روانگی
۴۳۹	سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اقارب	۴۶۳	وفات حضرت زیات
۴۴۲	سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۴۶۳	اقارب (والدہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
۴۴۲	رحلت مبارکہ	۴۶۴-۴۶۵	والدہ محترمہ - بھائی ۷
۴۴۴	حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اقارب	۴۶۴	ہمشیران
۴۴۵	سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۴۶۹	حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۴۴۶	نزول قرآن و شان صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۴۷۰	اقارب (والدہ حضرت فاطمہ عظمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)
۴۴۷	آیہ تیمم کا نزول	۴۷۵	ہمشیران و برادران
۴۵۰	ازالہ شبہات	۴۷۶	حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۴۵۲	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عملی قدم	۴۸۱	اقارب
۴۵۳	سبائیوں کی فتنہ انگیزی	۴۸۳	حضرت زینب بنت خرمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۴۵۴	اہل اسلام کی پیٹھ میں چھرا گھونینے کا فیصلہ	۴۸۴	حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۴۵۴	فریقین کا آمنہ سامنا	۴۸۵	حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
۴۵۶	مخالفین صلح کی شیطانی کارروائی	۴۹۰	اقارب
۴۵۷	جنگ جمل	۴۹۲	حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۴۵۸	حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت	۵۰۰	اس نکاح کا تعلیمات اسلامیہ پر اثر
۴۵۸	حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت	۵۰۱	مستثنیٰ کی رسم کا بطلان
۴۵۹	حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت	۵۰۱	رحلت مبارکہ
۴۵۹	اوثمنی کا قتل اور اختتام جنگ	۵۰۳	اقارب
۴۶۱	جنگ کے بعد کا منظر	۵۰۵	حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۵۰۸	اقارب	۵۰۸	دُخترانِ فری شانِ رضی اللہ تعالیٰ عنہن
۵۰۹	حضرت سیدہ صفیہ بنت الحنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۵۰۹	سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۵۱۲	حضرت سیدہ مہموٰۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۵۱۲	سیدہ زینب کا سفر مدینہ اور مشکلات
۵۱۵	اقارب	۵۱۵	ابی سفیان کا اعترافِ ذلت و شکست
۵۱۷	مطلقات البنی	۵۱۷	کنادہ کے اشعار
۵۱۸	اسمار کتدیہ	۵۱۸	ہبار کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان
۵۱۹	ملیکہ بنت کعب	۵۱۹	علیہ وآلہ وسلم کا فرمان
۵۲۱	یسلی بنت الخظیم	۵۲۱	حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شاکھی
۵۲۲	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بانیہ	۵۲۲	حضرت ابوالعاص کے قبولِ اسلام کا تفصیلی واقعہ
۵۲۳	بعض امہات المؤمنین کے تاریخی حالات	۵۲۳	سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد
۵۲۴	ایک نظر میں	۵۲۴	حضرت علی بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۵۲۵	بعض امہات المؤمنین کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب تعلق	۵۲۵	حضرت امامہ بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۵۲۶	باب ہفتم	۵۲۶	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حلتِ مبارکہ
۵۲۶	حضرت اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولادِ اطہار	۵۲۶	حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال
۵۲۶	سیدنا قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵۲۶	شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۵۲۷	سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵۲۷	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبور
۵۲۸	سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵۲۸	اسلام اور عقدِ رقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۵۲۹	سورج گزین	۵۲۹	ہجرت
۵۳۰	اسوۃ نبوی کا ایک	۵۳۰	علامت و حلت
۵۳۱		۵۳۱	اولادِ اطہار
۵۳۲		۵۳۲	شہزادی سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا



۵۹۳	حلم و بردباری	۵۶۰	نکاحِ اول
۵۹۴	بدترین دشمن کا اعتراف	۵۶۰	نکاحِ ثانی
۵۹۴	توکل علی اللہ	۵۶۱	فضیلتِ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۹۵	منصبِ خلافت پر رونق افروزی	۵۶۲	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب
۵۹۵	عراقی فوج کی غداری	۵۶۲	حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہجرت
۵۹۶	خلافت سے دست برداری	۵۶۳	اولاد
۵۹۸	بے وفاد عوی دارانِ محبت	۵۶۳	وفات
۵۹۹	مدینہ طیبہ کو روانگی	۵۶۴	شہزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۶۰۰	اللہ تعالیٰ سے طلبِ کا نتیجہ	۵۶۵	ولادت باسعادت
۶۰۱	شہادت	۵۶۵	نکاح اور اس کی تفصیل
۶۰۲	انصاف کی بات	۵۶۹	رخصت بطرفِ خانہٴ مرقنوی
۶۰۳	آخری وصیت	۵۷۱	فضائل و مناقب
۶۰۳	مدفنِ مقدس	۵۷۹	والدین کے لئے ایک روشن مثال
۶۰۴	ازواج و اولادِ اطہار	۵۸۱	رازدارِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)
۶۰۵	حضرت زید بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵۸۳	وفاتِ حسرتِ آیات
۶۰۵	حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵۸۶	مزارِ مقدس
۶۰۶	حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کا نسب	۵۸۷	اولادِ اطہار
۶۰۸	شجرہ اولادِ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵۸۸	حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۰۹	حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵۸۸	ولادت باسعادت
۶۰۹	ولادت باسعادت	۵۸۹	حقیقتہ
۶۰۹	خواب کی تعبیر	۵۸۹	فضائل و مجالات

۶۱۰	شہادت کی شہرت	۶۱۰	سید زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نصیحت لاسہ
۶۱۲	فضائل : (واقعات شہادت)	۶۱۲	خیموں کی حفاظت
۶۱۶	اہل کوفہ کی حضرت امام کو دعوت	۶۱۶	خونی صبح کا آغاز
۶۱۸	امام عالی مقام کی کوفہ کو روانگی	۶۱۸	تابل غوربات
۶۱۹	نہ رزوق شاعر سے ملاقات	۶۱۹	امام عالی مقام علیہ السلام کا خطاب
۶۱۹	حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا خط	۶۱۹	اتمام حجت
۶۱۹	حضرت قیس بن مسہر کی روانگی و شہادت	۶۱۹	حر بن یزید کا حسن انتخاب
۶۲۰	زمہ بن القین سے ملاقات	۶۲۰	آغاز جنگ
۶۲۱	اطلاع شہادت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۶۲۱	حضرت عبداللہ اور ان کی بیوی میدان میں
۶۲۱	غیر شہادت عبداللہ بن لبطر	۶۲۱	گستاخ ابن حوزہ کا غیر نفاک انجام
۶۲۲	بعض ہمراہیوں کی علیحدگی	۶۲۲	حضرت بریرہ ہمدانی کی شہادت
۶۲۲	حر بن یزید سے ٹکراؤ	۶۲۲	عمرو بن قریظ کی شہادت
۶۲۳	امام عالی مقام اور حر کی ملاقات	۶۲۳	حضرت حر کی میدان میں آمد
۶۲۴	عمرو بن سعد کی کربلا میں آمد	۶۲۴	حسینی خیموں پر ناکام حملہ
۶۲۵	شکر امام پر پانی بند	۶۲۵	نماز کی اہمیت
۶۲۵	مصلحت کی کوشش و شرارت	۶۲۵	حضرت حبیب کی شہادت
۶۲۵	شمیر لعین کی خباثت	۶۲۵	حضرت حر کی شہادت
۶۲۷	شمیر لعین کی طرف سے امان کی پیشکش	۶۲۷	صلوۃ الخوف کی ادائیگی
۶۲۷	شب مہلت	۶۲۷	اعوان انصار بسوئے جنت
۶۲۸	امام عالی مقام کا خطاب	۶۲۸	حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
۶۲۸	جانی نثاروں کی ثابت قدمی	۶۲۸	حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۶۶۰	سیر انور اور یزید لعین	۶۴۲	حضرت جعفر بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۶۶۱	مردان صبر و رضا و بارِ شام میں	۶۴۲	حضرت عبدالرحمن بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۶۶۱	قاتل کون؟	۶۴۲	پسرانِ ینبِ سلام اللہ تعالیٰ علیہا
۶۶۲	لٹے ہوئے قافلہ کی بسوئے مدینہ واپسی	۶۴۳	حضرت عبداللہ بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۶۶۴	یزید بدبے یا بدنام؟	۶۴۳	حضرت قاسم بن ام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۶۶۲	یزید کی بد بختی پر مہر تصدیق	۶۴۵	فرزندانِ سیدنا علی المرتضیٰ حضرات ابو بکر
۶۶۳	قاتلانِ اہل بیت کا انجام	۶۴۵	عمر، عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)
۶۶۸	امام حسین رضی اللہ عنہ کی ازواج و اولاد	۶۴۵	حضرت عون و جعفر و عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
۶۷۰	شہدائے کربلا کے اسمائے گرامی	۶۴۶	حضرت عباس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۶۷۲	امام علی و سرّ زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۶۴۷	حضرت علی صغیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۷۳	وقار اور شرافت نسب	۶۴۷	سید الشہداء علیہ السلام اپنے مقتل میں
۶۷۵	لقب زین العابدین کی وجہ تسمیہ	۶۵۱	قدم اُن کے چوے شہادت نے بڑھ کر
۶۷۶	کرامات	۶۵۲	آسمانِ راحق بود گر خوں بیار و بریں
۶۷۹	رحلت مبارکہ	۶۵۳	حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت
۶۷۹	اولادِ اطہار	۶۵۴	شہدائے کربلا کی تجہیز و تکفین
۶۸۲	آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کا شجرہ	۶۵۵	حضرت ام عالی مقام علیہ السلام کا سرِ انور
۶۸۴	حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۶۵۶	اسیرانِ کربلا کی کوفہ میں آمد
۶۸۴	ولادت باسعادت	۶۵۸	سیر اقدس بازارِ کوفہ میں
۶۸۴	کنیت اور لقب	۶۵۸	شہید زندہ ہیں
۶۸۵	کرامات	۶۵۹	اسیرانِ کربلا بسوئے شام
۶۸۸	رحلت مبارکہ	۶۶۰	زحر بن قیس و ربار یزید میں



۷۱۴	رحلت مبارکہ	۶۸۸	اولادِ اطہار
۷۱۵	حضرت امام علی المعروف علی التقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۶۸۸	حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۱۵	نام، کنیت، القاب - مولد	۶۸۹	نام و نسب - محلّیہ
۷۱۵	کرامات	۶۸۹	شادی خانہ آبادی
۷۱۸	رحلت مبارکہ	۶۹۱	کرامات و کرامت کلّیہ
۷۱۸	اولادِ اطہار	۶۹۶	رحلت مبارکہ
۷۲۰	حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۶۹۷	اولادِ اطہار کا شجرہ
۷۲۰	اسم گرامی - کنیت، القابات - مولد	۶۹۸	حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۲۰	شرف و کرامات	۶۹۸	نام و نسب و کنیت
۷۲۳	رحلت مبارکہ	۶۹۹	شرف و کرامات
۷۲۳	اولادِ اطہار	۷۰۴	رحلت مبارکہ
۷۲۳	حضرت امام محمد المعروف امام مہدی	۷۰۴	اولادِ اطہار
۷۲۳	رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۷۰۵	حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۲۳	اسم گرامی، کنیت، القابات، مولد	۷۰۵	نام - کنیت - مولد
۷۲۴	عام حالات	۷۰۶	فضل و کرامات
۷۲۵	اجمالی تذکرہ و دوازدہ امام علیہم الرضوان	۷۰۸	ولی عہد مقرر کرنے کا سبب
۷۲۷	باب ہشتم:	۷۰۹	آپ کی شہادت اور کرامت
۷۲۷	حنورا کر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	۷۱۲	حضرت امام محمد المعروف امام تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۲۷	کے خصوصی دیگر متعلقین	۷۱۲	ولادت، نام، کنیت اور لقب
۷۲۹	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	۷۱۲	جرات و حق گوئی
۷۲۹	کی رضا عی مائیں	۷۱۳	شرف و کرامات

۴۳۵	حضرت اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی خدام	۴۳۵	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور نواسیاں
۴۳۵	حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۴۳۵	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہم شکل
۴۳۷	حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۴۳۷	حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ
۴۳۸	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۴۳۸	حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے توفیق
۴۴۱	حضرت سید بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۴۴۱	بارگاہ نبوی کے شعراء اور خطیب
۴۴۷	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۴۴۷	اعلان نبوت سے قبل خصوصی دوست
۴۵۷	بعض دیگر خدام	۴۵۷	بارگاہ اقدس کے کاتبان
۴۵۸	باب نہم	۴۵۸	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے موالی
۴۵۸	دیکھو جو اک نظر... دریا حباب میں	۴۵۸	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد
۴۵۸	نسب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	۴۵۸	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محبتیں
۴۶۳	سیرت طیبہ سال و ماہ کے آئینہ میں	۴۶۳	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مدنی نقیب
۴۶۸	اہم بات المؤمنین کے اسمائے گرامی	۴۶۸	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ میں نائبین
۴۶۸	شہزادگان و نشان کے اسمائے گرامی	۴۶۸	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر فرمودہ عمال یعنی گورنر
۴۶۹	شہزادیاں و نشان کے اسمائے گرامی	۴۶۹	عہد نبوی کے مفتی حضرات
۴۶۹	چچا وی کے نام	۴۶۹	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیر استعمال عام اشیاء
۴۶۹	پھوپھیوں کے نام	۴۶۹	آلات حرب
۴۷۰	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دودھ شریک بھائی	۴۷۰	مویشی
۴۷۰	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دودھ شریک مشیران	۴۷۰	خورد و نوش
۴۷۰	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے داماد	۴۷۰	نامہ ہائے مبارک کی دریافت تاریخ اور فول

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## گزارش اقل

نَحْمَدُكَ وَنُسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ  
وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَت  
يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَنَا  
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ  
أَمَّا بَعْدُ

بحمد اللہ تعالیٰ یہ بندہ ناچیز پروردگار عالم جل شانہ کے فرمانِ ذمی شان  
فَإِنَّمَا بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ط کے تحت اس نعمتِ عظمیٰ کی عطائے کریمانہ پر اپنے  
خالق و مالک جل مجدہ الکریم کے حضور سراپا سپاس ہے کہ اُس نے اس حقیر پر تفصیر بندے  
کو یہ شرف عطا فرمایا کہ یہ اپنے محبوب و مکرم و محترم آقا رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
سیرت طیبہ کے ایک چھوٹے اور منفرد پہلو، یعنی خاندانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے موضوع  
پر کچھ پھول جمع کرنے کی سعادت حاصل کر سکا۔

یہ بات حقیقتِ واقعی ہے کہ گلِ چین سیرتِ نبوی کے سامنے نعمتِ مصطفیٰ الکریم  
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ایسا سدا بہار خلد آشنا اور روح پرور گلشن ہوتا ہے کہ جس کا  
ہر پھول اپنی جگہ اس قدر موزوں، خوبصورت اور حسین و دلکش نظر آتا ہے کہ سیرت نگار کی  
آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، وہ نہیں سمجھ پاتا کہ اس کی حد نگاہ تک پھیلے دل آویز رنگوں اور  
مسور کن خوشبو والے پھولوں میں کسے کسے چنے اور کس کس کو چھوڑ دے اور کچھ جب وہ اپنے



حُسن ذوق و وجدان کے مطابق چند پھول چُن لیتا ہے، تو یہ احساس شدت سے بھرتا ہے کہ اگرچہ اس نے اپنے خیال میں حُسن ترین پھولوں کا انتخاب کیا ہے، مگر جن کو چھوڑا ہے حُسن و رعنائی میں وہ بھی تو کسی سے کم نہیں، بلکہ ع

برگلِ رازِ رنگِ بوئے دیگر است

اس ناچیز نے اس گلشنِ محبت سے منتخب پھولوں کا ایک گلِ سترِ نام "خاندانِ مصطفیٰ" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، پیش کرنے کی جو کوشش کی ہے، اس میں یہ کہاں تک کامیاب ہوا، اس کا فیصلہ تو آپ زیرِ نظر کتاب پڑھ کر ہی کر سکیں گے۔ بہر حال یہ اقرار ضرور ہے کہ اے میرے آقا علیک الصلوٰۃ والسلام !

تیرے اوصاف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا

ہو گئیں زندگیاں تمام، اوستم ٹوٹ گئے

صحیح مسلم شریف میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حُسنِ انتخاب سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم رسولِ عظیم رُوف و رحیم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ كِنَانَةً  
مِّنْ وَلَدِ اسْمَاعِيلَ وَاصْطَفَىٰ  
قُرَيْشًا مِّنْ كِنَانَةٍ وَاصْطَفَىٰ  
مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ وَاصْطَفَىٰ  
مِنْ بَنِي هَاشِمٍ رَّحِيمًا مُّسْلِمًا

بے شک اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل علیہ السلام  
سے کنانہ کو چُن لیا اور کنانہ سے قریش کو  
چُن لیا اور قریش سے بنی ہاشم کو چُن لیا،  
اور مجھے بنی ہاشم میں سے چُن  
لیا۔

سُبْحَانَ اللہ تعالیٰ! گویا میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا  
خاندان ہی مصطفیٰ (چُنا ہوا) ہے اور تاجدارِ انبیاءِ حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
خود بھی مصطفیٰ ہیں۔ گویا اس کتاب کا نام "خاندانِ مصطفیٰ" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

مضاف، مضاف الیہ بھی ہے اور صفت و موصوف بھی — مزید برآں یہ کہ جس زمانہ میں ولادت باسعادت ہوئی، وہ زمانہ بھی مصطفیٰ ہوا۔ دلیل اس بات کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہ حدیث پاک ہے کہ جسے امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی صحیح میں نقل فرمایا کہ حضور نبی اکرم شفیع معظم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونٍ** میں بنی آدم کے بہترین طبقوں میں سے پیدا کیا گیا ہوں۔ ایک زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ گزرتا گیا یہاں تک کہ یہ زمانہ آگیا کہ جس میں میری ولادت باسعادت ہوئی۔ (بخاری شریف)

**شانِ مصطفائی** عمومی اصول کے مطابق خاندان پہلے ہوتا ہے اور اس میں سے کسی فرد کا انتخاب بعد میں ہوا کرتا ہے لیکن یہاں بات ہی نرالی ہے۔ یعنی فرد پہلے سے منتخب ہے اور خاندان بعد میں۔ حضرت سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! (علیک الصلوٰۃ والسلام) آپ کب سے منصب نبوت پر ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”میں نہیں تھا، جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی رُوح اور جسم کے درمیان تھے۔“ (ترمذی باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

سُبْحَانَ اللہ تعالیٰ و مجدہ! ابھی حضرت آدم علیہ السلام اپنے تخلیقی مراحل سے گزر رہے تھے، جبکہ میرے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منصب نبوت پر فائز بھی ہو چکے تھے۔ گویا خاندان کے جدِ اعلیٰ ابھی رُوح و جسم کے درمیان تھے، جبکہ فرد محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منتخب ہو بھی چکے تھے۔ پھر مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جس جس گھرانے سے ہوتے گئے، پھر یہی گھانا مصطفیٰ (یعنی منتخب) ہوتا پیدا گیا، جیسا کہ حضرت شیدائے عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اس میں شک نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے اُس عمت میں رکھا، جو سب سے اعلیٰ تھی۔ پھر جہان کے دو گروہ بنائے تو مجھے اُس گروہ میں رکھا جو سب سے اعلیٰ تھا۔ پھر جب قبائل بنائے، تو مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا۔ پھر جب خاندان بنائے، تو مجھے سب سے اعلیٰ خاندان میں رکھا۔ پس میں سب سے اعلیٰ خاندان کا سب سے اعلیٰ فرد ہوں۔“ (ترمذی باب المناقب)

بحمد اللہ تعالیٰ! آپ اس زیرِ نظر کتاب میں اسی ارفع و اعلیٰ خاندان کے چید منتخب حضرات ذی وقار کا تذکرہ پڑھیں گے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ اَلْكَتَبِيُّ اَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ اَقَمَاتُهُمْ کے اعتبار سے حضور نبی کریم رسولِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب ایمان والوں کے ان کی جانوں سے بھی قریب ترین اور روحانی باپ ہیں۔ اور سارے فرزندانِ توحید کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ کے ارشادِ ذی شان کے مطابق ایک ہی خاندان سے متعلق ہیں، لیکن اس کتاب میں صرف منتخب حضرات ہی کا تذکرہ ہوگا۔

بارگاہِ صمدیت، درگاہِ اُلوہیت، اُحدیت میں نہایت عاجزی سے التجا ہے کہ اس ناپ چیز کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازا جائے اور مصطفیٰ کریم رسولِ رحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور ان کے عالی شان خاندان سے محبت و عقیدت رکھنے کی توفیق رفیقِ مرحمت فرمائی جائے۔ آمین ثم آمین یا اللہ العالمین!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ یَا حَیُّ  
یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ  
خَلْقِهِ سَيِّدِ الدُّنْیَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ  
دَائِمًا اَبَدًا۔

یکے از غلام غلامانِ خیر الانام  
سید محمد سعید الحسنی عفی عنہ



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ رب العزت جل شانہ کے برگزیدہ رسول تاجدار عرب و عجم شفیع معظم رحمت عالم  
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کا شجرہ شریف سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے،  
حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب (اصل نام شیبہ)  
بن ہاشم (اصل نام عمرو) بن عبد مناف (اصل نام المغیرہ) بن قصی (اصل نام زید)  
بن کلاب، بن مرہ، بن کعب، بن لوئی، بن غالب بن فہر (ان کو ہی قریش کہتے ہیں)،  
بن النضر (اصل نام قیس) بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ (اصل نام عامر بعض نے  
عمرو بھی لکھا) بن الیاس، بن مضر بن نزار، بن معد، بن عدنان۔  
تمام مورخین اور سیرت نگار اور محدثین عظام کے نزدیک یہ شجرہ متفق علیہ ہے۔  
کسی نے بھی اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ عدنان سے آگے اختلاف ہے مثلاً  
ابن ہشام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور عدنان کے درمیان صرف سات پشتوں  
کا ذکر فرمایا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کو نابت، بن اسماعیل بن ابراہیم  
علیہما السلام کی اولاد سے ثابت کیا، جبکہ امام اجل طبری اور ابن سعد نے عدنان  
اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے درمیان اڑتیس<sup>۲۹</sup> پشتوں کا ذکر فرمایا اور حضور نبی اکرم  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کو قیدار بن اسماعیل کی اولاد سے تحریر فرمایا۔ "روضۃ الاحبا"  
کے حاشیہ میں ابن جوزی کی کتاب "الانساب" سے تقریباً اختلاف سے تیس<sup>۳۰</sup> پشتوں کا  
ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت اپنی شان کریمی کے لائق ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے  
درجات بلند فرمائے کہ جنہوں نے میرے آقا رسول عربی (فداہ امتی و ابی رُوحی و جسدی)  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے اس سدا بہار گلشن سے گل چینی کرتے ہوئے  
اپنے اپنے انداز میں رُوح پرور خوشنما گلہ استے سجائے۔

بایں ہمہ یہ بندہ ناچیز، تاجدارِ عرب و عجم، رسولِ محترم شافعِ اُمم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صرف اُن آبائے کرام کا تذکرہ کرے گا کہ جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ نیز ”مدارج النبوة“ میں مذکور یہ بیان بھی ہمیز کا کام دیتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب اپنا نسب بیان فرماتے تو معد بن عدنان سے تجاوز نہ فرماتے، بلکہ اس جگہ ٹھہر جاتے اور فرماتے:

”كَذَّبَ النَّسَابُونَ“، ”یعنی نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بھرا رکھا ہے“ اسی طرح ”مسند الفردوس“ میں روایت کیا گیا ہے، لیکن پہلی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جب وہ اس آیہ مبارکہ کو پڑھتے:

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ  
وَآلِ إِبْرَاهِيمَ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ (۹۱)

”یعنی کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہ ملی جو تم سے پہلے تھے، قومِ نوح، عاد اور ثمود اور وہ جو اُن کے بعد ہوئے کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”كَذَّبَ النَّسَابُونَ“ یعنی یہ لوگ نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ ”کیونکہ یہ (حضرت آدم علیہ السلام) تک بغیر انقطاع کے، علمِ الانساب کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ بندوں سے اس کے علم کو کما حقہ جاننے کی نفی فرماتا ہے۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے تھے کہ ہم عدنان تک اپنا نسب لے جاتے ہیں۔ اس سے اوپر ہم نہیں جاتے اور عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ ہم کسی ایسے کو نہیں جانتے، جو معد بن عدنان کے بعد سلسلہ نسب کو اوپر لے جائے۔

لے خیال رہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شجرہ آٹھویں پشت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جاملتا ہے۔

کیونکہ عدنان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک اور ان سے حضرت آدم علیہ السلام تک بہت اختلاف ہے۔ (مدارج النبوة)

**اعلیٰ ترین نسب** کائنات ہستی میں عظیم المرتبت اور افضل ترین نسب، حضور نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں ہر زمانہ میں بنی آدم کے بہترین قرن میں منتقل کیا گیا، یہاں تک کہ مجھے اس قرن میں پیدا کیا گیا کہ جس میں میں ہوں۔ (بخاری شریف)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”حق تعالیٰ نے اولاد اسماعیل علیہ السلام سے کنانہ کو برگزیدہ کیا، کنانہ سے قریش کو قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو برگزیدہ فرمایا۔“ ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ ”جب اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق سے انتخاب فرمایا، تو اولاد آدم کو برگزیدہ کیا۔ پھر بنی آدم سے عرب کو، پھر عرب سے مجھے برگزیدہ کیا۔ خوب غور سے سن لو۔ جو عرب سے محبت رکھتا ہے، تو وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو عرب سے دشمنی رکھتا ہے، وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے ان سے دشمنی رکھتا ہے۔“ (مدارج النبوة)

حافظ ابو نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قول نقل کیا کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا کہ میں نے زمین کے منار و مشارق کو دیکھا ہے، مگر کسی شخص کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے افضل نہیں دیکھا اور کسی کی اولاد کو بنی ہاشم سے افضل نہیں دیکھا۔ (دلائل النبوة، حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ)

اسی روایت کو اس شعر میں یوں بیان کیا جاتا ہے:

لہ یعنی اشرف المخلوقات بنایا، خود باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ

آفاق ہاگردیدہ ام، مہر جہاں ورزیدہ ام  
بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ مبارکہ، لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ یعنی فاکو زبر سے پڑھا اور فرمایا، میں نسب ہمسراں اور حسب میں تم سب نفیس ترین ہوں اور میرے آباؤ اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام تک "سفاح" نہیں، بلکہ وہ سب نکاح سے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ کریم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات، فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے آباؤ اجداد نکاح سے پیدا ہوتے ہیں، سفاح جاہلیت سے نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام تک میرے آباؤ اجداد میں کوئی اس بُرائی کے قریب تک نہیں گیا۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے طیب و کلاہر ارحام کی طرف منتقل فرمایا اور جب بھی دو قبیلے بنے، مجھے بہترین اور اچھے قبیلہ میں رکھا جاتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیہ مبارکہ وَتَقَلَّبُكَ فِي السَّاجِدِينَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اصلا ب طیبہ سے

۱۔ سَفَاح جاہلیت۔ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ نادان لوگ اپنی بیویوں کو سرداران قوم کے پاس بھیجتے تاکہ وہ ان سے حاملہ ہوں اور پھر اس بے غیرتی پر فخر یہ انداز میں کہتے کہ میرا بیٹا فلاں چوہدری، یا فلاں لیڈر کا نطفہ ہے اور کبھی یوں ہوتا کہ کوئی عورت کئی مردوں سے فعل بد کرتی اور جب اولاد پیدا ہوتی تو ان مردوں میں سے کسی ایک کی طرف منسوب کر دی جاتی وہ اسی مرد کی اولاد کہلاتی اسی طرح کے کئی طریقے تھے جن کے تذکرہ کی گنج ضرورت نہیں۔



ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہا تا آنکہ حضرت سیدہ آمنہ خاتون (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ہاں آپ کی ولادت باسعادت ہو گئی۔

حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
تذکرہ آباؤ اجداد کے آبا ئے کرام میں ابوالانبیاء حضرت سیدنا ابراہیم  
علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام جو حضور نبی کریم  
روف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جدِ اطہر ہیں۔ پہلے ان دونوں بزرگوں کا ذکر مبارکہ  
کیا جائے گا، بعد ازاں حضرت عدنان سے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک  
آبا ئے کرام کا تذکرہ کروں گا۔ بارگاہِ رب العزت سے توفیق و بہت کا طالب ہوں  
وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

## حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام

علامہ ابن خلدون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب یوں درج کیا ہے؛  
حضرت ابراہیم (علیہ السلام) بن آزر، (جسے تارخ یا تارخ کہتے ہیں) بن  
ناحور، بن ساروخ (یا شاروخ یا اشروع یا شوروخ، یعنی تلفظ میں اختلاف ہے۔)  
بن ارغو، بن فالغ (یا فالسخ) بن عامر (یا غبر) بن شالخ (یا شلیخ) بن ارغشند  
بن سالم بن حضرت نوح علیہ السلام۔

اے اکثر علماء کرام ثابت فرماتے ہیں کہ آذر اور تارخ دو الگ شخصیات ہیں، ان میں آذر،  
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، جسے حجاز ابا پ کہا گیا، جبکہ آپ کے والد کا نام تارخ  
تھا اور یہ نبی پرست تھا، اس کی وفات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے پہلے ہو گئی  
تھی، اس لئے آپ کی پرورش آذر نے کی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شالخ اور ارغشندہ کے درمیان ایک پُشت اور گزری ہے جس کا نام قینن تھا۔ چونکہ یہ جادوگر تھا اور خدائی دعویٰ کرتا تھا، اس لئے توراۃ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ فالغ اور عامر کے درمیان بھی ایک نام ترک ہو گیا ہے جو کہ ملک صیدق کے نام سے مشہور تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت، نمرود بن کنعان بن کوش بن حام بن حضرت نوح علیہ السلام کے عہد سلطنت میں ہوئی۔ ابن خلدون میں ہے کہ اولادِ حام بن نوح میں سب سے پہلے جس نے حکومت و سلطنت کی بنیاد ڈالی وہ کنعان بن کوش بن حام بن نوح تھا، اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا نمرود تختِ حکومت پر بیٹھا۔ اس کی سلطنت بڑی وسیع تھی اور اس نے اکثر معموراتِ عالم پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کی عمر بھی کافی لمبی ہوئی۔ بنی حام میں یہ پہلا شخص ہے جس نے ستارہ پرستی اور بت پرستی اختیار کی، اسی کی دیکھا دیکھی حام بن نوح کے بھائی سام بن نوح کی اولاد بھی بت پرستی کی طرف مائل ہو گئی۔ تورات کے مطابق تاریخ کے تین بیٹے تھے، یعنی ابراہیم، ناحور، ناران، موقوفہ ذکر ہاران اپنے باپ کی زندگی میں ایک بیٹا لوط چھوڑ کر مر گیا۔ اس روایت کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ عامۃ السلف کے نزدیک جب نمرود نے خدائی دعویٰ کر رکھا تھا اور لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتا تھا۔ اسی دوران اس کے درباری کاہنوں نے بتایا کہ عنقریب ایک ایسا شخص پیدا ہوگا، جو دینِ شاہی کا مخالف ہوگا اور بتوں کو توڑ ڈالے گا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک کاہنوں نے نمرود کے ایک خواب کی یہ تعبیر بتائی تھی یہ سن کر نمرود نے تمام لڑکوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ چنانچہ بہت سے بچے ذبح کر دیئے گئے اور لاتعداد عورتوں کے حمل ضائع کر دیئے گئے، مگر اللہ رب العزت جل شانہ ہر چیز پر قادر

ہے۔ اس کی گرفت سے فرار ناممکن ہے۔

جب بچوں کا قتل عام جاری تھا، اسی دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے شکم النور میں تشریف لے گئے اور مدتِ معینہ کے بعد آپ کی والدہ نے شہر سے دور ایک غار میں آپ کو جنم دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آزر کو بھی آپ کی ولادت کا علم تھا لیکن اس نے نمرود کے خوف سے اس واقعہ کو چھپایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ آپ کو دیکھنے کے لئے اکثر غار میں جاتیں اور رودھ پلا کر واپس آ جاتیں۔ آپ ایک دن میں اس قدر بڑھتے تھے جس قدر عام بچے ایک ماہ میں بڑھتے ہیں، چنانچہ بہت ہی تھوڑے عرصہ میں جوانی کے قریب پہنچ گئے۔ اسی غار میں ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی والدہ ماجدہ سے پوچھا کہ تمہارا رب یعنی پالنے والا کون ہے؟ والدہ نے جواب دیا کہ تمہارا باپ، پھر آپ نے پوچھا، اُسے کون پالتا ہے؟ والدہ نے کہا نمرود! آپ نے فرمایا، تو اچھا نمرود کا رب کون ہے؟ یہ سن کر والدہ خاموش ہو گئی اور سمجھ گئی کہ یہ ہی وہ مولود مسعود ہے جو نمرود کی خدائی کے پرچھے اڑائے گا۔ اس گفتگو کا ذکر کسی سے بھی نہ کیا تا آنکہ ایک رات آزر آپ کو غار سے بستی کی طرف لے کر روانہ ہوا تو آپ نے جانبِ مغرب ایک نہایت روشن ستارہ کو دیکھا اور فرمایا: هَذَا رَبِّي دِئُونِی یہ میرا رب ہے، لیکن بستی تک پہنچتے پہنچتے جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا، تو آپ نے فوراً کہا: لَا أُحِبُّ الْاَفْلَیْنِ۔ (یعنی میں چھپ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا) پھر جب چاند نکلا، تو فرمایا: هَذَا رَبِّي (یہ ہے میرا رب) لیکن سورج کی آمد سے قبل جب اس کی روشنی بھی جاتی رہی تو فرمانے لگے: اَکْبَرُ (یہ ہے میرا رب) کہ یہ بڑا ہے، لیکن جب شام کو وہ بھی غروب ہو گیا

تو فرمایا: ”اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو، بے شک میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اُس رب ذوالجلال کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا اور میں ”مشرکین“ میں سے نہیں ہوں“ (سورۃ الانعام مفہوم آیات: ۷۹، ۸۰)

چونکہ آپ کی قوم پتھروں کے بنائے بتوں اور نمروہ کے علاوہ پانچ سو رچ اور ستاروں کی بھی پوجا کرتی تھی، اس لئے آپ نے بڑے اعلیٰ انداز میں لائل قاہرہ کے ساتھ ان معبودانِ باطلہ پر چوٹ کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس گمراہ قوم کے دیگر جھوٹے خداؤں، یعنی بتوں اور نمروہ کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور کیسا حکیمانہ انداز اختیار فرمایا؟ وہ آپ آگے پڑھیں گے۔ اس جگہ یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ بعض کم فہم لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج، چاند، ستاروں کو رب کہہ کر (معاذ اللہ تعالیٰ) شرک کیا ہے۔ حالانکہ یہ اُن کی کم فہمی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اناطیب کی طرح قوم کے بیمار ذہنوں کا اس قدر پُراثر، دل نشین، سادہ، مگر ناقابلِ تردید انداز میں علاج فرمایا کہ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ یعنی خود ہی سوال پیدا فرمایا اور خود ہی مسکت جواب دیا۔ رب ذوالجلال ارشاد فرمایا: ”وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ لِّمَن نَّشَاءُ إِنَّ مَرْبِّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ“ (الانعام: ۸۳)

ترجمہ: ”یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا فرمائی، اور جسے ہم چاہتے ہیں، اُس کے درجات بلند فرما دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب حکمت والا ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔“ (سبحان اللہ تعالیٰ)

معلوم ہوا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہی اُن کو سکھایا تھا، ورنہ ایک چھوٹی سی عمر کا بچہ اس قدر فہم و شعور کا مالک نہیں ہوتا۔



الغرض حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اب غار کی بجائے اپنے گھر تشریف رکھتے تھے۔ آزر جو کہ بُت تراش تھا، بُت بنا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیتا تاکہ آپ بازار میں فروخت کر آئیں یہ آپ ان بتوں کو بازار لے جاتے اور اعلان فرماتے:

مَنْ يَشْتَرِي مَا لَا يَضُرُّهُ وَلَا يَنْفَعُهُ ( )

”کون (بیوقوف) ان کو خریدے گا؟ جو نہ نقصان دے سکتے ہیں نہ نفع“

لوگ آپ کی باتوں پر تعجب کرتے اور بُت نہ خریدتے، شام کو آپ ان بتوں کی گردنوں میں رستی باندھ کر گھسٹتے ہوئے گھر کو چل دیتے۔ راستہ میں اگر پانی (کوئی نہریا تالاب) ملتا، تو بتوں کو گردنوں سے پکڑ پکڑ کر پانی میں غوطہ دیتے اور فرماتے:

إِشْرِبْ إِشْرِبْ (پی لے، پی لے) کچھ عرصہ تک تو لوگ آپ کی ان باتوں کو آپ کے انداز بھولپن اور کھیل پر محمول کرتے رہے، لیکن جب آپ علانیہ طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور دین حنیف کی دعوت دینے لگے، تب اُن لوگوں کے کان کھڑے ہوئے اور اس معاملہ میں سوچ بچار کرنے لگے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آزر کے درمیان جو گفتگو ہوئی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے پارہ سترہ سورۃ انبیاء کی آیات ۱۷ تا ۱۹ میں اس کا مفصل ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر اور قوم کے دیگر افراد کو فرمایا کہ کیا یہ مورتیاں سی ہیں جن کو تم خدا بناتے بیٹھے ہو؟ ان کے خدا ہونے کی کیا دلیل ہے؟ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی مسکت جواب نہ دے سکے اور بوکھلا کر لو لے، بس ہم نے باپ دادا کو انہیں پوجتے ہوئے پایا، اُن کی دیکھا دیکھی ہم بھی اُن کو پوجنے لگے۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا: بے شک تم بھی اور تمہارے

لے اللہ! ان کفار کی آنکھوں پر پڑے جہالت کے دبیز پردوں نے اُن کو کس قدر اندھا کر دیا تھا کہ اپنے ہاتھوں سے جیسا چاہتے ہیں بُت گھڑتے، پھر اُسے اپنا رب بنا لیتے پھر اسی رب کو چند ٹکوں کے عوض بازار میں فروخت کر دیتے۔ یا للعجب!

باپ دادا بھی کھلم کھلا گمراہی میں تھے۔ وہ قوم آپ کے اس دلیرانہ جواب کی تاب نہ لاسکی اور گھبرا کر پوچھا: اے ابراہیم! تم ویسے ہی ہمارا مذاق اڑا رہے ہو یا پھر تمہارے پاس کوئی اعلیٰ شے ہے؟ آپ نے فرمایا: میں تمہارا مذاق نہیں اڑا رہا، حقیقت یہ ہے کہ یہ بت رب نہیں، بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے جس نے ان کو پیدا فرمایا ہے اور میں تمہارے سامنے اسی بات کی گواہی دیتا ہوں۔ آپ کی اس تقریر سے بظاہر تو وہ لوگ خاموش ہو گئے مگر درپردہ اس فکر میں تھے کہ کسی طرح ابراہیم کے دل میں بتوں کی عظمت پیدا ہو جائے تاکہ اس کے خیالات بدل جائیں۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے طور پر پروگرام بنا رہے تھے کہ ان عقل کے اندھون پر بتوں کی بے کسی و لاجاری کا اظہار اس انداز سے کریں کہ وہ خود ان کی بیچارگی بے کسی کا اقرار کر لیں۔ یہ قوم سال میں ایک دن عید کا مناتی تھی، اس دن بڑے صنم کدہ کے تمام بتوں کو غسل دیا جاتا اور بتوں کو پُر تکلف لباس پہنا کر ان کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے چُنے جاتے، پھر بن ستور کر سب لوگ شہر سے دُور ایک خاص جگہ جا کر عیاشی کرتے، شراب نوشی ہوتی، ناچ گانے ہوتے، پھر واپس جا کر صنم کدہ میں بتوں کے سامنے رکھے گئے کھانوں کو بطور تبرک کھاتے۔ چنانچہ ان لوگوں کا جب یہ دن آیا تو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے: تم ہمارے بتوں کو حقیر سمجھتے تھے، آؤ آج ہم تم کو اپنے بتوں کی شان و شوکت دکھائیں اور پھر تم بھی ہمارے ساتھ شہر سے باہر جا کر عیش و عشرت کا لطف اٹھاؤ۔ ان کی گفتگو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سخت ناگوار گزری۔ بتوں اور فحاشی سے قوم کی والہانہ محبت آپ کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ آپ نے ان کو حقیقت پر مبنی جواب دیا کہ (تمہارے اس بُرے عقیدہ کی وجہ سے) میری طبیعت سخت بے چین ہے، اپنے آپ ہی بولے، اللہ تعالیٰ کی قسم! اُلتے میں تمہارے بتوں کا علاج کر کے رہی ہوں گا۔

آپ کی اس گفتگو کو ایک دو آدمیوں نے سُن بھی لیا، مگر نظر انداز کر دیا۔  
 ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بت خانہ میں گئے، تو وہاں  
 بڑی زینت و آرائش نظر آتی۔ ایک بڑا بُت مرتع تخت پر رکھا ہوا تھا، اس کے چاروں  
 طرف چھوٹے چھوٹے بُت مناسب طریقہ سے سجائے ہوئے تھے اور سب کے سامنے  
 عمدہ عمدہ کھانے سلیقے سے چُنے ہوئے تھے، پہلے تو آپ نے بُتوں سے مندرمایا:  
 اَلَا تَاْكُلُوْنَ ه (الصافات: ۹۱) ”تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟“

جب کوئی جواب نہ ملا، تو اُنہیں ڈانٹ کر فرمایا:  
 مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ه (الصافات: ۹۲) ”تم کو کیا ہو گیا ہے تم بولتے کیوں نہیں ہو؟“  
 بھلا بُت کیا جواب دیتے؟ پھر آپ نے خود ہی فرمایا: اچھا تو اب میں تمہارا استیانتاں  
 کرنے لگا ہوں۔ اگر بچ سکتے ہو تو بچ جاؤ۔ یہ فرماتے ہی آپ نے تیشہ اٹھایا اور پوری  
 قوت سے بُتوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ بڑے بُت کے سوا چھوٹے چھوٹے بُتوں کو کمرچی  
 کمرچی کرنے کے بعد تیشہ بڑے بُت کے کندھے کے اوپر رکھ دیا اور چلے آئے۔ جب لوگ  
 عید گاہ سے واپس آئے، تو برباد شدہ بُت خانہ اور تباہ حال بتوں کو دیکھ کر اُن کی  
 چیخیں نکل گئیں، وہ کہہ رہے تھے: ہائے ہمارے خُداؤں کے ساتھ یہ ظلم کون کر گیا؟  
 ان میں سے ہی کسی نے گواہی دی کہ ابراہیم نامی نوجوان کہہ ہا تھا کہ میں ان کا علاج  
 کروں گا، ہو سکتا ہے یہ کام اُسی کا ہو، چنانچہ نمرود کے پاس آپ کی شکایت کی گئی،  
 تو نمرود نے آپ کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ دربارِ نمرود میں حاضری کا طریقہ تھا کہ جو  
 بھی جانا، نمرود کو سجدہ کرتا۔ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پیش کیا گیا، تو آپ نے سجدہ  
 نہ کیا، تو نمرود کو اپنی اس توہین پر سخت غصہ آیا اور بولا تو نے مجھے سجدہ کیوں نہ کیا؟  
 آپ نے فرمایا: میں صرف اپنے رب تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہوں۔ نمرود جھلا کر بولا: ”رب  
 تو میں ہیں۔“ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ:

مَا بَقِيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ۔ (البقرة: ۲۵۸) ”میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے“  
نمرود بولا: یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں، یہ کہہ کر دو واجب القتل مردوں کو بلایا، ان میں سے  
ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ پھر بولا دیکھا، میں نے ایک کو مار دیا او  
دوسرے کو زندہ رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی جہالت کو دیکھ کر دوسری  
دلیل دی اور فرمایا: فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ  
الْمَغْرِبِ۔ (البقرة: ۲۵۸) ”یعنی میرا پروردگار تو سورج کو مشرق سے طلوع فرماتا  
ہے، تو اسے مغرب سے طلوع کر کے دیکھا۔“ اس بھرپور وار سے کافر کی ہوش کے طوطے  
اڑ گئے اور وہ مہیوت لاجواب ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بات کو ٹالنے کے انداز میں بولا:  
عَآنْتَ فَعَلْتَ هَذَا يَا إِبْرَاهِيمُ (الانبیاء: ۶۲)  
”اے ابراہیم! (علیہ السلام) ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک تم نے کیا ہے؟“  
آپ نے انکار یا اقرار کرنے کی بجائے اُس کا مذاق اڑاتے ہوئے فرمایا، بلکہ یہ کام تو  
اُن کے بڑے نے کیا ہوا ہوگا؟ اُن (بتوں) سے ہی پوچھ لو، اگر وہ بولتے ہیں۔؟  
خدا فی کا دعویٰ کرنے والے اس مغرور شخص کو بھرے دربار میں شاید آج پہلی مرتبہ اس  
قدر ذلت و رسوائی اٹھانا پڑی تھی کہ بات بات پر لاجواب ہو رہا تھا، جبکہ دشمنوں میں  
گھرے حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت استقامت اور بہادری سے گفتگو فرما رہے تھے  
آپ علیہ السلام کے جواب لاجواب سے پورے دربار میں سناٹا طاری تھا، بالآخر اپنی  
ندامت کو چھپاتے ہوئے نمرود یا درباری بولے: لَقَدْ عَلِمْت مَا هُمْ بِلَآئِهِ  
يَنْطِقُونَ (الانبیاء: ۳۵) ”اے ابراہیم! بیشک تم بھی جانتے ہو کہ یہ بت بولتے ہی نہیں“  
حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ ہی تو ان سے زبانی اقرار کروانا چاہتے تھے کہ بت بے بس  
اور مجبور ہیں کہ یہ تو بول تک بھی نہیں سکتے۔ جب قوم نے اپنی زبان سے اس کا اقرار کر لیا  
تو آپ نے گرجا آواز میں فرمایا:



اَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ اَفِ  
 لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ اَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (الانبیاء: ۶۷)  
 ترجمہ ”تو کیا پھر تم اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اُن کو پوجتے ہو، جو تم کو نفع پہنچا سکیں نہ  
 نقصان، تف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟“  
 جب اس علمی مناظرہ میں نمرود اور اُس کے ماننے والے بُری طرح شکست کھا چکے، تو  
 بولے: حَرِّقُوْهُ وَاَنْصُرُوْا الْاِلٰهَتُكُمۡ اِنْ كُنْتُمْ فَعٰلِیْنَ ۝ (الانبیاء: ۶۸)  
 یعنی اس (ابراہیم علیہ السلام) کو جلا دو اور کروامداد اپنے خداؤں (بتوں) کی،  
 اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔“

چنانچہ نمرود نے لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دے دیا۔ اغلب ترین قیاس یہ ہے کہ  
 نمرود کی سلطنت میں شاید کوئی بھی ایسا فرد، بشر نہیں تھا کہ جس نے لکڑیاں جمع  
 کرنے میں جھٹ نہ لیا ہو۔ اس وجہ سے نہایت ہی قلیل مدت میں بے انتہا لکڑیاں جمع ہو گئیں  
 پھر ان میں آگ مشتعل کر دی گئی۔ جب آگ بھڑک اٹھی اور اس کے شعلے آسمان سے  
 باتیں کرنے لگے اور خوب تیز ہو گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں کھکھ پوری قوت  
 سے آگ کی طرف اچھال دیا گیا۔ اس وقت ایک عجیب کیفیت تھی سوائے حق و انس کے  
 پوری مخلوق حیرت زدہ، انگشت بندھاں تھی اور بارگاہِ رب العزت میں زبان حال  
 سے عرض گزار تھی کہ یا الہی! ان میں صرف یہ ہی ایک بندہ تھا جو تیرا نام لیوا تھا،  
 آج اُسے بھی جلایا جا رہا ہے۔

”معارج النبوة“ میں ملاتا کہ، خصوصاً جبریل علیہ السلام نے اجازتِ مدد چاہی، تو  
 جنابِ ربی تعالیٰ سے حکم ہوا: ”اگر وہ تمہاری مدد کا خواہشمند ہے، تو ضرور کرو۔“ حکم  
 پاتے ہی حضرت جبریل امین علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔  
 زور آں حالیکہ آپ آگ کی طرف تیزی کے ساتھ جا رہے تھے، اور عرض کیا کہ اے

ابراہیم (علیہ السلام) اگر آپ اجازت دیں، تو آپ کو اپنے بازوؤں میں لے لیتا ہوں اور یہ آگ اٹھا کر اس نابکار قوم پر پھینک دیتا ہوں۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس کام کا حکم دیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ نہیں، تو آپ نے فرمایا: ”پھر مجھے تیری حاجت نہیں۔“ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا کہ پھر بارگاہِ اقدس میں دعا ہی کر لیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ”میرا خدا میرے حال سے واقف ہے۔ میں اسے کچھ عرض نہیں کروں گا، جس طرح وہ راضی ہے، میں بھی اسی طرح راضی ہوں۔“ اسی دوران آپ آگ کے دائرہ اثر میں جا پہنچے، ابھی آپ کے جسم نازنین پر آگ کی ذرا سی پیش بھی پہنچنے نہ پائی تھی کہ یکایک بارگاہِ ذوالجلال سے اعلان ہوا: **يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَيَّ (ابو ہیم (الانبیاء: ۶۹))** ”اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے۔“ اللہ اکبر! یہ بھڑکتی ہوئی آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے گلزار بنادی گئی۔ لوگوں کو اس کے غیض و غضب سے بھرے لپٹے ہوئے شعلے نظر آرہے تھے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان ہی کے درمیان ایک خوبصورت باغ میں تختِ عزت پر جلو فرما تھے۔ چند روز بعد ایک دن اپنے محل کی چھت پر نمود ٹہل ہاتھا کہ اچانک اس کی نظر آتش کدہ پر پڑی۔ وہ ابراہیم علیہ السلام کو عین آگ کے درمیان اس قدر شان و شوکت سے بیٹھا دیکھ کر نہایت متعجب ہوا اور پوری قوت سے چلا کر بولا: ”اے ابراہیم! تیرا خدا بہت ہی بڑا ہے، اُس نے تجھے آگ سے بچالیا۔ کیا اب اس آگ کے ڈھیر سے صحیح و سلامت باہر آسکتا ہے؟“ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: ”ہاں! یہ کہہ کر آپ اُٹھتے، اور نہایت اطمینان سے خراماں خراماں چلتے ہوئے آگ سے باہر تشریف لے آتے۔ اس واقعہ سے نمود بہت متاثر ہوا، اور کہنے لگا، اے ابراہیم! میں تیرے رب کے نام پر قربانی کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

فرمایا کہ جب تک تو اُس ذاتِ واحد پر ایمان نہ لائے گا، تیری قربانی قبول نہ ہوگی۔  
 نمرود نے از خود یا وزیر ہامان کے درغلانے پر جواب دیا،  
 ”یہ میری شان کے خلاف ہے کہ رب کی بجائے بندہ بنوں“ لیکن قربانی ضرور دوں گا  
 قبول ہو یا نہ ہو۔ پھر اُس نے چار ہزار گائیوں کی قربانی دی اور آئندہ ابراہیم علیہ السلام  
 کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی۔

**ہجرت** اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم  
 ملا ہوا، چنانچہ آپ حران تشریف لے آئے۔ ابنِ خلدون کے  
 مطابق آپ کے باپ تارح، ناحور بن تارح، اس کی بیوی ملکا بنت ہاران حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا  
 نے بھی ہجرت کی۔ (و اللہ تعالیٰ اعلم) حرائی میں قیام کے دوران تارح (یا آزر) کا  
 دوسو پچاس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

**ابراہیم علیہ السلام کی کنعان میں آمد** پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بحکم  
 خداوندی کنعان کی طرف ہجرت کی اور اسی سرزمین پر آپ کی نسلی ترقی کی ابتدا رہتی۔ پچھتر برس کی عمر میں آپ نے وہاں آکر  
 قیام کیا، جہاں اب بیت المقدس ہے۔

**مصر میں آمد** پھر جب کنعان میں قحط پڑا، تو آپ اپنے اہل بیت کے ساتھ  
 مصر میں تشریف لائے۔ فرعون مصر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام  
 کو بعد آپ کی زوجہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اپنے دربار میں طلب کیا، اور  
 جبراً حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی خلوت گاہ خاص میں لے گیا۔ فرعون مصر نے  
 جو نہی بُرائی کی نیت سے اپنا ہاتھ حضرت سارہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی طرف بڑھایا، تو  
 اُس کا ہاتھ خشک ہو گیا اور اُس پر مرگی کا دورہ طاری ہو گیا، وہ کٹی شاخ کی طرح نیچے

گر کر تڑپنے لگا۔ پھر حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دُعا سے اصلی حالت پر لوٹ آیا۔ بعض مؤرخین کے مطابق تین بار اس نے بُرائی کا قصد کیا اور ہر دفعہ اسی کیفیت سے دو چار ہونا پڑا اور سیدہ سارہ علیہا السلام سے معافی مانگ کر اُن کی دُعا سے شفا پا رہوتا رہا۔ آخری مرتبہ سچے دل سے اس نے اپنی بے جا دلیری اور گستاخی کی معافی مانگی اور اپنی لختِ جگر حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ (علیہا السلام) کی خدمت میں دے کر ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیج دیا۔

(علیہا السلام) شاید یہاں اس مقام پر کسی قاری کے ذہن **شہزادی ہاجرہ خاتون** میں یہ بات پیدا ہو کہ عام مشہور تو یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام لونڈی تھیں، جبکہ یہاں اُن کو بادشاہ کی بیٹی (شہزادی) تحریر کیا گیا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے اس قضیہ کا فیصلہ کر لیا جائے۔ محترم قارئین کرام! متعصب یہودیوں نے ہمارے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیصِ شان کے لئے ہر وہ حربہ استعمال کیا، جو وہ کر سکتے تھے، صرف یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مسلمانوں کے نبی ایک لونڈی کی نسل سے ہیں۔ انہوں نے ایسا پروپیگنڈہ کیا کہ کئی نامور مسلم مؤرخین و سیرت نگار بزرگوں نے بھی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لونڈی تحریر فرما دیا۔ اُن بزرگوں کی نظر اس ناقابلِ تردید حقیقت پر تھی کہ اسلام میں کسی شرف کے لئے رنگ و نسل کی محتاجی نہیں، یہاں تو سیدنا فاروقِ اعظم حبیبِ صاحبِ سطوت جرنیل کہ جس کی ہیبت سے قیصر و کسریٰ لرزہ بر اندام ہو جاتے تھے۔ فرمانِ نبوی کے مطابق شیطان جس کا راہ چھوڑ کر بھاگ جاتا تھا، وہ عظیم المرتبت انسان بازارِ مکہ میں بچنے والے ایک حبشی غلام حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یا سیدی یا سیدی یعنی اے میرے آقا۔ اے میرے آقا کہہ کر پکار رہا ہے۔ پارسی النسل ایک عجمی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ ایک یہودی کی غلامی میں تھے ان کو میرا آقا



رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل بیت میں شامل فرمالتے ہیں (نہے مقدمہ)  
تاریخ اسلام میں آپ کو کئی ایسے واقعات ملیں گے، اسی بنا پر ان بزرگ ہستیوں  
نے حضرت ہاجرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے لئے لفظ جاریہ یا ائمہ وغیرہ سے مراد لونڈی  
لیا، حالانکہ یہ الفاظ لغت عرب میں خادمہ اور بیٹی کے لئے بھی مستعمل ہیں۔ خود  
یہودیوں کے نامور مفسر توراۃ ربی شلومو اسحق نے توراۃ کی کتاب پیدائش کے سورتوں میں  
باب کی تفسیر کرتے ہوئے جو لکھا، اُس کا ترجمہ یہ ہے:

”وہ (یعنی ہاجرہ) فرعون کی بیٹی تھی، جب اُس نے حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
کی کرامات کو دیکھا، تو متاثر ہو کر، کہا: میری بیٹی (ہاجرہ) کا اس (سارہ) کے  
گھر میں خادمہ بن کر رہنا کسی دوسرے کے گھر میں ملکہ بن کر رہنے سے بہتر ہے۔“  
معلوم ہوا کہ حقیقت پسند یہودی بھی اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ سیدہ ہاجرہ خاتون  
علیہا السلام، لونڈی نہیں، بلکہ شہزادی تھیں۔ علاوہ ازیں اس زمانے کے حالات  
پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں غلام اور لونڈی دو طرح کے ہوتے تھے  
نمبر ایک زر خرید ان کو مقنت کسف یا مقنت کسف کہا جاتا۔ دوسرے  
یہ کہ مال غنیمت میں ہاتھ آتے، ان کو شیبوٹِ خوب کہا جاتا اور ان کی اولاد جو کہ  
غلام اور لونڈی زادے ہوتے، ان کو یلیدتِ بایت کہا جاتا تھا۔ پوری بائبل مقدس  
عہد نامہ قدیم و جدید میں باوجود شدید ترین تحریف کے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوا کہ حضرت  
سیدہ ہاجرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا، مذکورہ بالا اقسام میں سے کسی ایک میں بھی داخل تھیں،  
تو پھر ان کو لونڈی خیال کرنا یقیناً زبردست زیادتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ توراۃ  
میں حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو لونڈی کہا ہے، تو اس کا جواب  
یہ ہے کہ کسی کے محض کہہ دینے سے نہ تو کوئی غلام بنتا ہے اور نہ ہی لونڈی، ورنہ یہود و  
نصاری، تمام بنی اسرائیل والے بتائیں کہ توراۃ کی کتاب پیدائش کے باب ۲۲

سے ثابت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے تنہیال سے واپس آکر جب اپنے بھائی عیسو کے لئے کچھ تحفے بھیجے تھے، تو اپنے ملازمین کو سکھا دیا تھا کہ عیسو سے ان الفاظ میں گفتگو کریں: ”تیرے غلام یعقوب نے تیرے لئے یہ تحفے بھیجے ہیں، تیرا غلام یعقوب خود بھی ہمارے پیچھے آرہا ہے۔“ غور کیجئے کہ ان الفاظ کے بعد بھی کوئی یہودی یا عیسائی حضرت یعقوب علیہ السلام کو غلام قرار دیتا ہے؟ اسی طرح چونکہ یعقوب علیہ السلام کو ہی اسرائیل کہتے ہیں اور ان ہی کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل سے ہوئے، تو کیا معاذ اللہ ان سب کو غلام زادہ کہہ دیا جائے گا؟ مزید برآں توراۃ کتاب پیدائش باب ۳۳ سے ثابت ہے کہ بقول توراۃ یعقوب علیہ السلام کی بیویاں راحل اور لیاہ یہ دونوں لونڈیاں تھیں اور یہ خود اپنے زر خرید ہونے کا اقرار کرتی ہیں، ان ہی کی نسل سے حضرت یوسف و موسیٰ داؤد، سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام پیدا ہوئے۔ تو کیا کوئی بد بخت ان کی شان میں گستاخی کر سکتا ہے؟

اہل کتاب یہ بھی غور کریں کہ انہوں نے مصر کی شہزادی کو تو صرف اس لئے لونڈی بنا دیا کہ اُس کے باپ نے اُسے خاندان نبوت کی خدمت کے لئے چھوڑ دیا تھا، لیکن وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بابت کیا کہیں گے جن کو مہربانیوں نے فوطیفار کے ہاتھ بیچا تھا۔؟ توراۃ کی کتاب پیدائش کے باب ۳۷ سے آخر کتاب تک حضرت یوسف علیہ السلام کا قیمہ درج ہے جس میں آپ کا (عزیز مصر) بقول توراۃ جلو داروں کے سردار فوطیفار مصری کے ہاتھ فروخت کیا جانا اور غلام بنایا جانا پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے، تو کیا خدا نخواستہ کوئی عقلمند حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام اور آپ کی اولاد کو غلام زادہ کہے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ سب باتیں ثابت

دو نے کے باوجود بھی آپ غلام نہیں اور یقیناً نہیں، تو محض حضرت سارہ علیہا السلام  
لے کہہ دینے سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لونڈی کیوں سمجھ لیا گیا؟ جبکہ ایک خاوند  
دو بیویاں ہوں، تو ایک دوسری کو بہت کچھ کہہ لیا کرتی ہیں اور وہ سب کچھ مبینی  
حقیقت نہیں ہوا کرتا۔

”جو لوگ عربی روایات پڑھتے ہیں، اُن کو یہ بات خوب ہنشین کر لینی چاہیے  
عربی میں ولید، جاریہ اور اُمّہ کے الفاظ دختر کے لئے بھی مستعمل ہیں اور  
یونانی کے لئے بھی اس کی اصلیت یہ ہے کہ اسلام مشرف انسانیت کا لحاظ رکھتے  
ہوئے لونڈیوں کو بھی ان ہی الفاظ سے مخاطب فرماتا ہے جو لغت میں لڑکیوں اور  
دختروں کے لیے موجود ہیں، اس لئے اگر کسی ایسے لفظ کو سیدہ ہاجرہ خاتون کے لئے  
مستعمل دیکھیں، تو یہ خیال نہ کریں کہ اس سے تو حضرت ہاجرہ خاتون سلام اللہ تعالیٰ علیہا  
اللونڈی ہونا ثابت ہوتا ہے، بلکہ اس جگہ صحیح بخاری شریف میں مذکور حضور نبی کریم  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے ادا فرمودہ الفاظ مبارک :-  
فَاُخِذَ مِمَّا دِيعْنِي حَضْرَتُ هَاجِرَةَ كَو حَضْرَتِ سَارَةَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی خدمت  
میں دے دیا) ذہن میں رکھیں۔ تو ظاہر ہے کہ کسی کی خدمت کرنے سے کوئی کسی کا  
غلام نہیں بن جاتا، اس کی مثالیں بیشمار آج بھی موجود ہیں۔ یعنی آپ کو خادم تو کئی  
مل جائیں گے، مگر حقیقی معنوں میں غلام کوئی بھی نہیں۔

ہمارے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دادا محترم حضرت عبدالمطلب کا نام  
عام لقب شیبہ یا شیبۃ الحمد ہے۔ چونکہ والد حضرت ہاشم کی وفات کے بعد  
چچا مطلب نے بڑے ناز و نعم کے ساتھ ان کی پرورش کی تھی، اس لئے بطور  
شکر و احسان یہ پوری زندگی خود کو عبدالمطلب، یعنی مطلب کا غلام کہلاتے رہے۔  
حالانکہ آپ بھتیجے تھے نہ کہ غلام، توراۃ، حاشیہ تاریخ ابن خلدون اور کتاب

”رحمۃ للعالمین“ کے حوالہ سے اس ناچیز کی یہ مختصر سی بحث اُن حضرات کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے جو محض تنقیصِ شانِ نبوت کی خاطر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو لونڈی ثابت کرتے ہیں۔ (باللہ التوفیق واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم)

امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ فرعون جس نے حضرت سار (سلام اللہ علیہا) کا قصد کیا تھا، اُس کا نام سنان بن علوان تھا جو کہ شاہانِ قبط میں سے تھا۔ بعض مورخین نے اس کا نام ”رقیوں“ بھی تحریر کیا ہے۔ یہ دراصل بابل کا باشندہ تھا، جو مہاجر ہو کر مصر آیا اور اپنی دانشمندی سے مصر کا بادشاہ (یعنی فرعون مصر) بن گیا۔ (تاریخ طبری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام  
متعلقین کے ساتھ واپس کنعان (فلسطین) کی طرف مراجعت فرمائی اور مقام ہیرا کو شرفِ قیام بخشا، اس جگہ کو اب مقام خلیل کہتے ہیں۔ یہ وہی جگہ ہے جس کو ص (ستارہ پرست) ہیکلِ مشتری و زہرہ قرار دے کر متبرک سمجھتے اور عود سلگاتے تھے، جبکہ عبرانیوں نے اسی جگہ کا نام ”ایلیا“ یعنی اللہ تعالیٰ کا گھر رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مدفن بھی یہی ہے اور اسی جگہ سے آپ کی اجازت سے آپ کے بھتیجے حضرت نوح علیہ السلام سدوم کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کے  
تعمید و کعبہ، تاریخ ابن عساکر  
تاریخ ارزق، تفسیر عزیزی و نعیمی  
بعض نہایت روشن پہلو کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام  
زمین پر آنے کے بعد حکیم خداوندی خانہ کعبہ بنایا تھا، جو طوفانِ نوح کے بعد  
ایک ٹیلہ کی شکل میں باقی رہ گیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسے حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور جبریل امین علیہ السلام سے بل کرا کر از سر نو بنایا، اُس وقت اس عمارت کی بلندی نو ہاتھ تھی، رکنِ اسود سے کئی شامی تک اس کی دیوار ۳۳ ہاتھ، رکنِ غربی جسے اب رکنِ عراقی کہتے ہیں تک ۲۱ ہاتھ، رکنِ غربی سے رکنِ یمنی تک ۳۱ ہاتھ اور رکنِ یمنی سے حجرِ اسود تک ۲ ہاتھ تھا، یعنی اس کی شکل مستطیل نہ تھی۔ اس عمارت کے دو دروازے بنائے گئے تھے، زمین سے متصل تھے اور ان کے کواڑ وغیرہ نہ تھے۔ اس کے اندر ایک تغار سا بنا دیا گیا تھا تاکہ خانہ کعبہ کے لئے جو نذر یا تحائف ہوں، اس میں رکھ سکیں۔ بعد ازاں اس عمارت کو کئی مرتبہ بنایا گیا اور تبدیلیاں بھی ہوئیں، مثلاً حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے بعد بنو جرہم کعبہ مکرمہ کے متولی ہوتے، تو ایک پہاڑی نالہ کے پانی سے نقصان پہنچ جانے کی وجہ سے انہوں نے کعبہ معظمہ کو از سر نو بنایا۔ پھر جب قبیلہ عمالقہ بنو جرہم کو مغلوب کیا، تو غالباً سیلاب ہی کی وجہ سے انہوں نے کعبہ کو بنایا۔ پھر قحطی بن کلاب (حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پانچویں پشت میں جدِ اعلیٰ نے خانہ کعبہ بنایا) پھر قریش نے بنایا، جبکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پچیس برس تھی اور آپ اس تعمیر میں شریک ہوئے اور حجرِ اسود بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی نصب فرمایا تھا۔ اس وقت امیرِ عمارت ولید بن مغیرہ کو بنایا گیا تھا۔ طے یہ ہوا کہ اس میں صرف مالِ حلال ہی صرف ہوگا، چونکہ سود خوری عام تھی، اس لئے مالِ حلال کی کمی کی وجہ سے عمارت چھوٹی کر دی گئی اور خانہ کعبہ کے باقی حصہ جس کو عمارت میں شامل نہ کیا جاسکا، حطیم قرار دے دیا (جس میں اب کعبہ کا پیرا لاگرتا ہے) خانہ کعبہ کا دروازہ بھی ایک کر دیا اور اسے زمین سے خوب اونچا کر دیا، جبکہ عمارت بھی ۹ کی بجائے ۱۸ ہاتھ کر دی۔ پھر سلمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خانہ کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام والی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کر دیا یعنی حطیم کو بھی



داخل عمارت کر دیا۔ پھر ۷۴ھ میں عبدالملک بن مروان کے نائب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر کے مکہ مکرمہ پر قبضہ کیا تو خانہ کعبہ منہدم کر کے پھر تعمیر قریش کے مطابق بنا دیا۔ پھر بارون الرشید نے چاہا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ پر بنائے، مگر علماء کرام نے منع کر دیا تاکہ یہ بادشاہوں کا کھیل نہ بن جائے۔ پھر اس کی مرمت تو ہوتی رہی، مگر جب عمارت زیادہ پرانی ہو گئی، تو ۱۸۰۴ھ میں شاہ قسطنطنیہ سلطان مراد بن احمد نے پہلی عمارت منہدم کر کے پھر نئے سرے سے حجاج کی تعمیر کے مطابق بنا دیا جو تاحال موجود ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے رب کی بے مثال قربانی کی رضا کے لئے اپنا سب کچھ بچھا کر دیا۔ اپنے وطن مالوف کو چھوڑا۔ اپنا سب مال و دولت راہ مولیٰ میں لٹا دیا۔ خدائے کم یزل کی طرف سے اعلانیہ وحی کی بجائے محض خواب میں ایک اشارہ ملنے پر اپنے لاڈلے اور نہایت سعادت مند لختِ جگر کی گردن پر چھری چلا دی (تفصیلی واقعہ حالات سیدنا اسماعیل علیہ السلام میں آتے گا، حتیٰ کہ خود اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر آتشِ نمرود میں کود گئے۔ سبحان اللہ تعالیٰ! اس قدر عظیم قربانیوں کی مثال کہیں ملے گی۔

(۱) سب سے پہلے آپ نے ہی اپنا اور اپنی اولاد کا ختنہ کیا۔  
**اَوَّلِیَّات** (۲) سب سے پہلے آپ ہی کے بال سفید ہوتے۔  
 (۳) سب سے پہلے آپ نے ہی مونچھیں کٹوانے اور موتے زیر ناف و بغل کی صفائی (واج و یاد) سب سے پہلے آپ نے ہی سہا ہوا پا جامہ پہنا۔  
 (۵) سب سے پہلے آپ نے ہی سفید بالوں کو مہندی وغیرہ سے رنگ دیا۔

(۶) سب سے پہلے آپ نے ہی منبر بنایا اور اُس پر چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔  
 (۷) سب سے پہلے راہِ خدا میں باقاعدہ جہاد آپ نے ہی کیا۔ (رُومی کافر  
 حضرت لوط علیہ السلام کو گرفتار کر کے لے گئے تھے تو آپ نے جوانی حملہ کر کے حضرت لوط  
 علیہ السلام کو رہا کر لیا) (۸) سب سے پہلے آپ ہی نے اپنے مہمانوں کو شیرمال یا  
 پراسٹھے پیش کئے (۹) آپ ہی نے مصافحہ و معانقہ (گلے ملنا) کی ابتدا فرمائی،  
 اس سے پہلے سجدہ تحیت کیا جاتا تھا۔ (۱۰) آپ ہی نے سب سے پہلے ترید بنایا،  
 (شوربے میں روٹی بھگو کر کھانا) (تفسیر نعیمی، عزیزی، حاشیہ ابن خلدون)،

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پہلی شادی حضرت سارہ علیہا السلام

سے کی۔ جب طویل عرصے تک حضرت سارہ سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور مشہور روایت  
 کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اسی شہر س کی ہو گئی، تو آپ نے حضرت ہاجرہ  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا، جن کے بطن اطہر سے حضرت اسماعیل علیہ السلام  
 پیدا ہوئے جو کہ ہمارے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ اعلیٰ ہیں۔  
 توریت کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے بعد حضرت اسحاق  
 علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حینِ حیات ہی میں حضرت اسحاق  
 علیہ السلام کے ہاں عیصویا عیص اور یعقوب (جڑواں) پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام  
 کا لقب ہی اسرائیل ہے اور آپ کے بارہ بیٹوں سے ہی بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے چلے۔  
 انبیائے بنی اسرائیل سب ان ہی کی اولاد سے ہیں۔

حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے  
 قنطورا بنت کنعانہ سے عقد کیا۔ تورات کے مطابق اس کے بطن سے چھ لڑکے زمان

لہ تورات کے مطابق ۸۶ سال

یقشآن، مرآن، مدین، اشبوق اور شونخ پیدا ہوئے۔ ابن خلدون، علامہ سہلی کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چوتھی زوجہ حجبین یا حجون بنت اہیب کے پانچ بیٹے کیسان، فروخ، اسیم، طہ نمان، اور نافس پیدا ہوئے۔ علامہ طبری علیہ الرحمہ کے مطابق قنظورا سے یقشآن پیدا ہوا۔ باقی پانچ بیٹے ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ رعوہ سے پیدا ہوئے۔ ابن خلدون فرماتے ہیں بنا بریں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کل لڑکوں کی کل تعداد ۱۳ ہوئی۔ یعنی حضرت اسماعیل السلام حضرت ہاجرہ سے، حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت سارہ سے، چھ لڑکے قنظورا سے اور پانچ لڑکے بروایت سہلی حجبین یا حجون سے اور نجیال طبری رعوہ سے پیدا ہوئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم، علامہ ابن خلدون کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وفات ایک سو پچھتر برس کی عمر میں سرزمین شام میں انتقال ہوا۔ (توراة میں بھی آپ کی عمر ۵، ۱ سال درج ہے) اور حضرت سارہ کے پہلو میں مقام خلیل میں دفن ہوئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام دونوں بھائیوں نے آپ کی تدفین کی۔ (توراة)

## حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں بیٹے کے لئے دعا کی تھی مگر حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے طویل عرصہ شادی کو گزرنے کے باوجود جب کوئی اولاد نہ ہوئی تو مصر سے فلسطین واپسی کے دسویں سال حضرت سارہ علیہا السلام کی خواہش پر آپ نے حضرت ہاجرہ خاتون سلام اللہ علیہا سے نکاح فرمایا، تو رب ذوالجلال نے آپ کو بطن ہاجرہ سے نہایت ہی خوبصورت چاند سا نحت جگر عطا فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ آپ نے اس مولود کا نام اسماعیلؑ جو عبرانی زبان کا لفظ ہے، رکھا۔ ولادت کے ساتھ ہی جناب ربی تعالیٰ سے وحی نازل ہوئی کہ اس لڑکے کی بارہ اولادیں ہوں گی اور ہر ایک بڑے سلسلے کا رئیس ہوگا، پہلے پہل تو حضرت سارہ علیہا السلام بھی ولادت اسماعیل علیہ السلام پر بڑی خوش تھیں، لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلچسپی اس نو مولود میں کچھ زیادہ بڑھ گئی، تو حضرت سارہ علیہا السلام فطری غیرت کی وجہ سے برداشت نہ کر سکیں، اور اس بچہ کو جیسے معصوم بچے کو بے رحمی سے اس کی والدہ کے دُور کہیں صحرا میں چھوڑ آنے کا مطالبہ کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے نہایت حلیم لطیف اور سراپا رحم و کرم، بھلا اس مطالبے کو کیسے مان سکتے تھے؟ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم جس طرح سارہ (سلام اللہ تعالیٰ علیہا) کہتی ہیں، اسی طرح کرو۔“

رضائے الہی کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے والے ابراہیم علیہ السلام فوراً کمر بستہ ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ خاتون سلام اللہ تعالیٰ علیہا، کو حکم دیا کہ اٹھو، اس بچے کو گود میں لے لو اور میرے ساتھ چلو۔ وفار شعار بیوی کسی حیل و حجت کے بغیر کھڑی ہو گئی اور یہ تین افراد پر مشتمل قافلہ ملک شام سے صحرائے عرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ چلتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تھوڑی سی کھجوریں اور پانی کا ایک مشکیزہ بھی ساتھ لے لیا۔ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کی گود میں ننھا معصوم بچہ تھا

اے اسماعیل، سميع اللہ کا ہم معنی ہے، چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی دُعا بارگاہ رب العزت میں سُن لی گئی یعنی قبول ہو گئی تھی، اس لئے نام ہی یہ رکھ دیا۔ توراۃ میں اس کا ترجمہ یہ ہے۔

”اس لڑکے کی آواز، جہاں وہ پڑا ہے، خدا تعالیٰ نے سُن لی، پیدائش باب، درس ۲۰، ۱۸“

اے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے، اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَا وَهْلًا حَلِيْمٌ

”بے شک ابراہیم (علیہ السلام) تو بڑے ہی نرم دل اور حلیم الطبع تھے“ (التوبہ ۱۱۴)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کندھے پر کھجوریں اور پانی تھا۔ آسمان والے آج پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صبر کا امتحان لے رہے تھے۔ مختلف پہاڑوں، وادیوں اور نشیب و فراز سے گزرتا ہوا یہ قافلہ آبادی کے سینکڑوں میل دور ایک ایسے کن وادق صحرا میں پہنچا کہ جہاں دور دور تک کسی سبزے یا ذی روح کا نام و نشان تک نظر نہ آتا تھا۔ تمازت آفتاب سے تپتی ہوئی ریت تھی، یا پھر مہیب دیو کی طرح سینہ تانے کھڑے سیاہ پہاڑ تھے۔ یہاں پہنچ کر میر قافلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سواری کو روک لیا۔ خود بھی سواری سے نیچے اتر آئے اور ہاجرہ علیہا السلام کو بھی نیچے اترنے کا حکم دیا۔ فرمانبردار، وفا شعار ربوی سواری سے اتری اور اشارہ پا کر گرم ریت پر بیٹھ گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پانی کا مشکیزہ اور کھجوریں ان کے پہلو میں رکھیں، پھر حسرت بھری نگاہ سے اپنی جاں نثار ربوی اور محبوب بیٹے کو دیکھا اور آنکھوں میں آنسو لے اپنی سواری کی طرف بڑھے۔ ابھی تک حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پتہ تک نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو واپس جاتے دیکھا تو تنہائی کی وحشت سے خوفزدہ ہو کر بولیں: اے میرے سر کے تاج: مَنْ أَمَرَكَ أَنْ تَتْرُكَنَا بِأَرْضٍ لَيْسَ فِيهَا سَرَايٌ وَلَا مَاءٌ۔ (آپ کو یہ کس نے کہہ دیا کہ مجھے اور اس تو نہال کو ایسی زمین میں چھوڑ جائیں، جہاں نہ تو کوئی درخت ہے اور نہ ہی پانی) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھرائی ہوئی آواز میں نہایت مختصر جواب دیا:

أَمَرَنِي رَبِّي۔ (میرے رب تعالیٰ کا مجھے یہی حکم تھا، بہ سن کر صحبت

ابراہیمی میں تربیت پانے والی محترمہ صبر و رضا حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پکار اٹھیں: فَإِنَّهُ كُنْ يُضَيِّعُنَا (پھر وہ بے شک ہمیں ضائع نہیں کرے گا) یہ کہا اور خاموشی سے بیٹھ گئیں۔ واپس جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینہ میں جذبات کا ایک طوفان موجزن تھا، وہ ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے ہار گاہ رب العزت میں یہ



وَمَا كُنَّا بِمُنْزِلِ ذُرِّ عَذَابٍ  
عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْعِدَةً مِّنَ  
النَّاسِ يَهْوَىٰ إِلَيْهِمْ وَاسِرُّهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ  
يَشْكُرُونَ ۝ (سورة ابراهيم - آیت : ۳۷)

”یعنی اے میرے پروردگار! میں اپنی اولاد (اپنے بیٹے اور اس کی ماں) کو ایسے  
میدان میں بسائے (چھوڑ کر) جا رہا ہوں جہاں کھیتی یا سبزہ کا نام نہیں، تیرے عزت  
والے گھر کے پاس، اے میرے پالنے والے تاکہ وہ نماز قائم رکھیں، تو اب تو لوگوں کے  
دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے (تاکہ ان کی تنہائی کی وحشت جاتی رہے)، اور ان کو پھیل  
سے روزی عطا فرما تاکہ یہ تیرے شکر گزار بنیں۔“

علامہ ابن خلدون نقل فرماتے ہیں کہ  
**حضرت ہاجرہ کی پریشانی اور خوشی** حضرت ابراہیم علیہ السلام کی واپسی کے  
بعد اسی دن یا اگلی صبح تک وہ پانی ختم ہو گیا، جو آپ چھوڑ کر گئے تھے۔ سورج کی تپش اور  
صحرا کی گرم خشک ہوائ نے پیاس سے حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نڈھال کر دیا  
مگر آپ اپنے سے زیادہ اُس پھول سے لختِ جگر کی فکر تھی جس کی زبان سوکھ کر کانٹا بن  
چکی تھی۔ جب غلبہ تشنگی سے بچے کی حالت غیر ہو گئی، تو ماں کی ممتا تڑپ اٹھی، ننھے  
معصوم کو زمین پر لٹایا اور عیتاب ہاجرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا دوڑتی ہوئی سامنے کے ٹیلے پر

لے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو الہام خداوندی سے معلوم تھا کہ اس بیابان  
میں کبھی خانہ کعبہ موجود تھا جو کہ طوفانِ نوح کی وجہ سے ناپید ہو گیا۔ ۱۲

۱۳ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دعائے خلیل علیہ السلام کو زیورِ قبولیت سے کس طرح آراستہ فرمایا،  
اس منظر کا نظارہ آج بھی کیا جاسکتا ہے کہ دنیا میں جو پھل کہیں نہ ملتا ہو، وہ بازارِ مکہ میں مل جاتے  
گا اور کثرت سے ملے گا، حالانکہ آج بھی وہاں باغات نہیں ہیں، مگر پھل موجود ہیں۔

چڑھ گئیں، دراصل وہ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگ رہی تھیں۔ جب دُور دُور تک  
 سوائے اُڑتی ہوئی ریت اور سنگلاخ پہاڑوں کے کچھ بھی نظر نہ آیا، تو وہ اس ٹیلے سے  
 نیچے اتر آئیں اور بھاگ کر دوسرے ٹیلے پر چڑھ گئیں کہ شاید کہیں دُور دراز ہی پانی نظر  
 آجائے، مگر پانی کہیں ہوتا تو نظر آتا۔ آپ اس ٹیلے سے اتر کر پہلے ٹیلے پر جا چڑھیں۔  
 پیاس کی شدت سے جان بہ لب ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب ان پہاڑیوں کے درمیان  
 ٹھٹھات چکر لگا چکیں اور آٹھواں چکر ابھی شروع نہ کیا تھا کہ بچے کے رونے کی آواز آئی  
 تواسیدہ ہاجرہ علیہا السلام دوڑ کر اپنے لخت جگر کے پاس آئیں، تو خوشی اور عجب سے  
 آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔۔۔ ارے یہ کیا؟۔۔۔ جہاں روتا ہوا بچہ ایڑیاں گڑا رہا تھا،  
 وہاں پانی کا ایک چشمہ اُبل رہا تھا، بلکہ یوں کہیے کہ ادھر صفا و مروہ پر حضرت ہاجرہ  
 سلام اللہ تعالیٰ علیہا پانی تلاش فرما رہی تھیں اور ادھر پانی حضرت اسماعیل علیہ السلام  
 کے قدم چوم رہا تھا۔ سبحان اللہ تعالیٰ! (اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)

لے یہ وہی دو ٹیلے ہیں، جن کو قرآن کریم صفا و مروہ فرما رہا ہے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
 کے قدموں کی برکت ان کا رتبہ بڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو "شعائر اللہ" قرار دے دیا۔  
 لے یہ چکر ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہیں گن رہی تھیں، بلکہ پروردگار عالم گن رہا تھا۔ میرے آقا  
 رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدہ محترمہ کی یہ دوڑ رب ذوالجلال کو اس قدر پسند آئی  
 کہ قیامت تک کے لئے بیت اللہ شریف کے عابیوں کو حکم دے دیا کہ (آج اگرچہ پانی وافر  
 مقدار میں موجود ہے مگر، اُس وقت تک تمہارا حج قبول نہ ہوگا، جب تک تم حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
 کی سنت پر عمل کرتے ہوئے صفا و مروہ کے درمیان نہ دوڑو گے۔ نیز تم کو صفا و مروہ پر چڑھ کر  
 بیت اللہ شریف کی طرف اسی طرح دیکھنا ہوگا، جس طرح کل حضرت ہاجرہ اس کے قریب لیٹے  
 اپنے لخت جگر کو دیکھتی تھیں اور دوڑتے ہوئے جہاں بچے کے آنکھوں سے اوجھل ہوجانے کی وجہ  
 سے وہ تیز دوڑی تھیں، وہاں تم بھی تیز دوڑو گے۔) (سبحان اللہ تعالیٰ)

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور بیٹھ کر اس کے گرد اگروریت کی دیوار بنانے لگیں اور ساتھ ساتھ زبانِ اقدس سے سہ ماہی تھیں  
 زَمَزَمَ۔ (یعنی مٹھہر جا، مٹھہر جا) میرے آقا رسولِ عربی (فداہِ رُوحی و جسدی  
 امی و ابی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

يُوحِمُهَا اللَّهُ كَوْتَرَكْتَمَا لَكَانَتْ عَيْنًا سَائِحَةً۔ (

اللہ تعالیٰ ہاجرہ پر رحم فرمائے، اگر وہ چشمہ کو اسی حال پر چھوڑ دیتیں (یعنی زمزم  
 نہ فرمائیں، تو وہ دکنوتیں کی بجائے نہر کی طرح) جاری چشمہ ہو جاتا۔“

قبیلہ بنو جرہم (جن کا اصلی وطن یمن تھا)  
 بنی جرہم کی آمد اور مکہ کی آبادی صحرا نوردی کرتے پرتے اس بے آب  
 گیاہ میدان میں پانی کی تلاش کرتے ہوئے حیران و سرگردان پھر رہے تھے کہ ان کو پرند  
 اُڑتے نظر آئے، اس طرف آئے، تو سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چشمے کے کنارے  
 بیٹھے دیکھ کر سخت حیران اور متعجب ہوئے۔ ایک عورت کا معصوم بچے کے ساتھ اس طرح  
 بیابان میں تنہا موجود ہونا، اُن کے لئے سخت حیران کن تھا، وہ تھوڑی دیر تک تو  
 خاموش کھڑے رہے اور انہیں دیکھتے رہے۔ پھر آگے بڑھ کر سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا  
 پانی لینے کی اجازت مانگی، اپنے بخوشی اجازت دے دی، چونکہ پانی نہایت لذیذ اور خوشگوار  
 تھا، اس لئے انہوں نے اسی جگہ مستقل قیام کا ارادہ کر لیا۔ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا  
 نے اُن کو اس شرط پر قیام کی اجازت دے دی کہ وہ پانی پر قبضہ نہیں کریں گے۔ بنو جرہم

لے بخاری شریف میں ہے کہ پانی حضرت جبریل امین علیہ السلام نے ایڑی مار کر نکالا

تھا۔ (بخاری کتاب الانبیاء، )

لے درحقیقت یہ دُعائے خلیل علیہ السلام ہی کا نتیجہ تھا کہ ربِ کریم جل شانہ نے

حضرت ہاجرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی تنہائی کو دور فرما دیا۔

نے اس شرط کو قبول کر لیا۔ اس طرح شہر مکہ کی بنیاد پڑ گئی۔ ان لوگوں کی زبان عربی تھی، جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان قبطی اور پدری زبان عبرانی تھی آپ نے ان لوگوں سے عربی زبان سیکھی اور اس میں کمال حاصل کیا اور آپ کی شادی بھی قبیلہ بنو جرہم کے حکمران مضامن کی بیٹی سے ہوئی۔ (تفصیل آگے آتے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ)

**شربانی** حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھار حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اجازت سے ستیدہ ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو دیکھنے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔ جب اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہو گئے، تو ماہ ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کی شب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حکم دیا گیا کہ اٹھو اور اپنے پیارے بیٹے کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دو۔ صبح اٹھے تو آپ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا یہ حکم خداوندی ہے یا ویسے ہی خواب ہے؟ اسی لئے آٹھ ذی الحجہ کو یوم الترویہ (سوچ کا دن) کہا جاتا ہے۔ اگلی شب پھر یہی خواب آیا تو آپ پہچان گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے، اسی لئے نویں تاریخ کو عرفہ دہچانے کا دن کہتے ہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

اے قارئین کرام کو تعجب ہو گا کہ اُس بے راہ روی کے زمانہ میں ایک بھروسہ قبیلہ والے کہ جن کے ساتھ جبری اور بہادر نوجوان بھی موجود تھے، ایک تنہا عورت اور معصوم بچے سے اس قدر کیوں ڈرتے تھے۔ یہ کیوں نہ ہو کہ بنی جرہم والے اس تنہا عورت اور بچے کو گرفتار کر کے پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیتے۔ دراصل یہ اثر تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اور اُس نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو پیشانی اسماعیل ذریعہ اللہ علیہ السلام میں چمکتا تھا کہ اس ماں بیٹے کا پورے قبیلہ پر اتنا رعب و دہش تھا کہ وہ ان سے پوچھے بغیر چشمہ زمزم سے پانی نہ لے سکتے تھے۔  
 ﷺ "رحمۃ للعالمین" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جلد دوم)

ارشاد خداوندی کی تعمیل کے لئے آپ یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کو مکہ مکرمہ آ پہنچے۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ آپ ملک شام سے نہایت قلیل وقت میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتے، اسی طرح واپس ملک شام پہنچ جاتے۔

امام بیہقی، ابن اسحاق، ابن جریر، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، امام محی السنہ سے (رحمہم اللہ تعالیٰ) اور ابن عباس، ابی ہریرہ عن کعب بن جابر، عطاء بن سائب وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے منقول و مروی مختلف النوع روایات کے مفہوم کے مطابق، مکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم دیا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کو تیار کر دیں۔ پھر دونوں باپ بیٹا جوار کعبہ سے میدان منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر انسان کے ازلی دشمن شیطان لعین کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر میں آج سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت کو بہکانہ سکائے تو پھر شاید کبھی بھی بہکانہ سکوں۔ چنانچہ وہ ایک انا شخص کی شکل میں حضرت سیدہ ہاجرہ و سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا: تمہیں معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تمہارے بیٹے کو کہاں لے گئے ہیں؟ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا: شاید لکڑیاں لینے گئے ہوں۔ شیطان بولا: نہیں، خدا کی قسم، وہ تو تمہارے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لے گئے ہیں۔ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا: یہ کیسے ممکن ہے؟ ابراہیم علیہ السلام تو اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت فرماتے ہیں۔ شیطان بولا: وہ سمجھتے ہیں کہ ان کو ذبح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ جو ابا سیدہ ہاجرہ و سلام اللہ تعالیٰ علیہا نے فرمایا: حکم خدا تعالیٰ پر تو میں سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوں۔ یہاں سے شیطان ذلیل و خوار ہو کر پٹا تو سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے پاس جا پہنچا۔ آپ اپنے والد محترم کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے شیطان نے پوچھا: اے اسماعیل!



کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اباحضور کے ساتھ اس گھاٹی میں جا رہا ہوں۔ شیطان بولا: وہاں نہ جانا، اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ تمہیں ذبح کرنے لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ شیطان بولا: تمہارے والد یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو اس بات کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر یہ بات ہے تو نام خدا پر میں قربان ہونے کو تیار ہوں۔ شیطان یہاں بھی خائب و خاسر ہوا۔ تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے راستہ میں جا کھڑا ہوا تاکہ آپ کو اس کام سے روک دے۔ آپ نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ شیطان ہے اور زمین سے چند کنکریاں اٹھا کر اس کو ماریں جس طرح کتے کو دفع کیا جاتا ہے۔ اس وقت شیطان بھاگ تو گیا لیکن تھوڑی دُور جا کر پھر سامنے آ کھڑا ہوا۔ آپ علیہ السلام نے پھر اسے کنکریاں ماریں وہ پھر بھاگ گیا، لیکن تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد پھر سامنے آ گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے کی طرح پھر اسے دھتکار دیا۔ اب تو شیطان ایسا ذلیل ہوا کہ پھر اُسے آپ علیہ السلام کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تینوں مرتبہ جو کنکریاں پھینکیں تو ہر مرتبہ ان کی تعداد سات ہی تھیں۔ آج حجاج کرام ان ہی تین مخصوص جگہوں یعنی جمڑی کبریٰ، جمڑی وسطیٰ اور جمڑی اولیٰ پر سات سات کنکریاں سُنتِ ابراہیمی میں مارتے ہیں۔

الغرض دونوں باپ بیٹا متی کی قربان گاہ میں جا پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صاف صاف فرمادیا کہ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اٰمَرْتُ فِی الْمَنَامِ اَنْیْ اَذْبَحْکَ فَاَنْظُرْ مَاذَا تَقَرَّیْ۔ (الصّٰفّٰت ۱۰۲) ”اے میرے پیارے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، بتا تیری کیا رائے ہے؟“

قرآن کریم کے ارشادِ گرامی سے عیاں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے محنت جگر کو یہ نہیں فرمایا کہ ”اے میرے بیٹے! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تجھے ذبح کرو۔“

بلکہ محض ایک خواب سنایا اور یہ بھی نہ فرمایا کہ میں اپنا خواب پورا کرنا چاہتا ہوں۔“  
 بلکہ رائے پوچھی کہ بتاتیری رائے کیا ہے؟ چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جانتے تھے  
 کہ میرے والد ماجد اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، ان کے خواب بھی وحی خداوندی ہیں، اس  
 بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فوراً عرض کیا: **يَا بَتِ افْعَلْ مَا تَوَمَّرُ سَتَجِدُنِي اِنْ  
 شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ** (الصفۃ: ۱۰۲)

”اے میرے والد محترم! فوراً وہ کر گزریے، جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔“  
 اللہ تعالیٰ نے چاہا، تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔“

اللہ اکبر! اس پیغمبر تسلیم و رضائے کس قدر پاکیزہ اور عالی جذبات کا اظہار کیا۔  
 اب بیٹا اپنی جوانی، اپنا حسن و رعنائی، اپنی امیدوں اور اُمَنگوں کی دنیا قربان کرنے  
 کو تیار تھا، جبکہ بوڑھا باپ اپنے لخت جگر نور نظر بلکہ یوں کہیے کہ اپنی سولہ دعاؤں  
 کے رنگین شمر کی گردن پر چھری چلانے والا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے  
 چند وصیتیں عرض کیں، اُن میں سے ایک یہ بھی کہ اے پدر بزرگوار! میرے ہاتھ پاؤں  
 رستی سے باندھ دیجئے، مبادا تڑپنے سے میرے خون کے چھینٹے آپ پر نہ پڑ جائیں۔  
 میرا چہرہ زمین کی طرف کر دیں اور اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں تاکہ بوقت فوج میرا چہرہ  
 دیکھ کر آپ کو ترس نہ آجائے اور ثواب میں کمی نہ ہو جاتے۔ (حاشیہ ابن خلدون)  
 چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔ پھر باپ نے میٹے کی گردن پر چھری چلا دی مگر چھری نے  
 کچھ بھی نہ کاٹا۔ بعض مفسرین کرام نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے  
 دو مرتبہ چھری چلائی، مگر اُس نے کچھ نہ کاٹا، تو آپ نے تیسری مرتبہ بھر پور قوت سے  
 اللہ اکبر کہتے ہوئے چھری چلائی، وہ تو چل گئی اور گرم گرم خون سے ابراہیم علیہ السلام کا  
 ہاتھ تہا گیا۔ چند لمحوں کے لئے ایک سکتہ سا طاری ہو گیا۔ پھر جب آپ نے آنکھوں  
 سے پٹی کو دور کیا، تو حیران رہ گئے کہ اسماعیل علیہ السلام تو قریب کھڑے تھے اور

ایک ذنبہ ذبح ہو چکا تھا، معاً ارشاد خداوندی ہوا:

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا إِنَّا كَذَّاكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (الصافات: ۱۰۲)

”بے شک تو نے (اے ابراہیم علیہ السلام) اپنے خواب کو سچا کر دکھایا ہے،

اور ہم ایسے ہی جزا دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔“

کتب سیر و تفاسیر میں ہے کہ حکم خداوندی سے یہ ذنبہ حضرت جبریل علیہ السلام لے کر گئے تھے اور انہوں نے ہی چھری کے نیچے سے اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو نکال کر ذنبہ رکھ دیا تھا۔ بعض کُتب میں یہ واقعہ یوں درج ہے:

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کا رخ الٹا دیا اور ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا: بس ابراہیم، بس! تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے (یعنی تم دونوں باپ بیٹا امتحان میں کامیاب ہو گئے ہو) بے شک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، اس کے ساتھ ہی جبریل امین علیہ السلام کو ذنبہ دے کر بھیج دیا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) بیٹے کی جگہ اب اس ذنبہ کو ذبح کر دو تمہاری قربانی قبول ہو گئی۔ روا اللہ تعالیٰ اعلم!

تعمیر کعبہ کا ذکر قبل ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں بھی  
تعمیر کعبہ ہو چکا ہے۔ اس جگہ اس کو دوبارہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔  
خیال ہے کہ علامہ ابن خلدون کے نزدیک تعمیر کعبہ قربانی سے پہلے ہوتی (روا اللہ تعالیٰ اعلم) حضرت ابراہیم علیہ السلام ملکِ شام سے جبریل امین علیہ السلام کو ساتھ لے کر آئے، اور عمارتِ خانہ کعبہ کے نشانات کو ظاہر کر دیا۔ پھر دونوں باپ بیٹا یعنی حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام تعمیر کعبہ میں یوں مشغول ہو گئے کہ ابراہیم علیہ السلام تو پتھر چنتے تھے، جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام گارا اور پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ دونوں بزرگ یہ دُعا بھی کرتے تھے کہ:

مَا بَنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرہ: ۱۲۷)  
 ”اے ہمارے پروردگار! ہمارا یہ کام، تو قبول فرما، بیشک تو سمیع و علیم ہے۔  
 جب دیواریں بلند ہو گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چٹائی میں وقت محسوس  
 ہوتی، تو آپ کے حکم پر اسماعیل علیہ السلام ایک پتھر اٹھا لاتے تاکہ اس پر کھڑے  
 ہو کر تعمیر کا کام جاری رکھ سکیں۔ قدرتِ خداوندی سے یہ پتھر خود بخود تعمیر کے  
 مطابق آگے بڑھتا جاتا تھا اور ضرورت کے مطابق بلند ہوتا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ  
 نے اس پتھر کو آپ علیہ السلام کے قدموں تلے اس قدر نرم اور گداز بنا دیا کہ آپ  
 علیہ السلام کے پاؤں اس میں دھنس گئے۔ بعد ازاں آپ نے اس پتھر کو خانہ کعبہ کے  
 دروازہ میں نصب فرما دیا تھا، اسی پتھر کا نام مقامِ ابراہیم ہے اور یہ آج کل صحنِ  
 حرم میں خانہ کعبہ کے دروازہ کے سامنے نصب ہے اور اس کے گرد اگر دھنری  
 جالی سی لگا دی گئی ہے، جس کے اندر جھانک کر آج بھی آپ علیہ السلام کے  
 نشاناتِ قدم کی زیارت کی جاسکتی ہے۔

تعمیر بیت اللہ شریف کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل  
 علیہ السلام سے فرمایا کہ کوئی اچھا سا پتھر اٹھا لاؤ تاکہ میں اسے رکن (کوہ) میں  
 نصب کر دوں، اس سے لوگوں کو طواف کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ حضرت اسماعیل  
 علیہ السلام کسی اعلیٰ پتھر کی تلاش میں سامنے کے پہاڑ کوہِ ابی قیس کی طرف گئے۔  
 بعض روایتوں میں ہے کہ جبلِ ابی قیس نے خود پکار کے کہا تھا کہ وہ امانت میرے  
 پاس ہے، لے جاؤ اور یہ بھی مردی ہے کہ اس پتھر کی نشان دہی جبریل امین علیہ السلام  
 نے کی تھی۔ الغرض حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ پتھر اٹھا لاتے جسے حجرِ اسود کہا  
 جاتا ہے اور زائرین کعبہ عقیدت و احترام سے جس کے بوسے لیتے ہیں، اور حضرت ابراہیم  
 علیہ السلام نے اس پتھر کو بیت اللہ شریف کے ایک کونے میں نصب کر دیا۔

تعمیر کعبہ مکمل ہوئی، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خداوندی جبل البقیس پر  
 ٹھہرے ہو کر قیامت تک آنے والے لوگوں کو مخاطب کر کے باوازینہ فرمایا:-  
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَنَى لَكُمْ بَيْتًا وَدَعَاكُمْ إِلَى الْحَجَّةِ  
 فَأَجِيبُوهُ - (معارج النبوة وغیرہ) ”اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے  
 گھر بنا دیا ہے اور تمہیں اس کے حج و زیارت کے لئے بلایا ہے، پس تم لوگ آ جاؤ۔“  
 پھر ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام اور آپ پر ایمان لانے والوں نے بیت اللہ  
 کا حج کیا، یعنی عرفات و منیٰ گئے، قربانی کی اور طواف کیا، بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام  
 واپس ملک شام چلے گئے۔ پھر ہر سال حج کے لئے تشریف لاتے رہے۔

علامہ ابن خلدون علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ خاتون علیہا السلام  
 سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی رحلت مبارکہ کی رحلت مبارکہ سے پہلے ہو گئی۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر  
 پندرہ برس کی تھی۔ آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کو جس جگہ دفن کیا، وہ جگہ خانہ کعبہ کے  
 پر مالے میزاب رحمت اور حجر اسود کے درمیان مطاف میں شامل ہے۔

موجودہ محرف توراة پیدائش کے بارے میں  
 حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کی آیت ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ  
 حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی مصر کی کسی لڑکی کے ساتھ

لے یہ دعوت ابراہیمی کا اثر ہے کہ لوگ آج بھی کشاں کشاں بیت اللہ شریف کی طرف روانہ  
 ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ صدائے ابراہیمی کو قیامت  
 تک آنے والے ہر انسان سے سنا، خواہ وہ عالم ارواح میں تھا یا عالم اجسام میں۔ حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر جس نے جتنی مرتبہ لبیک کہا، اُس کی قسمت میں اتنے ہی حج ہیں، جو قسم  
 کا مارا خاموش رہا، وہ سعادت حج سے محروم رہا۔ (معارج النبوة، تفسیر حسین، نزہۃ المجالس)



کی تھی، لیکن تفصیل نہ مل سکی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ابن خلدون میں ہے کہ حضرت سیدہ ہاجرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی رحلت مبارکہ کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دل مکہ سے اُچاٹ ہو گیا اور انہوں نے ملک شام چلے جانے کا ارادہ کیا۔ بنو جرہم چونکہ آپ کے شرف و برکت کے معترف تھے، اس لئے انہوں نے باہم مشورہ کر کے آپ کو روکا اور آپ کی شادی خاندان عمالقہ کی لڑکی عمارہ بنت سعید بن اسامہ بن اکیل سے کر دی۔ کچھ عرصہ بعد حسب دستور حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ مکرمہ میں تشریف لائے۔ چونکہ حضرت سیدہ ہاجرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا انتقال فرما چکی تھیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے، اس لئے صرف آپ کی بیوی عمارہ بنت سعید ہی گھر پر موجود تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عمارہ سے چند باتیں دریافت فرمائیں، مثلاً تم کون ہو؟ اسماعیل (علیہ السلام) کہاں؟ ہاجرہ (علیہا السلام) کا کیا انتقال ہوا؟ وغیرہ، تو جواباً عمارہ نے ایسی ترش روئی اور ایسی بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا کہ حلیم الطبع اور اعلیٰ سیرت کے حامل حضرت ابراہیم علیہ السلام پریشان ہو گئے اور اسی وقت واپسی کا ارادہ فرمایا۔ البتہ جاتے ہوئے یہ پیغام دے گئے کہ تمہارے شوہر گھر آئیں، تو ان کو میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ تمہارے گھر کا دروازہ اچھا نہیں ہے اس کو بدل دو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے، تو برکات نبوت محسوس ہوئیں۔ دریافت فرمایا کہ آج کوئی آیا تھا؟ عمارہ نے سارا واقعہ بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس بڑھے نے کہا تھا کہ گھر کا دروازہ بدل دو۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عمارہ سے فرمایا کہ وہ میرے والد ماجد پیغمبر خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے طلاق دے دوں۔ اس لئے میں ابھی تم کو طلاق دیتا ہوں۔

بنت مضاض بن عمرو سے عقد عمارہ کی طلاق کے بعد آپ کی شادی

عرب کے قدیم حکمران بنو جرہم کے

سردار اور علاقے کے فرماں واء مضامن بن محمد جرنی کی لخت جگر سیدہ کے ساتھ ہوتی۔ یہ نہایت درجہ کی بلند اخلاق اور پاک باز خاتون تھیں۔ ایک عرصہ کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کا قصد کیا۔ اتفاق سے اس دن بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے۔ سیدہ نے بڑی گرم جوشی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استقبال کیا فوراً پانی گرم کر کے آپ کو وضو کرایا، گوشت اور دودھ جو اس وقت گھر میں موجود تھا کمال احترام و انفاست کے ساتھ پیش خدمت کیا اور معدت کرتے ہوئے عرض کیا کہ میرے خاوند گھر نہیں ہیں ورنہ وہ بھی آپ کی خدمت کرنے میں پیش پیش ہوتے۔ علاوہ ازیں ہمارے گھروں وغیرہ پیدا نہیں ہوتا۔ ہم لوگ بھی شکار کے گوشت دودھ اور خرما پر ہی گزارہ کرتے ہیں اسی لئے یہی کچھ پیش خدمت کیا ہے۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام سیدہ کے حسن سلوک سے بڑے خوش ہوئے اور دُعائے برکت کی۔ حضرت سیدہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا نے آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے آنے تک ٹھہرنے کی درخواست کی، لیکن ابراہیم علیہ السلام نہ رکنے البتہ جاتے جاتے یہ ارشاد فرما گئے کہ اپنے شوہر کو میرا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ اب تمہارے گھر کا دروازہ بہت اچھا ہے، یہ مجھے بہت پسند آیا ہے، اب اسے کبھی تبدیل نہ کرنا۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار سے واپس آئے تو آج پھر آثار خیر و برکت نظر آئے اور سیدہ بنت مضامن نے کمال تعظیم و احترام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام اور تمام ماجرا لفظ بہ لفظ کہنا حضرت اسماعیل علیہ السلام یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ وہ میرے والد بزرگوار تھے اور وہ مجھے فرما گئے ہیں کہ میں تمہیں اپنے سے جدا نہ کروں اور ہمیشہ ساتھ رکھوں تو رعبین کے مطابق آپ کی سب اولاد ان ہی کے بطن اقدس سے پیدا ہوتی۔

توراة کی کتاب پیدائش کے باب ۲۵ میں ہے۔  
 آپ کے بیٹوں کے نام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں کے نام یہ ہیں  
 پیدائش کے مطابق ان کے نام ترتیب وار اس طرح ہیں حضرت اسماعیل

علیہ السلام کا پہلو ٹھا بیٹا نبیوت تھا، پھر قیدار اور ادبیل اور مبشام اور مشاع  
اور دومہ اور مساک اور حداد اور تیما اور لیطور اور نفیس اور قدرہ۔ یہ حضرت اسماعیل  
علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور ان ہی کے ناموں سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں،  
اور یہی بارہ بیٹے اپنے اپنے قبیلہ کے سردار ہوئے۔ (پیدائش ۲۵: ۴ تا ۱۷)

**رحلت مبارکہ** حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رحلت مبارکہ بروایت ابن اسحاق و  
ابن خلدون ایک سو تیس برس کی عمر میں ہوئی، جبکہ تورات میں  
عمر مبارکہ ایک سو سونتیس برس مرقوم ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ خاتون علیہا السلام  
کے پہلو میں بیت اللہ شریف کے حجر اسود اور میزاب کے درمیان مطاف میں دفن کیا گیا۔  
ابن ہشام فرماتے ہیں کہ حضرت اسماعیل و حضرت ہاجرہ خاتون علیہما السلام کا مدفن  
مقام حجر یعنی حطیم (خانہ کعبہ کے پرنا لہ میزاب رحمت والی جگہ) ہے۔

## ۱۔ عدنان:

(۲۱)

جیسا کہ قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور عدنان  
کے درمیان شجرہ مبارکہ میں اختلاف ہے۔ حتیٰ کہ اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت  
اسماعیل علیہ السلام کے کون سے شہزادے حضرت عدنان کے جد امجد ہیں۔ مثلاً  
علامہ ابن ہشام نے نابت بن اسماعیل علیہ السلام، نقل فرمایا ہے۔ تاذنخ ابن  
خلدون سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، جبکہ بعض کے نزدیک حضرت عدنان کے  
جد اعلیٰ کا نام قیدار بن اسماعیل تھا۔ ”رحمۃ للعالمین“ جلد دوم میں بھی جد اعلیٰ کا  
نام قیدار ہی نقل فرمایا گیا ہے (واللہ تعالیٰ اعلم، بہر حال اکیسویں پشت میں حضرت عدنان  
ہمارے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد ہیں۔

لے اسے اہل عرب نابت یا نبت کہتے ہیں۔

علامہ طبری اور دیگر مؤرخین کے مطابق: جب ارمیا (توراة کے مطابق یرمیا) نبی نے بادشاہ یہوداہ صدقیہ کو بخت نصر کے حملہ سے ڈرایا، تو انہوں نے ان کو قید کر دیا۔ چنانچہ بخت نصر نے بیت المقدس کی فتح کے بعد دیگر قیدیوں کے ساتھ ارمیا نبی کو بھی بابل کی طرف روانہ کر دیا۔ (راہن خلدون)

پھر جب بخت نصر نے عرب پر حملہ کا ارادہ کیا تو ان ہی ارمیا نبی اور برخیا علیہما السلام نے بخت نصر کو بتا دیا تھا کہ وہ حضرت عدنان پر حملہ نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اس کی اجازت نہیں ہے، البتہ دیگر قبائل پر حملہ کر سکتا ہے، چنانچہ بخت نصر نے عدنان کے سوا دیگر قبائل پر حملہ کیا اور ان کو گرفتار کر کے لے گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عدنان کی بخت نصر سے اس لئے حفاظت فرمائی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اقدس ان کی پشت میں بطور امانت موجود تھا۔ عدنان کے دو بیٹے تھے مُعَد اور عَت۔ ان میں مُعَد تو اجداد بنی عدنان نبوی سے ہیں، جبکہ عَت نے یمن کی طرف ہجرت کر لی اور وہیں صاحبِ سلطنت بنے۔

## ۲۔ مُعَد (۲۰)

حضرت مُعَد کی عند اللہ عزت و عظمت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے کہ مؤرخین کے مطابق جب بخت نصر نے عرب پر دوبارہ حملہ کیا اور مقامِ جزیرہ ایلہ اور رایلہ کے درمیان بخت نصر نے لڑائی کی غرض سے میدان کو سواروں اور پیادوں سے بھر دیا تو بنی عدنان نے اس کا نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور ان کو بڑی فلت کے ساتھ پسپائی پر مجبور کر دیا، تب اللہ تعالیٰ نے ارمیا اور یوحنا علیہما السلام کی طرف وحی فرمائی کہ مُعَد بن عدنان کو کہ جن کی اولاد میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

خاتم النبیین کی جلوہ گری ہونے والی ہے، اُن کو گروہِ عرب سے نکال لاؤ۔ مُعد بن عدنان کی عمر شریف اس وقت صرف بارہ برس کی تھی۔ حضرت یوحنا علیہ السلام ان کو اپنے ساتھ سوار کر کے حران لائے اور نہایت ذمہ داری و محبت کے ساتھ ان کی پرورش دونوں بزرگوں نے فرمائی۔ پھر جب بخت نصر مر گیا، تو معد بن عدنان ابنائے بنی اسرائیل کے ساتھ حج کعبہ کو آئے اور وہیں اپنی قوم میں رہ گئے۔ ان کی شادی عاتق بنت الحارث بن مضاض جبرہمی سے ہوئی، جن سے نزار پیدا ہوئے۔ مُعد کے دوسرے بیٹے کا نام قنص تھا، ان کی اولاد قنصی کہلاتی ہے۔

### ۳۔ نزار: (۱۹)

آبائے نبوی میں یہ انیسویں نمبر پر ہیں۔ ان کی کنیت ابوایاد ہے۔ اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جب نزار کا بھائی قنص بن مُعد عرب کا حکمران بنا، تو اُس نے نزار کو حرمِ مکہ سے نکال دینے کا قصد کیا تاکہ اُس کی حکومت کو خطرہ نہ رہے، یہ دیکھ کر اہل مکہ نے نزار کی بزرگی اور شرافت کے پیشِ نظر خود قنص کو مکہ سے نکال دیا اور تختِ حکومت نزار کے حوالے کر دیا۔ نزار نے سوہ بنت عتک بن الریث بن عدنان سے شادی کی، جس سے مُضَر اور ایاد پیدا ہوئے۔ نزار کی دوسری شادی خدالہ بنت دحلان جبرہمی سے ہوئی۔ ربیعہ اور انمار پیدا ہوئے۔ بوقتِ رحلت نزار نے اپنی ملکیت کو اپنے چاروں لڑکوں میں اس طرح تقسیم کیا کہ مُضَر کو قبۃ حمران، ایاد کو جملہ عَصَا ربیعہ کو فرس اور انمار کو حمار دیا۔

### ۴۔ مُضَر: (۱۸)

پہنچوہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اٹھارہویں پشت میں جدِ اعلیٰ ہیں،



جیسا کہ آپ نزار کے حالات میں پڑھ چکے ہیں کہ بوقتِ رحلت انہوں نے مُضَرَ کو  
”حمرا“ یعنی سُرخ رنگ کی اشیاں

خیمے، دینار، یا قوت وغیرہ دے دیئے تھے، اس لئے ان کو مُضَرَ الحمرُ بھی کہتے ہیں۔  
حدی کی ایجاد ان ہی کی ہے۔ یہ اپنے زمانے میں سب سے بہتر خوش آواز تھے، اور  
دینِ حنیف ملتِ ابراہیم پر قائم ہے۔ مُضَرَ اور آپ کی اولاد کو یہ فخر و اعزاز بھی حاصل ہے  
کہ وہ تمام بنو عدنان میں غلبہ کے لحاظ سے زیادہ تھے۔ ان کی ریاست و حکومت  
مکہ معظمہ میں تھی۔ ان کے دولہ کے الیاس اور قیس تھے۔

## ۵۔ الیاس (۱۷)

عمودِ نبوی میں یہ سترھویں نمبر پر ہیں۔ الیاس وہ پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے  
خانہ کعبہ کی طرف اُونٹوں کی ہڈی بھیجی۔ مدارج النبوة میں ہے کہ وہ حج کے موقع پر  
اپنی پشت سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تلبیہ کی آواز سنا کرتے تھے۔  
ان کی کنیت ابو عمرو تھی، جبکہ لقب کبیر القوم تھا۔ جب ان کی وفات ہوئی، تو ان کی بیوی  
نے اس قدر غم کیا کہ طویل مدت تک سایہ میں نہ بیٹھی۔ ان کی زوجہ قبیلہ قضایہ سے تھی۔  
اصلی نام تو لیلیٰ بنت حلوان تھا، مگر خندف کے نام سے مشہور تھیں۔ تاریخ ابن خلدون کے  
مطابق ان کے تین بیٹے (۱) مدرکہ (۲) طابخہ (۳) قمعہ تھے۔ ابن ہشام کے مطابق  
بھی ان کے نام یہ ہی ہیں، البتہ ”رحمۃ للعالمین“ میں قمعہ کی جگہ قیس عیلان لکھا ہوا ہے۔  
جبکہ ابن خلدون کے مطابق قیس عیلان، الیاس کے بھائی تھے۔ خیال رہے کہ  
مشہور قبائل بنو غطفان، بنو ہوازن، بنو ثقیف، بنو سلیم اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ  
تعالیٰ عنہا کا قبیلہ بنو سعد بن بکر۔ یہ سب کے سب قبائل قیس عیلان کی نسل سے ہیں،  
لہٰذا یعنی قربانی کے لئے اونٹ روانہ کئے گئے تلبیہ یہ ہے، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ اَطْرَبُک۔

اور بنو تمیم الیاس کے بیٹے طابخہ سے ہیں۔ اس طرح یہ قبائل جناب مضر اور جناب الیاس کے ذریعے خاندان رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں شامل ہو جاتے ہیں۔

## ۶۔ مُدْرکہ؛ (۱۶)

ان کا صحیح نام عمرو تھا، اسی وجہ سے ان کے والد گرامی جناب الیاس کی کنیت ابو عمرو تھی۔ مُدْرکہ نام کا سبب مدارج النبوة کے مطابق یہ تھا کہ ایک دن یہ اپنے والد گرامی کی موجودگی میں ایک خرگوش کے پیچھے دوڑے اور اسے آسانی سے پکڑ لیا، تو جناب الیاس نے ان کو مُدْرکہ یعنی پالینے والا کا خطاب دے دیا۔ جبکہ بعض سیرت نگاروں نے تحریر فرمایا ہے کہ ان کے اونٹ دوڑ گئے تھے اور انہوں نے اُن کا تعاقب کر کے پکڑ لیا تھا، اس لئے ان کو مُدْرکہ کہا گیا۔ روضۃ الاحباب کے مطابق خاندانی شرافت و عزت میں عظیم حصہ پالینے پر ان کو مُدْرکہ کہا جاتا تھا (واللہ تعالیٰ اعلم) ان کے دو صاحبزادے تھے، جناب خزیمہ اور بنہیل۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب بنہیل ہی کی نسل سے ہیں۔

## ۷۔ حَزْمِیہ (۱۵)

جناب خزیمہ حضور نبی کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پندرہویں پشت میں جدِ امجد ہیں۔ ان کی کنیت ابوالاسد تھی۔ ابن ہشام کے مطابق ان کے چار صاحبزادے تھے، جناب کنانہ، اسد، احمہ، اور مہون۔ حضرت اُمّ المؤمنین زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دودانی اسد بن خزیمہ کی نسل سے ہیں۔ جناب کنانہ کی والدہ کا نام عوانہ بنت سعد بن قیس بن عیلان بن مضر و عمود نبوی میں اٹھا رہواں نام تھا۔

## ۸۔ کنانہ : (۱۴)

جناب کنانہ کی کنیت ابوالنضر تھی۔ یہ چودھویں پشت نبوی میں جدِ طہر ہیں۔ ان کی عزت و عظمت کی گواہی اس فرمانِ عالی شان سے ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی مِنْ وَلَدِ اِبْرٰهیمِ اسمٰعیلَ واصْطَفٰی مِنْ وَلَدِ اسمٰعیلِ بنی کنانہ و اصْطَفٰی مِنْ بنی کنانہ قریشًا واصْطَفٰی مِنْ قریشِ بنی ہاشم واصْطَفٰی مِنْ بنی ہاشم۔ (رواہ مسلم عن واثلہ بن الاسقع)

ترجمہ: ”بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے اولادِ ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چُن لیا اور اولادِ اسماعیل سے بنو کنانہ کو چُن لیا اور بنو کنانہ سے قریش کو چُن لیا اور قریش سے بنو ہاشم کو چُن لیا اور بنو ہاشم سے (عظمت و بزرگی کیلئے) مجھے چُن لیا۔“ (سُبْحَانَ اللّٰهِ الَّذِیْ اصْطَفٰی نَبِیْنَا مِنْ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتِ)

ابن ہشام کے مطابق جناب کنانہ کے بھی چار ہی بیٹے تھے، جناب نضر، مالک، عبدمنہاہ اور ملک کان۔ قبیلہ بنو مصطلق والے عبدمنہاہ بن کنانہ کی نسل سے ہیں

## ۹۔ نضر : (۱۵)

جناب نضر کی والدہ ماجدہ کا نام برہ بنت مُرب بن طابخہ بن ابیاس بن مُضر (عمودِ نبوی میں اٹھارہواں نام) ہے۔ ان کا اصلی نام توقیس تھا، مگر حسن و جمال کی خوبی کی وجہ سے ان کو نضر کہا جاتا تھا۔ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ نضر کا ہی دوسرا نام قریش ہے۔ بعض نے فہر بن مالک کا دوسرا نام قریش کہا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) جناب نضر کے دو بیٹے تھے۔ جناب مالک اور یحییٰ۔

عمودِ نبوی میں یہ بارہویں نمبر پر ہیں، ان کی والدہ ماجدہ کا نام عاتکہ بنت عدوان بن عمرو بن قیس بن عیلان تھا۔ جناب مالک کی کنیت ابوالمحارث تھی۔ ان کے بھی دو بیٹے تھے، فہر اور حارث یا حرث۔

### ۱۱۔ فہر (قریش)

جناب فہر کے بارے میں اہل سیر و تواریخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قریش ان ہی کا لقب ہے، جبکہ بہت سے اہل سیر و تفسیر بن کنانہ کو قریش کہتے ہیں۔  
 ارباب سیر و تواریخ نے اس کی متعدد وجوہات قریش کی وجہ تسمیہ بیان کی ہیں، سب سے مشہور وجہ یہ ہے کہ قریش لغت حجاز میں وہیل مچھلی کو کہتے ہیں۔ یہ سمندر کا بہت بڑا اور نہایت طاقتور جانور ہوتا ہے، چونکہ فہر اور اولادِ فہر عزت و عظمت اور بہادری کے اعتبار سے دیگر تمام قبائل عرب سے ممتاز تھی، اس لئے ان کو قریش کہا جانے لگا۔ تاریخ ابن اثیر میں ہے کہ ان کے زمانہ میں حاکمِ مین حستان نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تاکہ (معاذ اللہ تعالیٰ) خانہ کعبہ کو گرا کر اس کا ملبہ مین لے جائے اور اسی ملبہ سے وہاں خانہ کعبہ تعمیر کر دے۔ فہر نے اپنے بھائیوں اور دیگر اہل خانہ کی قیادت کرتے ہوئے بڑی جوانمردی اور دلیری سے فوج کا مقابلہ کیا اور حستان کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ تین سال تک قید رکھنے کے بعد فہر نے حستان کو آزاد کر دیا اور وہ مین جاتے ہوئے راستہ میں مر گیا۔ اس سے فہر کی عظمت و شوکت کا سکہ خطہ عرب میں قائم ہو گیا۔

ابن خلدون فرماتے ہیں کہ دراصل نضر ہی کا نام قریش تھا، چونکہ بنو نضر میں

سوائے فہر کے کسی کی بھی نسل نہیں چلی، اس لئے اولادِ فہر ہی بنو نصر ہے، یعنی بنو قریش ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ابن ہشام بحوالہ ابن اسحاق نقل فرماتے ہیں کہ فہر کے اولادِ فہر چار بیٹے تھے، غالب، محارب، حارث اور اسد جبکہ علامہ ابن خلدون نے فرمایا کہ تین بیٹے تھے، یعنی غالب، محارب اور حارث، انہوں نے اسد کا ذکر نہیں فرمایا۔ ابن ہشام کے مطابق فہر کے یہ بیٹے لیلیٰ بنت سعد بن ہذیل بن مدرکہ (عمودِ نبوی میں سولہواں نام) کے لطن سے تھے۔

## ۱۲۔ غالب (۱۰)

عمودِ نبوی میں جناب غالب کا نام دسویں نمبر پر ہے۔ ان کی کنیت ابو تیم تھا۔ ان کے دو بیٹے تھے، لوی اور تیم الادرم، ابن ہشام نے ان کے ایک اور بیٹے کا بھی ذکر کیا ہے، جس کا نام قیس بن غالب تھا، جناب غالب کے یہ سب بیٹے، سلمیٰ بنت کعب بن عمرو کے شکم سے تھے۔ مشہور کافر ہلال بن عبد اللہ کہ جس کا خون فتح مکہ کے دن ہضولِ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مباح قرار دے دیا تھا اور اسے اس وقت قتل کیا گیا تھا کہ جب وہ پردہ ہائے کعبہ کو پکڑے ہوئے تھا۔ وہ تیم الادرم بن غالب کی نسل سے ہی تھا۔

## ۱۳۔ لوی (۹)

ان کی کنیت ابو کعب تھی۔ "مدارج النبوة" میں ہے کہ لوی لائی کی تصغیر ہے جس کے معنی خوب عیش و عشرت سے زندگی گزارنا ہے۔ ابن اسحاق نے جناب لوی بن غالب کے چار بیٹوں کے نام لکھے ہیں۔ یعنی کعب، عامر، سامہ اور عوف کعب، عامر اور سامہ کی والدہ ماویہ بنت کعب بن القیق بن جسر بن خزاعہ کے تھیں۔



ابن ہشام نے ایک اور بیٹے حارث بن لوی کا بھی ذکر کیا ہے۔

## ۱۴۔ کعب ؛ (۸)

جناب کعب کی کنیت ابوہبیب تھی، یہ آنحضرتؐ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدا مجد ہیں۔ عرب میں ان کی عزت و عظمت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ ان کا سن پیدائش جاری ہو گیا تھا۔ اور یہ سلسلہ تقریباً چار صدی تک یعنی واقعہ اصحاب قبل تک جاری رہا۔ ابن خلدون، ابن ہشام اور ابن اسحاق نے جناب کعب کے تین بیٹے تحریر کئے ہیں، یعنی مترہ، عدی اور ہبیبص ان کی والدہ کا نام وحشیہ بنت شیبان بن محارب بن فہر (عمود نبوی میں گیارہواں نام) درج فرمایا ہے۔ جبکہ کتاب ”رحمۃ للعالمین“ میں سہم اور جمح کو بھی اولاد کعب میں تحریر فرمایا گیا ہے۔ مشہور صحابی حضرت فاروق اعظم، حضرت ابو عبیدہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ہشام بن العاص، حضرت عبداللہ بن حذافہ وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا سلسلہ نسب بھی جناب کعب سے مل جاتا ہے۔

## ۱۵۔ مُرَّہ ؛ (۷)

ان کی کنیت ابو یقینہ ہے۔ یہ چھٹی پشت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا ہیں۔ حضرت خالد بن ولید ان ہی کی نسل سے ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ پہلے وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے یوم عروہ (یوم الجمعہ کا پہلا نام) مقرر کیا۔ یہ اس دن قریش کو جمع کرتے اور خطبہ دیتے تھے۔ جناب مرہ بن کعب لوگوں کو حضورؐ نور اللہ یعنی کسی واقعہ کا ذکر نہ ہوتا، تو ان کی پیدائش کی تاریخ سے حساب لگا کر کرتے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے سن عیسوی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت سن ہجری جاری ہوا۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم کی ولادت باسعادت کی خوش خبری دیتے اور فرماتے ہیں کہ وہ میری نسل سے ہوں گے، اُن پر ایمان لانا اور اُن (صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم) کی پیروی کرنا بہت ضروری ہے۔ انہوں نے اس ضمن میں بہت سے اشعار بھی کہے اُن میں ایک یہ بھی ہے ۔

لیتني شَاهِدًا فحواذ دعوته

اذا قریش تنفی الحق خذ لانا

”اے کاش کہ میں حاضر ہوتا اُن کی اس دعوت میں کہ جب

قریش اپنی پستی کی وجہ سے حق کا انکار کریں گے۔“

جناب مرہ بن کعب کے تین بیٹے تھے: حکیم عرف کلاب، نیم اور یقظہ۔  
حکیم عرف کلاب کی والدہ کا نام ہند بنت عمر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک (عمو نبوی میں بارھواں نام) تھا۔ حضرت صدیق اکبر و خالد بن ولید کے علاوہ حضرات طلحہ بن عبید اللہ، ارقم بن ابی ارقم، ابوسلمہ عبداللہ (حضرت ام سلمہ کے پہلے خاوند)، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، ام المؤمنین ام سلمہ، ہشام بن ابی حذیفہ، عبداللہ بن ابی ربیعہ، مسیب (والد ماجد حضرت سعید ابن مسیب) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، سب جناب مرہ بن کعب کی اولاد سے ہیں۔

## ۱۶۔ کلاب : (۶)

ان کا نام حکیم اور کنیت ابو زہرہ تھی۔ انہوں نے بہت سے شکاری کئے پال رکھے تھے، اس لئے یہ کلاب کے عرف سے مشہور ہو گئے۔ ان کے دو صاحبزادے قصی اور زہرہ تھے۔ میرے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ خاتون (اُن پر میراجسم و جان قربان ہو) جناب زہرہ کی پڑپوتی ہیں

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب شریفیوں سے، آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب، عشرہ مبشرہ کے مشہور صحابی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بنو زہرہ سے ہیں۔ ان کا نسب یوں ہے: سعد بن ابی وقاص بن امیہ بن عبد مناف بن زہرہ۔ اس طرح رشتہ کے اعتبار سے یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ماموں کے بیٹے بنتے ہیں۔ مشہور ہے کہ روزِ احد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت میں کفار کی طرف سب سے پہلا تیر چلانے کا شرف بھی ان ہی کو حاصل ہے (واللہ تعالیٰ اعلم) روزِ بدر ان کے پاس تیر ختم ہو گئے، تو رسول اکرم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو میدانِ بدر سے تنکے اٹھا اٹھا کر کھڑا کرنے لگے اور فرماتے جاتے تھے:

اس مریا سعد فداک احقى وابی۔

یعنی اے سعد! یہ لو، تیر اندازی کرو، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔  
حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تنکا دستِ اقدس سے لے کر کمان میں رکھ کر چلاتا تو معاوہ بنکابتیر بن جاتا۔ (سبحان اللہ تعالیٰ)  
مقامِ حیرت و استعجاب ہے کہ ان ہی سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیٹا عمر بن سعد میدانِ کربلا میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل فوج لے کر بھاڑا تھا اور ایک سے بڑھ کر ایک ظلم کر رہا تھا۔ اللہ اکبر! کس قدر بے نیاز ہے ذاتِ خدائے  
لم یزل۔ ۱۔ قصتی؛

(۵)

ان کا صحیح نام زید تھا۔ قصتی نام کا سبب مدارج النبوة یہ نقل فرماتے ہیں کہ جب ان کی ولادت ہوئی، تو ان کی والدہ فاطمہ بنت سعد بن سہیل اپنے قبیلے سے بہت دور بلادِ قضاہ میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ چونکہ قصتی کا معنی بعید یعنی دور ہے اس لئے ان کو قصتی کہا جانے لگا اور یہ بھی منقول ہے کہ زید ابھی آغوشِ مادر ہی میں تھے

کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت سعد نے دوسرا نکاح ربیعہ بن خرام سے کر لیا۔ ربیعہ کا قبیلہ ملک شام کی سرحد پر رہتا تھا، اس لئے فاطمہ بھی وہیں رہنے لگیں اور جناب قصی اسی قبیلہ میں پل کر جوان ہوئے۔ عالم شباب میں یہ اپنے بھائی زہرہ سے ملے۔ زہرہ اگرچہ نابینا ہو چکے تھے، مگر آواز اپنے بھائی کو پہچان گئے۔ چونکہ آپ دُور سے چل کر آتے تھے، اس لئے اُن کو قصی کہا جانے لگا۔ قصی جب مکہ مکرمہ آئے، تو حلیل خزاعی حاکم مکہ نے اپنی بیٹی کا نکاح قصی سے کر دیا اور جہیز میں کعبۃ اللہ شریف کی تولیت اپنی بیٹی جُلیٰ زوجہ قصی کو عطا کر دی، اور بیٹی کا وکیل ابو عبشان کو مقرر کر دیا۔ حلیل کی وفات کے بعد معمولی قیمت پر ابو عبشان نے حق وکالت قصی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حلیل کے خاندان بنو خزاعہ نے اس فرد کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کر دیا نتیجتاً جنگ چھڑ گئی اور کہ مکہ مکرمہ کے گلی کوچے خون میں نہا گئے۔ دونوں اطراف کے دانا لوگوں نے آتش جنگ کو بجھانے کے لئے یحضر بن عوف کو اپنا ثالث تسلیم کر لیا۔ یحضر بن عوف نے فیصلہ دیا کہ بنو خزاعہ کے تمام مقتولوں کا خون بہا قصی ادا کرے، جبکہ بنو خزاعہ شہر مکہ کی حکومت چھوڑ کر چلے جائیں اور آئندہ حکومت قصی کرے۔ ابن ہشام کے مطابق یحضر بن عوف نے بنو خزاعہ کا خون بہا بھی ساقط کر دیا تھا۔ اس کے بعد بیت اللہ شریف، امور مکہ اور اپنی قوم کے گھروں، نیز مکہ مکرمہ کے تمام انتظامی امور کا سرپرست جناب قصی ہی بن گئے۔ دوسرے لفظوں میں جناب قصی پورے شہر مکہ مکرمہ کے بادشاہ بن گئے۔ چونکہ جناب قصی نے قریش کو دوبارہ ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا تھا اور بہت سی خوبیوں کے جامع تھے، اس لئے قریش نے ان کا نام ”مجمع“ رکھ دیا۔ بنی کعب بن لوی میں جناب قصی پہلے شخص تھے، جن کو ایسی شاندار حکومت حاصل ہوئی۔ پوری قوم نے اس کی اطاعت کی، چنانچہ قدر و منزلت کے عظیم عہدے مثلاً ”حجاء“ (یعنی خدمت

پروہ کعبۃ اللہ "ستقایہ" (یعنی حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانے کی خدمت) "رفادہ" (یعنی حاجیوں کی ضیافت) "ندوہ" (یعنی مجلس شوریٰ یا کمیٹی گھراؤ "لواء" (یعنی بوقت جنگ پرچم باندھنے کی خدمت) وغیرہ سب کے سب قصتی کے پاس تھے۔ جناب قصتی نے مکہ مکرمہ کو انتظامی امور میں، چار حصوں میں تقسیم کر کے اپنی قوم میں بانٹ دیا اور قریش کے ہر قبیلہ کو قدر و منزلت دی۔ لوگوں نے ان کی حکومت کو نہایت مبارک پایا اور جناب قصتی کی مذہبی انداز میں عزت و توقیر قریش کے قلوب میں یوں پیٹھ گئی کہ ان کے کسی مرد و عورت کی شادی، مشکل معاملات میں مشورہ قصتی کے گھر ہی میں ہوتا، انہوں نے اس مقصد کے لئے ایک بڑا سا گھر بنا رکھا تھا، جس کا دروازہ بیت اللہ شریف کی طرف کھلتا تھا۔ اسی کو دارالندوہ کہتے ہیں۔ اسی جگہ قریش کی عدالت لگتی اور اسی جگہ مشورے کئے جاتے۔ قریش کسی جنگ کی تیاری کرتے تو پرچم جناب قصتی کے گھر باندھا جاتا اور پرچم خود قصتی یا ان کا بیٹا باندھتا۔ غرضیکہ بہت سے دیگر احکامات میں بھی قریش قصتی کو ان کی زندگی میں بھی واجب الاتباع سمجھتے تھے اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کے اقوال مذہبی احکام کی طرح سمجھے جاتے رہے اور ان کے خلاف ہرگز نہ کیا جاتا۔

علامہ ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالہ سے نقل فرمایا  
**قصتی کی اولاد** کہ جناب قصتی کے چار بیٹے تھے، عبد مناف، عبد اللہ، عبد العزیٰ اور عبد الدار، اور دو بیٹیاں تخم اور بڑہ تھیں، جبکہ علامہ ابن خلدون نے فرمایا کہ تین بیٹے تھے، انہوں نے عبد اللہ کا نام نہیں لکھا۔ حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب شریفہ بھی قصتی سے جاملتا ہے۔ یعنی حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصتی بن کلاب۔ اسی طرح حضرت عثمان بن طلحہ (کعبۃ اللہ کے کلید بردار، حضرت زبیر بن عوام، حضرت ورقہ بن نوفل، حضرت ابوالسناہل، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عبد اللہ بن

زمعه اور حضرت حکیم بن حزام بن خویلد وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب تمام جناب قصتی کی نسل سے ہیں۔

ابن اسحاق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب قصتی بہت بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو بلوایا۔ اگرچہ عبدالدار بن قصتی نے باپ کی زندگی میں ہی بڑی قدر و منزلت اور شرف و فضیلت کے ساتھ ساتھ بہت سے تجربات حاصل کر لئے تھے، مگر قصتی دیگر بیٹوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف عبدالدار کو بلوایا اور اور کہا: اے میرے نختِ جگر سن! خدا تعالیٰ کی قسم! میں تجھے ان لوگوں سے پیچھے رہنے دوں گا۔ اگرچہ انہوں نے تجھ پر برتری حاصل کر لی ہے۔ ان میں سے کوئی شخص کعبۃ اللہ شریف میں داخل نہ ہو سکے گا، جب تک تو خود اس کے لئے دروازہ نہ کھولے۔ قریش کی کسی جنگ کا پرچم نہ باندھا جائے گا، جب تک تو اپنے ہاتھ سے نہ باندھے۔ مکہ مکرمہ میں کوئی تیرے پیالے کے بغیر زم زم نہ پیئے گا اور نہ حاجیوں میں سے کوئی شخص تیرے سوا کسی دوسرے کے ہاں کھانا کھا سکے گا۔ قریش اپنے تمام معاملات کا فیصلہ صرف تیرے ہی گھر کریں گے۔ اس طرح قصتی نے دارالندوہ ستقایہ، لوآء، رقادہ سب کچھ اسی کے حوالہ کر دیا۔ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ رقادہ ایک طرح کا خراج تھا جو ہر موسم حج میں قریش جمع کر کے قصتی کے حوالہ کیا کرتے تھے تاکہ قصتی اس رقم سے اُن حاجیوں کے لئے کھانا تیار کر داسکے کہ جن کے پاس ادراہ نہ ہو اور یہ چندہ قصتی نے ہی قریش پر لاگو کیا تھا جسے وہ پابندی سے ہر سال ادا کرتے رہے، حتیٰ کہ اسلام کے بعد بھی یہی طریقہ جاری رہا کہ شاہانِ وقت حجاج کے لئے مہنی میں کھانا تیار کروانے لگے۔

## ۱۸۔ عبدمناف (۴)

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ جناب قصتی کی زندگی میں ہی جناب عبدمناف



کی عزت و عظمت کا شہرہ ہو گیا تھا۔ لامحالہ اس عظمت کی وجہ تو خصوصاً میرے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وہ نور مقدس تھا جو کہ ان کی پشت اقدس میں جلوہ گر تھا۔ جناب عبد مناف اس قدر حسین و جمیل تھے کہ ان کا لقب قمر البطحا (یعنی بطحا کا چاند) پڑ گیا۔ ان کا صحیح نام مغیرہ اور کنیت ابو الشمس تھی۔ مناف ایک بت کا نام تھا کہ جسے منات بھی کہتے ہیں۔ اسی کی طرف منسوب کر کے لوگ ان کو عبد مناف کہنے لگے۔ یہ بڑے ہی کریم النفس تھے۔ ان کی سخاوت، خدا ترسی اور حق شناسی کا زمانہ ہر مُعترف تھا۔ وہ تنگ دست و نادار لوگوں کے ساتھ بڑی فیاضی کا سلوک کرتے، اور فیصلہ کرنے میں عدل و انصاف سے کام لیتے۔ اپنی سرداری کے زمانے میں قریش کو بھی اس بات کی تاکید کرتے رہتے۔

جناب مغیرہ (عبد مناف) نے حلامہ سلیمان منصور پوری کے مطابق تین شادیاں کیں۔ ان کی ایک شادی عائکہ الکبریٰ بنت مرہ بن ہلال سے ہوئی، جن کے بطن سے مطلب، ہاشم اور عبد الشمس، تین بیٹے اور عاصم، برہ، حنظلہ، مالک و قلابہ پانچ بیٹیاں پیدا ہوئیں، جبکہ دوسری شادی واقعہ بنت عامر بن عبد سے ہوئی جس کے بطن سے نوفل، ابو عمرو اور ابو عبیدہ تین بیٹے پیدا ہوئے۔ ان کی تیسری بیوی ثقیفہ سے ایک لڑکی ریطہ پیدا ہوئی۔ اس طرح مغیرہ (عبد مناف) کے چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ بنو عبد مناف میں ان کے چار لڑکوں مطلب، ہاشم، عبد الشمس اور نوفل کو شہرت ملی۔

(۱) مطلب، یہ عبد مناف کے سب سے بڑے فرزند ہیں، ان کی اولاد مطلبی کہلاتی ہے۔ جناب مطلب نے اپنے بھتیجے جناب عامر کی پرورش نہایت محبت سے کی۔ اسی احسان و شفقت کی وجہ سے جناب عامر اپنے آپ کو پوری زندگی عبدالمطلب کہتے رہے۔ (تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ)

جناب مطلب کے تین پوتے عقیدہ بن الحارث بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو میلہ بدر میں حضرت علی و حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ کفار مکہ عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کے مقابلہ میں نکلے، اس وقت ان کی عمر آٹھ برس کی تھی اور یہ اس معرکہ میں مرتد شہادت پر فائز ہو گئے تھے) حضرت طفیل اور حضرت حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دونوں کی رحلت ۳۲ھ میں ہوئی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سلسلہ نسب بھی جناب مطلب سے ملتا ہے۔

(۲) ہاشم بن عبد مناف : یہ ہمارے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کے دادا ہیں۔ ان کا تفصیلی ذکر بفضلہ تعالیٰ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

(۳) عبد الشمس بن عبد مناف: ارباب سیر بیان کرتے ہیں ہاشم اور عبد الشمس دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے، ان دونوں کی پیشانیاں یا کمری آپس میں جڑی ہوئی تھیں، ان دونوں کو جدا کرنے کی بڑی کوشش کی گئی، لیکن ناکامی ہوئی۔ بالآخر تلوار کے ساتھ کاٹ کر ان کو ایک دوسرے سے جدا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیں کہ ان دونوں بھائیوں کی اولاد کے درمیان طویل عرصہ تک دشمنی اور تلوار چلتی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اور آل اطہار کی دشمنی میں عبد الشمس کے بیٹے اُمیہ کی نسل نے جس قدر شہرت حاصل کی ہے، وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسی نسل سے بعض ایسی نابغہ روزگار ہستیوں نے بھی جنم لیا کہ جن پر سجا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے، بلکہ جن کو آسمان ہدایت کے قیرتیاں کہا جائے، تو غلط نہ ہوگا، مثلاً حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شجرہ نسب بھی اُمیہ بن عبد الشمس سے جا ملتا ہے، علاوہ انہیں نامور بدری صحابی حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابوسفیان (جو فتح مکہ کے وقت ایمان لائے) حضرت

خالد بن سعید، حضرت سعید بن العاص (قدیم الاسلام تھے) حضرت معاویہؓ حضرت  
عتاب بن اسید، حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور حضرت عمر بن  
عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ سب کے سب بنو امیہ بن عبد شمس کی نسل سے تھے۔  
(۴) نوفل بن عبد مناف، اُن کی نسل سے مشہور صحابی جبیر بن مطعم  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئے (یہ غزوہ بدر کے بعد مسلمان ہوئے تھے) حضرت جبیر بن مطعم  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں کجالت کفر مارا گیا۔ اسی طعیمہ  
کے آزاد کردہ غلام وحشی نے میرے آقا و مولیٰ رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے  
محبوب چچا اسد اللہ و رسولہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان احد میں شہید کر دیا تھا۔

## (۱۹) ہاشم (۳)

جناب ہاشم بن عبد مناف کا صحیح نام عمرو ہے اور یہ عمرو العلاء کے لقب سے  
مشہور تھے۔ یہ بھی بہت خوبصورت اور صاحب جاہ و جلال تھے۔ ان کا نام عمرو کے  
بجائے ہاشم مشہور ہونے کا سبب یہ بنا کہ ایک مرتبہ یہ ملک شام کو تجارت کے لئے گئے  
ہوتے تھے۔ وہاں ان کو یہ چلا کہ شہر مکہ میں قحط پڑ گیا ہے اور لوگ بھوک کے ماتھوں سخت  
پریشان ہیں۔ یہ ایسا موقع ہوتا ہے کہ کوئی بھی تاجر اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے  
کی کوشش کرتا ہے، لیکن جناب ہاشم کی عادت اس کے برعکس تھی، وہ تجارتی مال خریدنے

لے ان کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت عامل مکہ مقرر کیا تھا اور یہ  
سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اسی عہدے پر فائز انتقال فرما گئے (ابن خلدون)  
اللہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر تھے،  
جنگ بدر کے بعد بڑی مردانگی سے مسلمان ہوئے۔ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صلیت مبارک  
کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی صاحبزادی سے شادی کی تھی۔ (ابن خلدون)

کی بجائے تمام رقم سے آٹا اور روٹیاں خرید کر اونٹوں پر لادلائے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر بہت شور بہ تیار کروا کر روٹیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے شور بہ میں بھگو دیتے۔ (اس کھانے اہل عرب خرید بھی کہتے ہیں اور بہت شوق سے کھاتے ہیں) اس کام سے فارغ ہو کر جناب ہاشم نے مکہ معظمہ میں اعلان کر دیا کہ سب اہل شہر آئیں اور کھانا کھائیں۔ چنانچہ یہ سلسلہ کئی روز تک بو نہی چلتا رہا، یہاں تک کہ آپ نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اہل مکہ پر لٹا دیا، چونکہ جناب ہاشم نے اپنے ہاتھوں سے روٹیوں کو توڑ کر گوشت کے شور بہ میں ڈالا تھا۔ اس لئے ان کو ہاشم یعنی ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والا کہا جانے لگا۔ جناب ہاشم نے اسی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ ہر سال حج بیت اللہ شریف کے لئے آنے والوں کو خود بھی خرید کھلاتے اور اپنی قوم کو بھی نصیحت فرماتے کہ: اے قریش! تم بھی اللہ تعالیٰ کے ہمسائے ہو اور اس گھر والے ہو۔ زمانہ حج میں تمہارے پاس بیت اللہ شریف کے حجاج اور زائر آتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اور تمام مہمانوں میں سب سے زیادہ تعظیم کے مستحق ہیں، لہذا تم چندہ جمع کرو جس سے ان کے لئے تم اتنے دنوں کا کھانا تیار کر سکو کہ جتنے دن انہوں نے یہاں رہنا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم اگر میری آمدنی اس مقصد کے لئے کافی ہوتی تو میں تم پر بوجھ نہ ڈالتا۔ چنانچہ قریش کا ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق اس کار خیر میں حصہ لیتا۔ (سیرت ابن ہشام)

جناب ہاشم کا بڑا بھائی عبد الشمس چونکہ طبعاً سیاح تھا اور مکہ مکرمہ میں بہت کم ٹھہرتا تھا، اس لئے مکہ مکرمہ کی سرداری بھی جناب ہاشم کے حصہ میں ہی آئی۔

جناب ہاشم کے چار بیٹے تھے، یعنی شیبہ (ان ہی کو عبد المطلب اولاد ہاشم کہا جاتا ہے، یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دادا ہیں)

۱۔ بعض سیرت نگار روٹیوں کے ٹکڑے بنانے کا سبب یہ بھی بتاتے ہیں کہ جناب ہاشم چاہتے تھے کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ کس نے کتنی روٹی کھائی ہے تاکہ کوئی کسی کے سامنے شرمندہ نہ ہو۔

ابوصیفی، فضلہ، اور اسدؒ یہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریمؑ کی والدہ ماجدہ  
حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والدہ ماجدہ ہیں، جبکہ لڑکیوں کی تعداد پانچ ہے  
یعنی رقیہؑ، شفاؑ، ضعیفہؑ، خالدہؑ اور حنیہؑ۔

## ۲۰۔ عبدالمطلب (۲)

جناب عبدالمطلب کا صحیح نام عامر اور لقب شیبہ تھا۔ شیبہ کا معنی بوڑھے کے  
ہیں، چونکہ بوقت ولادت ان کے سر میں سفید بال تھے، اس لئے ان کو شیبہ کہا جانے لگا۔  
چونکہ ان کا کردار بھی شاندار اور قابل تعریف تھا، اس لئے ان کو شیبۃ الحمد بھی  
کہا جاتا تھا۔

**عبدالمطلب کی وجہ تسمیہ** حضرت عبدالمطلب کے والدہ ماجدہ جناب ہاشمہ مدینہ منورہ  
(اس وقت یثرب) میں آئے تو انہوں نے بنو نجار کی ایک  
نہایت باوقار خاتون سلمیٰ بنت عمرو کے ساتھ شادی کی۔ ان کے لطن سے شیبہ یعنی عبدالمطلب  
پیدا ہوئے۔ معاہدہ کے مطابق سلمیٰ مدینہ منورہ میں ہی رہی اور جناب ہاشم اپنے بیٹے شیبہ کو  
اس کی والدہ کی نگرانی میں چھوڑ کر واپس مکہ مکرمہ آگئے۔ جناب ہاشم کی وفات کے بعد  
ان کے بھائی مطلب بن عبد مناف اپنے بھتیجے کو لینے کے لئے مدینہ منورہ میں آئے، پہلے تو  
سلمیٰ نے شیبہ کو ان کے چچا کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا، پھر کچھ بحث و تمحیص کے بعد  
آمادہ ہو گئیں اور شیبہ کو چچا کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ جب مطلب واپس مکہ مکرمہ میں آئے تو شیبہ  
سواری پر ان کے پیچھے سوار تھے۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید مطلب غلام خرید کر لاتے ہیں  
اس لئے انہوں نے جناب شیبہ کو عبدالمطلب (مطلب کا غلام) کہنا شروع کر دیا۔

علامہ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ بعض کے نزدیک اس عورت کا نام "الحریس" اور نسب یوں ہے،  
الحریس بنت جحجی بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن الاوس۔ (ابن ہشام)

چچا کی محبت کی وجہ سے جناب عامر عرف شیبہ نے عبد المطلب کہلانا زیادہ پسند کیا چنانچہ یہی نام ان کی پہچان بن گیا۔

**فضائل عبد المطلب** حضرت عبد المطلب کے فضائل میں عظیم تر فضیلت یہ ہے کہ وہ میرے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ محترم یعنی حاملِ نورِ نبوی تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کمالِ درجہ کی محبت اور شفقت کا مظاہرہ فرمایا۔ "سیرت ابن ہشام" میں ہے کہ جناب عبد المطلب کی وفات کے بعد کعبہ کی دیواریں اور حایوں کو زمرم کا پانی پلانے کے عہدوں کے ساتھ ساتھ قوم کے باقی تمام معاملوں کے انتظامات بھی عبد المطلب ہی کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی قوم میں اتنا بلند مرتبہ حاصل کر لیا تھا کہ ان کے باپ دادا میں کوئی اس مرتبہ کو نہ پہنچا تھا۔ اہل مکہ ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان کو سیدِ قریش کہا جاتا تھا۔

صاحبِ مدارج النبوة فرماتے ہیں کہ تمام اہل مکہ ان کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے اور ان کی حد درجہ تعظیم و تکریم کرنے لگے۔ حضرت عبد المطلب کے جسم سے مشک و عنبر جیسی خوشبو کی لپٹیں آیا کرتی تھیں۔ آپ کی پیشانی مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نورِ اقدس و شرفِ تاباں تھا اور جب بھی اہل مکہ کو کوئی حادثہ درپیش ہوتا، تو وہ ان کو جبلِ ثبیر پر لے جاتے اور ان کے وسیلہ سے بارگاہِ رب العزت میں دعا کرتے، تو اس نورِ محمدی کی برکت سے جو ان کی پیشانی میں تاباں تھا، مشکلیں آسان ہو جاتیں۔ مدارج النبوة جلد ۱، چونکہ اصحابِ فیل کا واقعہ حضرت عبد المطلب کے زمانے کا ہے۔

**واقعہ اصحابِ فیل** برکتِ نشان میں پیش آیا، اس لئے یہاں اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ یہ واقعہ عظیم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے پچاس یا باون روز قبل ماہِ محرم الحرام میں پیش آیا۔ مورخین نے اس کا سبب



بیان کیا کہ یمن کے بادشاہ ابرہہ بن شباح اشرم نے یمن کے دار السلطنت صنعاء میں ایک بڑا خوبصورت گرجا بنوایا، اس کی تعمیر سنگ مرمر سے کروائی اور اس میں جو لکڑی استعمال ہوئی، اس میں سونے کی کچی کاری کی گئی تھی، گویا منوں کے حساب سے اس پر سونا جڑ دیا گیا تھا۔ ابرہہ نے اس کا نام ”قلیس“ رکھا۔ اس تعمیر سے اس کا منشا یہ تھا کہ دنیا کو حج بیت اللہ شریف سے روک کر اس کی طرف متوجہ کرے اور کعبہ کی مذہبی حیثیت ختم کر دے، جب بنو کنانہ کے ایک شخص نے اس بات کو سنا، تو اس نے کمر ہمت باندھی اور صنعاء پہنچ کر رات کے اندھیرے میں اس گرجا کو خجاست سے بھردیا اور اس چلا آیا۔ گرجا کی اس توہین نے ابرہہ کے تن بدن میں آگ لگا دی، اس نے غصہ میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے قسم اٹھالی کہ وہ خانہ کعبہ کو (معاذ اللہ) ضرور برباد کر دے گا، طاقت کے نشے میں اندھا ابرہہ ایک عظیم فوج اور ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ راستے میں حائل ہونے والے عرب قبائل کو کچلتا ہوا بپھرے ہوئے طوفان کی طرح مکہ مکرمہ پہنچا اور آتے ہی مکہ معظمہ کی چراگاہوں پر دھاوا بول دیا اور ان سب جانوروں کو لوٹ کر لے گیا، جن کو غریب چرواہے چراہے تھے، شاید وہ اہل مکہ پر اپنی دھاک بٹھانا چاہتا تھا۔ ان جانوروں میں حضرت عبدالمطلب کے سوا ونٹ بھی تھے۔ پھر ابرہہ نے حناطہ حمیری کو سردار مکہ حضرت عبدالمطلب کے پاس بھیجا تاکہ وہ سردار مکہ کو ابرہہ کے آنے کے مقصد سے مطلع کرے۔ صورت حال سے مطلع ہو کر حضرت عبدالمطلب نے کہا: خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس کے پیارے خلیل کا بنایا ہوا، اگر وہ خود اس کی حفاظت کرنا چاہے تو اس کی قدرت رکھتا ہے، ورنہ خدا تعالیٰ کی قسم، ہم اس کے دفاع کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ کہا اور خود سردار مکہ ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے۔ ابرہہ حضرت عبدالمطلب کی عبادت شخصیت سے بڑا متاثر ہوا، اس نے خود آگے بڑھ کر استقبال کیا اور تخت پر بیٹھنے کی بجائے

اے کنانہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چودھویں پشت میں جدِ اعلیٰ ہیں، اُن کی نسل کو بنو کنانہ کہتے ہیں

فرش پر ہی اُن کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی، تو ابراہیم نے پوچھا کہ فرمائیے! آپ کیا چاہتے ہیں، کوئی ضرورت ہو تو بتائیے؟ جو اب اس سردارِ مکہ نے فرمایا ”تیرے ملازم میرے اونٹ پکڑ لاتے ہیں، وہ مجھے واپس دے دو“ یہ سُن کر ابراہیم بولا پہلے میری نظر میں تم بڑی عزت والے تھے، مگر تمہاری اس گفتگو نے تمہاری عزت گرا دی ہے، میں تو تمہارے مذہبی مرکز کو منہدم کرنا چاہتا ہوں لیکن تمہیں بس اپنے اونٹوں کی فکر ہے؟“ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: ”میں بس اپنے اونٹوں کا مالک ہوں، اس لئے ان کی فکر کرتا ہوں، باقی جو اس گھر کا مالک ہے، اس کی حفاظت ہی کرے گا۔“ سردارِ مکہ اپنے اونٹ لے کر واپس آ گئے اور اہل شہر کو حکم دیا کہ پہاڑوں و ترّوں اور گھاٹیوں میں چھپ جاؤ تاکہ تم لشکرِ ابراہیم سے اپنے جان و مال کو بچا سکو۔ پھر حضرت عبدالمطلب چند معزز افراد کے ساتھ حرمِ کعبہ میں آئے اور زنجیر در کعبہ پکڑ کر بارگاہِ قدس ربّ العزت میں یوں گزارش کی:

لَا هُمْ أَنَّ الْعَبْدَ يَمْنَعُ سَحْلَةً فَامْنَعْ حِلَالِي  
 ”اے اللہ تعالیٰ! ناپسندیدہ اپنے قافلہ کی حفاظت کر رہا ہے۔ اب تو اپنے  
 (عزت والے، گھر کی حفاظت فرما۔“

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيبُهُمْ وَمَا لَهُمْ غَدًا وَمَا لَكَ  
 ”کہیں ایسے نہ ہو کہ ان کی صلیب (خانہ کعبہ پر) بلند ہو جائے اور ان کی  
 تدبیرِ تیری تدبیر پر غالب آجائے۔“

إِنْ كُنْتَ تَادِكُمْ وَقَبْلَتَنَا فَا مَر مَابْدَلِي  
 ”اور اگر تو ہمارے قبلہ (کی بریادی) پر اُن کو چھوڑنے والا ہے، تو پھر  
 تیری رضا ہے تو جو چاہے سو کر۔“

حضرت عبدالمطلب یہ عاتقہ اشعار پڑھ کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک پہاڑی درہ

میں پناہ گزیں ہوئے۔ بوقتِ صبح ابرہہ نے کعبۃ اللہ شریف کو منہدم کرنے کے لئے فوج کو پیش قدمی کرنے کا حکم دے دیا۔ ربّ ذوالجلال کی قدرت کہ ابرہہ کے سب سے بڑے اور قوی ہاتھی (کہ جس کو محمود کہا جاتا ہے) نے حملہ کرنے سے انکار کر دیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ فیل بان نے ہر ممکن کوشش کی، اس ہاتھی کے سر پر کھال برسائے، اس کی آنکھوں میں سوتے مارے، مگر ناکامی ہوئی۔ پھر اس ہاتھی کا منہ دوسری طرف کیا گیا تو فوراً کھڑا ہو گیا، اور تیز تیز چلنے لگا، جو نہی اس کو خانہ کعبہ کی طرف گھمایا تو وہ یک بیک بیٹھ گیا، اسی طرح کئی مرتبہ ہوا۔ پورا لشکر اس صورتِ حال سے سخت متعجب اور بے چین تھا، ابرہہ اور اس کے ساتھی ہمت شکنش میں تھے کہ معاً سمندر کی طرف سے غول غول اُڑتے ہوئے کچھ پرندے نظر آئے اور وہ آنِ واحد میں پوری فوج پر چھا گئے۔ ہر پرندہ کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، یعنی ایک چوہا اور دو بچوں میں۔ پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے سنگباری شروع ہو گئی۔ بظاہر یہ کنکریاں چنے اور مسور کے برابر تھیں، مگر اس قدر ہولناک اور تباہ کن کہ سوار کو ہاتھی سمیت اڑا دیتی تھیں۔ اس خوفناک فضائی حملہ سے صرف چند افراد ہی بچ کر بھاگ سکے باقی لوگوں کا جو حشر ہوا اُسے قرآن کریم سورۃ فیل میں کَعَصَفٍ مَّا كُوِّلَ (یعنی جانور کے کھاتے بھوسے کی طرح ریزہ ریزہ) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ بچ رہنے والے چند افراد ابرہہ کی سرکردگی میں اپنے وطن یمن کی طرف سرپٹ دوڑ رہے تھے کہ راستے میں اُن کو یہ جیک سے ملتی جلتی ایک خبیث مرض نے آن گھیرا۔ خود ابرہہ کا یہ حال تھا کہ وہ خوفزدہ ہو کر دوڑ رہا تھا اور اُس کے اعضائے بدن کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں ابرہہ چڑیا کے اس بچے کی طرح ہو گیا کہ جس کے بال و پر نوچ دیئے گئے ہوں، بالآخر اُس کا سینہ پھٹ گیا اور یوں بیت اللہ شریف کو برباد کرنے کا عزم رکھنے والا خود تباہ و برباد ہو گیا۔

لَا يَبْقَىٰ فِيهِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

چاہ زمزم کی کھدائی فضائل حضرت عبدالمطلب میں زمزم کے کنوئیں کی دریافت بھی ہے۔ پس منظر اس کا یوں ہے:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رحلت مبارکہ کے بعد چاہ زمزم آپ کی اولاد، یعنی بنو اسماعیل کے قبضہ میں رہا۔ ان کے بعد بنو جرہم نے اس پر قبضہ جمالیا اور یہی قبیلہ مکہ کا حاکم بن گیا۔ کچھ عرصہ تک یہی صورت حال رہی۔ پھر جب قوم جرہم سے عمرو بن حارث بادشاہ بنا، تو اس نے ظلم و ستم کی بنا ڈالی، وہ نہ صرف مسافروں کو تنگ کرتا، بلکہ حرم کعبہ کی توہین سے بھی گریز نہ کرتا۔ یہ دیکھ کر مختلف قبائل عرب نے بنو جرہم پر حملہ کر دیا۔ عمرو بن حارث کو شکست نظر آئی تو اس نے بھاگنے سے پہلے کعبۃ اللہ شریف پر چڑھائے جانے والے ہدایہ، مثلاً سونے کے دوہرن اور ہتھیار و جواہرات وغیرہ اور عند البعض رکن کعبہ سے حجر اسود کو بھی اکھاڑا، پھر سب کو زمزم کے کنوئیں میں ڈال کر اس طرح پاٹ دیا کہ زمزم کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اس کے بعد اگرچہ حکومت مکہ تو بنو اسماعیل کے ہاتھ آگئی، مگر زمزم اسی طرح گم اور بے نشان رہا، یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ محترم حضرت عبدالمطلب کا زمانہ آیا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت عبدالمطلب بیت اللہ میں سوئے تھے کہ کسی نے خواب میں کہا کہ ”بتہ“ کھودو۔ آپ نے پوچھا کہ ”بتہ“ کیا ہے؟ یہ سن کر وہ چلا گیا۔ اگلے روز پھر خواب میں پھر آیا اور کہا کہ ”طیبہ“ کھودو۔ آپ نے پوچھا کہ ”طیبہ“ کیا ہے؟ وہ پھر چلا گیا۔ اگلے روز خواب میں وہ پھر آیا اور صاف صاف کہا کہ زمزم کھودو اور ساتھ ہی اس کی جگہ کی نشان دہی کر دی۔ صبح کو حضرت عبدالمطلب اٹھے اور کھدائی شروع کر دی۔ درختوں کی کبری، بیہقی، سیرت ابن ہشام، مدارج النبوة ابھی تھوڑی سی کھدائی ہوئی تھی کہ چاہ زمزم کے آثار نظر آنے لگے، پھر سونے کے ہرن اور ہتھیار وغیرہ سب کچھ برآمد ہو گیا، یوں چاہ زمزم ایک مرتبہ پھر

جاری ہو گیا۔ اب قریش کے دوسرے قبائل بھی اس پر اپنا حق جتانے لگے۔ جب جھگڑے نے طول پکڑا، تو ثالث کے فیصلہ پر سب متفق ہو گئے۔ ثالث نے قریش مکہ نے بنی سعد بن ہذیم کی ایک انا عورت کو تجویز کیا۔ حضرت عبدالمطلب مان گئے۔ یہ عورت ملک شام میں رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب اپنے رفقا اور قریش کے دوسرے سرداروں کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ اثنائے سفر میں حضرت عبدالمطلب اور آپ کے اور رفقا کے مشکیزوں سے پانی ختم ہو گیا۔ پیاس کی شدت سے جاں بہ لب ہو گئے۔ دوسرے سرداران قریش کے پاس پانی تھا، مگر انہوں نے پانی دینے سے صاف انکار کر دیا۔ ناچار حضرت عبدالمطلب نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ہر ایک اپنے لئے قبر کا ایک گڑھا کھودے تاکہ موت کی صورت میں اسے دفن کیا جاسکے، یہاں تک کہ آخری شخص اپنے ساتھی کو دفن کر دے۔ ایک آدمی کا بے گور و کفنہ جانا اس سے بہتر ہے کہ سب لوگ بے لحد مر جائیں۔ چنانچہ سب نے قبریں کھود لیں۔ پھر حضرت عبدالمطلب بولے، قسم بخدا! اس طرح تو ہم نے خود کو موت کے حوالے کر دیا ہے، کیونکہ ہم کو شمش کریم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی سبیل پیدا کر دے یہ کہہ کر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ اونٹنی اٹھی تو اچانک کیا دیکھنے میں کہ اونٹنی کے قدموں کے قریب ہی ٹھنڈے اور شیریں پانی کا چشمہ ابل رہا ہے۔ حضرت عبدالمطلب اور آپ کے رفقا کی خوشی کی انتہا نہ تھی، سب نے خود بھی پانی پیا، اپنے جانوروں کو بھی پلایا اور قریش کے ان سرداروں کو بھی اپنے پاس بلایا کہ جنہوں نے پانی دینے سے انکار کر دیا تھا، سب لوگوں نے پانی پیا، مشکیزے بھرے اور کہنے لگے: اے عبدالمطلب! اب فیصلہ کے لئے کسی ثالث کی ضرورت نہیں ہے، خود خدا تعالیٰ نے تمہارے حق میں فیصلہ فرما دیا ہے۔ اگر اس بے آب و گیاہ میدان میں تمہیں پانی مل سکتا ہے، تو یقیناً آپ زمزم بھی تمہارا ہی ہے۔ (خصائص کبریٰ)

بقول ابن ہشام حضرت عبدالملک کے ہاں پانچ بیویوں پر  
**اولاد عبدالملک** دس بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ صاحب کتاب  
 ”حمتہ للعالمین“ نے پندرہ لڑکوں کے نام گنوائے ہیں اور فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ چھ بیویوں  
 سے بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ آپ کی اولاد کا نقشہ درج ذیل ہے:

آپ کی زوجہ کا نام	بیٹوں کے نام	بیٹیوں کے نام
(۱) صفیہ بنت خدیج (یہ عمود نبوی میں جناب نصر کی نسل سے ہیں)	حارثؓ	
(۲) فاطمہ بنت عمرو (یہ عمود نبوی میں جناب مرہ کی نسل سے ہیں)	حضرت عبداللہؓ، زبیرؓ ابوطالبؓ، عبدالکعبہؓ یا مقوم	اقم حکیم بیضا، امیمہؓ، ارویؓ، برہؓ، عاتکہؓ
(۳) گبنی بنت ہاجر (از بنو خزاعہ)	عبدالعزیٰ معروف بہ ابولہبؓ	
(۴) ہالہ بنت وسیب (یہ عمود نبوی میں جناب کلاب کی نسل سے ہیں)	جملؓ - مغیرہؓ حمزہؓ	صفیہؓ
(۵) قتیلہ بن خیاب (یہ عمود نبوی میں جناب نزار کی نسل سے ہیں)	عباسؓ ضرارؓ	
(۶) منعمہ بنت عمرو (از بنو خزاعہ)	مُصعبؓ	

لے ابن ہشام نے ان کا نام سمرہ بنت خدیج، واقدی نے صفیہ بنت خدیج اور قاضی سلیمان  
 منصور پوری نے صفیہ بنت حنیدب تحریر فرمایا۔ ۱۲



یہ بندہ ناچیز اس جگہ حضرت عبدالمطلب کی صرف اُس اولاد یعنی اپنے آقا  
رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (فداہ رُوحی و جسدی) کے صرف چچاؤں اور بھوپوؤں  
کا ذکر کرے گا کہ جن کا تذکرہ ضروری ہے اور آخر میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کا ذکر مبارک ہوگا۔

## ① عم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حارث

رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ عم محترم حضرت عبدالمطلب کے  
سب سے بڑے بیٹے ہیں اور حضرت عبدالمطلب کی کنیت ابوالحارث ان کی وجہ سے ہے۔  
یہ اپنے والد ماجد کی حیات میں ہی فوت ہو گئے تھے، لیکن ان کے چار بیٹے حضرت نوفل،  
حضرت عبداللہ، حضرت ربیعہ اور حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہیں شامل ہیں۔ ان صاحبزادوں کے حالات و واقعات اختصاراً  
سیر و قلم کئے جاتے ہیں؛

اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نوفل بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی  
۱۔ حضرت نوفل رضی اللہ عنہ قسمت میں خلاق عالم حلّ شانہ نے ولایتِ ایمان  
سے مشرف ہونا تخریر فرما دیا تھا، یہی سبب ہے کہ اسلام و کفر کے سب سے پہلے باقاعدہ معرکہ  
غزوہ بدر میں کفارِ مکہ کی طرف سے جنگ میں شامل ہونے کے باوجود یہ اہل ایمان کے ہاتھوں  
قتل ہونے سے بچ گئے۔ بعض سیرت نگار حضرات کے نزدیک آپ غزوہ احزاب کے بعد اور  
بعض کے نزدیک آپ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ غزوہ حنین میں انہوں نے بارگاہِ رسالت بآب  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں تین ہزار نیزے پیش کئے تھے تاکہ اہل ایمان ان کو میدانِ  
جنگ میں استعمال کر سکیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ چچا زاد بھائی  
۲۵ھ کو مدینہ منورہ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

حضرت نوفل بن حارث کے تین بیٹے حضرت مغیرہؓ، حضرت عبداللہؓ اور حضرت حارثؓ تھے۔  
 یہ سب رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی صحابی ہیں، ان میں سے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت  
 عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ طیبہ کا قاضی بنا دیا تھا۔  
 سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر جامع مسجد کوفہ میں حملہ کرنے والے خبیث ترین شخص  
 ابن بلجم کو آپ ہی نے گرفتار کیا تھا، جبکہ وہ فرار ہو رہا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ  
 وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق سیدہ امامہ بنت زینب بنت  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح بھی آپ ہی کے ساتھ ہوا تھا جن سے  
 یحییٰ بن مغیرہ پیدا ہوئے۔

حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کا چہرہ اقدس کسی قدر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا جلتا تھا، گویا  
 آپ کا دیدار کرنے والے کو رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یاد آجایا کرتے تھے۔ سیدنا  
 فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو حاکم کوفہ مقرر فرما دیا تھا، جبکہ حضرت  
 نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تیسرے صاحبزادے حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو  
 حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرمہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ ان کے بیٹے  
 حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد  
 بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بوقت رحلت شریفہ حضرت سیدنا  
 علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو وصیت کی تھی کہ وہ میری بھانجی سیدہ امامہ  
 بنت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیں۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ  
 تعالیٰ وجہہ الکریم نے ان سے نکاح فرمایا، اور ان محمد اوسط بن علی پیدا ہوئے۔ ۱۲

سے کو غزوہ طائف میں مرتبہ شہادت پایا۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آپ سے کمال درجے کی محبت تھی۔ دربار رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کو "سعید" یعنی نیک بخت کا خطاب بھی عطا ہوا۔

**حضرت ربیعہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ** حضرت ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو ارفی تھی۔ انہوں نے اپنے دو بیٹوں کے نام دادا عبد المطلب اور مطلب کے نام پر رکھے۔ حضرت عبد المطلب صحابہ کرام میں شامل ہیں۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بیٹے کا نام ایاس تھا، اس ہی کا ذکر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں یوں ارشاد فرمایا تھا کہ :-

اِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُهُ دَمَ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ -  
یعنی پہلا مطالبہ خون جسے میں ضائع اور کیا میٹ کرتا ہوں وہ خون ابن ربیعہ بن حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ایاس بن ربیعہ رواج عرب کے مطابق قبیلہ بنو سعد میں ایک ایہ کے ہاں دودھ پیتا تھا جس طرح کہ ہمارے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں دودھ نوش فرمایا، قبیلہ بنو سعد اور بنو مہزیل میں جنگ ہوئی تو ایک پتھر اس شیرخوار ایاس بن ربیعہ کے آگیا، جس سے وہ فوت ہو گیا۔ بنی عبد المطلب اسی خون کے دعویدار تھے۔ زمانہ جاہلیت میں اس قسم کا واقعہ ایک طویل جنگ کا پیش خیمہ ہوا کرتا تھا۔ اس قسم کے متصادم قبائل کو جب بھی موقع ملتا، وہ اپنے دشمن کے کسی بھی فرد کو اپنے مقتول کے بدلہ میں قتل کر دیتے اور یوں یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہتا۔ اسی ہولناک تباہی سے بچانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ”مفہوم حدیث“ زمانہ جاہلیت کے سب خون ضائع اور ملیا میٹ ہیں، یعنی جس کسی پر خون کا دعویٰ ہے جو کہ زمانہ جاہلیت میں واقع ہوا تھا، میں اس دعویٰ کو برطرف کر کے ضائع قرار دیتا ہوں، اور اول دعویٰ خون جو ہمارے دعویٰ میں سے جسے میں برطرف اور رائیگاں قرار دیتا ہوں وہ ربیعہ بن حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بیٹے کا خون ہے۔“

**حضرت مغیرہ بن جاحض رضی اللہ تعالیٰ عنہ** حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو سفیان تھی، ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوہرا رشتہ ہے، یعنی ایک تو یہ کہ چچا زاد بھائی ہیں اور یہ کہ انہوں نے بھی حضرت علیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دودھ پیا ہے اس طرح رضاعی بھائی بھی ہوئے۔ ابتدائے اسلام میں ان کا شمار رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں میں ہوتا تھا، مگر فتح مکہ سے چند یوم قبل یہ بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو کر شرف ایمان سے مشرف ہو گئے واقعہ یوں ہوا کہ جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار صحابہ کے عظیم الشان لشکر کے ساتھ فتح مکہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو یہ ابو سفیان (مغیرہ) اور عبداللہ بن امیہ راستہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملے چونکہ یہ زمانہ جاہلیت میں بدترین دشمنان اسلام میں سے تھے اور انہوں نے اسلام کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی، اس لئے ان کو دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا رخ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ حضرت ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! ابو سفیان آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے اور عبداللہ آپ کی حقیقی بھوپھی مائیکہ کا لکھت جگر ہے، اس لئے اتنے قریبی آپ کی رحمت سے محروم نہ رہنے چاہئیں۔ ادھر

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ان دونوں کو یہ ترکیب بتائی کہ جس الفاظ میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے معافی مانگی تھی اور رگزر فرمانے کی درخواست کی تھی، تم بھی وہی الفاظ استعمال کرو، یقیناً حضور بھی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شانِ کریمی سے کام لے کر تم کو معاف فرمادیں گے۔

پہنا پنچہ انہوں نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر یہ آیہ کریمہ پڑھی:

تَاَلَلٰہُ لَقَدْ اٰثَرٰکَ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَاِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ ۝

”یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم! اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر

فضیلت عطا فرمائی ہے، اور بے شک ہم ہی قصور وار تھے۔“

یہ سن کر حضور رحمتِ عالم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوں گویا ہوئے:

لَا تَنْزِیْبَ عَلَیْکُمْ الْیَوْمَ یَغْفِرْ لَکُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ

(سورۃ یوسف: ۹۲) یعنی آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے (تم جاؤ)

اللہ تعالیٰ تم کو معاف کرے، اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے،

حضرت ابوسفیان مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبان رسالت مآب

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اعلانِ معافی سنا، تو اُن پر عجیب کیفیت

طاری ہو گئی، وہ بڑے پرجوش انداز میں فی البدیہہ اشعار پڑھنے لگے:

”ترجمہ اشعار“ مجھے قسم ہے آپ کی مبارک زندگی کی کہ جن دنوں میں اس لئے

جنگ کا جھنڈا بکند کیا کرتا تھا کہ (میرے بُت، لات کا لشکر حضرت محمد

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر پر غالب آجاتے۔ ان دنوں میں اس

خاریشت کی طرح تھا جو اندھیری رات میں حیران و سرگردان و ربدہ کی ٹھوکریں

کھاتا پھر رہا ہو۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں ہدایت پا جاؤں اور صراطِ مستقیم

پر آجاؤں۔ یہ ہدایت مجھے میرے نفس (میرے فہم و شعور) نے نہیں دی، بلکہ

مجھے اللہ تعالیٰ کا رستہ تو اس مبارک ہستی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دکھایا کہ جس کو میں نے ترک کر دیا اور چھوڑ دیا تھا، رسول مکرم، رحمت عالم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُن کی یہ باتیں سن کر محظوظ ہو رہے تھے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد کبھی بھی شرم و حیا کی وجہ سے حضور اکرم نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سر نہ اٹھایا۔ وفات حسرت آیات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی میں درد دل لئے اس انداز سے پیرسوز اشعار پڑھتے کہ سننے والوں کی آنکھیں بھی ڈبڈباجاتیں۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان سے غایت درجہ کی محبت تھی۔ حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سننے میں ہوئی۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اور جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں صحابی ہیں، بلکہ حضرت جعفر تو اپنے والد ماجد حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ غزوہ حنین میں بھی شامل ہوئے۔

## ④ غمِ الہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب

حضرت ابوطالب کا نام عبد مناف تھا، مگر اصل نام پر کنیت ابوطالب غالب آگئی۔ ان کو تا حیدر عرب عجم، شافع امم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے محال و محبت تھی۔ حضرت سیدنا عبدالمطلب کی رحلت مبارکہ کے بعد حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف آپ ہی کے حصہ میں آیا۔ دیگر کئی اسباب کے علاوہ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ حضرت ابوطالب حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا ہیں مشہور ہے کہ حضرت ابوطالب اپنے اہل خانہ کے ساتھ جب کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھے تو اس وقت تک کسی کو کھانا کھانے کی اجازت نہ دیتے، جب تک ان کے محبوب بھتیجے حضرت



محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دسترخوان پر جلوہ گر ہو کر کھانا شروع نہ فرمادیتے۔ آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے ماقبل اور مابعد جس قدر جاں نثاری، محبت اور ایثار و قربانی کا نمونہ پیش فرمایا ہے، قیامت تک اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

سات سن نبوی کو جبکہ اسد اللہ و رسولہ حضرت امیر حمزہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی باکمال ہستیاں بھی شرف ایمان سے مشرف ہو گئیں، اسلام قبائل عرب میں پھیلنے لگا۔ صحابہ کرام ملک حبشہ کی طرف جانے لگے، تو کفار مکہ کے تن بدن میں حسد و عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ سب کے سب (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے یعنی نور خدا کو پھونکوں سے بجھانے پر کمر بستہ ہو گئے، تو حضرت ابوطالب ان کے راستے کی دیوار بن گئے۔ پھر آپ نے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو کر کچھ گزارشات پیش کیں، تو عزم و ہمت نبوی دیکھ کر پر جوش انداز میں بولے:

ترجمہ: ”خدا تعالیٰ کی قسم کوئی بدخواہ آپ کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ بھی نہیں سکتا، جب تک کہ میں زندہ ہوں، آپ اپنے دین کو علی الاعلان پھیلاتیے، کوئی اندیشہ نہ کیجئے، خوش رہیے، تبلیغ دین اسلام سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیجئے۔“

پھر آپ اپنے خاندان کے دیگر افراد ابولہب کے سواہ کے ساتھ شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہے۔ اس دوران قریش مکہ خاندان بنو ہاشم کے ساتھ شادی بیاہ خرید و فروخت، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، گفت و شنید ختم کر دی، گویا ہر لحاظ سے مکمل مقاطعہ اور بایکٹ کر دیا۔ حضرت ابوطالب نے ان تمام کانٹوں کو میرے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (فداہ روحی و جسدی) کی محبت میں پھول سمجھ کر آنکھوں پر سجایا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے چچا بزرگوار کا بیجا احترام اور محبت فرماتے حضرت سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ اُمّ المؤمنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت فیضِ رحمت میں پیامِ نکاح بھیجا، تو آپ ﷺ نے اپنے چچا جان حضرت ابوطالب کی اجازت کے بغیر پیغامِ نکاح قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ خود حضرت ابوطالب نے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کر دیا۔

”مدارج النبوة“ میں ہے: دس سنی نبوی میں حضرت ابوطالب نے

**وفات** پائی۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب حضور سرورِ کونین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریفہ کے انچاس سال آٹھ ماہ اور گیارہ دن گزئے تو حضرت ابوطالب کی وفات ہوئی، جبکہ بعض مورخین نے نصف ماہ شوال نقل کیا ہے مدارج النبوة کے مطابق اس وقت حضرت ابوطالب کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔

رَبِّ ذُو الْجَلَالِ کی قدرت کہ حضرت ابوطالب کی وفات کے صرف تین یا پانچ دن بعد پیکرِ صبر و رضا، منبعِ جود و سخا، مجسمہٴ مہرِ وفارِ رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غایت درجہ غمگسار اور وفا شعار رفیقہٴ حیات حضرت سیدہ اُم المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دمیرے ماں باپ اُن پر قربان ہوں، کی رحلتِ مبارکہ ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس سال کو عامُ الْحُزْنِ یعنی غم کا سال فرمایا کرتے تھے۔ (مدارج النبوة)

حضرت ابوطالب کے چار بیٹے حضرت طالب، حضرت عقیل، حضرت اولاد جعفر طیار اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دو بیٹیاں حضرت اُم بانی اور حضرت جمانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھیں، ان میں کسوائے طالب کے سب کے سب صحابہ کرام میں شامل ہیں۔

ذیل میں آپ کے صاحبزادگان حضرت عقیل، حضرت جعفر طیار اور حضرت اسد اللہ الغالب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تذکرہ کیا جاتا ہے، ربِّ کریم شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین!

## (الف) حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو یزید تھی۔ یہ اپنے بڑے چچا ابوبکر سے دس سال چھوٹے اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دس سال بڑے تھے۔ حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ کے لئے آئے تھے۔ میدانِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہونے والے مشرکین میں یہ بھی شامل تھے۔ ان کا فدیہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادا کیا تھا۔ (خیال رہے کہ حضرت عباس بھی قیدیوں میں شامل تھے) حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح حدیبیہ سے قبل اسلام لائے اور غزوہ موتہ میں شرکت فرمائی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی۔ قبولِ اسلام کے ساتھ ساتھ اسبابِ محبت کا تذکرہ خود زبانِ سالِ کتاب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یوں ہوتا ہے:

يَا أَبَا يَزِيدَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّيْنِ حُبًّا لِقَرَابَتِي وَحُبًّا  
كَمَا كُنْتُ أَعْلَمُ مِنْ حُبِّ عَمِّي إِيكَائِي -

”ابو یزید (عقیل) میں تجھ سے (عام ایمان والوں کے مقابلہ میں) دو محبتیں (زیادہ) رکھتا ہوں، ایک تو قرابت کی (وجہ سے) محبت ہے (کہ تم میرے چچا زاد بھائی ہو) اور دوسری محبت یہ کہ میں جانتا ہوں میرے چچا (ابوطالب) کو تم سے خصوصی محبت تھی۔“

آپ کا انتقال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں ہوا۔ آپ کی اولاد میں حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سانحہ کربلا کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں سیدہ  
 حضرت مسلم بن عقیل رقیہ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھیں۔ اس اعتبار سے  
 آپ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہنوئی بھی ہیں۔ یزید پلید کے دورِ ظلم  
 جب اہل کوفہ نے ہزاروں کی تعداد میں اپنے عریضے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کی خدمتِ اقدس میں بایں مقصد ارسال کئے کہ ان کو کسی ہادی و اسنہ کی ضرورت ہے  
 اس لئے آپ تشریف لائیں تو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مسلم بن عقیل  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو اپنا نائب بنا کر کوفہ روانہ کیا۔ اہل کوفہ نے آپ کا والہانہ  
 استقبال کیا۔ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ کو حضرت امام حسین  
 علیہ السلام کا خطِ مبارک سنایا، تو وہ ہلک ہلک کر رونے لگے اور نامہ اقدس کو  
 چومتے تھے۔ چند ہی یوم میں بہت سے کوفیوں نے آپ کے ہاتھ پر سیدنا امام حسین  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بیعت کی۔ جب بیعت کنندگان کی تعداد بارہ ہزار ہوئی  
 دیگر اٹھارہ یا تیس یا چالیس ہزار ہو گئی، تو حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطمئن  
 شہزادہ کونین حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عریضہ روانہ کر دی  
 جس میں اہل کوفہ کی پُرچوش عقیدت اور بیعت کے تذکروں کے ساتھ ساتھ تشریف  
 کی گزارش بھی کی گئی تھی۔ ادھر مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن ولید نے پوری صورتِ حال  
 سے یزید پلید کو مطلع کر دیا۔ یزید نے فوراً ابن زیاد بن نہاد والی بصرہ کو اس مہم پر روانہ  
 ابن زیاد نہایت مکاری اور عیاری کے ساتھ حجازی لباس پہنے اپنے چہرہ کو نقاب سے  
 چھپائے رات کے وقت کوفہ میں داخل ہوا۔ اہل کوفہ نے سیدنا امام حسین علیہ السلام سمجھ کر  
 اس کا استقبال کیا، لیکن جب پتہ چلا کہ یہ تو عبید اللہ ابن زیاد ہے تو سب پر مرنی چھا  
 علی الصبح ابن زیاد نے کوفیوں کو جامع مسجد میں جمع کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اتنا ہجوم ہوا  
 کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ اس وقت یہ لعین منبر پر چڑھا اور لوگوں کو سخت و سست کہہ

لشکرِ یزید سے ڈرانے لگا۔ کوئی لائیو فی کانپ گئے اور اپنے سب عہدِ پیمان بھلا بیٹھے۔ مختصر یہ کہ بوقتِ عصر حضرت امام مسلم، مسجد میں تشریف لائے تو کسی نے بھی آپ کے ساتھ نماز نہ پڑھی۔ بعد نماز آپ دروازہ مسجد پر آئے تو ایک لڑکے کی زبانی حالات اہل کوفہ سے مطلع ہوئے، تو لا حول پڑھی، پھر ذہنِ مبارک میں آیا کہ مجھے اپنی جان کی تو پرواہ نہیں، مگر میں تو جانِ جاناں شہزادہ کوئین حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی تاکِیداً بلا چکا ہوں، یقیناً میرا خط دیکھتے ہی وہ تشریف لے آئیں گے اور یہاں کے تو حالات ہی بدل گئے ہیں۔ اسی شش و پنج میں تھے کہ یکایک اکابر کوفہ میں سے حضرت ہانی بن عروہ کا خیال آیا جو بیمار ہونے کے سبب مسجد میں نہ آتے تھے، سوچا اُن سے مشورہ کرنا ہوں۔ چنانچہ آپ دروازہ ہانی بن عروہ پر جلوہ گر ہوئے، حضرت ہانی نے نہایت تعظیم و تکریم سے استقبال کیا اور سب اقعہ سُن کر ایک سڑاہ بھری، پھر عرض کیا کہ حضور! آپ فکر نہ کریں، ابن زیاد میرا دوست ہے، میری بیماری کا سُن کر میرے ہاں ضرور آتے گا۔ آپ مسلح ہو کر ایک گوشہ میں چھپ جاتیں۔ اول تو میں اسے زبانی سمجھاؤں گا۔ اگر وہ نہ مانا، تو میں اپنا عمامہ اتار کر زمین پر رکھ دوں گا، بس آپ اشارہ پاتے ہی اسے قتل کر دیں۔ دوسری طرف ابن زیاد نے ایک دو روز میں تمام رؤسا و اکابرین کوفہ کو اپنے قبضے میں لے لیا اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی گرفتاری پر انعام کا اعلان کر دیا۔ پھر اُسے اپنے دیرینہ دوست ہانی بن عروہ کا خیال آیا۔ اُسے بتایا گیا کہ وہ بیمار ہیں۔ یہ خبیث فوراً عیادت کے لئے چلا آیا۔ حضرت ہانی نے اسے عزت سے بٹھایا اور سمجھایا کہ حضرت امام حسین ابنِ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، ہیں اور حضرت مسلم اُن کے نمائندے ہیں، ان کو سزا دینے کے درپے نہ ہو۔ ابن زیاد بولا: حاکم وقت کی مخالفت کرنے والا واجب القتل ہے خواہ کوئی بھی ہو۔، حضرت ہانی سمجھ گئے کہ اس کا ایمان نکل چکا ہے۔ حسبِ پروگرام

حضرت ہانی نے اپنا عمامہ اتار کر زمین پر رکھا، لیکن حضرت مسلم گوشہ سے باہر نہ آئے اُس نے سمجھا کہ شاید دیکھا نہ ہو، دوبارہ پھر یہی عمل کیا، تب بھی آپ تشریف نہ لائے، تو حضرت ہانی نے بلند آواز میں یہ اشعار پڑھے:

حَتَّى سَلَمَى وَحَيَّ مَنْ يُحِبُّهَا  
مَا لَأَنْتَظَرُ بِسَلَمَى أَنْ تُحِبُّهَا  
فَاخْرُجْ إِلَيْهَا وَلَا تَأْخُزْ قُضُمَا  
إِنْ كَانَ فِي الْكَاسِ مَاءُ الْعِنَبِ فَاسْتَقِهَا

ترجمہ: ”آبھی جاؤ کہ تمہاری محبوبہ جس سے تمہیں شدید محبت تھی آگئی ہے، اگر واقعی تم اسے محبوب رکھتے تھے، تو اب کس کا انتظار رہے؟ جلدی اُس کی طرف آؤ، اُس کے ساتھ فیصلہ کرنے میں دیر نہ کرو، اگر تمہارے جام میں انگوروں کا پانی ہے، تو اسے آکر پلاؤ۔“

حضرت ہانی نے یہ رباعی حضرت مسلم کو براہِ نیچتہ کرنے کے لیے پڑھی تھی۔ ابن زیاد نے حیران ہو کر پوچھا: ہانی! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ آپ تو خاموش رہے اور آپ کے تیمارداروں نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ حالتِ بیماری میں کبھی بھی یہی ہی عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ ابن زیاد افسوس کرتا ہوا اٹھا اور روانہ ہو گیا۔ ابن زیاد کے دفع ہوتے ہی حضرت مسلم گوشہ سے نکل آئے۔ حضرت ہانی نے متعجبانہ عرض کیا کہ حضور! آپ نے یہ کیا کیا؟ اللہ تعالیٰ کی قسم ابھی سب بلائیں رفع ہو چکی تھیں، مجھے اُس غیبت کے پنج نکلنے کا بڑا صدمہ ہے۔ آپ نے جواباً حضرت ہانی سے فرمایا: ”جو کچھ ہم نے پروگرام بنایا، وہ ہمارا تھا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور ہے۔ میں تمہارے ہر اشارہ پر پوری طاقت سے اٹھا، مگر ہر مرتبہ نادیدہ ہانڈ نے مجھے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی



کہہ رہا ہوں، مسلم! ابھی اس کا پیماۂ عمر لیریز نہیں ہوا۔ آرام سے بیٹھے رہو۔“  
بُس پھر میرے جسم میں طاقت ہی نہ رہی۔ حضرت ہانی سُن کر عرض کیا کہ مجالِ بندہ  
کچھ نہیں، اختیار کا مالک بُس آپ ذوالجلال ہے۔ بہر حال آپ اس گھر سے باہر  
نہ جائیں، مجھ پر جو مصیبت آئے گی، برداشت کر لوں گا۔

ادھر حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں شہر کا کونہ کونہ چھانا جا رہا تھا  
بالآخر ابن زیاد نے معقل نامی ایک نہایت مکار، عیار اور تجربہ کار جاسوس کے  
ذریعے حضرت مسلم کو ڈھونڈ لیا۔ حضرت ہانی کو دربار میں طلب کر لیا گیا، اور  
ابن زیاد نے بڑے درشت لہجے میں آپ کو مخاطب کر کے کہا: ہانی! تم نے دوستی  
کے پردے میں میرے ساتھ غداری کی ہے۔ اگر کوئی اور ہوتا، تو اب تک قتل کر دیا  
گیا ہوتا، مگر میں تمہیں صرف اتنا کہتا ہوں کہ مسلم کو میرے حوالے کر دو، ورنہ میرے  
غصے سے تم خوب واقف ہو۔ آپ نے جو اباً فرمایا: ابن زیاد سُن! ہانی اپنی جان  
تو دے سکتا ہے، مگر حضرت مسلم کو تیرے حوالے نہیں کر سکتا، چنانچہ ابن زیاد لعین کے  
حکم پر حضرت ہانی کو شہید کر دیا گیا۔

عمرو بن الحجاج دنیاری نے جو ابن زیاد کی طرف سے حضرت ہانی کو بلانے  
گئے تھے۔ جب حضرت ہانی کی شہادت کی خبر سُنی، تو فوراً بہت سے کوفیوں کو  
ساتھ لے کر ابن زیاد کے محل کو آگھیرا۔ اس خبیث نے قاضی شہر کو حکم دیا کہ باہر جا کر  
کہہ دو کہ ہانی کے قتل کی خبر غلط ہے، وہ محفوظ و سالم ہیں۔ قاضی نے ابن زیاد کے  
ڈر سے یہی کہہ دیا اور یوں مجمع منسحب ہو گیا۔ حضرت مسلم نے جب ہانی کی شہادت کی  
خبر سُنی، تو خانہ ہانی سے باہر آئے۔ ابن زیاد کے سپاہیوں نے آپ کو  
گھیرے میں لے لیا۔ آپ نے مردانہ واران کا مقابلہ کیا۔ بالآخر زخمی ہو کر  
گرفتار ہوئے اور پھر انبث الناس ابن زیاد بد نہاد کے حکم پر متورضہ ۳۲ ذوالحجہ

بروز جمعرات حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بلند عمارت کے اوپر سے نیچے پھینک کر شہید کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

شہزادگانِ مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہم) حضرت سیدنا مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرما

ہوتے وقت اپنے دو چھوٹے شہزادوں یعنی حضرت ابراہیم و حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی ساتھ ہی لے آئے تھے۔ آپ ان بچوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ان کی عمریں بمشکل تمام سات آٹھ برس کی تھیں۔ محبوب باپ کی درو تاک شہادت پر ان معصوم بچوں کا جو حال ہوا ہوگا، وہ محتاج بیان نہیں۔ چمنستان رسالت مآب کے یہ دو ننھے ننھے پھول اس وقت قاضی شریح کے گھر پر تھے۔ پہلے حضرت قاضی شریح نے پھر مشکور نامی ایک محب اہل بیت دار و غریب نے ان کو اس ظالم کے نیچے استبداد سے بچانے کی بھرپور کوششیں کیں، مگر تقدیر کا لکھا کون مٹا سکتا ہے؟ یہ دونوں شہزادے عارث نام کے ایک کمینہ خصلت بد بخت کو فی کے ہتھے چڑھ گئے۔ اس بد کردار کار نے ان دونوں کو ابن زیاد کی خوشنودی اور انعام کے لالچ میں برب فرات بڑی بیدار سے شہید کر کے لاشہ ہائے مقدس کو فرات میں بہا دیا۔

حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تیسرے لختِ جگر حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میدانِ کربلا میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے منصبِ شہادت پر فائز ہوئے۔

چہ خوش رسمے بنا کر دند، بنجاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کنند این عاشقانِ پاک طینت را

حضرت محمد بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض کتب میں ان کا نام عبداللہ بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ درج ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم، ان کی زوجیت میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی شہزادی حضرت زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا تھیں۔ حضرت محمد بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ کربلا میں جفا کارانِ امت کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے دو صاحبزادے حضرت قاسم اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہما شہیدِ کربلا ہیں۔ ان کے تیسرے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کثیر اولاد ہوئی، جو اطرافِ عالم میں خوب پھیلی۔

حضرت جعفر بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اپنے ایمان فروشانِ کوفہ و شام کے مقابلہ میں خوب جوہر تیغِ ہاشمیت دکھا کر شہادت کا جامہ زیب تن فرمایا۔

حضرت عبدالرحمن بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ صاحبزادے بھی جاں نثارانِ امام حسین علیہ السلام میں شامل تھے اور بڑی بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے کربلا میں عبداللہ بن عروہ خبیث کے ہاتھوں تیر لگنے سے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سارِ رضاعی بھائی بھی ہیں، یعنی انہوں نے بھی حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دودھ پیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گزیر تھیں، انہوں نے ہی ابولہب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی خوشخبری سنائی، تو اس نے بھتیجے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا اور کہا تھا کہ جا کر میرے نومولود بھتیجے کو دودھ پلا، ربِّ کریم نے ولادتِ نبوی پر خوشی منانے کی اس نیکی کو باوجود کفرِ ابولہب کے ضائع نہیں فرمایا، بلکہ اسے اجرِ عطا فرمایا۔

علیہ آلہ وسلم نے بھی۔

آپ قدیم الاسلام ہیں۔ جب مکہ مکرمہ میں کفار کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کے حکم سے دیگر صحابہ کرام کی معیت میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے کر ملک حبشہ روانہ ہو گئے۔

علامہ ابن ہشام نے اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت درج کی کہ انہوں نے فرمایا: جب ہم سرزمین حبشہ میں پہنچے تو ہمیں امن و سکون پیش آگیا ہمیں کوئی ستانا نہ تھا اور نہ ہی ہم بڑی باتیں سنتے تھے۔ جب اس حالت کی اطلاع قریش مکہ کو ہوئی، تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے دو مستقل مزاج اور تجربہ کار آدمیوں یعنی عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو ابن العاصؓ کو نجاشی شاہ حبشہ کے ہر وزیر کے لئے تحائف دے کر روانہ کیا اور کہا کہ نجاشی شاہ حبشہ مسلمانوں کے بارے میں گفتگو کرنے سے پہلے ہر وزیر کو اس کا تحفہ دے دینا تاکہ وہ تمہاری ہمنوائی کرے۔ بعد ازاں شاہ نجاشی کی خدمت میں تحائف پیش کر کے مسلمانوں کے بارے میں گفتگو کرنا۔ (گویا یہ ایک قسم کی رشوت تھی، جو کہ پیش کی جا رہی تھی)

یہ دونوں ملک حبشہ پہنچے اور پھر گرام کے مطابق شاہ نجاشی کے سب وزراء پاس فردا فردا گئے، تحائف پیش کر کے اُن سے کہا کہ ہمارے خاندان کے چند بے وقوف افراد نے نہ تو اپنی قوم کا دین اختیار کیا اور نہ ہی تمہارا، بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا، جس سے نہ ہم واقف ہیں نہ تم۔ انہوں نے تمہارے ملک میں پناہ لی ہے۔

اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ ہجرت اپنے پہلے خاوند ابوسلمہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں کی تھی۔ یہ وہی عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے مسلمان ہو کر اتنے بڑے بڑے معرکے سرانجام دیے، جو تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہیں۔

ڈر ہے کہ وہ یہاں بھی فتنہ پھیلاتیں گے۔ ہماری قوم نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ تمہیں اس فتنہ سے بچانے کے لئے، ہم اُن کو واپس لے جائیں، تو جب ہم ان کی واپسی کے لئے بادشاہ سے درخواست کریں، تو براہ کرم! آپ ہماری حمایت کر دیں۔ سب وزراء نے وعدہ کر لیا۔

**سفیرانِ مکہ دربارِ نجاشی میں** پھر ان دونوں نے بہت سے تحائف پیش کئے، جو قبول کر لئے گئے، بعد ازاں عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمر بن العاص نے گفتگو شروع کی اور مسلمانوں پر بہت سے الزامات لگا کر مطالبہ کیا کہ سب مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ انہیں اپنے وطن لے جائیں۔ رشوت خور وزراء نے بھی پُر جوش انداز میں اس مطالبے کی حمایت کی اور کہا جتنی جلد ہو سکے، اُن شریکوں کو ملک سے باہر نکال دیا جائے، اور ان کی کوئی بات نہ سُنی جائے۔

**نجاشی کی داناتی** خدا تعالیٰ کی قسم ایسے نہیں ہو سکتا، جن لوگوں نے دوسروں کو چھوڑ کر مجھ کو منتخب کیا ہے، میری سرزمین پر میرے مہمان بن کر آتے ہیں اور پڑوسی ملک سے یہاں پہنچے ہیں، میں ان کو ایسے ہی واپس نہ کروں گا، بلکہ تحقیق و تصدیق کروں گا اگر ان دونوں کے الزامات درست ہوتے، تو ان سب کو میں خود اُن کے حوالہ کروں گا اور انہیں اُن کی قوم کی طرف واپس لوٹاؤں گا، اور اگر یہ جھوٹے ثابت ہوتے، تو میں مسلمانوں کی حفاظت کروں گا اور اُن کے پڑوس کا پوری طرح حق ادا کروں گا۔ اس کے بعد شاہِ نجاشی نے مسلمانوں کے سب افراد کو اپنے دربار میں طلب کر لیا۔ چنانچہ سب مہاجرین حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دربارِ نجاشی میں بڑے وقار سے تشریف لے آئے۔ جب دربار میں پہنچے تو دیکھا

کہ شاہ نجاشی نے اپنے علماء کو بھی بلارکھا ہے اور وہ اُس کے گرد اپنے صحائف و کتب کھولے بیٹھے ہیں۔

**حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر** بادشاہ نے سوال کیا کہ اس دین

ہو کر تم نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر رکھی ہے؟ تم نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے، نہ موجودہ دینوں میں کسی اور میں، بلکہ ایک نیا دین بنا لیا ہے؟

جواباً حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: اے بادشاہ! ہماری قوم کی حالت یہ تھی کہ ہم سب جاہل تھے، بتوں کی پوجا کرتے، مردار کھاتے، بُرے کاموں کے مرتکب ہوتے، رشتے ناطے توڑ دیتے، پڑوسیوں سے بُرا سلوک کرتے اور ہم سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہماری یہ ناگفتہ بہ حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک برگزیدہ شخصیت کو رحم دل بنا کر مبعوث فرمایا، جس نے حسبِ نسب، سچائی و دیانتداری، تقویٰ، پاکیزگی اور پاکدامنی سے ہم خوب واقف تھے۔ انہوں نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ خدائے وحدہ لا شریک کے ساتھ کسی کو معبود نہ مانیں، صرف اس کی عبادت کریں۔ اُس نے ہم کو پتھروں اور بتوں کی پوجا سے روکا کہ جسے ہمارے آباؤ اجداد نے اختیار کر رکھا تھا۔ اس بزرگ ہستی نے ہمیں حکم دیا کہ ہمیشہ سچ بولا کریں، وعدہ کی خلاف ورزی نہ کریں، امانت میں خیانت نہ کریں، رشتہ داروں سے تعلقات قائم کریں، پڑوسیوں سے نیک سلوک کریں، حرام باتوں سے اور ناحق قتل و خون ریزی سے باز رہیں، گناہوں سے پرہیز رکھیں، یتیم کا مال نہ کھائیں،

لے اُس وقت حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب فسطوری عیسائی تھا، بعد میں آپ دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے۔ ان کی نماز جنازہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمائی۔ (ملاحظہ ہو کتب احادیث و سیرت)



کہ امن عورتوں پر تہمت نہ لگائیں، نماز ادا کریں، روزہ رکھیں، غریبوں میں صدقہ تقسیم کرتے رہا کریں۔ عرض کہ انہوں نے نجاشی کے سامنے اسلام کے تمام احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا: اے بادشاہ! ہم نے اس رسول کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لے آئے۔ وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے لے کر آئے ہم نے قبول کر لیا۔ اس پر ہماری قوم بگڑ گئی۔ ہم پر بہت سے ظلم اور زیادتیاں ہوئیں۔ ہمیں شدید ترین تکالیف اور مصائب میں مبتلا کر دیا۔ ہماری قوم نے ہمیں ہر ممکن طور پر عبور کیا کہ ہم دوبارہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بجائے لکڑی اور پتھروں کی پوجا شروع کر دیں، اُن تمام بُرائیوں کو پھر سے اپنالیں، جن کو حرام سمجھتے ہوئے ہم نے چھوڑ دیا، جب ہماری قوم کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا اور ہماری زندگی کا میدان ننگ ہو گیا، تو ہم مجبور ہو کر آپ کے ملک میں پناہ گزیں ہو گئے۔ ہم نے آپ کو دوسروں پر اس لئے ترجیح دی ہے کہ ہمیں اُمید ہے کہ آپ کے ملک میں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔

شاہ نجاشی حضرت جعفر بن

**قرآن کریم کی تلاوت دربار نجاشی میں** ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی باتوں سے متاثر ہو کر بولا: تمہارا رسول جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آیا ہے، وہ تمہیں بھی کچھ یاد ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں! شاہ نجاشی نے کہا: وہ مجھے پڑھ کر سناؤ۔ چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۃ مریم کی ابتدائی آیات مبارکہ کی تلاوت شروع فرمادی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: پھر تو خدا تعالیٰ کی قسم! شاہ نجاشی روپڑا اور اتنا رویا کہ اُس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ دربار نجاشی کے علمائے نصاریٰ پر بھی ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ وہ بھی اتنا روئے کہ اُن کے گریبان بھیگ گئے۔

جب تلاوت قرآن پاک ختم ہوئی، تو حضرت نجاشی نے فرمایا: ”بے شک یہ چیز“  
 اور وہ چیز جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے، یہ دونوں ایک ہی طاق سے نکلی ہوئی  
 روشنیاں ہیں۔“ پھر قریش مکہ کے ان دونوں سفیروں سے فرمایا: ”میرے دربار  
 سے نکل جاؤ، مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم، میں کبھی بھی ان کو تمہارے حوالے نہ کروں گا۔“  
 اور حکم دیا کہ ان سب کے ہدیے بھی ان کو واپس کر دو، ہمیں ان کی کوئی بھی شے  
 قبول نہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی ربیع اور عمرو بن العاص نامراد ہو کر دربار سے  
 نکل گئے۔ دوسرے روز عمرو بن العاص نے نجاشی کو پھر بھڑکایا اور کہا کہ اے  
 بادشاہ! یہ لوگ تمہارے یسوع مسیح کے بارے میں بُرا عقیدہ رکھتے ہیں (یعنی  
 عیسائی) تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں جبکہ مسلمان اس کا انکار کرتے  
 ہیں۔ عمرو بن العاص نے یہ بات شاہ نجاشی کو غصہ دلانے کے لئے کہی تھی، بہر حال  
 نجاشی نے مسلمانوں کو دوبارہ دربار میں طلب کر لیا۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا  
 فرماتی ہیں کہ یہ اتنی بڑی آفت تھی کہ ہم سب لرز گئے اور سوچنے لگے کہ ہم اس کو

اے مفسرین کرام کے مطابق قرآن کریم کے ساتویں پارے کی ابتدائی آیات مبارکہ میں حضرت  
 نجاشی اور ان کے دیگر متلاشیان حق ہی کا تذکرہ ہے۔ آیات مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے ”و اور جب  
 انہوں نے وہ سنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا، تو دیکھو ان کی آنکھیں آنسوؤں  
 سے اُبل رہی ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے اور وہ یوں عرض کر رہے ہیں کہ  
 اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، ہمیں بھی حق کی گواہی دینے والوں میں تحریر فرمائی  
 اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ تعالیٰ پر اور اس حق پر جو ہمارے پاس آگیا ہے۔ ہم  
 چاہتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیچوں میں داخل فرمائے، تو اللہ تعالیٰ ان کے اس اقرار پر ان کو  
 جنت کا حق دار بنادیا کہ جن باغات کے فیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور  
 یہی بدلہ ہے نیکی کرنے والوں کا۔“ (سورۃ مائدہ، آیات ۸۳ تا ۸۵)

عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہیں گے۔ پھر سب اس بات پر متفق ہو گئے۔  
 واللہ! ہم وہی کچھ کہیں گے، جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جو ہمارے نبی نے ہمیں  
 فرمایا ہے، چاہے نجاشی ہمارے ساتھ کوئی بھی سلوک کرے، ہم حق کا اعلان کریں گے۔  
 پھر جب مسلمان نجاشی کے دربار میں گئے تو اُس نے کہا: تم لوگ یسوع مسیح کے بارے  
 میں کیا کہتے ہو؟ تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ہم یسوع مسیح دھڑت  
 عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی کچھ کہتے ہیں جو ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے  
 فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اُس کے برگزیدہ رسول ہیں، نیز کلمۃ اللہ اور  
 روح اللہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے کنواری مریم علیہا السلام کی طرف القا فرمادیا تھا۔  
 اُس نے حضرت نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی  
 قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) اس تنکے کے برابر بھی اس  
 سے زیادہ نہیں ہیں۔ قریش مکہ کے سفیروں کو ایک مرتبہ پھر منہ کی کھانی پڑی۔  
 مسلمان حبشہ میں پرسکون و پرامن رہے مسلمانوں کے اعلیٰ کردار اور تبلیغ کی بدولت  
 حبشہ میں اسلام پھیلا اور حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شرف اسلام سے  
 شرف ہو گئے۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حبشہ سے ایسی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
 خیر میں ہی جلوہ فرما تھے کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ سے واپس آ گئے  
 درمیدھے خیر پہنچے اور دربار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔  
 ان کو دیکھتے ہی رسول اکرم نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے اور بڑے  
 پرجوش انداز میں استقبال فرماتے ہوئے ان کی پیشانی کو چوم کر گلے لگالیا اور فرمایا  
 ”میں نہیں کہہ سکتا کہ ان دونوں خوشیوں میں زیادہ خوشی کونسی ہے؟ خیر کے فتح ہونے کی یا

جعفر کے آنے کی، " نیز سسکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جعفر! تم جسمانی اور اخلاقی طور و نون حیثیت سے) پر میرے مشابہ ہو۔" اس خطاب پر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے حد مسرور ہوئے اور فطر جذبات سے اُچھل پڑے۔

## جنگ موتہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بصری کے حاکم حارث بن ابی شمر کے نام ایک گرامی نامہ دے کر روانہ کیا۔ راستہ میں شرجیل بن عمرو غسانی ملا جو کہ قصبہ کی طرف سے شام کا حاکم تھا، اُس نے حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: تم کون ہو؟ آپ نے بتا دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم کا قاصد ہوں یہ سننے ہی اس بد بخت نے آپ کو شہید کر دیا۔ جب یہ خبر دربار اقدس میں پہنچی تو حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت پریشان ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم نے حاکم شام کو مزا دینے کے لئے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت تین ہزار صحابہ کرام پر مشتمل ایک جہاد جی ہتھیار دیا اور یہ ارشاد فرمایا: اگر اس جنگ میں زید شہید ہو جائیں، تو جعفر بن ابی طالب سپہ سالار ہوں گے، اگر وہ بھی شہید ہو جائیں، تو پھر عبداللہ بن رواحہ سپہ سالار ہوں گے۔ در رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں، تو پھر اہل ایمان جس کو چاہیں سپہ سالار مقرر کر لیں۔ اس وقت نہمان نامی ایک یہودی حاضر خدمت تھا، اُس نے عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ آہ وسلم، جب آپ نے متعدد سپہ سالاروں کو نامزد فرما دیا ہے، تو وہ سب سب شہید ہو جائیں گے؟ کیونکہ آپ سچے نبی ہیں، تو نبی کی زبان سے جو بات نکلے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ بہر کیف حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم نے سفیر

زنگ کا جھنڈا حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ پہلے وہاں جا کر لوگوں کو دعوتِ اسلام دینا، اگر وہ قبول کر لیں تو ٹھیک ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جہاد شروع کر دیں اور مزید ارشاد فرمایا: ساتھیوں سے حسن سلوک کریں کسی سے عہد شکنی نہ کریں، نہ کسی قسم کی زیادتی کریں، نہ کسی عورت، بچے، بوڑھے اور عبادت گاہوں میں گوشہ نشین افراد کو قتل کریں اور نہ ہی باغات کو اجاڑیں، نہ لوٹ مار کریں اور نہ ہی مکانات گرائیں۔ اے

جب اسلامی لشکر مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گیا اور دشمن کو خبر ملی تو شرجیل بن عمر نے فوراً ہر قتل روم اور دیگر دشمنانِ اسلام کی طرف قاصد وڑائے اور تقریباً دو لاکھ کا لشکر حجاز جمع کر لیا۔ ایک روایت کے مطابق مشرکینِ عرب نے بھی اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس طرح لشکر کے افراد کی تعداد تین لاکھ تک پہنچی۔ ثمان نامی مقام پر مسلمانوں کو اس حقیقت کی خبر ہوئی کہ تین ہزار مجاہدین کے مقابلہ میں تقریباً تین لاکھ کفار جمع ہو چکے ہیں، تو مسلمان آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس صورتِ حال سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کر دینا چاہیے، پھر حکم ہوا اس پر عمل کر لیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا جس بات کو تم آج ناپسند کر رہے ہو، یعنی مرتبہ شہادت، یہ وہی تو ہے جس کے لئے تم نے یہ سفر کیا، ہم اپنے مخالفین سے فوج کی تعداد اور طاقت کے بل بوتے پر جہاد نہیں کرتے، بلکہ ہم تو صرف اس دین کی سر بلندی کے لئے لڑتے ہیں، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت و شہرت اور سر بلندی عطا فرماتی ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فتح عطا فرما دے گا اور اگر ایسے نہ بھی ہو تو دوسری صورتِ شہادت کی ہے۔ ان ہر دو صورتوں میں کوئی صورت بھی بُری نہیں۔“

اے سبحان اللہ! اسلام کتنا عظیم مذہب ہے جو اپنے دشمنوں سے بھی حسن سلوک کا درس دیتا ہے

اس پر جاں نثارانِ اسلام بول اُٹھے کہ اے عبداللہ! تم نے بالکل صحیح فرمایا۔ چنانچہ مجاہدینِ اسلام کا یہ مختصر سالشکر موتہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچتے ہی کفار کی فوج سے مقابلہ شروع ہو گیا۔ مسلمانوں نے آج تک اتنی بڑی فوج سے مقابلہ نہ کیا تھا۔ پہلے ہی دن تینوں سپہ سالارانِ اسلام پیدل نبرد آزما ہوتے۔

اول حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی بے جگری سے لڑتے ہوئے دشمن کے نیزہ کے وار سے شہید ہوتے۔ پھر عکرم حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تھام لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلہ جاری رکھا۔ جنگ کے شدید شعلوں میں گھر گئے، تو گھوڑے سے چھلانگ لگا کر نیچے آئے۔ پہلے تو زخمی گھوڑے کو قتل کیا تاکہ دشمنوں کے ہاتھ نہ آتے۔ پھر بچھڑے ہوئے شیر کی طرح دشمنوں کی صفوں پر چھیٹ پڑے۔ لڑتے لڑتے آپ کا دایاں بازو کٹ گیا، تو آپ نے جھنڈا فوراً بائیں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ جب وہ بھی کٹ گیا، تو آپ نے کٹے ہوئے بازوؤں کے ساتھ عکرم کو سینے سے چمٹا کر بلند رکھا، یہاں تک کہ آپ مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ آپ کے جسم اقدس پر نوے سے زیادہ زخم تلواروں اور نیزوں کے پائے گئے۔ پھر حضرت عبداللہ بن واہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سپہ سالار بنے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت لشکرِ اسلام فتح و نصرت سے ہمکنار ہوا۔

(تفصیلی واقعہ ۸؎ غزوہ موتہ کے تحت ملاحظہ ہو)

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
حضرت جعفر کے لئے طیار کا لقب سے مروی ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ ان ہی سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس سے جعفر بن ابی طالبؓ اُڑا رہے ہیں فرشتوں کے ساتھ اس حال میں اڑتے ہوئے گویے کہ ان کے دونوں بازو لگن



تھے۔ (مدارج النبوة) یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اجل شانہ نے میدان جنگ میں کٹنے والے دونوں بازوؤں کے بدلہ میں ان کو ایسے بازو عطا فرمائیے جن سے وہ جنت میں جہاں چاہیں اڑ رہے ہیں۔ اسی دن سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "طیار" یعنی اڑنے والے کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

حضرت سیدنا جعفر طیار بن

خاتہ جعفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی اہلیہ محترمہ حضرتہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس دن حضرت جعفر اور ان کے دوسرے ساتھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) شہید ہوئے، تو رسول کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور فرمایا: جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ، میں نے انہیں حاضر کر دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے پیار فرمانے اور رونے لگے۔ آنسو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریش مبارکہ پر بہہ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے عرس کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، میرے ماں باپ آپ پر قراہوں، کیا آپ کو جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کچھ معلوم ہوا ہے؟ فرمایا: ہاں! وہ شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی میری چیخ نکلی گئی اور میں بے تحاشا رونے لگی اور محلہ کی عورتیں بھی میرے گرد جمع ہو کر رونے لگیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سمجھایا کہ اے اسماء! واویلامت کرو اور بے صبری کے کلمات نہ کہو اور نہ ہی اپنے چہرے کو بیٹو۔ مجھے منع فرمانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی کہ اے اللہ تعالیٰ! جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہترین اجر و ثواب عطا فرما اور ان کی اولاد کو ان کا بہترین جانشین بنا جیسا کہ تو نے اپنے بندوں میں سے کسی کو خلف الصّدق اولاد چھوڑی ہو۔

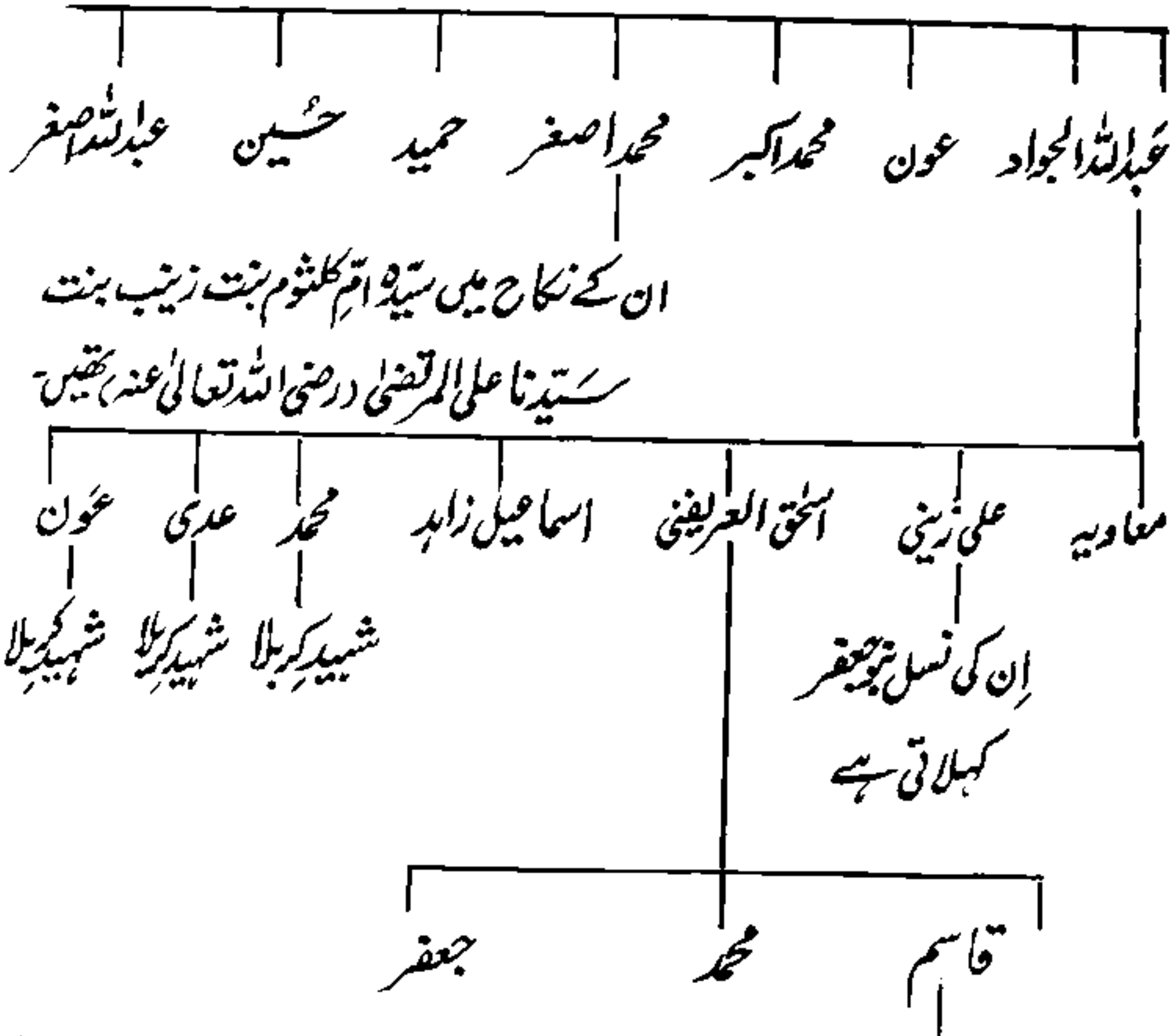
پھر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے اور اہل خانہ

سے فرمایا، تم پوری توجہ سے جعفر کے متعلقین کے لئے کھانا تیار کرو، کیونکہ وہ اُن کے غم میں مبتلا ہیں۔“ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ شہادت کی خبر سن کر آپ بھی حچا جعفر کو یاد کر کے زار و قطار رونے لگیں، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ”بیشک جعفر جیسی شخصیت پر سب کو رونا ہی چاہیے۔“ پھر ان سے بھی فرمایا، (اپنے چچا، جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے متعلقین کے لئے (تم بھی) کھانا تیار کرو، کیونکہ کج شدتِ غم کی وجہ سے اُن کو کوئی ہوش نہیں ہے۔

اربابِ سیرِ نقل فرماتے ہیں حضرت جعفر اہل میت کے لئے کھانا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلقین کے لئے جو کھانا تیار کیا گیا تھا، وہی تعزیت کے کھانے کی اصل بنیاد ہے۔ اہل عرب اس کھانے کو وَضِیْمَہ (یعنی میت کا کھانا) کہتے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت جعفر طیار کی اولاد کی عمر اکتالیس برس بوقتِ شہادت آپ کی عمر اکتالیس برس رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت جعفر طیار کی اولاد کی تھی۔ ہجرت حبشہ کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے ان ہی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ عبداللہ بڑے عابد اور سخی تھے، اس لئے ان کا لقب بحر الجود اور جواد ہو گیا۔ ان کی زوجیت میں حضرت سیدہ زینب کبریٰ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھیں (جو کہ میدانِ کربلا میں موجود تھیں) حضرت عبداللہ الجواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے علاوہ خواہا بنتِ حفصہ اور جہانہ بنتِ مسیب سے بھی نکاح فرمایا۔ جن سے آپ کی اولاد بھی ہوئی۔ آپ نے ۸۷ھ کو بعمر نوے سال مدینہ طیبہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کو ایک نقشہ کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

## حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ



ان کی والدہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق ہیں۔ قاسم اور سیدنا حضرت امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔

## حضرت سیدنا علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم

امیر المؤمنین، امام المتقین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم عزت و عظمت کی اس قدر بلندی پر ہیں کہ ان کی گردِ راہ تک ساتی بھی نہ کسی کے بس کا روگ نہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے برادرِ عجم زاد، داماد باب مدینۃ العلم، مشہور شجاع، بے بدل زاہد، زبردست خطیب عظیم منصف اور حیدر کرار تھے۔

بنو ہاشم میں سب سے پہلے آپ ہی خلیفہ بنے، یعنی باقی خلفائے راشدین، قریشی تو ضرور تھے، مگر ہاشمی نہیں تھے۔ آپ قدیم الاسلام تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بلکہ حضرات ابن عباس، زید بن ارقم، سلمان فارسی اور حضرت انس سمیت بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان کی اس فضیلت پر متفق ہیں کہ اول آپ ہی اسلام لائے تھے۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابوعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیر کے دن اعلان نبوت فرمایا اور میں منگل کے دن حلقہ بیگوش اسلام ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف باختلاف روایات دس، نو یا آٹھ سال تھی، جبکہ بعض نے اس سے بھی کم عمر تحریر فرمائی ہے۔ حسن بن زید سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے صغیر سنی میں بھی بٹ پرستی نہیں کی۔ (ابن سعد - تاریخ الخلفاء)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی والدہ **والدہ محترمہ ماجدہ کا اسم مبارکہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا** اور آپ ہی وہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں کہ جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے نامدار خاوند حضرت ابوطالب کی طرح رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت جاں نثاری اور محبت کے ساتھ خدمت کی، خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کا از حد احترام فرماتے اور اکثر ذمہ داریاں کرتے تھے، حضرت ابوطالب کے بعد فاطمہ بنت اسد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے بڑا کریمہ ساتھ اچھا سلوک کرنے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ کے وقت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کفن کھلے اپنا کرتہ شریف عطا فرمایا اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لحد میں کھا گیا، تو

محضور سید عالم شفیع اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی تھوڑی دیر کے لئے چچی محترمہ کی لحد مبارک میں لیٹ گئے۔ پھر ارشاد فرمایا: میں نے ان کے کفن کے لئے اپنا کرتہ اس لئے دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کا اعلیٰ لباس پہنائے اور لحد میں اس لئے لیٹا کہ ان کی قبر سے وحشت دور ہو جائے۔ (یعنی لحد نور سے بھر جائے اور رحمتوں کا نزول ہو، زینۃ قسمت)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت

**ولادت باسعادت** مکہ مکرمہ پر اصحاب فیل کے حملہ کے تیسویں برس اور

تیرہ رجب المرجب کو جمعۃ المبارک کے دن ہوئی۔ (نور الابصار)

آپ کی ولادت مبارک کا واقعہ کتب سیرت میں یوں مرقوم ہے:- آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ولادت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے پہلے طواف کعبہ میں مشغول تھی۔ ابھی طواف کے تین شوط ہی مکمل ہوتے تھے کہ دروازہ محسوس ہونے لگا۔ محضور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے چہرے کے تغیر سے مجھے پہچانا اور فرمایا: کیا بات ہے؟ میں آپ کے چہرے پر کرب کے اثرات محسوس کر رہا ہوں۔ میں نے ہچکچاتے ہوئے اصل صورت حال عرض کر دی، تو فرمایا: کیا آپ طواف پورا کر چکی ہیں؟ میں نے عرض کیا: نہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: طواف پورا کر لو۔ اگر اس دوران دروازہ بڑھ جائے، تو خانہ کعبہ کے اندر چلی جانا، اس میں کوئی حکمت الہی ہے۔

مرقوم ہے کہ چوتھے شوط میں دروازہ بڑھ جانے پر حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئیں اور پھر جب کعبۃ اللہ سے باہر آئیں، تو ان کی گود مبارک میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ صاحب روضۃ الشہداء کسی واقعہ سے متعلق امام ابو داؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ مشہور شعر نقل فرماتے ہیں:-

ولدته فی الحرم المعظم امہ طالب وطالب ولیدہا والمولد

حضرت ابوطالب کو جب اس نومولود مسعود کی خبر ہوئی، تو آپ بید خوش ہوئے اور اپنے لخت جگر کو گود میں لے کر پیار کیا اور نام ”زید“ رکھا۔ اس خوش کن خبر سے مطلع ہو کر خواجہ کونین سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی جلوہ گر ہوئے اور چچا محترم کو مبارک باد پیش فرماتے ہوئے سوال فرمایا کہ نومولود کا نام کیا رکھا ہے؟ حضرت ابوطالب نے بتایا کہ میں نے اس کا نام ”زید“ رکھا ہے اور ان کی والدہ نے ”اسد“ رکھا ہے۔ حضور سید عالم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کا نام ”علی“ رکھو، جو عالی بستی کی خبر دے۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا گویا ہوئیں: خدا تعالیٰ کی قسم! مجھے غیب سے یہ آوازیں آتی تھیں کہ فاطمہ! اس کا نام ”علی“ رکھو، مگر میں نے اس بات کو چھپایا تھا۔ بہر کیف رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زبان وحی نرجمان سے اسم ذی شان ”علی“ رکھ دیا گیا۔

پھر تاجدارِ مدینہ سرورِ قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اپنی گود میں لے کر تخنیک فرمائی۔ تخنیک کا مسنون طریقہ تو یہی ہے کہ کوئی سعادت مند شخص اپنے منہ میں کھجور یا چھو بارہ چباتے اور پھر نومولود کے منہ میں ڈال دے، مگر علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تخنیک اس شان سے ہوئی کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مقدس ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ میں ڈال دی اور آپ نے زبان اقدس کو چوسا اور یوں دنیا میں آنے کے بعد سے پہلے جو شے شکم علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم میں پہنچی، وہ لعابِ ہن خیر الواری محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ ”زبہ شمت، زبہ نصیب“۔ اسی لئے

۱۔ نصیرِ عقیدہ میں: ”إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ“ سے استناد کر کے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ”خدا“ کہا جاتا ہے، جو کہ بدترین شرک ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ایسے لوگوں کو ”رافضی“ یعنی دین کے خارج قرار دیا۔



حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم عموماً بطورِ تحدیثِ نعمت فرمایا کرتے تھے۔  
فی فمی لعاب رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

”یعنی میرے منہ میں حضورِ خواجہ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب ہے“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت کے چھٹے برس قبیلہ

تربیتِ نبوی میں قریش ایک قحطِ عظیم کا شکار ہوا تو حضور سید لوم النشور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ

”ابوطالب کے افرادِ خانہ زیادہ اور اموالِ خانہ کم ہیں، اس لئے ان کو قحطِ سالی نے

زیادہ پریشان کر رکھا ہے، چلو ان کی اولاد کی کفالت کریں۔ چنانچہ حضور نبی کائنات

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خانہ اوطالب

میں جلوہ گر ہوئے اور اظہارِ ارادہ فرمایا: حضرت ابوطالب نے عرض کی کہ عقیل

کو میرے پاس رہنے دو۔ باقی اولاد میں جس کو چاہو لے لو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور حضرت عباس رضی اللہ

نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے لیا۔ اس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ

کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی آغوشِ نبوی میں ہوئی۔

سیرۃ ابن ہشام اور ترمذی شریف میں ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی عمر کے

کسی بھی حصہ میں کبھی بھی کفر و شرک کا ارتکاب نہ کیا۔ آپ اوائلِ ایام میں حضور سرورِ عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ کے پہاڑی غاروں میں چھپ چھپ کر

نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت ابوطالب نے انہیں دیکھا تو پوچھا کہ ”تم

کیا کر رہے ہو؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: چچا!

یہ طریقہ مذہبِ الہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سب فرشتوں، انبیائے کرام اور

ہماری جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے، مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث

فرمایا ہے کہ میں اُس کے بندوں کو راہِ ہدایت کی طرف بلاؤں اور حق تو یہ ہے کہ سب سے اول آپ ہی یہ دینِ متین قبول کرتے۔ حضرت ابوطالب نے جواب دیا، میں تو ابھی اس امر کے لئے تیار نہیں ہوں مگر تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ بخوشی اپنا کام کئے جاؤ۔ میں زندگی میں تمہارا محافظ ہوں اور اپنے ہوتے ہوئے تم کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچنے دوں گا۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا تم اپنے ابنِ عم کی پیروی کرتے رہو، یہ تم کو بُرائی کی طرف نہیں لے جائیں گے۔“  
(تاریخ ابوالفداء اور ابن اثیر میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ)

در بار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کو

**القابات** بہت سے القابات ملے، اُن میں سے چند ایک یہ ہیں:

امیر النخل، باب مدینۃ العلم، امام الاولیاء، اسد اللہ الغالب، مولیٰ المؤمنین، ولی المتقین، یعسوب الدین، بیضۃ البلد، حیدرِ کرار، سید العرب، امام البرہ، قاتل الفجرہ، امام المتقین وغیرہم (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم)

آپ کی کنیت ابوالحسن اور ابو تراب تھی۔ ابوالحسن یعنی حسن کے **کنیت** باب کی وجہ تو عیاں ہے، جبکہ کنیت ابو تراب کے بارے میں

امام بخاری علیہ الرحمہ نے ادب میں حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اپنا نام (یعنی کنیت) ابو تراب بہت پسند تھی اور جب کوئی آپ کو اس نام سے پکارتا، تو آپ بہت خوش ہوتے تھے۔ اس مسرت و شادمانی کا سبب یہ تھا کہ یہ کنیت آپ کو حضور سید المرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دربارِ اقدس و اطہر سے عطا ہوئی تھی سبب اس کا یہ بنا کہ ایک مرتبہ آپ حضرت سیدہ زاہدہ عابدہ طیبتہ طاہرہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی بات پر طویل خاطر ہو کر مسیّد نبوی شریف میں آکر لیٹ گئے۔

جیسا کہ بات کی اطلاع سرور کون و مکان، محبوبِ رب دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچا  
 و خود بنفس نفیس مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے  
 جسم اقدس پر (زمین پر لیٹنے کی وجہ سے) مٹی لگی ہوتی تھی، حضور نبی اکرم، رحمتِ عالم  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے قریب بیٹھ گئے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے گرد آلود  
 جسم سے مٹی جھاڑتے ہوئے پیار بھرے انداز میں فرمانے لگے:

قُمْ يَا أَبَا ثَرَابٍ - ”یعنی اے مٹی کے باپ اٹھیے!“

اسی دن سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو تراب ہو گئی۔

(تاریخ الخلفاء، مدارج النبوة)

**حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت:** امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ  
 جس قدر احادیث مبارکہ حضرت

علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں وارد ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں وارد  
 نہیں ہوتی۔ (حاکم - تاریخ الخلفاء)

اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہ اس بندۂ ناچیز (مؤلفِ کتاب ہذا)  
 کے لئے فضائل مرتضوی کا کما حقہ احاطہ غیر ممکن ہے۔ چند ایک احادیث مبارکہ  
 نقل کی جاتی ہیں:

بخاری و مسلم شریف میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی  
 ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک میں جب آپ کو مدینہ طیبہ  
 میں پہنچنے کا حکم دیا اور دیگر صحابہ کرام کی رفاقت کے ساتھ اپنی معیت میں روانہ ہونے  
 کی اجازت نہ دی، تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ  
 (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ مجھے یہاں عورتوں اور بچوں پر اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑ  
 جائے ہیں؟“ (یعنی مجھے ساتھ لے جانے سے کیوں گریز فرما رہے ہیں؟) تو رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہیں میں اسی طرح چھوڑے جا رہا ہوں، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے تھے۔ پس فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا بخاری و مسلم نے حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر کے دوران ایک من رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کل میں اسلامی پرچم اس شخص کے حوالے کروں گا، جس کے ہاتھ پر انشاء اللہ تعالیٰ خیبر فتح ہو جائے گا۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول سے محبت کرنے والا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول بھی اُس سے راضی ہے۔“

صحابہ کرام رات کو بہت دیر تک اس بات پر غور و خوض کرتے رہے کہ دیکھیں کل کس خوش قسمت کو علم عنایت ہو۔ صبح ہوئی تو بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہر شخص اس بات کا شدت سے متمنی تھا کہ یہ شرف مجھے ہی حاصل ہو جائے۔ جب صحابہ کرام جمع ہو گئے، نور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”علی کہاں ہیں؟“ عرض کیا گیا کہ وہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں، اس لئے حاضر خدمت نہیں ہو سکے۔ اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کو جلد بلایا جائے۔ چنانچہ دیکھتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم حاضر ہو گئے۔ حضور رحمتِ عالم، شفیعِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی آنکھوں پر لعابِ ہن لگایا، تو آپ کی آنکھیں اسی وقت اچھٹی ہو گئیں۔ پھر کبھی بھی دیکھنے نہیں آئیں، اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے علم لشکر آپ ہی کو عطا فرما دیا۔ (اور خیبر آپ ہی کے مبارک ہاتھوں پر فتح ہوا۔)

حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔“  
(ترمذی - نسائی - ابن ماجہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب (ہجرت مدینہ منورہ کے بعد) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے درمیان رشتہ متواخات قائم فرمایا، تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنکھوں میں آنسو لے کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے تمام صحابہ کرام میں رشتہ متواخات قائم فرمادیا ہے، مگر میں یوں ہی رہ گیا۔ (یعنی آپ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا) اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے علی المرتضیٰ! تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔“ (ترمذی شریف)

امام ترمذی نے ابوسریجہ اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔“ (اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی نے بھی ذکر فرمایا) بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا: اے اللہ تعالیٰ! جو علی سے محبت کرتا ہے، تو بھی اس سے محبت فرما اور جو علی (علیہ السلام) سے بغض رکھے، تو بھی اُس سے دشمنی رکھے۔“ (تاریخ الخلفاء للسيوطی) حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا یعنی میں علم کا شہر ہوں، علی اس کے دروازہ ہیں۔“

(ترمذی، حاکم، طبرانی عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اے مہاجر صحابہ کرام مدینہ طیبہ پہنچے، تو ظاہراً اُن کا کوئی رشتہ دار وہاں نہ تھا، اس پر حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک مہاجر صحابی اور ایک ایک انصاری صحابی (یعنی مدینہ طیبہ کے پرانے باشندے) کو آپس میں بھائی بھائی بنادیا، اسی عمل کو رشتہ متواخات کہتے ہیں۔ ۱۲

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا:

”مجھے اس ذات اقدس کی قسم ہے کہ جس نے دانہ اُگایا اور جان پیدا کی کہ مجھ کو

رسول خدا حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مومن تم سے محبت رکھے گا اور منافق تم سے بغض رکھے گا۔“ (صحیح مسلم شریف)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف (قاضی بنا کر) بھیجنا چاہا، تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (علیک الصلوٰۃ والسلام) میں تو ابھی نو عمر اور نابالغ ہوں۔

یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور دعا کی:

”اے اللہ تعالیٰ! اس کے دل کو روشن فرما دے، اس کی زبان کو تاثیر عطا فرما دے“

مجھے قسم ہے اُس رب ذوالجلال کی کہ جس کے حکم سے تخم سے درخت اُگتے ہیں،

اس دعا کے بعد کبھی بھی مجھے مقدمہ کے فیصلے میں کوئی دغدغہ یا تردد پیدا نہ ہوا۔

بغیر کسی شک و شبہ کے میں نے ہر مقدمہ میں درست فیصلہ دیا۔ (حاکم)

حضور نبی محترم رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس مبارک دعا نے

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے سینہ اقدس کو اس قدر فراخ و روشن

فرما دیا تھا کہ مشکل ترین فیصلہ آپ چند لمحوں میں فرما دیتے تھے۔ آپ کے فیصلے

حیران کن اور اس قدر چھپے تنگے انداز میں ہوتے کہ کسی کو چوَن و چرا کی گنجائش ہی

ملتی۔ بطور مثال ایک فیصلہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:-

زربن حبیش سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ علی الصبح

فیصلہ کا انداز ڈو آدمی کھانا کھانے کے لئے بیٹھے، ان میں سے

ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں اتنے میں



ایک آدمی ادھر آنکلا اور اُس نے اسلام علیکم کہا۔ انہوں نے اس نووارد کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا۔ ان تینوں نے مشترکہ طور پر وہ سب یعنی آٹھ روٹیاں کھالیں۔ اس نووارد نے جاتے وقت آٹھ درہم ان دونوں کو یہ کہہ کر دے دیئے کہ میں نے تمہارے ساتھ کھانا کھایا ہے، یہ اُس کی قیمت ہے، تم آپس میں تقسیم کر لینا۔ ان دونوں میں اس رقم کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا۔ پانچ روٹیوں والے نے کہا: پانچ درہم میں لوں گا اور تین تم۔ کیونکہ تمہاری صرف تین روٹیاں تھیں، لیکن تین روٹیوں والے نے یہ فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا اور آدھی رقم یعنی چار درہم کا مطالبہ کر دیا۔ یہ دونوں اپنا قضیہ لے کر حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے مقدمہ سُن کر تین روٹیوں والے سے فرمایا: ”تمہارا ساکتھی جو کہہ رہا ہے، اسے قبول کر لو، یہ ہی بات تمہارے حق میں بہتر ہے کہ تم تین درہم لے لو،“ وہ شخص بولا: یہ فیصلہ غیر منصفانہ ہے، مجھے قبول نہیں۔“ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ تیرے ساکتھی کی عطا ہے، اگر انصاف چاہتے ہو تو تم کو ایک اور تمہارے ساکتھی کو سات درہم ملیں گے۔ یہ سُن کر تین روٹیوں والے نے کہا: سبحان اللہ! یہ کیسا فیصلہ ہوا؟ مجھے سمجھا دیجئے! میں قبول کر لوں گا۔ تو حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: دیکھ تمہاری کل آٹھ روٹیاں تھیں اور کھانے والے تین تھے۔ ہر روٹی کو تین حصّوں میں تقسیم کرو، تو کل چوبیس ٹکڑے بنے۔ ہمیں کہا جاسکتا کہ کس نے روٹی زیادہ کھائی اور کس نے کم۔ اگر برابر حصّہ کرو، تو فی کس آٹھ ٹکڑے حصّہ میں آتے۔ تمہاری تین روٹیوں کے کل نو ٹکڑے بنے، مذکورہ اعتبار سے تم نے آٹھ ٹکڑے خود کھالئے، صرف ایک ٹکڑا نووارد کو دیا، جبکہ تمہارے ساکتھی کی پانچ روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے ہوئے۔

جن میں سے مذکورہ اعتبار سے آٹھ اس نے کھائے اور سات نووار سننے،  
اس لحاظ سے تمہیں ایک ٹکڑے کی قیمت ایک درہم ملے گا، اور تمہارے ساتھی کو  
سات درہم۔ یہ فیصلہ سننے کے بعد جھگڑنے والے نے خاموشی سے آپ کے  
فیصلے کو قبول کر لیا۔ (تاریخ الخلفاء)

فیصلہ کرنے میں فہم و شعور کی معراج کا ہی سبب تھا کہ حضرت سیدنا  
فارق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب بھی مشکل یا پیچیدہ قضیہ آ جاتا  
اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم محفل مبارک میں موجود نہ ہوتے  
تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیصلہ کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور قبل ازیں  
خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے کہ میں فیصلہ غلط نہ ہو جائے۔ (مذکورہ)

حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ان کے  
سامنے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا:  
”حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے زیادہ علم سنت کا جاننے والا اور  
کوئی نہیں۔“ (تاریخ الخلفاء)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور  
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ  
وجہہ الکریم کے چہرے کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔“ (طبرانی فی الاوسط)  
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سیدنا  
علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم میں علم کی قوت، ارادے کی پختگی، مضبوطی اور  
استقلال موجود تھا۔ خاندان (کیا زمانے بھر) میں آپ کی بہادری مشہور و  
مستلم تھی۔ آپ پہلے اسلام لائے۔ آپے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے  
داماد تھے۔ احکام فقہ و سنت میں ماہر تھے۔ جنگی شجاعت اور مال و دولت کی بخشش

میں سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ (تاریخ الخلفاء)  
 ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ  
 قرآن کریم میں جو کچھ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل  
 ہوا، وہ کسی اور کی شان میں نازل نہیں ہوا۔ ان ہی سے یہ بھی مراد ہے کہ  
 حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شان اقدس میں قرآن کریم کی تین سو  
 آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔ (تاریخ الخلفاء)

ابوالقاسم زجاجی مالکیہ میں ناقل ہیں کہ  
 عربی زبان کے قواعد ابی الاسود نے اپنے والد سے روایت کیا کہ  
 میں ایک وزیر المؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت  
 میں حاضر ہوا تو آپ سر جھکاتے کچھ سوچ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اے  
 امیر المؤمنین! آپ کس فکر میں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ  
 تمہارے شہر میں لغات کے اندر تغیر و تبدل کیا جا رہا ہے۔ یعنی لوگ عربی زبان  
 صحیح انداز میں نہیں بول رہے، الفاظ بگڑ رہے ہیں، اس لئے میں نے ارادہ کیا  
 ہے کہ عربی زبان کے کچھ اصول و قواعد مرتب کر دوں تاکہ عربی زبان کی اصل  
 حیثیت برقرار رہے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ ایسا کر دیں گے، تو ہم پر بڑا احسان  
 ہوگا اور وہ اصول ہمیشہ قائم اور باقی رہیں گے۔ اس واقعہ کے تین دن بعد میں  
 حاضر ہوا، تو آپ نے میرے سامنے ایک تحریر رکھتی۔ اس میں بسم اللہ شریف کے  
 بعد لکھا تھا: کلام کی تین قسمیں ہیں: اسم، فعل اور حرف۔ اسم وہ ہے جو اپنے  
 مستحق کی نشان دہی کرے۔ فعل وہ ہے جو اس کی حرکت کو ظاہر کرے اور حرف وہ  
 ہے جو اسم و فعل کو نہ ہو، لیکن ظہور معنی میں مدد دے۔ "امیر المؤمنین علیہ السلام نے  
 یہ تحریر مجھے عطا فرما کر فرمایا: تم اپنی معلومات کے ذریعے اس میں اضافہ کر سکتے ہو۔"

یاد رکھو ہر چیز کی تین حالتیں ہوتی ہیں: نامائہری، باطنی اور درمیانی۔  
 (یعنی جو نہ تو مکمل طور پر ظاہر ہو اور نہ ہی مکمل طور پر پوشیدہ) اس تیسری حالت  
 پر علماء کرام نے تفصیل سے بہت کچھ لکھا ہے۔ آپ سے یہ تفصیل سن کر میں گھر  
 آگیا اور حروف کی اقسام میں سے حروفِ ناصبہ (یعنی جو اسم کو نصب "زبر"  
 دیتے ہیں) اَنْ، اَنَّ، کَیْت، کَعَلَّ، کَانَ لکھ کر پیش خدمت کیا، تو آپ  
 نے ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا: تم نے حروفِ ناصبہ میں 'لِکِنَ' کیوں نہیں لکھا؟ میں  
 نے عرض کیا کہ میں نے 'لِکِنَ' کو اس میں شمار نہیں کیا۔ ارشاد ہوا کہ اس کا اضافہ کر  
 'لِکِنَ' بھی حروفِ ناصبہ میں شامل ہے۔ "تاریخ الخلفاء از امام سیوطی علیہ الرحمہ  
 بلاشبہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا پوری امت پر  
 احسانِ عظیم ہے کہ عربی زبان کے قواعد کو جمع فرمادیا۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی محبت  
 ہے اور آپ سے دشمنی رکھنا منافقت کی علامت ہے (جیسا کہ حدیث مبارکہ گزر چکی ہے)  
 ابو بعلیٰ اور البزار نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے علی کو اذیت دی، اُس نے مجھے اذیت  
 دی۔" حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دوست رکھا، اُس  
 نے مجھے دوست رکھا اور جس نے مجھے دوست رکھا، اُس نے گویا اللہ تعالیٰ کو دوست  
 رکھا ہے اور جس نے (حضرت) علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) سے دشمنی رکھی  
 اُس نے مجھ سے دشمنی رکھی اور جس نے مجھ سے دشمنی رکھی، گویا اُس نے اللہ تعالیٰ  
 سے دشمنی رکھی۔ (رواہ طبرانی - تاریخ الخلفاء)

امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے محبت کا معیار کیا  
 دنا چاہیے، اس کا فیصلہ خود باب مدینۃ العلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 فرماتے ہیں، جیسا کہ حاکم، البزار اور ابویعلیٰ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم  
 سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے طلب فرما کر ارشاد  
 فرمایا کہ تمہاری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ یہودیوں نے اُن سے اس قدر  
 بغض و عداوت رکھی کہ اُن کی والدہ محترمہ (حضرت مریم) پر بہتان لگایا اور  
 صاری نے ان سے محبت کی، تو اتنی کی کہ جس کے وہ لائق نہ تھے (یعنی خدایا خدا کا  
 بیٹا سمجھنے لگے۔ یاد رکھو انسان کو دو چیزیں تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔ ایک تو محبوب  
 سے اتنی محبت کہ محبوب میں وہ باتیں سمجھنے لگے جو درحقیقت اس میں موجود نہ ہوں  
 اور دوسرے اس قدر شدید عداوت و بغض کہ بُرا کہتے ہوئے تہمت لگانے سے بھی  
 گریز نہ کرے۔ (تاریخ الخلفاء)

اسی طرح تفسیر صافی ص ۸ پر بحوالہ عیون اخبار الرضا لکھا ہے کہ آنحضرت  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ میرا رتبہ ہے، اس سے مجھے نہ بڑھاؤ  
 اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے اپنا "عبد" قرار دیا تھا۔ پھر آنحضرت  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیت (مَا كَانَ لِبَشَرٍ... آخر تک،  
 تلاوت فرمائی، اور اسی طرح حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ  
 میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے، حالانکہ اس میں میرا کوئی قصور  
 نہیں۔ ایک تو وہ محبت (محبت کرنے والے) جو میرا رتبہ حد سے زیادہ بڑھا دیں  
 گے اور دوسرے وہ دشمن جو میرا رتبہ گھٹانے کے درپے رہیں گے اور جو لوگ ہمارے  
 بارے میں غلو کریں گے اور ہمارا رتبہ ہماری حد سے بڑھائیں گے، ہم اللہ تعالیٰ کے  
 حضور میں ان سے اپنی برأت اسی طرح ظاہر کریں گے جس طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم

(علیہما السلام) نصاریٰ سے اپنی برأت ظاہر کریں گے۔ (تفسیر المتقین ص ۷۶،  
سورۃ آل عمران، آیت ۷۹، شائع کردہ: شیعہ جرنل بک انجینی انصاف پریس لاہور)  
امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
شہادت مقدسہ کے زمانہ خلافت میں چونکہ مسلمانوں کی باہمی حق پرستی

عروج پر تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد اختلاف و تفریق کی جو  
خیلیج پیدا ہو چکی تھی، وہ دن بدن مزید گہری ہوتی جا رہی تھی۔ خلافت اصحاب ثلاثہ  
کے دور میں فتوحات اسلامیہ کا جو سنہری باب رقم ہو رہا تھا، وہ آعطل کا شکا  
ہو چکا تھا۔ اہل اسلام کی تمام تر توانائیاں آپس میں ہی ایک دوسرے کے خلاف  
صرف ہو رہی تھیں کہ اسی دوران ۳۷ھ کو جنگ صفین کے اختتام پر صلح کے لئے  
”حکیمین“ کے تقرر پر اختلاف کرتے ہوئے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم  
کی جماعت سے کچھ لوگ ”لَا حُکْمَ إِلَّا لِلَّهِ“ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حکم  
(فیصلہ کرنے والا نہیں ہے) کا نعرہ لگاتے ہوئے آپ کی جماعت سے الگ یعنی خارج  
ہو گئے۔ ان خارجیوں نے آپ کی شان میں بدترین گستاخیاں کیں۔ حضرت سیدنا  
علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے سمجھانے سے بہت سے خوش نصیب توبہ کر کے دوبارہ  
لشکر علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں واپس آ گئے، مگر بعض سیاہ باطن اور بد بخت ازل  
ایسے تھے کہ جو اپنے بد عقیدہ پر جمے رہے۔

اے برأت کہتے ہیں بے زاری ظاہر کرنے کو، یعنی بری الذمہ ہونے کو مراد یہ ہے کہ جنس طرح حضرت  
عیسیٰ علیہ السلام آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا وغیرہ کہنے والے عیسائیوں کے بارے میں عرض کریں گے  
کہ اے اللہ تعالیٰ! میں ان سے اظہارِ بے زاری کرتا ہوں اور ان سے نفرت کرتا ہوں، تو  
ان کو جہنم میں ڈال دے، میں ان سے بری الذمہ ہوں۔ اسی طرح حضرت سیدنا علی المرتضیٰ  
کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم حد سے بڑھنے والوں کے حق میں بھی یہی کچھ کہیں گے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)



۳۸ھ میں نہروان میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان خارجیوں کا زبردست مقابلہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی کے عین مطابق ربِّ کریم نے چند ایک کے سوا باقی سب خارجیوں کو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ہاتھوں ذلت و رسوائی کی موت سُلا دیا۔ اسی بد بخت گروہِ خوارج کے تین افراد عبدالرحمن بن ملجم المرادی، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکیر تمیمی مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے اور عظماء اسلام پر الزام تراشی کے ساتھ ساتھ نہروان کے مقتولوں پر اظہارِ افسوس کیا اور بہت دیر تک خاموش و مغموم بیٹھے رہے۔ پھر ان میں سے ایک بولا: ”اے ہم اپنی جانوں پر تھیل کر علی، معاویہ اور عمرو بن العاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو قتل کر ڈالتے، تو بہت اچھا ہوتا تا کہ مسلمان ان کے ظلم کے ہاتھوں سے نجات پاتے۔ اس پر ابن ملجم بولا: ”یہ مصر کا رہنے والا تھا، علی کے لئے میں کافی ہوں۔“ برک نے کہا، معاویہ کا کام میں تمام کر دوں گا۔ عمرو بن بکیر نے عمرو بن العاص کے قتل کی ذمہ داری قبول کر لی۔ اس کے بعد سب نے عہدِ پیمان کیا کہ وہ یا تو اپنے وعدے کے مطابق ان کو قتل کر دے گا یا خود مارا جائے گا، واپس سرگزنہ آئے گا اور یکم یوم المبارکی یعنی سترہ رمضان المبارک کو بوقتِ نمازِ فجر انجام دیا جائے گا۔“

اس مذموم مشورہ کے بعد اجلاسِ برخواست ہوا اور ہر کوئی اپنی اپنی کوششوں میں مصروف کار ہوا۔ نامراد ابن ملجم کوفہ میں آیا، مگر اپنے کسی دوست پر راز افشا نہ کیا، البتہ شیب بن شجرہ اشجعی کو اپنے ارادہ بد سے مطلع کیا اور تعاون کی درخواست کی۔ شیب نے کہا: ”تیری ماں مر جاتے، تو کس طرح ان کو شہید کرنے پر تادربہوگا؟“ ابن ملجم لعین نے کہا: نمازِ فجر سے قبل مسجد میں چھپ کر بیٹھ جاؤں گا اور جب وہ نماز کے لئے آئیں گے، میں اچانک اُن پر حملہ کر دوں گا۔ پھر اگر میں علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو قتل کر کے بچ نکلا، تو بہت بہتر، ورنہ مجھے شہادت نصیب ہوگی اور مسلمان اُن کے ظلم

سے نجات پائیں گے (معاذ اللہ تعالیٰ) شبیب بولا: افسوس ہو تجھ پر کیا تو ایسے شخص کو قتل کرنے کے لئے آیا ہے کہ جو سابق الاسلام اور سب لوگوں سے افضل و اعلیٰ ہے؟ ابن ملجم نامراد بولا: کیا خوب! کیا انہوں نے جنگ نہروان میں نیک بندوں کو قتل نہ کیا؟ شبیب نے کہا: ہاں! پھر ابن ملجم نامراد بولا: ہم ان کو انہیں مقتولوں کے عوض قتل کرنا چاہتے ہیں۔ سیاہ بخت شبیب اس کی باتوں میں آگیا اور اس کا ہم آہنگ بن گیا۔ اسی دوران نامراد ابن ملجم کی ملاقات قبیلہ تمیم رباب کی ایک نہایت خوبصورت عورت قطامہ کے ساتھ ہوئی۔ اس عورت کے بھائی اور باپ نہروان کی جنگ میں مارے گئے تھے۔ ابن ملجم نامراد اس پر کشش حسینہ کے فتنہ حسن میں مبتلا ہو گیا اور پیام نکاح دے دیا۔ اس خبیثہ لعینہ نے اس شرط پر نکاح منظور کیا کہ ابن ملجم حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو شہید کرے گا۔ گویا کہ اس نابکار کے ارادہ بد کو مزید ہمیز مل گئی۔ خبیثہ قطامہ نے اپنے قبیلہ کے ایک شخص دروان کو ابن ملجم نامراد کا معاون بنا دیا، چنانچہ پروگرام کے مطابق سترہ رمضان المبارک شب جمعہ کو ابن ملجم نامراد اپنے ساتھیوں شبیب اور دروان کے ہمراہ مسجد کوفہ میں آیا اور چھپ کر بیٹھ گیا۔

مختصر علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر حملہ  
مختصر علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر حملہ  
مختصر علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر حملہ  
مختصر علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر حملہ  
مختصر علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر حملہ  
مختصر علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر حملہ  
مختصر علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر حملہ  
مختصر علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر حملہ  
مختصر علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر حملہ  
مختصر علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر حملہ

”یعنی اے علی! حکم صرف اللہ تعالیٰ ہے، تو یا تیرے دوستوں کے لئے نہیں“  
 تلوار کا زخم بہت گہرا تھا اور اسی جگہ لگا تھا کہ جہاں روزِ خندق عمر بن عبدود  
 کی تلوار کا زخم آیا تھا۔ اس واقعہ عظیمہ کے بعد دروان بھاگ کر اپنے گھر آگیا اور  
 اپنے بعض احباب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ شبیب فرار ہونے  
 میں کامیاب ہو گیا، جبکہ ابن ملجم نامراد گرفتار ہو گیا۔

**حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وصیت** امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ  
 کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے زخمی ہونے کے بعد اپنی ہمیشہ اُمّ بانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے، جعفر بن سیدہ  
 کو نماز پڑھانے پر مامور فرمایا۔ بعد از نماز فجر آپ کو اٹھا کر گھر لایا گیا۔ اب تک  
 سُورج نکل آیا تھا۔ ابن ملجم کو مشکبیں باندھ کر پیش کیا گیا۔ حضرت امیر المؤمنین سیدنا  
 علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے دریافت فرمایا: اے دشمنِ خدا! تجھ کو  
 کس چیز نے میرے قتل پر آمادہ کیا؟ جواباً ابن ملجم لعین نے کہا: میں نے اس تلوار کو

لے وہ بد بخت یہ سمجھتا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے غیر خدا کو حکم یعنی  
 فیصلہ کرنے والا مان کر زبردست گناہ، بلکہ شرک کیا ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) بالکل اسی طرح  
 آج بھی بہت سے لوگ بات بات پر فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی مسلمان نے حضورِ رحمتِ عالم  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ طلب کر لیا، اس پر بھی فتویٰ شرک۔ اگر کسی نے حضور  
 نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بے طائے خداوندِ کریم مالکِ مختار مان لیا، اس پر بھی فتویٰ  
 شرک۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ یہی وہ غلط فہمی تھی جس نے ابن ملجم نامراد کو قتلِ شیرِ خدا  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آمادہ کیا۔ اور یہی غلط فہمی آج بھی فرقہ بندی کا سبب بن گئی۔  
 اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین!  
 اے اللہ اکبر! شدید زخمی حالت میں بھی نماز نہ چھوڑی، حکمِ خدا پر عمل اسی کا نام ہے۔

چالیس روز تک تیز کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تھی کہ اس سے وہ شخص مارا جائے، جو شر خلق ہے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تو بھی اسی سے قتل کیا جائے گا۔ پھر حاضرین سے فرمایا: اگر میں جانبر نہ ہو سکوں، تو میرے قاتل کو مار ڈالنا، جیسا کہ اس نے مجھے قتل کر دیا اور اگر میں بچ گیا تو جیسا مناسب سمجھوں گا، ویسا کروں گا۔ پھر فرمایا: اے بنی عبدالمطلب! لوگوں کو مسلمانوں کی خون ریزی کی ترغیب نہ دینا اور یہ حیلہ نہ اٹھانا کہ امیر المومنین قتل کر دیئے گئے ہیں، بلکہ صرف میرے قاتل کو قتل کرنا۔ حاضرین مجلس پر گریہ طاری تھا۔

پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خصوصاً اپنے شہزادے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے حسن! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اگر اس زخم سے میں مر جاؤں، تو تم بھی اسی (بد بخت) کی تلوار سے ایسا ہی ایک وار کرنا، مثلاً نہ کرنا، یعنی ہاتھ، پاؤں، ناک اور کان وغیرہ کاٹ کر اسے تکلیف نہ دینا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے: "إِيَّاكُمْ وَالْمَثَلَةَ" پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اہل خانہ اور خصوصاً حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو وصیتیں فرمائیں دیگر حاضرین کو بھی نصیحتیں فرمائیں اور ایک عام وصیت تحریر کروائی۔ بالآخر ایتھلس رمضان المبارک اور عند البعض ایتھلس رمضان المبارک کو آپ کی رُوح مبارک قفس عنصری ملاء الا علی کی طرف پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاٰجِعُوْنَ ہ

آخری کلام جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا، وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تھا۔

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
خارجی ابن ملجم کا قتل کی شہادت کے بعد تیرہ بخت خارجی ابن ملجم کو  
حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور پیش کیا گیا، تو اس نے کہا کہ اگر

ہرج نہ ہو تو مجھے چند یوم زندہ رکھیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ معاویہ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مار ڈالوں گا۔ چنانچہ ایک کام تمام کر دیا اور دوسرا باقی ہے۔ تم مجھے صرف اتنی مہلت دے دو کہ میں اپنا عہد پورا کر سکوں۔ اگر میں نے معاویہ کو مار ڈالا اور خود زندہ بچ گیا، تو اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر حاضر و ناظر جانتا ہوا عہد کرتا ہوں کہ میں تمہارے پاس چلا آؤں گا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! اب تو دوزخ کی سیر کرے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے تلوار اٹھائی اور ایک ہی وار میں اس کو قتل کر دیا۔ (ملخصاً)

(تاریخ ابن خلدون، ابن اثیر، تاریخ الخلفاء، نور الابصار وغیرہ)

مضمون کا یہ حصہ اگرچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق تو نہیں، مگر تکمیل واقعہ کے لئے اس کا درج کرنا بھی ضروری ہے تاکہ ابن ملجم کے دوسرے ساتھیوں برک بن عبد اللہ اور عمرو بن بکیر کے بارے میں بحثیں باقی نہ رہے۔

برک بن عبد اللہ کہ جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابن ملجم کا دوسرا ساتھی کے قتل کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ پروگرام کے مطابق

شام کی طرف روانہ ہوا اور سترہ رمضان المبارک کو فجر کے وقت آپ پر حملہ کر دیا۔ اتفاق سے زخم کاری نہ پڑا، یعنی جسم کے نچلے حصہ پر معمولی زخم آیا تھا۔ آپ نے فوراً پلٹ کر اسے پکڑ لیا۔ برک نے خوفزدہ ہو کر کہا: میں تم کو ایک خوشخبری سناتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس کے عوض مجھے کچھ فائدہ پہنچاؤ (یعنی رہا کر دو) اور وہ

یہ ہے کہ آج ہی کی شب میرے ایک بھائی نے (حضرت) علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) کو قتل کر ڈالا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیران ہو کر کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی اُن پر قدرت پالے۔ برک نے کہا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کوئی محافظ نہیں ہوتا، اس لئے اُن کا قتل کچھ مشکل نہیں۔ اس سلسلہ کلام کے

تمام ہوتے ہی آپ کے حکم سے برک کو قتل کر دیا گیا۔ بعض کتب میں یہ بھی ہے کہ برک کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور وہ زیادہ کے زمانے تک زندہ رہا۔ زیادہ نے اسے بصرہ میں قتل کر دیا۔

ابن ملجم کا تیسرا ساتھی عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اتفاق سے اس رات علالت کی وجہ سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود نماز پڑھانے مسجد میں نہ آئے، بلکہ اپنے ایک فوجی افسر خارجہ بن ابی حبیبہ بن عامر کو نماز پڑھانے کے لئے بھیج دیا۔ عمرو بن ملجم نے اس بے چارے پر حضرت عمرو بن العاص کے شبہ میں تلوار چلائی اور ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ فوراً ہی لوگوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کر دیا۔ برک نے متعجبانہ انداز میں پوچھا: "قتل کون ہوا؟" لوگوں نے کہا کہ "خارجہ بن ابی حبیبہ"۔ اس پر برک چونک کر بولا: "افسوس صد افسوس کہ اے عمرو بن العاص! میں نے اسے تمہارے شبہ میں مار ڈالا"۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً فرمایا: "تم نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے خارجہ کے قتل کا"۔ یہ کہہ کر آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ (ابن خلدون وغیرہ)

اس طرح یہ تینوں بدکردار خارجی اپنے انجام کو پہنچ گئے۔  
 حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار پر انوار سیدنا علی المرتضیٰ رحمہ اللہ امیر المومنین مولائے کائنات  
 تعالیٰ وجہہ الکریم کے مرقداً قدس میں اختلاف ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب انوار کی شب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح بارگاہ قدس میں پرواز کر گئی، تو



حضرت حسن، حضرت حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور دارالامارت کوفہ میں رات کے وقت آپ کو دفن کر دیا۔ (ابن سعد)

حضرت ابو بکر بن عیاش فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی قبر انور کو اس لئے ظاہر نہیں کیا گیا تھا کہ کہیں بد بخت خارجی اس کی بھی بے حرمتی نہ کریں۔ حضرت شریک فرماتے ہیں کہ آپ کے فرزند ارجمند حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے جسد انور کو دارالامارت کوفہ سے مدینہ منورہ منتقل کر دیا تھا۔ مبرد نے محمد بن حبیب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل ہونے والی پہلی نعش مبارک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔ ابن عساکر سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد مبارک کو مدینہ طیبہ لے جانے کی تیاری کی گئی تاکہ انہیں رسول مکرم نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پہلوتے مقدس میں دفن کیا جائے۔ نعش مبارک ایک اونٹ پر رکھی ہوئی تھی۔ رات کا وقت تھا اونٹ راستہ میں کسی طرف کو بھاگ گیا۔ تلاش بسیار کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اسی لئے بعض، جابل اہل عراق کہتے ہیں کہ آپ بادلوں میں تشریف رکھتے ہیں اور یہ بھی منقول ہے کہ تلاش و جستجو پر وہ اونٹ سرزمین بنوٹے میں مل گیا اور آپ کی نعش مبارک کو اسی سرزمین میں دفن کر دیا گیا۔

(تاریخ الخلفاء للعلامة جلال الدین سیوطی)  
مشہور یہ ہے کہ آپ کا مزار پُر انوار نجف اشرف میں ہے اور مرجع خلافت ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ اتم)، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت تین ماہ کم پانچ برس ہے۔ تاریخ ابن خلدون،

**حلیہ مبارک** حضرت امیر المومنین شیر خدا حیدر کدر سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا رنگ گندمی، قد درمیانہ، مائل بہ پستی، آنکھیں بڑی، ہنس مسکھ اور نہایت درجہ خوبصورت تھے، جسم انور قدر فریبہ تھا۔ دائرہ مبارک گھنی اور دراز تھی۔ سینہ انور پر بکثرت اور تمام جسم پر عموماً بال تھے، البتہ کثرت خود کے استعمال کی وجہ سے سر کے بال اڑ گئے تھے۔ آپ کے بازو اور پنڈلیاں پر گوشت تھیں اور یوں ہی دونوں کندھوں کا درمیانی حصہ، یہ سب شجاعت و بہادری کی دلیل ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً تریسٹھ برس کی عمر پائی۔ (ابن خلدون، تاریخ الخلفاء، کامل ابن اثیر)

## حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی اولاد و زوج

۱۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا نکاح حضرت سیدہ زاہدہ عابدہ طیبہ طاہرہ خاتونِ جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہوا۔ ربِّ ذوالجلال نے ان کے بطنِ اقدس سے چار اولادیں عطا فرمائیں یعنی حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ، حضرت سیدنا امام حسین، حضرت سیدہ زینب الکبریٰ اور حضرت سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہم، عند البعض حضرت سیدنا محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بطنِ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئے، مگر بچپن میں ہی اللہ تعالیٰ کو پیائے ہو گئے۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدد شادیاں فرمائیں، جن کا اختصاراً ذکر کیا جاتا ہے، (۲) اُمّ البنین بنتِ حرام بن خالد کلابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان کے بطنِ اطہر سے چار صاحبزادے، ۱۔ حضرت عباس (علیہ السلام)، ۲۔ حضرت جعفر،

۳۔ حضرت عبداللہ یا عبید اللہ، ۴۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم پیدا ہوئے  
عند البعض یا نجویں شہزادے حضرت عمر بن علی بھی ان ہی کے شکم سے پیدا ہوئے،  
اور یہ سب اپنے برادر بزرگوار حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ میدانِ کربلا میں  
مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

(۳) لیلیٰ بنت مسعود بن خالد نہشلیہ تمیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان سے  
دو بیٹے حضرت عبداللہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔  
انہوں نے بھی معرکہ کربلا میں شہادت نوش فرمایا۔  
(۴) اسماء بنت عمیس ختمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان کی پہلی شادی حضرت  
جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تھی اور انہوں نے ہجرت حبشہ بھی کی  
حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر  
صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی کی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کی وفات کے بعد ان کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ہوا۔  
ان کے بطنِ اطہر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو بیٹے حضرت محمد بن ابی بکر  
اور حضرت یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔ یہ بھی معرکہ کربلا میں مرتبہ شہادت  
پر فائز ہوئے۔ بعض کے نزدیک ان کے بطن سے آپ کے لڑکے حضرت عون  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پیدا ہوئے۔ (ابن خلدون)

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عون کو حضرت جعفر طیار (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)  
کا بیٹا تحریر کیا گیا ہے۔ (رو اللہ تعالیٰ اعلم)

(۵) حضرت امامہ بنت ابی العاص بن ربیع، رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ یہ  
امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی  
حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی لختِ جگر ہیں، یعنی حضرت سیدہ

فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حقیقی بھانجی تھیں۔ ان کے لطن اقدس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے محمد بن الاوسط پیدا ہوئے، یہ بھی میدانِ کربلا میں سہم کا پلا ماں حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور وہاں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ (۶) خولہ بنت جعفر حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان کے لطن اطہر سے محمد الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ ان ہی کو حضرت امام حنیف کہا جاتا ہے۔

(۷) اُم حبیبہ صہبیا بنت ربیعہ الثعلبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبزادی حضرت قتیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وجود میں آئے۔

(۸) سعد یا اُم سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان کے شکم مبارک سے اُم الحسن، رملۃ الکبریٰ اور اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن پیدا ہوئیں۔ (۹) محبتہ یا ممیاء بنت امر القیس بن عدی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان کے شکم اقدس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام عارثہ تھا، یہ بچپن ہی میں فوت ہو گئی۔ علاوہ ازیں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیس کنیزیں تھیں جن سے بارہ صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ بطور اختصار اس جگہ صرف ان بارہ صاحبزادیوں کے اسمائے گرامی ہی درج کئے جاتے ہیں،

۱۔ حضرت زینب صغریٰ، ۲۔ حضرت ام ہانی، ۳۔ حضرت میمونہ، ۴۔ حضرت رملۃ الصغریٰ، ۵۔ حضرت فاطمہ، ۶۔ حضرت امامہ، ۷۔ حضرت خدیجہ، ۸۔ حضرت اُم الکرام، ۹۔ حضرت اُم سلمہ، ۱۰۔ حضرت جمانہ، ۱۱۔ حضرت نفیسہ، ۱۲۔ حضرت اُم جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہن (تاریخ ابن خلدون، تاریخ طبری، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی اولاد کی تعداد میں اختلاف ہے علامہ ابن خلدون کے مطابق آپ کے چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں تھیں۔

تاریخ طبری کے مطابق پندرہ بیٹے اور انیس صاحبزادیاں تھیں اور بعض کتب میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادوں کی تعداد اٹھارہ اور صاحبزادیوں کی تعداد بیس درج ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)۔

تاریخ طبری میں آپ کے صاحبزادوں کے اسمائے گرامی اس طرح درج کئے گئے ہیں :- (۱) حضرت سیدنا امام حسن (۲) حضرت سیدنا امام حسین، (۳) حضرت عمر (۴) حضرت عثمان (۵) حضرت جعفر (۶) حضرت ابوبکر (۷) حضرت عباس (۸) حضرت عبید اللہ (۹) حضرت عبد اللہ (۱۰) حضرت عون (۱۱) حضرت یحییٰ (۱۲) حضرت محمد الاصفہر (۱۳) حضرت محمدن الاوسط۔ (۱۴) حضرت محمدن الاکبر (امام حنیف) (۱۵) حضرت عمر اطراف رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا نسلی سلسلہ صرف (پانچ صاحبزادوں) حضرت سیدنا امام حسن، حضرت سیدنا امام حسین، حضرت عباس (علیہ السلام) حضرت محمدن الاکبر (امام حنیف) اور حضرت عمر اطراف رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے چلا۔ باقی سے سلسلہ نسل نہ چلا۔ حضرات حسین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے علاوہ باقی صاحبزادوں یعنی حضرت عباس، حضرت محمدن الاکبر (حضرت امام حنیف) اور حضرت عمر اطراف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نسلی سلسلہ کا اختصاراً ذکر کیا جاتا ہے جبکہ حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تحت آئے گا۔ (النشأۃ اللہ تعالیٰ)

اے سبحان اللہ تعالیٰ! صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپس میں کس قدر پیار تھا کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنے صاحبزادوں کے نام ابوبکر، عمر، اور عثمان رکھتے یہ دُحْمَاءُ بَيْنَهُمْ کی کتنی بڑی دلیل ہے۔ ۱۲

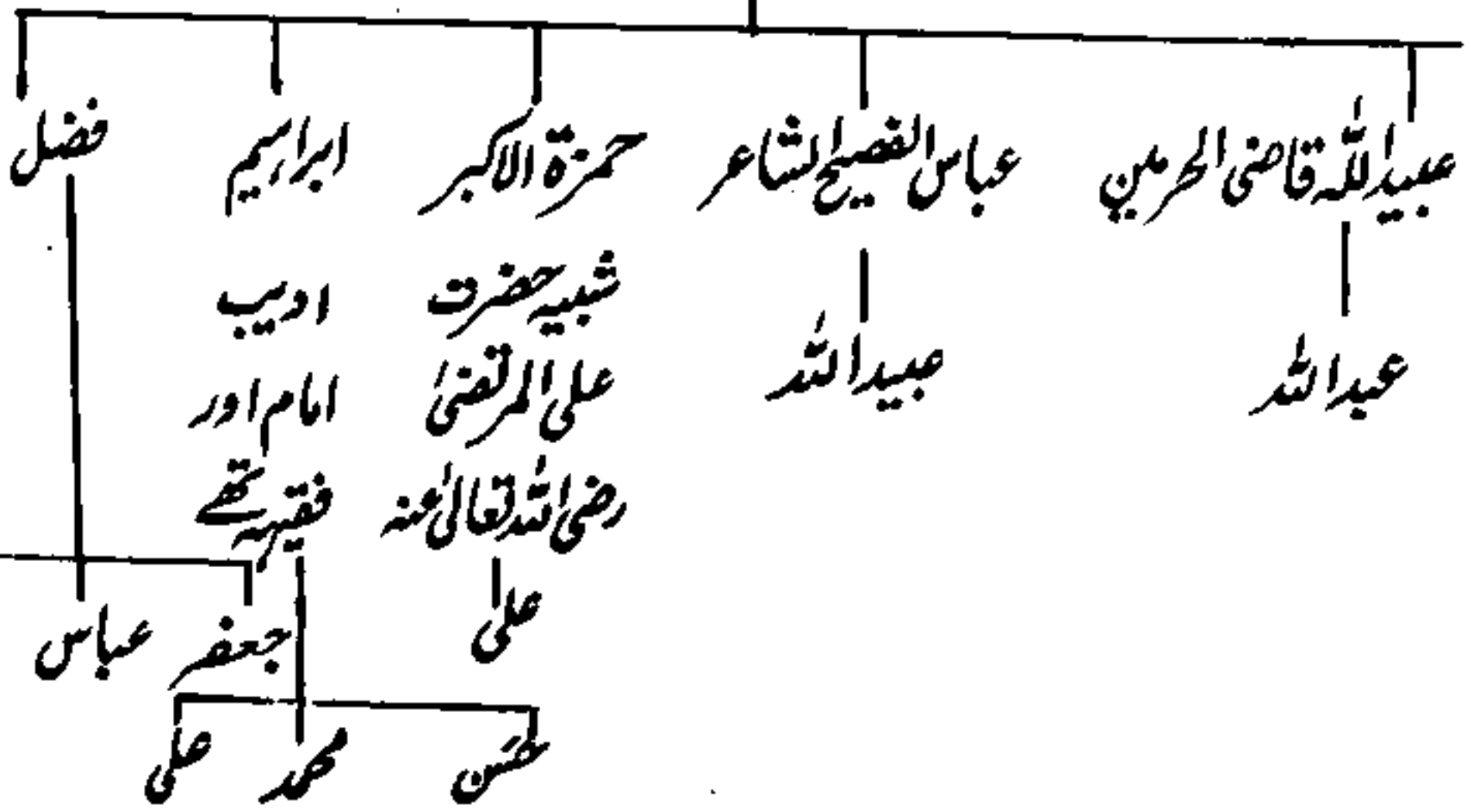
۱۔ حضرت عباس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میدان کربلا میں حضرت امام حسین

علمدار آپ ہی تھے۔ آپ کی بہادری اور جہاں نثاری ضرب المثل ہے۔ ان کی ولادت باسعادت ۲۶؎ میں اور ۶۱؎ ماہ محرم الحرام میں دریائے فرات کے کنارے تین دن کے پیاسے اہل بیت اطہار کو پانی پلانے کی کوششوں کے دوران ہی مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ ان کی اولاد کی تفصیل ایک نقشہ میں پیش کی جاتی ہے۔

حضرت عباس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت عبداللہ

حضرت حسن



۲۔ حضرت عمر د اطراف، بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

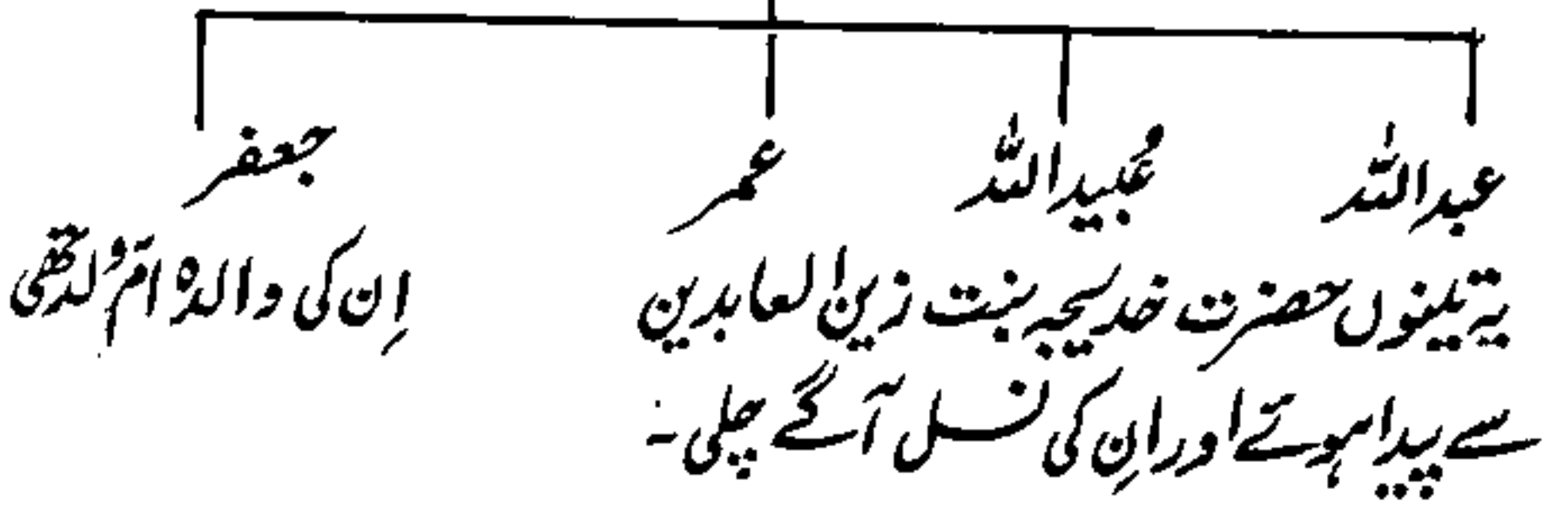
یہ حضرت عباس علمدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں۔ ،، برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔ یہ بھی مرقوم ہے کہ آپ مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے



مختار ثقفی کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔  
سلسلہ اولاد یوں ہے:-

حضرت عثمان بن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

محمد



حضرت ابوالقاسم محمد اکبر بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

یہ حضرت امام حنیف کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی والدہ محترمہ حضرت خولہ بنت جعفر بن قیس قبیلہ بنو حنیف بن لحیم سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس قبیلہ نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ازداد اختیار کیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ فرمائی اور بحکم خدا تعالیٰ فتح پائی۔ یہ خولہ بنت جعفر گرفتار ہو کر مال غنیمت کے طور پر آئیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ان کو اپنے حرم پاک میں شامل فرمایا۔ حضرت محمد بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۱ھ کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوئے اور بحکم محرم الحرام ۸ھ کو انتقال فرمایا۔ یہ بڑے عابد، زاهد اور متقی و پرہیزگار ہوئے کے ساتھ عظیم بہادر اور صاحبِ قہمت بازو بھی تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے لشکر کے عموماً علمبردار بھی یہی ہوا کرتے تھے۔ آپ میدان جنگ میں جان بازی اور شہسواری کے ایسے جوہر دکھاتے کہ حاضرین عیش و عشرت کو ان کی طرف بعض بے سرو پا کہانیاں اور افسانے منسوب کئے جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما عرف حضرت امام حنیف کوہ رضوی پر پڑتے ہیں اور قرب قیامت میں یہی امام مہدی علیہ السلام بن کر ظہور فرمائیں گے۔

حضرت محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما (امام حنیف) کو اللہ تعالیٰ نے دس بیٹیاں اور چودہ بیٹے عطا فرمائے۔ ان میں سے صرف تین صاحبزادوں یعنی ابولہثم، جعفر اور علی سے نسل چلی۔ خیال ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہزادوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا باقی بیٹوں کی اولاد علوی کہلاتی ہے۔

## حضرت علی المرتضیٰ کی ہمیشہ گان گرامی قدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۱۔ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ حضرت ابوطالب کی اولاد چار بیٹے یعنی طالب، عقیل، جعفر اور علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور دو بیٹیاں ہند اور جہانہ تھیں۔ یہ سب ایک ہی بیوی یعنی حضرت فاطمہ بنت اسد کے شکم اقدس سے پیدا ہوئے اور سوائے طالب کے سب کے سب شرف ایمان سے مشرف ہوئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت ہند کی کنیت ام ہانی تھی اور یہ اسی نام سے مشہور ہوئیں۔ بعض نے ان کا نام فاطمہ بھی تحریر کیا ہے۔ ان کا نکاح ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی کے ساتھ ہوا۔ ان کے شکم اطہر سے ہانی، عمرو، یوسف، اور جعدہ پیدا ہوئے۔ (جب نامراد ابن بلجم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو زخمی کیا تھا، تو آپ نے اپنی ہمیشہ

اُمّ ہانی کے بیٹے جعدہ بن ہبیرہ ہی کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ (ابن خلدون)  
فتح مکہ کے موقع پر حضرت اُمّ ہانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) شرف اسلام سے مشرف  
ہو گئیں، جبکہ آپ کا خاوند ہبیرہ کفر کی حالت میں بخران کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت  
اُمّ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور پُر نور شافع یوم النشور  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں جلوہ گر ہوئے اور کھانے کے لئے کچھ طلب  
کیا۔ میں شرم و حیا سے زمین میں گر گئی، کیونکہ اُس وقت گھر میں سوائے سُوکھی جھوکی روٹی  
کے کچھ بھی نہیں تھا۔ (در اصل حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا  
اپنا بیتِ طاہر فرمانے کے لئے طلب فرمایا تھا) میں نے ہچکچاتے ہوئے وہی سوکھی روٹی  
پیش خدمت کر دی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”سالن ہے۔“  
میں نے عرض کیا: ”میرے ماں باپ آپ پر قربان، سالن نہیں، البتہ سرکہ موجود ہے۔“  
تو ارشاد ہوا: ”سرکہ ہی لے آؤ، جس گھر میں سرکہ ہو، وہ گھر سالن سے خالی نہیں ہے۔“  
چنانچہ سرکہ حاضر خدمت فیضِ درجت کر دیا، تو محبوبِ خدا سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
جھوکی سوکھی روٹی کو پانی کے ساتھ نرم کیا اور سرکہ کے ساتھ تناول فرما کر اللہ تعالیٰ کا  
شکرا دیا (سُبْحَانَ اللہ تعالیٰ و بحمدہ)

۲۔ حضرت جہانہ بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا: باوجود تلاشِ بسیار کے

نہ مل سکے۔ صاحب کتاب ”رحمۃ للعالمین“ نقل فرماتے ہیں،  
”ابن اسحاق امام اہل السیر نے لکھا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم نے پیداوارِ خیر سے تیش و سق خرما، حضرت جہانہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)  
مؤختِ ابی طالب کے لئے مقرر فرمائے تھے۔“ اس فقرہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خلعتِ  
اسلام سے مشرف تھیں اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتحِ خیبر تک وہ حیات تھیں۔ (رحمۃ للعالمین جلد ۱)

## ③ عَمَّ السَّبَبِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَضْرَت سَيِّدِنَا حَمَزَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ آله وَسَلَّمَ کے چچا محترم حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عمارہ اور لقب سید الشہداء اور اسد اللہ و رسول ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ہالہ بنت وہب ہے۔ ”مدارج النبوة“ میں بحوالہ معجم بغوی منقول ہے کہ حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آله وسلم نے ارشاد فرمایا، مجھے قسم ہے اس خدائے ذوالجلال کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، ساتوں آسمانوں میں لکھا ہوا ہے کہ: حَمَزَةُ أَسَدُ اللَّهِ وَأَسَدُ رَسُولِهِ۔

”یعنی حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے شیر ہیں“۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آله وسلم کے رضاعی بھائی بھی ہیں۔ انہوں نے بھی حضرت ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔ علاوہ ازیں ان کی والدہ ماجدہ ہالہ بنت وہب ہمارے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ آله وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ بنت وہب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی حقیقی ہم شیر ہیں۔ اس اعتبار سے آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آله وسلم کے خاا زاد بھائی بھی ہیں۔ مزید برآں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ اقم عمرہ حضرت زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہم شیر تھیں۔ آپ اعلان نبوت کے دوسرے یا عند البعض چھٹے سال سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے تین دن پہلے اسلام لائے۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آله وسلم سے عمر میں صرف دو برس بڑے ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
**حضرت حمزہ کا اسلام لانا**  
 ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قریش مکہ  
 حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 کی شانِ اقدس میں عموماً گستاخیاں تو کیا ہی کرتے تھے، مگر ایک دن بد بخت ازلی  
 ابو جہل لعین نے سربراہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو روک کر بہت زیادہ  
 ایذا دی اور سخت دشنام طرازی کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے  
 کوئی جواب نہ دیا، تحمل و بردباری سے اپنے بسمِ نازنین پر اس کی ہر گستاخی کو برداشت  
 کر لیا۔ اس دردناک منظر کو عبداللہ بن جذعان کی باندی کوہ صفا کی بلندی پر اپنے مکان  
 میں کھڑی دیکھ رہی تھی اور ابو جہل کی دشنام طرازی سن رہی تھی۔ اس کے بعد ابو جہل  
 آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر قریش کی مجلس شوریٰ کی طرف روانہ ہو گیا  
 اور ان میں جا کر بیٹھ گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے کاشانہ انور  
 کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کمان  
 گلے میں لٹکاتے شکار گاہ سے واپس لوٹے، آپ کی اپنی شکار گاہ تھی جہاں آپ شکار  
 کے لئے جایا کرتے تھے اور آپ کا معمول تھا کہ جب شکار سے واپس آتے، تو پہلے  
 خانہ کعبہ کا طواف کرتے، پھر گھر جاتے۔ طواف کعبہ کے بعد عموماً قریش کے دار الشوریٰ  
 میں جاتے، وہاں حاضرین کو سلام کرتے، تھوڑی دیر وہاں ٹھہرتے، باتیں کرتے، پھر  
 واپس چلے آتے۔ یہ قریش میں بڑے معزز، باوقار اور خود دار مانے جاتے تھے۔  
 اس وقت تک آپ اپنے سابقہ دین پر ہی قائم تھے۔

جب آپ طواف کعبہ کے لئے جاتے ہوئے اس باندی کے قریب سے گزرے، تو  
 وہ ان کو دیکھ کر رو پڑی۔ حضرت حمزہ نے رونے کا سبب پوچھا، تو بولی: "اے  
 ابو عمارہ! (یہ آپ کی کنیت ہے) کاش! کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ آج آپ کے  
 مظلوم بھتیجے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ابو الحکم (یہ ابو جہل کی

کُنیت تھی، نے کیسے ناقابل برداشت سلوک کیا۔ ابو الحکم نے ان کو بہت تکلیف دی، اور گالیاں لگیں، مگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں نے بہت صبر ضبط کیا، نظریں جھکائے اُس کے ظلم کو برداشت کرتے رہے، زبان سے ایک لفظ تک نہیں بولے۔ باندی نے بھڑائی ہوتی آواز میں یہ داستانِ ظلم سنائی، تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ غصہ میں بھرے ہوئے حمزہ حرم کعبہ میں داخل ہوئے۔ خلاف معمول طواف کئے بغیر ہی سیدھے ابو جہل کے پاس جا پہنچے جو کہ حرم میں قریش کی مجلس شوریٰ میں صدر نشین بنا بیٹھا تھا، جاتے ہی جھپٹ کر اتنے زور سے کمان اُس کے سر پر مار دی کہ اُس خبیث کا سر پھٹ گیا۔ قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کے افراد جو کہ مجلس شوریٰ میں موجود تھے، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اُلجھ پڑے اور بولے: ”اے حمزہ! معلوم ہوتا ہے کہ تم نے قریش کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ آپ نے جواب دیا: ”بے شک مجھ پر حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی حقانیت عیاں ہو گئی، تو پھر مجھے قبول حق سے کونسی چیز روک سکتی ہے؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، آپ جو فرماتے ہیں، وہ بالکل حق ہے اور ربِّ ذوالجلال کی قسم! میں اس دین اسلام کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تم میں بہت سے، تو مجھے روک کر دکھاؤ۔“

اللہ تعالیٰ کے اس بھرے ہوئے شیر نے قریش مکہ کو مقابلے کا چیلنج دے دیا۔ کفار مکہ نے آج تک ہر نو مسلم کو جی بھر کر ستایا تھا۔ بعض کو طعنے دیتے اور بعض پر اتنے مظالم کئے کہ سُن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے، مگر آج اُن کا پالا ایسی سستی سے پڑا تھا جو اُن کے دانت توڑنے کے لئے تیار تھا۔ صورت حال کو بگڑتے سوتے دیکھ کر خود ابو جہل کھڑا ہو گیا اور اپنے حمایتیوں سے بولا: ”ابو عمارہ (حمزہ) کو چھوڑ دو، ان سے کوئی جھگڑانہ کرو، دراصل آج میں نے ان کے بھتیجے کو بہت ستایا ہے، اس لئے غصے میں ہیں۔“



اس کے بعد حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمد رسول اللہ تعالیٰ علیک وسلم، آپ خوش ہو جاسیے کہ میں نے ابو جہل سے آپ کا بدلہ لے لیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً فرمایا: ”چچا! مجھے خوشی بدلہ لینے سے نہیں، بلکہ آپ کے ایمان سے ہے۔“ یہ سُن کر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: ”آپ اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیجئے۔ میں کہتا ہوں: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَنتَ رَسُولُ اللَّهِ“ یہ سُنتے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرطِ محبت سے گلے لگا لیا۔ اے

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے طاقتور، جنگجو بہادر، نہایت غیر متنازعہ خوددار اور قہر آور تھے۔ ان کے اسلام لانے سے قریش کی ایذاؤں میں کسی حد تک کمی آگئی تھی۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب مسلمانوں کا آپس میں بھائی چارہ قائم فرمایا، تو اپنے نہایت محبوب صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی قرار دیا تھا۔

اکثر موزعین کے نزدیک حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے سپاہِ لار کو سب سے پہلے اسلامی لشکر کا امیر ہونے کا

اے حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ عرفِ تین دن بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش اور ولی دُعا سے قریشِ مکہ کے ایک اعدا مور بہادر فوجوان حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرفِ ایمان سے مشرف ہو گئے اور ان کی گزارش پر حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانیہ حرمِ پاک میں نماز ادا فرمائی۔ واللہ الحمد۔

مشرق بھی حاصل ہے۔ تیسرے مہاجرین کا لشکر تھا جو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت ساحل سمندر کی طرف ابو جہل لعین کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا۔ تاریخ میں اس مقابلہ جنگ کا نام ”سریہ حمزہ بن عبد المطلب“ یا ”سریہ سیف البحر“ ہے۔ یہ سریہ ہجرت نبوی کے پہلے سال ماہ رمضان المبارک میں واقع ہوا۔ اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے دستِ اقدس سے سفید رنگ کا علم جہاد باندھ کر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا تھا، جسے آپ کی قیادت میں حضرت ابو مرثد کنا بن حصین غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تھام رکھا تھا۔

۱۔ بعض مؤرخین و سیرت نگار اس بات سے اختلاف فرماتے ہیں۔ سیرت ابن ہشام اور روضۃ الاحباب، مواہب لدنیہ وغیرہ میں اس پر کافی بحث کی گئی ہے کہ پہلا سریہ یعنی وہ لشکر اسلام جس پر کسی صحابی کو امیر بنا یا گیا ہو، حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سریہ ہے یا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ مواہب میں ہے کہ دونوں لشکر ساتھ ساتھ ہی بھیجے گئے تھے، اس لئے شک ہوا تھا۔ اس میں شبہ نہیں پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر ہی روانہ ہوا۔ علامہ ابن ہشام نقل فرماتے ہیں دونوں لشکر ایک ہی ساتھ بھیجے گئے تھے۔ ہمیں اہل علم نے بتایا کہ پہلا جھنڈا حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے باندھا گیا تھا لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ پہلا جھنڈا ان ہی کے لئے باندھا گیا ہے۔ اگر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ہی کہا ہے تو انہوں نے سچ کہا ہے، کیونکہ وہ سچ کے سوا دوسری بات کہہ ہی نہیں سکتے۔ علامہ ابن ہشام نے اس جگہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب اشعار نقل فرماتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ کئی علماء شعر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ان کی نسبت کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ان اشعار میں جس شعر میں جھنڈے کا ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ:

أَمْرٌ دَسُّوْا لِلّٰهِ أَوَّلُ حَافِقٍ عَلَيْهِ دَوَاءٌ لَمْ يَكُنْ لَاحَ مِنْ قَبْلِيْ

”وہ (جنگ) ایسی چیز تھی کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے اس کا پہلا پرچم باندھا تھا۔ ایسا پرچم میرے واقعہ سے پہلے کبھی ظاہر نہ ہوا تھا“ (واللہ تعالیٰ اعلم)

مجاہدین اسلام کا یہ لشکر سنا حل سمندر پر ابو جہل کی زیر قیادت ۳۰۰ کفار پر مشتمل فوج سے مقابل ہوا۔ قریب تھا کہ آتش جنگ بھڑک اٹھتی، مگر مجیدی بن عمرو جہنی جو دونوں جماعتوں کا حلیف تھا، درمیان میں حائل ہو گیا اور سمجھا بچھا کر ابو جہل کو مکہ مکرمہ کو روانہ کر دیا، چنانچہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغیر جنگ کئے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمبردار حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلا غزوہ، غزوہ ابواء

ہے، اس کا دوسرا نام غزوہ دوان بھی ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ ابواء اور دوان دو بستیوں کے نام ہیں، جو قریب قریب واقع ہیں۔ اس جنگ یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ اصطلاح میں غزوہ اس جہاد کو کہتے ہیں کہ جس میں تاجرانہ ہجرت نہیں ہوتی، بلکہ غزوہ اس جہاد کو کہتے ہیں کہ جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس جلوہ گر ہوں، اس کی جمع منافی اور ہے، جبکہ سر یہ جہاد لشکر ہے کہ جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت خود شامل نہ ہوں، بلکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی صحابی کو سپہ سالار مقرر فرما کر روانہ فرمادیں۔ سر یہ کی جمع سرائیا ہے۔

غزوہ ابواء ۲؎ ماہ صفر المنظر میں واقع ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور لشکر صحابہ کے ساتھ مقام ابواء کی طرف عزم روانگی فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ہر صحابی کی خواہش ہو گی کہ اس پہلے غزوہ کا علمبردار بنیں بنوں، مگر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے غزوہ میں علمبرداری کا شرف بھی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی عطا فرمایا۔ مزید برآں کفر و اسلام کے عظیم معرکہ غزوہ بدر میں جن عظیم فرزندان توحید اور شیران اسلام نے کفار سے پنجہ آزمائی فرمائی تھی، وہ حضرت امیر حمزہ، حضرت علی المرتضیٰ

اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی تھے۔ حضرت امیر حمزہ اور حضرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے مقابل کفار کو جہنم واصل کرنے کے بعد حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل کو بھی تہ تیغ کر دیا تھا پھر گھمسان کی جنگ میں بہادری و جانبازی کے ایسے کارنامے دکھائے کہ کتب سیرت و تواریخ میں سنہری حروف سے درج ہیں۔

## حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کے تیسرے سال ماہ شوال المکرم کو میدان اُحد میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ روزِ اُحد حضرت امیر حمزہؓ و دیگر مجاہدین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیر قیادت جنگ میں بہادری کے خوب جوہر دکھائے اور سخت ترین جنگ کی۔ آپ بیک وقت فلول و اوس سے لڑائی کرتے رہے۔ سب سے آخر میں جس شخص کو قتل کیا، وہ سباع بن عبد العزیٰ خزاعی تھا، اس کے قتل سے ابھی فارغ ہوئے ہی تھے کہ مالک بن جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کے ہاتھوں حربہ لگنے سے شہید ہو گئے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ میدان بدر میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شمشیر بڑاں سے جن کافروں کو جہنم رسید کیا تھا، ان میں طعیمہ بن عدی بھی تھا۔ اس پر اُس کے بھتیجے جبیر بن مطعم بن عدی نے اپنے غلام وحشی کو کہا کہ اگر تو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے قتل کے بدلہ میں (حضرت) حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دے تو تو آزاد ہے۔ جنگ اُحد کے دن وحشی میدان اُحد میں اپنے مذموم ارادے سے حربہ لگ کر

۱۔ ان بندگان میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا محترم ہیں، جبکہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں۔

آیا۔ اسے حربہ چلانے میں بہت مہارت تھی۔ وہاں اس کو ہند زوجہ ابی سفیان  
 (مادرِ معاویہ) ملی، اُس نے بھی اسے بڑی ترغیب دی اور کہا کہ جب تک تو ہماری  
 خاطر داری نہیں کرے گا، تجھے آزادی نصیب ہوگی۔ اگر تو نے (حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)  
 کو قتل کر دیا تو میں بھی تجھے انعام سے مالا مال کر دوں گی، کیونکہ روزِ بدر امیرِ حمزہ ہی نے میرے  
 باپ عتبہ کو قتل کیا تھا۔ وحشی کا بیان ہے کہ میں میدان میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کی تلاش میں نکلا، تو دیکھا کہ وہ شیرِ مست کی طرح تا بڑ توڑ حملے کر رہے ہیں اور جس طرف  
 رخ کرتے ہیں صفوں کی صفیں اُلٹ دیتے ہیں۔ اُن کے دونوں ہاتھوں میں خون آشام  
 تلواریں تھیں۔ میں ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چھپ گیا، اتنے میں اچانک سباع  
 بن عبد العزیٰ خزاعی غزوہ سے چلتا ہوا نکلا کہ ہے کوئی میرا مقابلہ کرنے والا؟ یہ  
 سُن کر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے للکارا کہ اے بد بخت! رسول اللہ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں جنگ کرتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس قدر  
 بھڑپور وار کیا کہ سباع بن عبد العزیٰ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کو قتل کر کے حضرت  
 حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس پلٹے ہی تھے کہ میں نے تاک کر حربہ اُن کی طرف پھینکا  
 میرا نشانہ بہت کم خطا ہوتا تھا۔ حربہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناف کے قریب لگا،  
 جو پشتِ مبارک سے پار ہو گیا۔ حضرت امیرِ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری طرف بڑھے  
 تو میں دوڑ گیا۔ آپ چند قدم چلے ہوں گے کہ گر گئے۔ کچھ دیر بعد مسلمانوں کی ایک جماعت  
 آپ کے قریب سے گزری، تو آپ کو گرے ہوئے دیکھ کر آواز دی لیکن اُن کی طرف سے کوئی  
 جواب نہ آیا، تو میں نے جان لیا کہ حمزہ شہید ہو چکے ہیں۔ مسلمان ان کے گرد اکٹھے  
 ہو رہے تھے، تو میں آپ کے قریب آیا اور اپنے خیمے کے قریب چھپ کر بیٹھا۔  
 نکالا اور ہند بنت عتبہ کے پاس لے آیا اور کہا، یہ ہے میرے باپ کے قاتل حمزہ کا جگر۔  
 اُسے حربہ، چھوٹا نیزہ ہوتا ہے، جسے ماہر جنگجو دور کھڑا ہو کر پوری قوت سے اپنے دشمن پر پھینکتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ ہند نے وحشی سے کہہ کھٹا ہو کہ جب تو حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر لے، تو اُن کا جگر میرے پاس لے آنا یا پھر یہ قاسی القلب از خود اس کے پاس لے گیا، الغرض وحشی کا بیان ہے کہ ہند بنت عتبہ نے مجھ سے جگر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے کر دانتوں سے چبایا، مگر نگل نہ سکی اور تھوک دیا۔ پھر اپنے کپڑے اور سونے چاندی کے تمام زیورات مجھے دے دیئے اور وعدہ کیا کہ جب مکہ پہنچوں گی، تو تجھے سُرُخ سونے کی دس اشرفیاں مزید دوں گی۔ ہند نے مجھ سے کہا کہ مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش ہے۔ میں اُسے وہاں لے گیا تو اُس (سیاہ قلب) نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ، پاؤں، ناک اور کان وغیرہ کاٹ لئے اور اپنے ساتھ مکہ لے آئی۔ لے

لے فتح مکہ کے پہلے وحشی طائف کی طرف بھاگ گیا جبکہ ہند بنت عتبہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئی۔ بعد ازاں وحشی ایک قد کے ہمراہ بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شانِ کرمی سے کام لیتے ہوئے وحشی کے اسلام کو قبول فرما لیا اور فرمایا اگر تجھ سے ہو سکے، تو میرے سامنے نہ بیٹھو، یعنی تم سامنے آتے ہو تو چپا یاد آجاتے ہیں۔ وحشی کا بیان ہے کہ میں ہمیشہ اس جرم کو دھونے کی کوشش میں رہا، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی اور مسلمہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا تو میں مسلمہ کذاب کی طرف چلا کہ شاید میں اسے ہلاک کر سکوں (تاکہ سابقہ جرم کا کفارہ ادا ہو) اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھیجا ہوا لشکر اسلام بھی پہنچ چکا تھا اور گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ میں نے ایک آدمی کو بھیجا جو دیوار کے درمیان کھڑا تھا، گویا وہ ایک سیاہ و سپید اونٹ تھا، جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، میں نے ناک کر حریہ اس کے سینے پر دے مارا، جو اس کے آ رہا ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک مسلمان مجاہد نے اس پر چھلانگ لگا کر اُس کی گردن اڑا دی۔ اس کے بعد ایک عورت جو چھت کے اوپر کھڑی تھی، چیخ اٹھی کہ امیر المؤمنین (مسلمہ کذاب) کے ایک کالے کلوتے غلام (مراد وحشی) نے قتل کر دیا ہے۔ (بخاری شریف)



مروی ہے کہ آتش جنگ سرد ہو جانے کے بعد مسلمان میدان جنگ میں اپنے شہداء کو تلاش کرنے لگے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”میرے چچا حمزہؓ کو ڈھونڈو، وہ کہاں ہیں؟“ بالآخر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ کو تلاش کر لیا۔ اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ناک، کان، ہاتھ پاؤں وغیرہ ٹٹنے کے علاوہ آپ کے مبارک جبرہ کو توڑ کر ظالموں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روتے انور کو بڑی طرح مسخ کر رکھا تھا۔ نیز آپ کا پیٹ مبارک چیر کر جگر اور انتڑیاں وغیرہ باہر نکالی ہوئی تھیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اس کربناک منظر کی تاب نہ لاسکے اور روتے ہوئے واپس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور احوال واقعی سے مطلع کیا۔ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نفس نفیس حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لاش پر آئے اور حالت دیکھ کر اس قدر غمزدہ اور اندوہگین ہوئے کہ اتنا رنج آپ نے بھی نہ فرمایا تھا۔ آپ کی مبارک آنکھوں سے برابر آنسو رواں تھے۔ اسی دوران حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چھوٹی جان) دور سے آتی ہوئی نظر آئیں، تو حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بیٹے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اپنی والدہ صاحبہ کو واپس لے جاؤ، کیونکہ انہوں نے اپنے محبوب بھائی کو اس حال میں دیکھا تو برداشت نہ کر سکیں گی۔ حضرت زبیر نے دور ہی سے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو روکا تو اپنے جواب دیا: ”بیٹے! مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑ دی گئی ہے اور اس کی سخت بے حسنی کی گئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! میں صبر کا دامن نہیں چھوڑوں گی، مجھے میرے بھائی کی زیارت کر لینے دو۔“ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لاش پر اسے، اعانت مرحمت فرمادی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لاش مبارک کو دیکھا تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، لیکن آپ نے بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آپ کے پاس کھڑی زار و قطار رو رہی تھیں۔ خود حضور انور سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی گریہ کناں تھے اور صحابہ کرام بھی آنسو بہا رہے تھے۔ بلکہ مدارج النبوة میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رونے کی مانند کبھی روتے نہیں دیکھا، حتیٰ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے جنازے پر بھی کھڑے روئے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حمزہ کو ساتویں آسمان والوں میں "اسد اللہ" اور "اسد رسول" لکھا گیا ہے۔ نیز فرمایا: حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید الشہداء ہیں۔

**حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدفن** چونکہ غزوہ اُحد میں ستر صحابہ کرام نے جاہ شہادت نوش فرمایا تھا، اس لئے رسول مکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ جن شہداء کرام کے درمیان اُلفت و محبت زیادہ تھی، اُن کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیں، چنانچہ حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ مدینہ طیبہ میں جبل اُحد کے دامن میں سیدنا شہداء اسد اللہ و رسول، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار پر انوار آج بھی مرجع خلافت ہے۔

**حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد** آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو فرزند تھے: حضرت علیؑ اور علیؑ۔ حضرت عمارہ کی وجہ سے ہی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت ابو عمارہ تھی۔ حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں ایک بیٹا ہوا، جس کا نام انہوں نے حمزہ رکھا۔

اور دوسرے فرزند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پانچ بیٹے ہوئے مگر نسل نہ چلی، جبکہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو بیٹیاں تھیں: حضرت ام الفضل اور امہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ان میں سے حضرت امامہ کی پرورش کے لئے حضرت علی المرتضیٰ حضرت زید، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اپنے اپنے حق جتارے تھے، مثلاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ رہے تھے کہ ان کی پرورش میں کروں گا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہیں۔ نیز انہوں نے بوقت ہجرت حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ایک اونٹ پر سفر کیا ہے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دعویٰ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میرا بھائی قرار دیا تھا، اس لئے پرورش کرنا میرا حق بنتا ہے جبکہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دلیل پیش کر رہے تھے کہ امامہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ نیز میری بیوی اس کی خالہ ہے (خالہ بمنزل ماں ہے) اس لئے حق پرورش مجھے ملنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔

(بخاری شریف، سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، ابن خلدون، مدارج النبوة، مواہب اللدنیہ) مدارج النبوة میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ کا ذکر موجود ہے۔ عین ممکن ہے کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام فاطمہ ہو (واللہ تعالیٰ اعلم) مدارج النبوة میں یہ تذکرہ یوں درج ہے کہ جنگِ احد کے بعد جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف چلے اور اہل مدینہ استقبال کو نکلے تو ان میں حضرت فاطمہ دختر حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بھی تھیں جو راستہ کے کنارے کھڑے ہو کر گزرتے ہوئے لشکر سے اپنے والد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کر رہی تھیں، اتنے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب سے گزریے

تو فاطمہ بنت امیر حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے اُن سے پوچھا کہ ”میرے والد کہاں ہیں؟“ وہ مجھے اس لشکر میں نظر نہیں آتے۔“ یہ بات سُن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل بھڑ آیا اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ نے بات ٹالتے ہوئے جواب دیا:-  
 تھوڑی دیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں، انہیں پتہ ہے۔  
 اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آگے بڑھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی لگام تھام کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، میرے ابا جان کہاں ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”میں تمہارا باپ ہوں۔“ انہوں نے کہا: ”معلوم ہوتا ہے میرے ابا شہید ہو گئے ہیں؟“ یہ کہتے ہوئے وہ رونے لگیں۔ صحابہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، میرے ابا شہید ہو گئے ہیں؟“ تو اُن کی شہادت کی کیفیت بتاتے ہوئے فرمایا: ”بیٹا! اگر کیفیت بیان کروں، تو تمہارا دل قابو میں نہ رہے گا۔“ یہ سُن کر حضرت فاطمہ دختر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چیخ نکل گئی۔ (مدارج النبوة جلد ثانی)

## ⑤ عَمَّ الْبَنِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ابُولَهَبِ بْنِ عَبْدِ الْمطلب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمنوں میں ایک نمایاں نام ابولہب لعین کا بھی ہے۔ اسی کی تردید و تذلیل میں رب کریم نے قرآن کریم میں سورۃ ”تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ“ کا نزول فرمایا۔ اس جگہ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانِ برکت نشان کے کافروں میں واحد یہ وہ شخص تھا، جس کا نام قرآن مجید میں آیا ہے۔

اس کا نام عبدالعزیز تھا اور کنیت ابولہب۔ لیکن یہ کنیت اس قدر غالب آگئی کہ اصل نام ہی بن گئی۔ اس کی ماں کا نام لبنی بنت ہاجر تھا۔ شعب ابی طالب کے زمانے میں بنو ہاشم و بنو مطلب نے (باوجود اسلام قبول نہ کرنے کے خاندانی قرابت کی وجہ سے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتھ دیا تھا، لیکن ابولہب نے انکار کر کے دیگر قریش مکہ کی ہمنوائی کی تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی طرف تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے، تو یہ خبیث، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے وہاں چلا جاتا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت پر لوگوں کو ابھارتا۔ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو ظلم و ستم کا نشانہ بنانے اور ستانے کے لئے باقاعدہ ایک کمیٹی ترتیب دے رکھی تھی۔ مکہ مکرمہ کے پچیس نامی گرامی سردار اس کمیٹی کے ممبر اور ابولہب اس کا سربراہ تھا۔ ظلم و ستم کی ہر قرارداد اس کمیٹی میں پاس ہوتی تھی۔ اس کی بیوی اُمّ جمیل بنت حرب بن اُمّیہ بھی پرلے درجے کی گستاخ، دریدہ دہن اور دشمن اسلام تھی۔ باوجود امیر زادی ہونے کے یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں بچانے کے لئے کانٹے خود اٹھا کر لاتی۔ اسے ربّ ذوالجلال نے حَمَآلَةُ الْحَطَبِ (دکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی) قرار دے کر کھجور کی رستی سے پھانسی کا حکم سنایا ہے۔ سورۃ تبت یدا ابی لہب کے نزول کے بعد یہ ایک بہت بڑا سا پتھر اٹھا کر گستاخی کی نیت سے حرم کعبہ میں آئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ صحن کعبہ میں تشریف فرما تھے اسے دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حَمَآلَةُ الْحَطَبِ گستاخی کی نیت سے آرہی ہے، مبادا نقصان پہنچا دے! اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوبکر! غم نہ کرو، یہ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ یہ فرما کر آپ نے نماز پڑھنا شروع فرمادی۔ یہ نابکا

سیدھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور درشت لہجے میں پوچھا تمہارا آقا کہاں ہے؟ حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قریب ہی کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے، مگر اُسے نظر نہ آتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: ”تجھے کیا کام ہے؟“ وہ بولی: اُس نے مجھے اور میرے خاوند کو برا بھلا کہا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کو گالیاں نہیں دیتے، اُن کی شان اس سے بلند ہے۔ وہ یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئی کہ رب کعبہ کی قسم! اگر وہ آج مجھے مل جاتے، تو میں اُن کو سخت ایذا دیتی۔ نماز کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ابوبکر! دیکھا اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کو اندھا کر دیا تھا، وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

ابن ہشام فرماتے ہیں کہ مجھ سے حسین بن عبد اللہ نے **بھینگا ابولہب** بیان کیا کہ میں نے ربیعہ بن عباد سے سنا جس سے میرے والد بیان کر رہے تھے کہ میں نوجوان تھا اور والد کے ساتھ میدانِ منیٰ میں موجود تھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (حج کے لئے آتے ہوئے) مختلف قبائل کے پاس جا کر فرما رہے تھے: ”اے فلاں قبیلے والو! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، جو تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں جن کی تم پوجا کرتے ہو، چھوڑ دو، مجھ پر ایمان لاؤ اور مجھے سچا جانو اور میری حفاظت کرو تا کہ میں ان احکامات کو خوب خوب بیان کروں جن کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔“ راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سُرخ و سفید رنگ والا بھینگا شخص تھا جس کے بال دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے، اُس نے عدن کا قیمتی لباس



پہن رکھتا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی تبلیغ ختم فرماتے تو وہ کہنے لگتا: اے قلاں قبیلے والو! یہ شخص تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ تم اپنی گردنوں سے لات و عزی کا جو انکال پھینکو (یعنی ان کی عبادت نہ کرو)۔ اور بنی اقیس کے جن جو تمہارے حلیف (دوست) ہیں، ان سے الگ ہو جاؤ اور جو عدت اور گمراہی یہ شخص لے کر آیا ہے، اُس کو قبول کر لو، تو (میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ) تم نہ اس کی اطاعت کرو اور نہ ہی اس کی بات سُنو۔ راوی نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا: یہ کون شخص ہے جو سابقہ آدمی کے پیچھے پیچھے اس کی تردید کرتا جاتا ہے؟ (اور لوگوں کو مخالفت پر ابھارتا ہے) میرے باپ نے جواب دیا: یہ شخص اُس کا چچا ابولہب بن عبد العزی بن عبد المطلب ہے۔ (سیرت ابن ہشام)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ ابولہب کی موت غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا۔ جنگ بدر سے پہلے ہی ہم اہل خانہ، یعنی حضرت عباس ان کی بیوی ام الفضل اور میں (رضی اللہ عنہم) مسلمان ہو چکے تھے، لیکن اپنی قوم سے اپنا اسلام چھپا رکھتا تھا۔ جب جنگ بدر کے لئے کفار نے لشکر ترتیب دیا۔ ابولہب بدر نہ جاسکا۔ اُس نے اپنی جگہ عکابن ہشام بن مغیرہ کو روانہ کر دیا تھا۔ جب بدر کے آفت زدہ کفار کی خبر ابولہب کو ملی، تو اللہ تعالیٰ نے اسے خوب ذلیل و رسوا کیا (یعنی وہ بڑا سٹ پٹایا) اور ہم نے بڑی خوشی اور قوت و اعزاز محسوس کیا۔ میں بڑا کمزور تھا اور زمزم کے پاس خیمے میں بیٹھا تیر بنا یا کرتا تھا۔ اس دن بھی میں خیمے میں بیٹھا تیر چھیل رہا تھا اور حضرت ام الفضل (زوجہ عباس) میرے پاس بیٹھی تھیں اور بدر کی باتوں پر ہم مسرور ہو رہے تھے کہ یکایک ابولہب بڑی بڑی حالت میں

گرتا پڑتا آیا اور خیمہ کے قریب میری طرف پشت کر کے بیٹھ گیا (پورے مکہ مکرمہ میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی اور ہر گھر سے آواز نوحہ بلند ہو رہی تھی) وہ بیٹھا ہی تھا کہ لوگوں نے کہا: ”یہ لو ابو سفیان بن حارث آگیا“ اس سے پوچھ لو۔ ابولہب نے اسے کہا: ”میرے بھتیجے میرے پاس آؤ، تجھے سب کچھ معلوم ہے مجھے بتاؤ وہاں کیا ہوا؟“ تو اس نے کہا: ”(چچا، بخدا کوئی حال نہیں تھا، ہم اُن کے سامنے اس طرح بے بس تھے کہ گویا ہمارے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں، وہ (مسلمان) جس طرح چاہیں ہمیں قتل کریں اور جس طرح چاہیں قید کریں، اس کے باوجود میں اپنے ساتھیوں کو قابلِ ملامت نہیں سمجھتا، اس لئے کہ اللہ کی قسم ہمارا مقابلہ ایسے لوگوں سے تھا، جو نہایت خوبصورت اور چمکدار رنگ والے تھے اور وہ ابلق گھوڑوں پر سوار زمین و آسمان کے درمیان اڑتے پھرتے تھے۔ واللہ! وہ کوئی چیز نہ چھوڑتے تھے، کوئی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

ابورافع (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا کہ میں نے خیمے کا پردہ اٹھا کر کہا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ تو فرشتے تھے“ یہ سنتے ہی ابولہب نے میرے منہ پر زور سے تھپڑ مارا۔ میں نے بھی اس کا بدلہ لے لیا، تو ابولہب لعین نے مجھے اٹھا کر زمین پر دے مارا، پھر میرے اوپر بیٹھ کر مجھے زد و کوب کرنے لگا۔ میں کمزور تھا۔ ام الفضل خیمے کی ایک لکڑی لے کر اس کی طرف بڑھیں اور یہ کہتے ہوئے کہ اس کا آقا یہاں نہیں ہے، تو نے اسے کمزور سمجھ لیا؟ لکڑی اتنے زور سے اس کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ ذلیل ہو کر اُٹھا اور اپنے گھر چلا گیا۔ اس کے بعد ایک ہفتہ کے اندر اندر اللہ تعالیٰ نے اسے مرضِ عدسہ میں مبتلا فرما کر ہلاک کر دیا۔ (ابن ہشام)

۱۔ یہ ابو سفیان المغیرہ بن حارث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے ہیں ابھی تک مسلمان نہ ہوتے تھے۔ کفار کی طرف سے بدر میں شریک تھے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عدسہ (چھپک کی ایک قسم) نے اس کے پورے بدن کو اپنی لپیٹ میں لے کر بدبو دار ناسور کی طرح بنا دیا تھا۔ کوئی شخص اس کے قریب تک جاتا تھا۔ مرنے کے بعد بھی تین دن تک اس کی لاش ایسے ہی پڑی رہی۔ جب بدبو اور عفونت میں اضافہ ہو گیا، تو لوگوں نے دُور سے پتھر پھینک پھینک کر اس کی لاش کو چھپا دیا۔

ابولہب کے چار بیٹے تھے: عتبہ، عتیبہ، عتبہ، عتبہ، ابولہب کی اولاد اور معقب۔ ان میں آخر الذکر دونوں لڑکے یعنی

عتبہ اور معقب رضی اللہ تعالیٰ عنہما شرف ایمان سے مشرف ہو کر صحابہ کرام میں شامل ہوتے اور غزوہ حنین میں ہمرکاب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام رہے۔ ابولہب کی ایک بیٹی کا ذکر ملتا ہے، اس کا نام درہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا، یہ مسلمان بھتیجی ان کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی نوفل کے بیٹے حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہوا۔ ان کے تین بیٹے تھے عتبہ، ولید اور ابوسلمہ یہ تینوں صحابی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ابولہب کے اول الذکر لڑکوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ حضور نبی اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں یعنی سیدہ اُمّ کلثوم اور سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نکاح اعلانِ نبوت سے پہلے فرما دیا تھا۔ عرب میں رواج تھا کہ چھوٹی عمر میں ہی نکاح کر دیتے جاتے اور جب وہ بڑی ہو جاتیں، تو رخصتی کر دی جاتی۔ اسی طرح ابولہب کے لڑکوں سے بھی صرف نکاح ہی ہوتے تھے، ابھی رخصتی نہ ہوتی تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا۔ سورۃ اللہب کے نزول کے بعد ابولہب نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ صاحبزادیوں کو طلاق دے دو۔ ان میں عتیبہ نے تو محض طلاق پر ہی اکتفا کیا، مگر عتبہ نے

لے عتیبہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ بھی مسلمان ہوا تھا یا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

مد سے زیادہ بد بختی دکھائی۔ وہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا اور حضور رسول کریم  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کرتہ مبارکہ کو پھاڑ دیا اور زبان سے بہت کچھ کہو اس  
بچی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے اس منہ پھٹ گستاخ  
کے لئے نکل گیا: اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كَلَابِكَ۔  
”اے اللہ تعالیٰ! اس ملعون پر اپنے کتوں میں سے ایک  
کت مسلط فرما دے۔“

کچھ عرصہ بعد یہ ملعون اور ابولہب ایک قافلہ کے ساتھ تجارت کی غرض  
سے جا رہے تھے، راستہ میں رات کے وقت ایک جنگل میں ٹھہرے۔ ابولہب نے  
اہل قافلہ سے کہا کہ آج رات ہماری مدد کرو، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم کی دُعا کہیں آج رات میرے بیٹے کے حق میں اثر نہ کر جائے۔ اس پر  
سب اہل قافلہ نے اپنا سامان اکٹھا کیا اور اُسے اوپر نیچے چن کر ایک اونچا سا  
چبوترہ بنا دیا اور اس کے اوپر عتبہ کے سونے کے لئے جگہ بنا دی اور خود حفاظت  
کے لئے اس کے چاروں طرف گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ جب رات گہری ہوئی، تو  
اللہ تعالیٰ نے ان سب پر نیند کو مسلط کر دیا۔ پھر ایک شیر آیا اور اُس نے ایک  
ایک کے منہ کو سونگھا اور کسی کو کچھ نہ کہا (گویا اُن کو معلوم تو ہو رہا تھا کہ ان کو سونگھا  
جا رہا ہے، مگر وہ حرکت نہ کر سکتے تھے) پھر شیر نے جست لگائی اور سامان پر  
چڑھ گیا اور ملعون عتبہ کو چیر پھاڑ ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ عتبہ کی گردن کو  
دبوج کر لے گیا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

اے سُبْحَانَ اللہ تعالیٰ! ایک بدترین کافر بھی یہ جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم جو فرماتے ہیں، بحکمِ خداوندی وہی ہو جاتا ہے۔

## ⑤ عم النبی صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو الفضل تھی۔ ان کی ولادت عام الفیل سے عند البعض تین سال پہلے ہوئی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں دو تین سال بڑے تھے۔ ان کی والدہ کا نام قتیلہ بنت خیاب تھا۔ یہ وہ پہلی عربی خاتون ہیں کہ جہنوں نے خانہ کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھایا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عباس بچپن میں گم ہو گئے تھے۔ کافی تلاش کے باوجود نہ ملے تو ان کی والدہ نے نذر مانی کہ وہ مل جائیں تو بیت اللہ شریف پر غلاف چڑھائیں گی۔

حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بڑے حسین و جمیل و گیسو والے اور طویل قامت تھے۔ منقول ہے کہ عام لوگوں کا قد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں تک پہنچتا تھا اور ابن عباس کا قد حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے کندھوں کے برابر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ روزِ بدر پورے مدینہ طیبہ میں سوائے عبداللہ بن ابی کے کسی کا حرکت حضرت عباس کے پورا نہ آیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں سردارانِ قریش میں سے ایک تھے۔ مسجدِ بیت الحرام کی تولیت یعنی بیت اللہ کو لوگوں کے شور و غل سے بچانا اور تعمیر و دیکھ بھال کرنا۔ نیز حاجیوں کو نرم نرم پلانے کے عہدے ان ہی کے پاس تھے۔

ابتداءً اسلام میں حضرت عباس اسلام لانے کے باوجود بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نرمی اور محبت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب بیعتِ عقبہ ثانیہ کے موقع پر اہل مدینہ کی ایک بڑی جماعت قریش مکہ سے پوشیدہ طور پر منیٰ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں بیعت کے لئے حاضر ہوئی، تو سرکارِ مدینہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباسؓ ہی کو ساتھ لے کر گئے تھے اور جب آنے والے یہ اہل مدینہ بیعت اسلام سے مشرف ہو گئے، تو حضرت عباسؓ نے ان کو فرمایا "اے قوم والو! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہم لوگوں میں حد درجہ عزت، شرافت اور عظمت رکھتے ہیں۔ اب اگر تم ان کے ساتھ وفاتے عہد کا مصمم اور مضبوط عزم رکھتے ہو اور تم اپنی جانوں پر مکمل اعتماد اور بھروسہ رکھتے ہوئے اپنی جان نثاری کا پختہ وعدہ کرتے ہو کہ خواہ حالات کیسے ہی ہو جائیں تم ان سے (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ وفا کرو گے۔ ان کے ساتھ ساتھ رہو گے، ان کا ساتھ نہ چھوڑو گے، تو ٹھیک ہے، ورنہ بہتر ہے کہ ابھی جواب دے دو تا کہ کل تمہیں پریشانی نہ اٹھانی پڑے اور تمہیں دشمنی کا نشانہ نہ بننا پڑے۔ انصار مدینہ نے جواباً کہا: "اے عباس! تم نے جو کچھ کہا ہے، ہم نے سن لیا ہے۔ ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہمیں حکم دیجئے ہم آپ کے قدموں پر جان قربان کرنے کے لئے بھی تیار ہیں۔" پھر حضور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اہل مدینہ کے درمیان کچھ عہد و پیمان ہوئے، جن کی تفصیل کتب سیرت میں موجود ہے۔

روزِ بدر حضرت عباسؓ مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں آئے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا تھا کہ اگر کسی کا عباسؓ سے آمنا سامنا ہو تو وہ ان کو قتل نہ کرے، کیونکہ وہ خوشی سے اس لشکر میں شامل نہیں ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک کمزور سے صحابی حضرت ابوالیسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ مرقوم ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، میں نے عباسؓ کو گرفتار کیا ہے اور میری مدد ایک ایسے جوان مرنے کی جے میں نے کبھی نہیں دیکھا، وہ بڑی بہت



اور عظمت والا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ”وہ اللہ تعالیٰ کا معزز فرشتہ تھا جس نے حضرت عباس کو پکڑ کر تیرے سامنے کر دیا۔“

اسیران بدر کو رسیوں سے باندھا گیا تھا۔ رات کو سخت بندش کی وجہ سے حضرت عباس کو اپنے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بے چین ہو گئے۔ یہ دیکھ کر صحابہ نے حضرت عباس کی بندش کو ڈھیلا کر دیا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کا پتہ چلا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ سب قیدیوں کی بندشوں کو ڈھیلا کر دیا جائے کہ سب کو برابر کی تکلیف ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ آپ رحمت عالم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو ہوتے،

حضرت عباس نے بدر کی طرف روانہ ہوتے وقت اپنی زوجہ حضرت آمنہؓ کو بہت سا سونا دے کر کہا تھا کہ اسے سنبھال کر رکھو کسی کو خبر نہ ہونے دو۔ اگر جنگ سے سلامت واپس آگیا، تو تم سے واپس لے لوں گا، لیکن اگر میں قتل ہو گیا تو میں نے تمہیں عمر بھر کے لئے دولت مند بنا دیا ہے۔ اس میں سے اتنا میرے بیٹوں فضل، قثم اور عبد اللہ کا ہے۔ علاوہ ازیں بیسٹا اوقیہ سونا ساتھ لے لیا تاکہ لشکر کو کھانا کھلا سکیں۔

در رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عباس کا اعلان اسلام جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسیران بدر سے رہائی کے بدلہ میں فدیہ طلب فرمایا، تو حضرت عباس نے عرض کیا کہ ”میرے پاس بیسٹا اوقیہ سونا تھا، جو آپ کے صحابہ نے لے لیا ہے، وہ میرے فدیہ میں رکھ لو۔“ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”وہ مال غنیمت ہے، فدیہ الگ دینا ہو گا،“ بلکہ تم اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور

لے ایک اوقیہ تقریباً اڑھائی تولہ کے برابر ہوتا ہے۔

اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ بھی ادا کر دے۔ عتبہ کا سوا اوقیہ، باقی سب چالیس چالیس اوقیہ فی کس ہے۔“ حضرت عباس نے کہا: ”میرے پاس تو اور کوئی بھی مال نہیں ہے، آپ کیا چاہتے ہیں کہ آپکا چچا لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتا پھرے؟“ تو رسول مکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر ارشاد فرمایا: ”تو چچا! وہ سونا کہاں گیا جو مکہ سے آتے وقت تم حجی امّ الفضل کو دے آئے تھے؟ اور کہہ رہے تھے کہ مجھے کچھ ہو گیا تو یہ تیرا ہے، یہ فضل کا ہے، یہ قسم کا ہے، یہ عبد اللہ کا ہے اور کہہ رہے تھے کہ میں نے تم کو دولت مند بنا دیا ہے۔“

یہ سننے ہی حضرت عباس پکار اٹھے: اللہ کی قسم! یہ میرے اور امّ الفضل کے درمیان ایسا راز تھا کہ جس کا کسی کو علم نہ تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اور کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ (مختلف کتب سیرت)

فتح مکہ کے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لا رہے تھے، تو راستے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا رہے تھے۔ رسول اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اہل و عیال کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا، جبکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خصوصی کرم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلام لانے کے بعد حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کا بڑا اعزاز و اکرام فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (مایا) ”میرے چچا عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بمنزلہ میرے والد لے یہ سب قبیہ ہی تھے۔“

کے ہیں، جس نے ان کو ایذا دی، اُس نے مجھے ایذا دی۔“

ایک دن جو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے، اور آگے بڑھ کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ پھر ان کو اپنی داہنی طرف بٹھایا اور (صحابہ کرام سے) فرمایا: یہ میرے چچا ہیں، ہر ایک کو یہ خواہش ہوتی ہے کہ اپنے چچا پر فخر کرے (یعنی مجھے اپنے چچا پر فخر ہے) اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: آپ کتنی خوش کن بات فرما رہے ہیں۔“ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیوں نہ کہوں، حالانکہ آپ میرے چچا ہیں، اور بمنزلہ والد کے ہیں اور میرے اجداد کے بقیہ اور وارث ہیں اور وہ بہترین شخص ہیں جسے میں اپنے اہل میں چھوڑے جاتا ہوں۔“

”مدارج النبوة“ میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ”میرے چچا! کل اپنے گھر رہنا اپنے بچوں کو بھی باہر نہ بھیجنا، میں تمہارے ہاں آؤں گا، مجھے تم سے ضروری کام ہے پھر دوسرے روز نبی محترم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُن کے ہاں رونق افروز ہوئے، تو ان سب کو اپنی چادر مبارکہ میں ڈھانپ لیا اور دعا کی کہ اے خدا! یہ میرے چچا، میرے والد کے قائم مقام ہیں، یہ ان کے فرزندان میرے اہل بیت ہیں، ان سب کو آتش دوزخ سے ایسے ہی چھپالے، جس طرح میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپالیا ہے۔“ اس پر سب نے آمین کہا، حتیٰ کہ گھر کے در دیوار نے بھی آمین کہا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ السلام)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ حضرت عثمان

غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ماہِ رجب اور

وفات

عند البعض ماہ رمضان المبارک میں ۳۲ یا ۳۳ھ میں ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا اور آپ کو قبر میں آپ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتارا۔ آپ کے دس لڑکے تھے، جن میں فضل، عبداللہ، عبید اللہ، اولاد معبد، قثم اور عبدالرحمن یہ سب حضرت ام الفضل کے بطن سے تھے۔ نیز ایک صاحبزادی حضرت ام حبیب بھی ان ہی کے بطن سے تھی، جبکہ عون ایک اور زوجہ سے، حارث اور زوجہ سے، جبکہ تمام اور کثیر ایک اور زوجہ سے جو کہ رومیہ تھی، پیدا ہوئے۔ ان میں سب سے بڑے حضرت فضل تھے۔

۱۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ان کی والدہ (لبابۃ الصغریٰ) کو ام الفضل کہا جاتا ہے۔ غزوہ حنین اور حجة الوداع میں یہ ہمراہ نبوی تھے۔ آپ حضور سرور کائنات فخر موعود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور غسل میں دیگر اہل بیت کے ساتھ شامل تھے اور جب حضور پیر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قبر انور میں اتارا گیا تو پہلے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عباس، حضرت قثم اور آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اترے اور رحمت عالم شفیع اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سہارا دے کر بخیمہ مبارک میں لٹایا۔ پھر آپ جہاد کی غرض سے ملک شام کی طرف تشریف لے گئے۔

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صرف اکیس برس کی عمر میں اور ان کے علاقہ میں طاعون عمواس میں وفات پائی اور یہ بھی مرقوم ہے کہ آپ نے جنگ یرموک میں جام شہادت نوش فرمایا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ان کی صرف ایک صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جن کا نکاح

اول حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوا، اور پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں آئیں۔

۲۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، آپ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سب سے زیادہ مشہور و معروف

ہیں۔ آپ کے اصل نام عبداللہ پر آپ کی کنیت ابن عباس غالب آگئی اور جہاں بھی تنہا لفظ ابن عباس لکھا ہو، آپ ہی مراد لیے جاتے ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ لبابہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُمّ المؤمنین حضرتہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمیشہ صاحبہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت نبوی سے تین سال قبل پیدا ہوئے اور مشہور روایت کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت مبارکہ کے وقت آپ کی عمر شریفہ تیرہ برس کی تھی۔ آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں بہت بڑے عالم اور عظیم مفسرِ قرآن ہیں۔ حدیث مبارکہ کے مطابق حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْنِيْ اَحْكَمَ مَا وَكَّلَ الْقُرَّانَ لِيْ اللّٰهُ تَعَالٰی! ان کو حکمتِ داناتی، فقہ، فہم و شعور کی دولت، اور تاویل (تفسیر) قرآن سکھا دے۔ رسول اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کے آپ بہت بلند مرتبہ پر فائز ہوئے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ آپ نے دو مرتبہ جبریل امین علیہ السلام کو دیکھا ہے۔

حضرت مسروق کہتے ہیں کہ جب میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتا، تو کہتا یہ ہی سب سے زیادہ حسین ہیں، جب وہ بات چیت کرتے تو کہتا یہ ہی سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہیں، اور جب وہ احادیث مبارکہ سناتے تو کہتا کہ یہ ہی سب سے عالم و فاضل ہیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں یہ بہت مقرب تھے، باوجود،  
 صغیر سنی کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اپنے قریب جگہ دیتے اور اکابر صحابہ  
 کے ساتھ مشورہ کرتے وقت ان کو بھی شامل فرماتے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ  
 کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے آپ کو حاکم بصرہ مقرر کیا تھا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین  
 میں یہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں اپنے فرزند انجمن  
 اور محمدؑ کے ساتھ حاضر رہے تھے۔ آخر عمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی۔ طبیعت کھا  
 کر میں اپریش کر دوں گا، بینائی کوٹ آئے گی، لیکن چند روز آپ کو سجدہ کرنے سے  
 ممانعت ہو گئی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ مجھے ان آنکھوں کی ضرورت نہیں کہ  
 جن کے حصول کے لئے مجھے سجدہ چھوڑنا پڑے اور آپ نے نظر نہ بنوائی۔ آپ نے  
 اپنی نابینائی پر یہ شعر کہا ہے

أَنْ يَأْخُذَ اللَّهُ مِنْ عَيْنِي نَوْراً هُمَا  
 فَفِي لِسَانِي وَقَلْبِي مِنْهُمَا نَوْراً

”یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کا نور واپس لے لیا ہے تو کیا پرواہ،  
 ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میرے قلب و زبان کو یہ نور فرما دیا ہے۔“  
 حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بمقام طائف ۶۸ھ  
 میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ بعمر اکبر سال  
 وفات پائی۔ ان سے صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت روایت کرتی ہے  
 ان سے مروی احادیث مبارکہ کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے زائد ہے۔ آپ گولے رنگ  
 اور لائے قد والے تھے، تناسب کے ساتھ ضربہ اور حسین و خوش رو تھے۔ سر پر کافی  
 بال تھے، جن کو مہندی لگایا کرتے تھے۔ خلفائے بنو عباسیہ کہ جن کی حکومت ۱۳۲ھ  
 سے ۲۵۵ھ تک رہی، آپ ہی کی نسل سے ہیں۔



۳۔ عبید اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، یہ اپنے بھائی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تقریباً ایک سال

چھوٹے تھے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو یمن کا حاکم مقرر کیا تھا۔ بہت بڑے سخی تھے، اسی بنا پر اجداد الناس کے نام سے مشہور ہوئے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے آپ کو دومرتبہ یعنی ۳۶ھ اور ۳۷ھ میں امیر الحاج مقرر فرمایا، آپ نے ۵۸ھ میں وفات پائی۔

۴۔ معبد بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمان بركت نشان میں پیدا ہوئے۔

اور خلافت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوران ۳۵ھ کو افریقہ میں جہاد کرتے ہوئے مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۵۔ حضرت قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ بڑے پائے کے صحابی ہیں، ان کو بہ شرف بھی حاصل ہے کہ رسول کریم نبی عظیم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور غسل میں شامل رہے۔

”مدارج النبوة“ میں ہے کہ حضور نبی کریم رؤوف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غسل دینے میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ معاونت کرنے والے، حضرت عباس اور ان کے بیٹے، حضرت فضل اور قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے، جو پانی بھی ڈالتے جاتے تھے اور پہلو شریف بدلنے میں بھی مدد دیتے تھے، بلکہ مرقوم ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لحد شریف میں لٹانے کے بعد سب سے آخر میں یہ ہی باہر نکلے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو مکہ مکرمہ اور طائف کا حاکم مقرر کر دیا تھا (ابن خلکان)، آپ کی سخاوت مشہور و معروف تھی۔ حضرت سیدنا قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعید بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ جہادِ سمرقند (روس) میں شامل ہوئے اور وہیں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ (رحمۃ للعالمین)

۶۔ حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ عنہما یہ حضور نبی کریم محبوب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی رحلتِ مبارکہ سے چند ماہ قبل پیدا ہوئے۔ بڑے حسین و جمیل، ذکی الذہن، بلند پایہ فقیہ اور عالم و فاضل تھے۔

۷۔ تمام بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت تمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اولادِ ستینا عباس رضی اللہ تعالیٰ

میں سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ یہ جناب کثیر کے حقیقی بھائی تھے۔ حضرت ستینا علی المرتضیٰ کریم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ان کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔

۸۔ حضرت عبد الرحمن بن عباس رضی اللہ عنہما یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانِ برکت نشان

میں پیدا ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں یہ اپنے بھائی سعید بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہمراہی میں جہادِ افسریقہ کے دورانِ جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادوں حضرت عون اور عمارت کے حالات نہ مل سکے، البتہ آپ کی صاحبزادی کی شادی اسود بن سفیان کے ساتھ ہوئی، جو کہ اُمّ المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حقیقی بھائی تھے۔



## ⑥ حضرت زبیر (عَمُّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

جناب زبیر بن عبدالمطلب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت فرمانے سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ ان کی رحلت کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارکہ ۳۴ برس کی تھی۔ جناب زبیر نہایت ہی رحم دل اور پاکیزہ خیالات کے حامل تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان نبوت سے قبل جب حجاز مقدس کو امن و امان کا گہوارہ بنانے کے لئے معاہدہ حلف الفضول کی تحریک اٹھی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت زبیر بن عبدالمطلب نے بھی اس تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ معاہدہ حلف الفضول کے ممبر زبیر عہد کرتے تھے کہ:

(۱) ہم اس ملک سے بد امنی دور کریں گے (۲) ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے (یعنی قافلے لوٹنے والوں سے مقابلہ کریں گے) (۳) ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔ (۴) ہم طاقتور کو کمزور پر ظلم کرنے سے روکیں گے۔“

ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب زبیر کس قدر انسان دوست اور بلند اخلاق تھے۔ ان کا ایک بیٹا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دو لڑکیاں حضرت اُمّ حکیم اور حضرت صبا رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحابہ کرام میں شامل ہیں۔

## حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی

## عَمَّاتِ محترم (یعنی پھوپھیاں)

① حضرت اُمّ حکیم بیضا۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ، حضرت ابوطالب اور

حضرت زبیر کی حقیقی بہن ہیں، (یعنی یہ سب ایک ہی والدہ کے شکم سے تھے)، ان کا نکاح کبریٰ بن ربیعہ بن حبیب کے ساتھ ہوا تھا۔ ان کا بڑا حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پوتا حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں محابی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاکم خراسان بنایا تھا۔ ام حکیم کی صاحبزادی کا نام "اروی" تھا اور یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں، گویا اس اعتبار سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی بھوپھی کے نواسے تھے۔ (زر قانی)

② حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بھوپھی محترمہ حضرت سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی ہمیشہ ہیں۔ بہادری میں بے مثال تھیں۔ غزوہ خندق کے ایام میں مسلمان عورتیں ایک مقام پر قلعہ بند تھیں اور معدومے چند مسلمان حفاظت پر متعین تھے۔ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، تو تحقیق حال کے لئے ایک یہودی کو روانہ کیا۔ جب وہ قلعہ کے پاس پہنچا تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے دیکھ لیا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ جاؤ اور اس یہودی کو قتل کر دو تاکہ اہل ایمان اس کے شر سے بچ جائیں، مگر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس یہودی کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، لاچار حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود اٹھیں اور ان کے ہاتھیں خیمہ کی لکڑی تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جانتے ہی اس قدر زور سے لکڑی یہودی کے سر پر ماری کہ وہ چکر اکر گر پڑا، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی کی تلوار سے اس کا سر کاٹ کر دیوار قلعہ کے اوپر سے پوری قوت کے ساتھ گروہ یہودی کی طرف پھینک دیا جب انہوں نے اپنے ایک بہادر جوان کاٹا ہوا سر اپنے درمیان دیکھا تو ڈر گئے اور سمجھے کہ قلعہ میں عورتیں نہیں، بلکہ مرد ہیں اور پھر ان کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

غزوہ اُحد میں جب آپ کے برادر حقیقی سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے، تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کمال صبر و استقلال اور ضبط کا مظاہرہ فرمایا۔ (رب کریم آپ پر اپنی بے شمار رحمتوں کا نزول فرمائے، آمین !)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح حارث بن حرب بن امیہ سے ہوا۔ اُس کے مرجانے کے بعد دوسرا نکاح عوام بن خویلد بن اسد کے ساتھ ہوا۔ یہ عوام بن خویلد حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں۔ ان سے آپ کے بیٹے حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سائب بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچو بھی زاد بھائی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے) عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ غزوہ بدر ان کے شانہ پر نہایت گہرا زخم آیا تھا، باوجود شدتِ الم کے آپ کا مقابلہ ایک نامور اور مغرور قریشی پہلوان عبیدہ بن سعید بن العاص سے ہو گیا جو کہ سرتاپا لوہے کے لباس میں ڈھکا ہوا تھا اور سوادِ دونوں آنکھوں کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ چکی تھی اور ایک برجھی ہاتھ میں تھی جو نہی اُس نے آپ کو لگا کر آپ فوراً آمادہٴ پیکار ہو گئے۔ حالانکہ عبیدہ بن سعید بڑا ماہر جنگجو تھا اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی، پھر بھی آپ نے نہایت ہنرمندی سے اُس کے مہلک ہتھیاروں سے بچتے ہوئے تاک کر برجھی اتنے زور سے اُس کی آنکھ میں ماری کہ اس کے سر کی کھوپڑی چکنا چور کر ڈالی اور برجھی اس خبیث کافر کے سر میں یوں پیوست ہو گئی کہ اُس کے سر پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کی لاش پر کھڑے ہو کر پوری قوت سے برجھی کو کھینچا تو اُس کے فولادی پھل دونوں طرف سے مڑ گئے اور بمشکل تمام وہ باہر نکل سکی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری کی یوں قدر فرمائی یہ برجھی بطور یادگار اپنے پاس رکھ لی۔ پھر یکے بعد دیگرے یہی برجھی بطور آثار مبارک

(تبرگا) چاروں خلفائے راشدین کے پاس رہی۔ آخرش حضرت عبداللہ بن نبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عطا فرمادی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دوسرے بیٹے حضرت سائب بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی غزوہ بدر و غزوہ احزاب وغیرہ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ انہوں نے زمانہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جنگ یمامہ میں بھی بھرپور انداز میں حصہ لیا۔ ۳۶ھ میں بحرچینسٹھ برس وادی سباغ میں عبداللہ بن جرموز نامی باغی نے بحالت سجدہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔

ان کا نکاح عبدالاسد بن جلال بن عبداللہ  
**③ برہ بنت عبدالمطلب** بن عمر بن محزوم قرشی سے ہوا۔ ان کے بیٹے کا نام ابوسلمہ عبداللہ تھا۔ حضرت ابوسلمہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدیم الاسلام مسلمان ہیں مشہور روایت کے مطابق یہ گیا رہو ہیں مسلمان ہیں یعنی ان سے قبل صرف دس افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کا نام بند تھا جو کہ ام سلمہ کے نام سے مشہور ہوئیں اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت مطہرہ میں اکرام المؤمنین کے بلند ترین فائز ہوئیں۔ حضرت ابوسلمہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح اسلام کی خاطر بہت تکالیف اٹھائیں، ان میں سے بعض کا ذکر انہما المؤمنین کے ذکر مبارکہ میں حضرت ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تحت ہوگا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)  
 حضرت ابوسلمہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد دو بیٹے عمر اور سلمہ جبکہ دو بیٹیاں زینب اور درہ تھیں، یہ سب کے سب شرف ایمان کسٹرف ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)  
 یہ وہی عاتکہ ہیں کہ جنہوں نے غزوہ بدر  
**④ عاتکہ بنت عبدالمطلب** سے قبل اور ابوسفیان کے قاصد خنم غفاری



کے مکہ مکرمہ پہنچنے کے تین یوم قبل خواب دیکھا اور بیان کیا کہ ایک اونٹ سوار وادی الطح میں کھڑا چلا کر پکار رہا ہے کہ اے بے وقاف! اپنے بچھڑنے کی جگہ کی طرف تین دن کے اندر جنگ کے لئے نکل، لوگ اس کے گرد اگر جمع ہو گئے۔ پھر وہ شخص مسجد میں داخل ہوا، لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ پھر وہ اچانک اپنے اونٹ پر سوار خانہ کعبہ کے اوپر نمودار ہوا، پھر اسی طرح پوری قوت سے چلا یا کہ سنا: اے غدارو! اپنے مرگھٹ کی طرف تین دن کے اندر اندر جنگ کے لئے نکل، پھر وہ اونٹ پر سوار، کوہِ قبیس کی چوٹی پر نظر آیا، اور اسی طرح پھر چلا یا، پھر اُس نے ایک بہت بڑا پتھر اٹھایا اور بڑے زور سے نیچے کی طرف پھینکا، دامن کوہ میں وہ پتھر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور پھر مکہ مکرمہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا اور نہ ہی کوئی حویلی ایسی تھی کہ جہاں اُس پتھر کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا نہ پہنچا ہو۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سُن کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ خواب تو بہت اہم ہے، مگر تم کسی سے بیان نہ کرنا۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قریبی دوست ولید بن عتبہؓ سے اس کا ذکر کیا اور یوں اس خواب کا چرچا پورے مکہ شہر میں ہو گیا۔ ابو جہل خبیث نے دوسرے کفار سے مل کر اس خواب کی خوب ہنسی اڑائی اور بولا: بنی عبدالمطلب کے لئے یہ کافی نہیں تھا کہ اُن کے مرد نبوت کا دعویٰ کریں؟ اب تو اُن کی عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کر رہی ہیں۔“ پھر بولا: ”ہم تین دن تک اس کی تعبیر کا انتظار کریں گے۔ اگر کچھ ظاہر ہو تو ہم ایک تحریر لکھ کر لٹکا دیں گے کہ حرمِ مکہ میں سب سے جھوٹا خاندان عبدالمطلب کا خاندان ہے۔“ اس خواب کے تیسرے دن علی الصبح ابوسفیان کا قاصد ضمہ بن عمرو الغفاری عجیب و غریب بییت بنا کے چیتا ہوا شہرِ مکہ میں داخل ہوا۔ اُس نے اپنے اونٹ کی ناک کاٹ ڈالی تھی جس سے اونٹ کا چہرہ خون آلود اور بییت ناک ہو گیا تھا، اُس نے اونٹ کا کجاوا بھی اُلٹ دیا تھا اور اپنے کپڑے بھی پھاڑ رکھے تھے۔ وہ ماتم کرنے کے انداز میں چیتا ہوا کہہ رہا تھا، اے گروہِ قریش! فریاد، فریاد! ابوسفیان کے قافلے

میں شامل تمہارا سامان لٹ گیا، اُونٹ چھن گئے۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اور اُس کے ساتھی گھات لگاتے حملہ کی تیاری کر رہے تھے۔ مجھے امید ہے کہ اب تک حملہ ہو چکا ہوگا۔ شاید تم اپنا مال نہ پاسکو، جلدی کرو، ہاتے اُونٹ، ہاتے ہمارے اُونٹ، ہاتے ہمارا سامان . . . . منضم غفاری کی اس چیخ و پکار نے پورے شہر مکہ میں پھیل برپا کر دی، اور سردارانِ قریش ابو جہل کی سرکردگی میں غیض و غضب سے بپھرے ہوئے میدانِ بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ بھروسہ ہاں، یعنی میدانِ بدر میں جو ہوا، اُس سے زمانہ واقف ہے، یعنی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے خواب کی تعبیر اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس  
**امیمہ بنت عبدالمطلب** پھوپھی صاحبہ کی شادی حبش بن ربیع سے ہوئی۔ ان سے ایک بیٹا یعنی حضرت عبداللہ بن حبش رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ یہ عبداللہ بن حبش رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ احد میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے مرتبہ شہادتِ پرفاں ہوئے اور اپنے نامور ماموں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبرِ انور میں مدفون ہوئے۔ امیمہ بنت عبدالمطلب کی تین بیٹیاں تھیں، یعنی زینب، اُم حبیبہ اور حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

حضرت زینب بنت حبش رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، یعنی ام المؤمنین کے درجہ پر فائز ہوئیں، ان کا پہلا نام بڑہ تھا۔ زینب نام جنابِ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا تھا، ان کا تفصیلی ذکر امہات المؤمنین کے ضمن میں آئے گا۔

دوسری بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، جبکہ تیسری بیٹی حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت

مُصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، جبکہ عقیدہ ثانی حضرت طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ہوا اور دو بیٹے حضرت محمد اور عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔

یہ حضرت سیدنا عبد اللہ یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ فیضیٰ

## اروی بنت عبد المطلب

کی سگی ہمشیرہ ہیں، ان کا نکاح عمیر بن و سب بن عبد بن قصی کے ساتھ ہوا تھا۔ ان کے بیٹے طلیب قدیم الاسلام ہیں، جب انہوں نے اپنی والدہ محترمہ اروی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے قبول اسلام کی خبر دی، تو آپ نے جواباً فرمایا: تیرے لئے تیرے ماموں کا بیٹا (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) سب سے بڑھ کر خدمت اور مدد کا حق دار ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم اگر ہم عورتوں کو مردوں کی طرح طاقت حاصل ہوتی، تو ہم پوری جہاں تشاری کے اُن کے دشمنوں کا مقابلہ کرتیں اور اُن (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا دفاع کرتیں۔ طلیب بن اروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم نبوی کے مطابق پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف مہاجر ہوئے، غزوہ بدر میں شامل تھے۔ ابھی آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی نہ کی تھی، یعنی ابتدائے اسلام میں ایک مرتبہ عوف بن حبرہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ یہ حضرت طلیب برداشت نہ کر سکے اور عوف بن حبرہ کی داڑھی کو زور سے پکڑ کر اسے اتنا مارا کہ اُس کا سر پھٹ گیا اور یوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت میں کسی کافر کو سزا دینے میں سب سے اول ہونے کا شرف آپ کے حصہ میں آیا۔ حضرت طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سلمہ میں غزوہ تبوک کے دوران دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عبد المطلب (والد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنے والد حضرت عبد المطلب کے بڑے

لاڈلے بیٹے تھے، چونکہ حامل نور محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تھے، اس لئے حسن و جمال میں بے مثال تھے، ان کا لقب ”ذبیح“ تھا۔ پس منظر اس کا کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب نے غیبی اشارہ پا کر چاہ زمزم کھودنے کا ارادہ مندرایا (جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے)، تو قریش مکہ نے سخت مخالفت کی اور ان کے بیوقوفوں نے آپ کو ایذا تیں پہنچائیں۔ سبب اس کا یہ تھا کہ چاہ زمزم کے مقام کے آس پاس دو بت نصب تھے، ان کا نام اساف اور نائکہ تھا۔ قریش نہیں چاہتے تھے کہ ان عبتوں کے درمیان کنوئیں کو کھودا جائے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کے ساتھ ان کے بیٹے حارث کنوآں کھودنے میں معاون تھے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب نے جبکہ زمزم ظاہر ہو گیا، نذرمانی کہ ”اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمن فرزند عطا فرمائے اور وہ سب جوان ہو کر ان کے معاون و مددگار بنیں، تو وہ (عبدالمطلب) ان میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیں گے“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمن فرزند عطا فرمائے اور وہ سب حد بلوغ کو پہنچ گئے۔

ایک شب حضرت عبدالمطلب خانہ کعبہ کے قریب سوتے ہوئے تھے کہ انہیں کسی کہنے والے نے کہا: ”اے عبدالمطلب! اپنی نذر کو پورا کر، جو تو نے رب کعبہ کے لئے مانی تھی۔“ وہ خواب سے بیدار ہوئے تو خوف سے لرز رہے تھے، انہوں نے فوراً ایک منہ ذبح کر کے کھانا تیار کروایا اور فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد پھر خواب آیا

اے یہ اساف اور نائکہ دراصل مرد و عورت کے نام ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں انہوں نے خانہ کعبہ کے اندر بدکاری کی، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کو پتھر بنا دیا۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ اساف، یعنی کا بیٹا تھا اور نائکہ کے باپ کا نام دیک تھا۔ یہ قبیلہ بنو جرہم سے تعلق رکھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم! کفار کی حالت اور جہالت قابلِ مذمت ہے کہ وہ ان کو دیوتا سمجھ کر پوجنے لگے۔ ۱۲

اور کہا گیا کہ ”اس سے بڑی قربانی کرے“ پھر آپ بیدار ہوئے، تو اللہ کی راہ میں گائے کی قربانی دی، لیکن پھر خواب میں حکم ہوا کہ ”اس سے بڑی قربانی دو۔“ اس پر آپ نے اونٹ ذبح کر کے فقرا میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد خواب میں صاف صاف بتا دیا گیا کہ ”تم نے اپنے فرزندوں میں سے ایک کو قربان کرنے کی منت مانی تھی؟“ اس خواب پر آپ نہایت درجہ غمگین ہو گئے اور تمام فرزندوں کو اپنے خواب سے مطلع فرمایا تو تمام فرزندوں نے بیک زبان عرض کیا کہ اگر آپ ہم سب کی قربانی دینے پر راضی ہیں، تو ہم سب تیار ہیں، کوئی انکار نہیں۔ حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹوں کی اس اطاعت شعاری اور سعادت مندی پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ”قرعہ اندازی کر لو، جس کا نام قرعہ میں نکلے گا، اُسی کو قربان کروں گا۔“ جب قرعہ نکالا گیا، تو وہ حضرت عبد اللہ کے نام کا نکلا۔ حضرت عبد اللہ نہایت ہی حسین و جمیل اور بہادر تھے۔ حضرت عبدالمطلب کو ان سے غایت درجہ کی محبت بھی تھی، اس کے باوجود حضرت عبدالمطلب اسٹھے اور حضرت عبد اللہ کا ہاتھ پکڑ کر اساف و نائلہ کے قریب خانہ کعبہ سے متصل قریش کی قربان گاہ میں لے آئے (مدارج النعم چنانچہ جب حضرت عبدالمطلب ایک ہاتھ میں چھری تھامے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے لخت جگر کا بازو پکڑے قربان گاہ میں داخل ہوئے، تو قریش اپنی مجلسوں سے اُٹھ کر تیزی کے ساتھ ان کی طرف آئے اور کہا، عبدالمطلب کیا کرنا چاہتے ہو؟ فرمایا میں اسے راہِ خدا میں ذبح کرنا چاہتا ہوں (اور خواب کے واقعہ سے مطلع کیا، قریش نے کہا خدا تعالیٰ کی قسم ایسے نہیں ہوگا، جب تک آپ مجبور نہ ہو جائیں، اس کو ذبح نہ کریں اگر آپ ایسا کریں گے، تو پھر آپ کی دیکھا دیکھی، ہر شخص اپنا بچہ لایا کرے گا تاکہ اسے ذبح کر دے۔ اس طرح نسل انسانی ختم ہو جائے گی۔ مغیرہ بن عبد اللہ نے کہا، ”ایسا ہرگز نہ کیجئے، خدا کی قسم! جب تک آپ مجبور نہ ہو جائیں، اگر اس کا فدیہ ہمارے مال سے ہو سکتا ہے تو ہم دینے کے لئے تیار ہیں، حکم فرمائیے۔“ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ

کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت عمرو مغیرہ بن عبداللہ کے خاندان سے تھیں، حضرت عبدالمطلب کے دوسرے بیٹوں نے بھی یہی عرض کی کہ سرِ دست ان کو ذبح نہ کیا جائے۔ پھر سب نے متفقہ طور پر اس قضیہ کا حل تلاش کیا کہ حجاز (مدینہ منورہ) میں ایک عرافہ (یعنی غیب کی باتیں بتانے والی) ہے، جس کے کوئی دشمن یا متوکل یا کوئی رُوح (تابع ہے، وہ حالات صحیح صحیح بتا دیتی ہے، اگر اس نے بھی ان کو ذبح کرنے کا کہہ دیا تو آپ کو اختیار ہے، ورنہ وہ جو کہے، اس کو قبول کریں۔

چنانچہ یہ سب کے سب ہاں سے چلے اور مشرب عرافہ سے سوال (مدینہ منورہ) پہنچے، وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ عرافہ (کابنہ) خیبر میں ہے، تو سب ہاں سے سوار ہو کر خیبر پہنچے اور حضرت عبدالمطلب نے اپنے اور اپنے بیٹے کے تمام حالات پوری تفصیل سے اُسے سنائے۔ اس عورت نے کہا: آج تو میں کچھ نہیں بتا سکتی، کیونکہ میرا تابع میرے پاس نہیں ہے، تم پھر کسی دن آنا۔ میرا تابع میرے پاس آئے گا، تو میں اُس سے اس کا حل پوچھ لوں گی۔ یہ سن کر سب کے سب واپس (اپنے پڑاوت پر) آگئے۔ حضرت عبدالمطلب رات بھر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے رہے، صبح ہوئی، تو یہ سب کے سب اسی عورت کے پاس گئے تو اُس نے کہا مجھے تمہارے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں، تم بتاؤ کہ تمہارے ہاں دیت یعنی خون بہا کتنا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ”دس اونٹ“ وہ عورت بولی، ”تم لوگ اپنی بستی (مکہ مکرمہ) کی طرف واپس لوٹ جاؤ، اپنے بیٹے اور دس اونٹوں کو پاس پاس رکھو، پھر دونوں پر قرعہ اندازی کرو اور اگر تمہارے بیٹے کے نام نکلے تو اونٹ اور بڑھا دو۔ یہ عمل اُس وقت تک کرنے رہو کہ تمہارا پروردگار راضی ہو جائے، یعنی قرعہ اونٹوں پر نکل آئے، تو پھر وہ سب اونٹ ذبح کر دیں، اس طرح تمہارا رب بھی راضی ہو جائے گا اور تمہارا بیٹا بھی بچ جائے گا۔“ یہ سن کر سب نہایت خوشی کے ساتھ واپس مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔



نکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فدیہ اور دس اونٹ خانہ کعبہ کے قریب

قرعہ اندازی کے لئے لائے گئے۔ دیگر سردارانِ قریش تو قرعہ اندازی میں مشغول ہو گئے جبکہ حضرت عبدالمطلب بارگاہِ ربِّ ذوالجلال میں دستِ دعا پھیل کر کھڑے ہو گئے۔ قرعہ ڈالا تو حضرت عبداللہ کا نام ہی نکلا، اونٹوں کی تعداد بیس کر دی گئی۔ پھر قرعہ ڈالا گیا مگر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی کا نکلا، اسی طرح قرعہ ڈالتے گئے اور اونٹوں کی تعداد میں دس، دس کا اضافہ کرتے گئے، اس تمام وقت میں حضرت عبدالمطلب مسلسل دُعا مانگتے رہے، یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد ایک سو ہو گئی اور قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آیا، بطور احتیاط پھر قرعہ ڈالا، تو اب بھی اونٹوں پر ہی نکلا، تو سب کو اطمینان ہو گیا۔ حضرت عبدالمطلب کھڑے دُعا مانگ رہے تھے۔ لوگوں نے کہا: اے عبدالمطلب! اب دُعا بس کرو، تمہارا رب تم سے راضی ہو گیا ہے قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آیا ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا، جب تک کہ (میرے سامنے) تین مرتبہ قرعہ اونٹوں پر نہ نکلے، چنانچہ تین مرتبہ مسلسل قرعہ اندازی کی گئی اور ہر مرتبہ قرعہ اونٹوں کے نام پر ہی نکلا، تو حضرت عبدالمطلب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور تمام اونٹ ذبح کر دیئے گئے اور ان کے گوشت سے نہ تو کسی انسان کو روکا گیا اور نہ کسی زندے کو یعنی جس کا جتنا جی چاہا گوشت لے لیا کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ (سیرت ابن ہشام)

اس واقعہ سے پہلے عرب میں انسان کی دیت یعنی خون بہا

عظیم سائنہ کے لئے دس اونٹ مقرر تھے۔ دوسرے لفظوں میں انسانی خون کی قیمت دس اونٹ کے برابر تھی، لیکن اس واقعہ عظیمہ کے بعد دیت (خون بہا) سو اونٹ مقرر ہو گیا۔ گویا حضرت عبدالمطلب کے خلوص اور حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطاعت کے صدقہ سے انسانی خون کی قدر و قیمت بڑھ گئی اور یہ بات ناقابلِ تردید

حقیقت ہے کہ سزاؤں کے بڑھ جانے سے جرائم میں کمی ہو جاتی ہے کہ سخت سزا کا خوف جرم سے باز رکھتا ہے۔ پہلے تو یہ تھا کہ اگر مقتول کے ورثہ راضی ہوں، تو قاتل دس اونٹ دے کر اپنی جان بچا لیتا تھا، لیکن اب اونٹوں کی تعداد سو گئی جو ہر کسی کے بس کا روگ نہ تھا، اس طرح قتل و غارتگری میں نمایاں کمی کا ہو جانا یقینی تھا۔ پھر لوگ کہیں کہ یہ واقعہ پوری نوع انسانی کے لئے باعث خیر و برکت ہو گیا اور ایسا ہونا چاہیے تھا کیونکہ انہی عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند پوری کائنات کے لئے سراپا رحمت بن کر تشریف لائے والے تھے۔

**عرفت مآب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ** اس واقعہ کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ مکہ مکرمہ کی بہت سی نوجوان خوبصورت لڑکیوں اور عورتوں نے آپ کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر آپ کو ورغلانے کی بھرپور کوشش کی، سچی کہ بعض نے بڑی دولت کی پیشکش بھی کی۔ جیسا کہ علامہ ابن ہشام ابن اسحاق علیہ الرحمہ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ بنی اسد بن عبد العزیٰ کی ایک عورت (مدارج النبوة میں ہے کہ اُس کا نام رقیصہ یا قیلک بنت نوفل تھا جو کہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھی) خانہ کعبہ کے پاس کھڑی تھی، جب اُس کی نظر حضرت عبداللہ پر پڑی، تو آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی اور بولی "اے عبداللہ! وہ سوا اونٹ جو تم پر فدا کئے گئے، وہ میں تم کو دے دیتی ہوں، بشرطیکہ تم میرے ساتھ مباشرت کے لئے راضی ہو جاؤ۔" عرفت مآب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اس پیشکش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور دامن عصمت کو بچا کر آگے بڑھ گئے۔ (سیرت ابن ہشام، مدارج النبوة)

اسی طرح حافظ ابو نعیم و خرابطی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ مکہ مکرمہ کی ایک نہایت حسین و جمیل عورت فاطمہ بنت مرثد الخثعمیہ نے

بڑے بھرپور انداز میں حضرت عبداللہ سے اظہار محبت کیا اور ایک سواونٹ لبطو  
تحتہ پیش کرنا چاہتا کہ آپ اُس کی ناجائز خواہش پوری کر دیں، تو اس عورت  
کی اس درخواست کے جواب میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے

أَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ دُونَهُ وَالْحِلُّ لِحُلِّ فَاسْتِينَ

فَكَيْفَ إِلَى إِلَّا الْمَدَى تَبْنِيْنَهُ يَحْيَى الْكَرِيمَ عَوْضَهُ وَدِينَهُ

”اس حرام فعل کے کرنے سے تو مرجا نا ہی بہتر ہے۔ اگر اس کے سوا کوئی طریقہ ہو

تو میں اس کو پسند کرتا ہوں، مگر اس کے لئے شرط ہے کہ اعلانیہ (نکاح) ہو۔

تم مجھے یہ کہتی اور پھسلاتی ہو، مگر شریف انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی عزت و

عصمت اور اپنے دین کی حفاظت کرے۔“

سُبْحَانَ اللّٰہِ تعالیٰ! یہ بات اس زمانے کی ہے کہ جب بدکاری کرنا عیب کی بجائے

فخر سمجھا جاتا تھا۔ جب مرد و عورت ننگے ہو کر طواف کعبہ کیا کرتے تھے، اس پر آشوب دور

جاہلیت میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے دامین عصمت کو داغدار ہونے سے

بچالینا یقیناً اس نور محمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا صدقہ تھا جو کہ اُن کے پاس

امانت تھا۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ ذی شان کا مفہوم ہے

کہ میرے پورے نسب میں کہیں بھی (حضرت آدم علیہ السلام تک) سفاح جاہلیت،

(بدکاری) کا نام و نشان تک نہیں۔ (فالحمد للہ علی ذالک)

”مدارج النبوۃ“ میں ہے کہ کچھ اہل کتاب بعض

علامتوں اور نشانیوں میں سے پہچان گئے تھے

حضرت سید عبداللہ اور سید آمنہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کا نکاح

کہ نبی آخر الزماں میرے کون سا مکان صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم کا وجود گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صلب میں ولیدیت ہے

اس لئے اطراف و اکناف سے وہ ان کو ہلاک کرنے کی نیت سے مکہ مکرمہ میں آنے لگے۔

ایک دن حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگل میں کسی کام کی غرض سے تشریف لے گئے وہاں ملک شام کے کچھ اہل کتاب تلواروں سے آپ پر حملہ آور ہو گئے۔ اتفاقاً حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد ماجد حضرت وہب بن مناف بھی جنگل میں موجود تھے (وہ ان حملہ آوروں کو دیکھ کر فکر مند ہو گئے) پھر انہوں نے دیکھا کہ یکا یک چند سوار غیب سے نمودار ہوئے اور ان کی شکل و صورت عام انسانوں جیسی نہیں تھی، انہوں نے اس حملہ آور جماعت کو مار بھگایا۔ وہب بن مناف اس واقعہ سے بڑے متاثر ہوئے اور گھر آ کر اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ میں اپنی لخت جگر آمنہ خاتون (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شادی عبداللہ بن عبدالمطلب سے کرنا چاہتا ہوں۔ پھر انہوں نے اپنے دوستوں کے ذریعے حضرت عبدالمطلب کو اس بات سے مطلع کیا، وہ خود کسی ایسی عورت کی جستجو میں تھے جو کہ شرفِ نسب اور عزت و عفت میں ممتاز ہو۔ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں یہ سب صفات بدرجہ اتم موجود تھیں، اس لئے حضرت عبدالمطلب نے اس شہتہ کو پسند کیا اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کر دیا۔ (مدارج النبوة جلد ثانی)

**سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا** حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شجرہ شریف کچھ اس طرح ہے:

سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ۔ اسی جدِ محترم پر ان کا نسب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف یوں ہے: حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ۔ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ کا نام تھا برہ بنت عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد اللہ بن قصی بن کلاب بن مرہ (یہاں یہ بھی نسب نبوی میں شامل ہو گئیں)

حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نانی محترمہ کا نام تھا، اُمّ حبیب بنت اسد بن عبد العشری بن قصی بن کلاب بن مُرہ (اس جگہ یہ بھی نسب نبوی میں شامل ہو گئیں) حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ کا نام تھا، برہ بنت عوف بن عبد العزیٰ بن کعب بن لؤی۔ ان کا نسب اس جگہ یعنی کعب پر جا کر نسب نبوی میں شامل ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ کعب بن لؤی جناب کلاب بن مُرہ کے دادا کا نام ہے۔

(ابن سعد۔ سیرت ابن ہشام وغیرہ)

نکتہ عجیبہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والد بزرگوار کا نام عبد اللہ تھا، جس کا معنی بنتا ہے اللہ تعالیٰ کا بندہ، اللہ تعالیٰ کا عبد، یعنی عبادت اور بندگی کی طرف معنی جاتا ہے، جبکہ والدہ محترمہ کا اسم ذی شان آمنہ، جس کے معنی امین سے امن و سکون اور پیار و محبت کی طرف اشارہ ملتا ہے، گویا ان دونوں ناموں کے معانی کو جمع کر دے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور امن و سکون، نتیجہ نکلتا ہے۔ پھر ان کے وجود گرامی قدر سے جس مولود مسعود محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، وہ پوری کائنات کے لئے خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت اور امن و سکون کا پیغام لے کر آئے۔ سبحان اللہ و بحمدہ تعالیٰ، یعنی سراپا رحمتہ للعالمین بن کر جلوہ گر ہوئے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات شادی کے چند ماہ بعد حضرت عبد اللہ ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے، واپسی پر بیمار ہونے کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں اپنے عزیزوں ”بنو نجار“ کے پاس ٹھہر گئے۔ جب اس تجارتی قافلہ کے باقی لوگ مکہ مکرمہ پہنچے، تو حضرت عبد المطلب نے ان سے اپنے لاڈلے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں دریافت کیا۔ اہل قافلہ نے بتایا کہ بیماری کی وجہ سے وہ مدینہ منورہ میں ٹھہر گئے تھے، اس پر حضرت عبد المطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو بھیجا تاکہ وہ ان کو گھر لے آئیں۔

جب حارث مدینہ منورہ پہنچے، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا اور اُن کو ”دارِ نابغہ“ دفن کیا جا چکا تھا، جبکہ بعض کے نزدیک حضرت کا مدفن مقام البواء ہے۔ (مدارج النبوة)

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارکہ بوقتِ حلتِ صرف پچیس برس کی تھی اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی شکمِ مادر میں ہی تھے، گویا ولادتِ اسعاد قبل ہی والدِ ذی وقار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

عنه مورخہ ۲۱ جنوری ۶۰۰ء کو پاکستان  
جسدِ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ معروف قومی اخبار روزنامہ ”وقت“  
کی تدفینِ ثانی میں ایک خبر شائع ہوئی جس کا متن درج ذیل ہے  
”کراچی، ۲۰ جنوری (ج، ک)، یہاں پہنچنے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ منورہ  
میں مسجدِ نبوی کی توسیع کے سلسلہ میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم کے والدِ گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا جسدِ مبارک جس کو دفن ہوئے چودہ سو  
سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، بالکل صحیح و سالم حالت میں برآمد ہوا۔ علاوہ ازیں  
صحابی رسول حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کے جسدِ مبارک  
مبارک بھی اصلی حالت میں پائے گئے، جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت و احترام کے  
ساتھ دفن و تدفین کیا گیا۔ جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، اُن کا کہنا ہے کہ مذکورہ  
صحابہ کرام کے جسم نہایت تروتازہ اور اصلی حالت میں تھے۔“

اس خبر کی اشاعت کے بعد اس کی تردید میں کوئی خبر تا حال اس بندہ ناچیز  
(مؤلف کتاب ہذا) کی نظر سے نہیں گزری، بلکہ اس کی تائید میں کچھ مضامین شائع ہوئے

۱۔ ان مضامین کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں، اس ناچیز کی تالیف سیرتِ امام الانبیا

قرآن اور بائبل کی روشنی میں“



مذکورہ بالا خبر سے ثابت ہوا کہ حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدفن مقام ”ابواء“ نہیں، بلکہ ”دارِ نابغہ“ ہے، جبکہ مقام ”ابواء“ پر حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار مقدس معروف ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) یہ بھی ثابت ہوا کہ صالحین عظام و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی قبور میں اپنے اجسام کے ساتھ موجود و محفوظ ہیں۔ زمانے کے نشیب و فراز اور صدیوں پر محیط مہل اُن کی حیات پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

حضرت سیدہ آمنہ خاتون  
حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حلیت پر  
حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اشعار  
شہر نامدار کا سا نثر اترتال  
ناقابلِ برداشت تھا کہ ابھی شادی خانہ آبادی کو آخر عرصہ ہی کتنا گزرا تھا۔ آپ کے قلب النور  
پراس صدہ کا کس قدر اثر ہوا، اس کا اندازہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ان اشعار سے ہوتا ہے۔

۱۔ عفا جانباً لبطحاء من ابنِ ہاشم  
۲۔ دعتہ المنايا دعوة فاجابها  
۳۔ عشية راحوا يحملون سريوة  
۴۔ فان يك غالة المسايا وريثها

وجاوس لحداً خارجاً في الغمام  
وما تركت في الناس مثل ابنِ ہاشم  
تعايرك اصحابه في استراحهم  
فقد كان معطاءً كثيراً التراحهم

(۱) ”ہاشم کا ایک فرزند بطحا (مدینہ منورہ) کی جانب جا کر چاند کی طرح چھپ گیا۔  
وہ لمحہ میں بہادر جوانوں کے شور و غل (یعنی آہ و بکا) کے ساتھ جا کر سو گیا۔ (مراد یہ کہ لوگوں  
کو روتا چھوڑ کر) (۲) موت نے جوں ہی اُس کو پکارا، اُس نے فوراً لبیک کہہ دیا۔  
افسوس کہ ہاشم کے اس فرزند کی نظیر، موت نے اب دنیا میں کوئی باقی نہیں چھوڑی  
(۳) اُس کے دوست شام کے وقت اُس کی لاش کو اٹھائے چلے جا رہے تھے، اور وہ  
انراہِ محبت و عقیدت کا ندھا بدلتے اور اُس کے اوصاف بیان کرتے چلے جا رہے تھے۔

۴) اگرچہ موت نے اُن کو ہم سے دُور کر دیا ہے، مگر اس میں تو شک نہیں کہ وہ بہت زیادہ سخی اور غریبوں کے از حد ہمدرد تھے۔ ”یعنی ان کے دلوں سے اُن کی یاد تو نہیں نکل سکتی“ (طبقات ابن سعد)

اب حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اُمیدوں اور تمناؤں کا محور و مرکز وہ وجود مسعود تھا جو کہ شکمِ مادر میں جلوہ گر تھا۔ جب حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہیں تشریف لے جا رہی ہوتیں، تو شجر و حجر اپنی زبانِ حال سے ان کی خدمتِ اقدس میں ہدیہ سلام پیش کرتے، پھر وہ وقت آگیا کہ زمانہ بھر کی خوشیاں سمیٹ کر آغوشِ آمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں سما گئیں۔ شوہر کی حیداتی میں مڑھایا ہوا قلبِ حزیں گلِ نو بہار کی طرح کھل اُٹھا، یعنی وہ محبوبِ خالقِ دو جہاں (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جن کی خاطر رب العالمین نے اس کائناتِ مستی کو شرفِ عبود بخشا تھا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں جلوہ گر ہو گئے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم)

**حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ** ابھی محبوبِ کون و مکان، سرورِ دو جہاں شفیعِ عاصیا

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس جہانِ فانی کی زندگی کے چھٹے برس میں قدم کھایا تھا تھا کہ مادرِ مہربان سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا، تنہیال سے ملنے کے بہانے اپنے محبوبِ مکرم مرحوم شوہر کی قبرِ اقدس کی مٹی کی زیارت کا شوقِ دل میں بچائے، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک کنیز حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنے نورِ نظر محبوبِ مکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر حضرت عبدالطلب سے اجازت لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ وہاں ایک ماہ تک ”ارِ نابغہ“ میں قیام کیا، پھر رختِ سفر باندھا اور واپس مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئیں، یہاں تک کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عبدالطلب اس سفر میں ان کے ہمراہ روانہ ہوئے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر مقام ابواء پر پہنچیں، تو انتقال فرما گئیں۔  
 معلوم یہ ہوتا ہے کہ غالباً پیارے شوہر کی جدائی کا وہ غم جس سے ابھی تک  
 سینہ سلگ ہاتھ قبر کی زیارت نے اس کو مزید ہوا دے دی اور جب قبر سے  
 بھی جدائی اختیار کرنا پڑی، تو غم کی وہ آتش سوزاں بھڑک اٹھی اور ابواء تک  
 پہنچتے پہنچتے اپنا کام دکھا گئی اور یوں وہ پیکر مہر و وفا شوہر نامدار کی محبت میں تیا مستعار  
 کی بازی ہار گئی۔

حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مادر محترم سے وابستہ یادیں کی رحلت مبارکہ کے وقت حضور

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چھٹے برس میں تھے۔ والد ذی وقار کا سایہ پہلے  
 ہی سر سے اٹھ چکا تھا۔ اب والدہ محترمہ بھی داغ مفارقت دے گئیں اور خالق حقیقی  
 سے جا ملیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس صدمہ سے نڈھال زار و قطار  
 رو رہے تھے۔ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حالت بھی قابل دیدنی تھی، وہ  
 خود بھی رو رہی تھیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی لاسہ لے رہی تھیں  
 حافظ ابی نعیم بسند زہری اسما ربیت جبریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) روایت کرتے  
 ہیں کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے وقت  
 میں بھی حاضر تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پانچ سال کے بچے تھے اور  
 والدہ ماجدہ کے سرھانے غمزہ بیٹھے (روہیہ) تھے۔ (مدارج النبوة)

رحلت مبارکہ کے بعد حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے  
 دیگر احباب کے ساتھ اپنے ننھے ننھے مبارک ہاتھوں سے قبر انور کی مٹی برابر کی اور حضرت  
 اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئیں اور مکہ پہنچ کر  
 آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دادا حضرت عبدالمطلب کے حوالہ کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عموماً اُن باتوں کو یاد فرمایا کرتے تھے جو والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قیام مدینہ منورہ کے دوران دیکھی تھیں اور جیسا اس مکان کو ملا حطہ فرماتے کہ جس میں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قیام فرمایا تھا تو فرماتے:

”یہ وہ مکان ہے جس میں میری والدہ محترمہ نے رہائش رکھی تھی اور مجھے دیکھ کر یہودی کہا کرتے تھے کہ یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر آپ کی جاتے ہجرت ہے (مدارج النبوة) شواہد النبوة میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک دن ایک یہودی مجھے ملا اور بڑے غور کے ساتھ میری طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے میری پشت کی طرف دیکھا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اُس نے پوچھا: اے لڑکے! تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے بتایا: ”احمد“ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پھر اُس نے میری پشت کی طرف دیکھ کر (جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی) کہا: آپ اس امت کے پیغمبر ہیں، پھر مجھ سے مختلف قسم کے سوالات کرنے لگا، اور لوگوں کو بھی بتانے لگا، میری والدہ محترمہ اس واقعہ سے ڈر گئیں اور ہم مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (شواہد النبوة)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے بچپن میں قیام مدینہ کی یادوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کرتے، یہاں ایک سچی انیسہ نام کی ہوا کرتی تھی جو ہمارے ساتھ اکثر کھیل کرتی تھی۔ اس قلعے پر ایک پرندہ آکر بیٹھا کرتا تھا اور بچے اُسے اڑایا کرتے تھے، فلاں گھر میں میری والدہ ماجدہ تشریف لکھا کرتی تھیں۔ میرے والد محترم کی قبر مبارک فلاں مکان میں تھی، میں بنی نجار کے تالاب میں غسل کیا کرتا تھا وغیرہ وغیرہ غرضیکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی ستائیس سالہ پرانی یادوں کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

## سانحہ عظیم

محترم قارئین کرام! مذکورہ الذکر واقعات کو بڑھ کر آپ کو  
بجوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ رسول مکرم نبی محترم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کو اپنی والدہ محترمہ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے  
کس قدر والہانہ محبت تھی۔ حضرت ابو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ  
نبوی میں حاضر تھا اور حضور سرور کونین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم عطا خدائے لم یزل  
سے ملنے والا مال صحابہ کرام میں تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک نہایت ہی ضعیف العمر خاتون  
حاضر خدمت ہوئی، اُن کو دیکھتے ہی حضور سرور عالم شفیع عظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم  
کھڑے ہو گئے، بنفس نفیس آگے بڑھ کر استقبال فرمایا۔ پھر اپنے سر اقدس سے چادر تار  
زمین پر بچھپائی اور بڑے احترام و محبت سے اس اماں جی کا ہاتھ پکڑ کر چادر پر بٹھا دیا اور  
خود وزانو ہو کر اُن کے سامنے تشریف فرما ہو گئے۔ اماں جی آہستہ آہستہ بات کر رہی تھیں  
اور رسول مکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم پوری توجہ اور محبت سے اُن کی بات سن  
رہے تھے۔ پھر جب وہ بڑھیا جانے لے کھڑی ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
بھی کھڑے ہو گئے اور اپنی جانب سے ان کو تحائف عطا فرما کر الوداع فرمایا۔

راوی فرماتے ہیں کہ میں نے حاضرین سے دریافت کیا کہ یہ بڑھیا کون تھی کہ جس کا اس  
شان سے احترام خود امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ  
یہ وہ خوش قسمت اماں جی تھیں کہ جنہوں نے رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم  
کو دودھ پلایا تھا۔ سبحان اللہ تعالیٰ! جس ہستی کے دل میں دودھ کی ماں کا اس قدر  
احترام ہے، اُس کی نظر میں حقیقی والدہ کا کتنا احترام ہو گا؟

انسوس صد انسوس! اسی نبی محترم و رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کے امتی  
ہونے کا دعویٰ کرنے والے سعودی علماء اور سرکاری مفتیوں پر کہ جنہوں نے ۳ ربیع الاول  
۱۴۱۹ھ کو فتویٰ جاری کیا کہ (حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پر

کی زیارت کرنا جائز نہیں اور پھر اسی سال یعنی ۱۹۸۹ء بمطابق ۱۹۹۹ء ماہ رمضان المبارک میں حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر انور کو بلڈوزر سے کھود کر آپ کی لاش مبارک ریاضیوں کو نامعلوم خفیہ مقام منتقل کر دیا اور قبر انور کی جگہ پر غلات کاشت کا ڈھیر لگا دیا۔ (معاذ اللہ تعالیٰ، ثم معاذ اللہ تعالیٰ)۔

پھر مختلف فتاویٰ اور مضامین کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشکراً تھیں۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

اگر اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم عطا فرمائی ہو تو یہ جاننا مشکل نہیں کہ جس ماں کے شکم انور میں رب کائنات جل شانہ کے سب سے زیادہ عزت اور مرتبے والے رسول جلوہ گر ہے ہوں، جس ماں کا دودھ امام الانبیاء محبوب کبریاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جزو بدن بنا ہو، اُس ماں کا اپنا مرتبہ کتنا بلند ہوگا؟ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اُس وقت ایمان لاتی تھیں کہ ابھی حضور سید عالم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت بھی نہ ہوئی تھی۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ نکاح کے پہلے ہی ہفتہ میں جب سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا حامل نور ہوئی ہو گئیں، تو بوڑھی عورتوں نے سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ اپنے بازوؤں اور گردن میں کوئی لوہا وغیرہ لٹکا لو تاکہ تمہارا بچہ سلامت رہے۔ جناب سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا ہی کر لیا۔ چند ہی روز بعد وہ ہے کی وہ ساری اشیاء خود بخود میرے جسم سے گر گئیں، پھر میں نے کچھ نہ باندھا۔ پھر خواب میں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتا دیا گیا کہ شکم اطہر میں موجود بچے کا نام احمد رکھنا۔ چنانچہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسم گرامی احمد رکھا، جبکہ دادا محترم نے اسم گرامی محمد رکھا۔ اس خواب کے بعد جناب سیدہ آمنہ



رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یقین ہو گیا کہ اُن کا لختِ جگر نہایت ہی مبارک اور مسعود ہو گا۔  
یہی وجہ ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئیں  
تو جناب سیدہ آمنہ نے حضرت حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے فرمایا تھا:  
يَا ظِيْرُ مَسْلٰى عَنْ ابْنِكَ فَاِنَّهُ سَيَكُوْنُ لَهُ شَاْنٌ -

”اے دایہ! تم مطمئن رہو، اس بچے کی بڑی شان ہو گی۔“  
اور جب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا الوداع ہونے لگیں تو سیدہ آمنہ خاتونِ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
نے یہ اشعار کہے:۔

أَعِيْذُ بِاللّٰهِ ذِي الْجَلَالِ      مِنْ شَرِّ مَا مَرَّ عَلَى الْجِبَالِ  
حَتّٰى اَرْلٰهَ حَامِلَ الْحَلَالِ      وَيَفْعَلُ الْعُوفَ اِلَى الْمَوَالِ  
وغيرھم من خشوة الرجال

”میں اپنے بچے کو اللہ تبارک تعالیٰ کی پناہ میں دیتی ہوں، اس شر سے جو پہاڑوں پر چلتا ہے  
یہاں تک کہ میں خود اسے اُونٹ پر سوار دیکھوں اور دیکھ لوں کہ وہ میرا لختِ جگر، غلاموں  
اور نادار و غریب لوگوں سے احسان اور نیک سلوک کرنے والا ہے۔“ (طبقات ابن سعد رحمۃ اللعالمین)  
مواہب لیبۃ نثر میں ہے کہ جب مقامِ البوار میں سیدہ آمنہ خاتونِ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وقتِ  
رحلت آیا تو اُس وقت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے بالکل قریب  
بیٹھے ہوئے تھے۔ ماں نے اپنے جلیل القدر لختِ جگر کو جی بھر کر دیکھا اور چند اشعار کہے  
جن کا مفہوم یہ ہے:۔ ”اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ تجھ کو برکت دے، اے میرے بیٹے!  
تو اس نامور باپ کا بیٹا ہے کہ جس کا فیہ ایک سو قیمتی اُونٹ تھے۔ اے میرے نورِ نظر! میں نے  
جو تیری نبوت کا خواب دیکھا تھا وہ سچ ہے، تو جنت و اُنس کی طرف مبعوث ہوا ہے۔  
اے میرے لڑکے! ربِّ ذوالجلال والا کرام نے تجھے حلال و حرام نافذ کرنے کے لئے بھیجا ہے۔  
اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! اللہ تعالیٰ نے تجھے بتوں سے دُور رکھا اور تجھے تیرے باپ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کا مطیع بنایا اور توحق کو باطل سے جدا کرنے کے لئے تشریف لایا ہے۔“ پھر اپنے لختِ جگر کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا،

”ہر زندہ ایک دن مر جائے گا، ہر نئی شے کی قسمت میں پُرانا ہونا لکھا ہے، ہر ایک کی منزل فنا ہے، میں مر جاؤں گی، مگر میرا ذکر باقی رہے گا، اس لئے کہ میں نے خیرِ عظیم کو بطور نشانی چھوڑا ہے۔ میں نے ایک طیبے طاس کو جنم دیا ہے“ (مواہب لے نئیہ للقسطلانی علیہ السلام) قارئین! ایمان سے بتائیے کہ یہ گفتگو کسی موحّد مومنہ کی ہے یا پھر معاذ اللہ تعالیٰ کسی مشرک کی؟

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گزر مقام ابواس سے ہوا، تو صحابہ کرام سے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھ (محمد) علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی والدہ کی قبر اطہر کی زیارت کی اجازت دے دی ہے۔“ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھوں سے قبر انور کو درست فرمایا اور بے اختیار رو پڑے۔ منظر ایسا جذباتی تھا کہ صحابہ کرام بھی رونے لگے۔ کسی غلام کے گزارش کرنے پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے میری ماں کی نعمتِ محبت فرمانا، یاد آگئی تھی، اس لئے میں رو رہا۔“

والوفاء فی احوال المصطفیٰ ارلابن جوزی مترجم ص ۵۱

اللہ اکبر! جس قبر مقدس کو کل میرے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آنسو بہاتی آنکھوں اور فرطِ جذبات و محبت سے لرزتے ہاتھوں سے بنایا تھا اور دین تک ماں کی قبر انور کو دیکھ کر روتے رہے تھے، آج اُسی قبر مقدس کو اسی نبی کے امتی ہونے کے دعویداروں نے بلڈ وزر سے کمرچی کمرچی کر دیا اور معلوم نہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ماں کی ہڈیاں کہاں پھینک دیں؟ ہائے افسوس۔ لے ”آسمانِ راحی بود گر خوش بیار و بر زمیں۔“

لے رسولِ کریم روف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ثبوتِ ایمان و عظمت پر انشاء اللہ تعالیٰ مستقل اور مفصل کتاب تحریر کی جائے گی ۱۲ منہ

## باب اول

# ولادتِ باسعادت کے اعلانِ نبوت تک

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

أَمَّا بَعْدُ : بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی اصل کائنات ہیں۔  
اللہ تبارک و تعالیٰ اجل شانہ قرآن مجید میں اپنی کبریائی کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا،  
هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ  
”یعنی وہی ذات (باری تعالیٰ)، اول ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے

اور وہی ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔“ (الحدید آیت ۳ پارہ ۲)

بلاشبہ یہ سب صفات حقیقتاً صرف اور صرف ذاتِ رب ذوالجلال ہی کو زیبا و  
لائق ہیں، کوئی مخلوق ان صفات کی حقیقی طور پر متصف نہیں ہو سکتی۔ ہاں البتہ  
اللہ تبارک و تعالیٰ بعض صفات اپنے مقرب بندوں میں مجازی طور پر پیدا فرما دیتا ہے  
جیسا کہ شیخ محقق محدث دہلوی شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ ”مدارج النبوة“ میں تحریر فرماتے ہیں،  
”نور، علیم، حکیم، اومن، مہمین، دلی، ہادی، رؤف، رحیم، باوجودیکہ (حقیقتاً)  
صفاتِ خداوندی ہیں، مگر ان سے (مجازاً) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی  
متصف فرمایا گیا۔ اسی طرح یہ چاروں صفات اول و آخر، ظاہر و باطن بھی اسی قبیل  
سے ہیں۔ (مفہوم ”مدارج النبوة“)

مُراد یہ ہے کہ علیم و حکیم یا سمیع و بصیر انسان بھی ہوتا ہے اور یہ صفات اللہ  
رب العزت جل شانہ کی بھی ہیں، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ سب صفات حقیقی ہیں

ذاتی ہیں، غیر قافی ہیں، نہ تو کوئی چھین سکتا ہے، نہ ان کی ابتداء و انتہا ہے، جبکہ بندے کی سب صفات عارضی ہیں، مجازی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ہیں، قافی ہیں اللہ تعالیٰ چاہے، تو چھین لے، ان کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ اس لئے خالق اور مخلوق کی صفات میں موازنہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ اسی بات کی وضاحت فرماتے ہوئے ناموس عالم دین مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”پانی کے ایک قطرہ کے کروڑوں سے بھی چھوٹے حصے کو سمندر کے ساتھ جو نسبت ہوتی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم پاک کو اللہ رب العزت کے علم مبارک کے ساتھ اتنی بھی نسبت نہیں ہو سکتی۔“ (مفہوم تمہید ایمان)

یووری دنیا تے جہان کو بھی اگر سمندر قرار دے دیا جائے اور دوسری طرف پانی کے ایک قطرے کے کروڑوں سے زیادہ حصے کے جائیں، تو آخری چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی سمندر سے کچھ نہ کچھ تو ضرور نسبت رکھتا ہے کہ اس کی بھی کوئی نہ کوئی حد ہے اور سمندر کی بھی کوئی نہ کوئی حد ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کی حد ہے ہی نہیں۔ اسی طرح اس ذرہ آب کے نکلنے سے حقیقتہً تو سمندر کے پانی میں کمی ضرور ہوتی، اگرچہ یہ کمی محسوس نہیں ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ کے علم مبارک میں اس قدر کمی کا تصور کرنا بھی شرک ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مخلوقات میں کوئی ہستی اگر عالم ماکان مایکون بھی ہو، مالک و مختار بھی ہو، پھر بھی اس کا علم اختیار محدود ہے اور متناہی ہے، مجازی ہے، جبکہ اللہ رب العزت کا علم و اختیار لامحدود ہے، لامتناہی ہے اور ذاتی ہے۔ یاس معنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول بھی ہیں آخر بھی ہیں، ظاہر بھی ہیں اور باطن بھی اور عطائے خدائے علیم و خبیر سے عالم کائنات بھی

## اولیت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

خلقت میں اولیت احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کائنات ہستی میں سب سے پہلے جس مخلوق کو پیدا

فرمایا، وہ ذاتِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تھی، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے، فرمایا:  
 "أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِيَّ"۔ "اللہ تعالیٰ نے سب سے اول میرے نور کو تخلیق فرمایا۔"  
 اس جگہ ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک اور حدیث مبارکہ ہے:  
 "أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْعَقْلَ"۔ "اللہ تعالیٰ نے سب سے اول عقل کو پیدا فرمایا۔"  
 پھر ایک اور حدیث پاک ہے:-

"أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ"۔ "اللہ تعالیٰ نے سب سے اول قلم کو پیدا فرمایا۔"  
 ان روایات کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کہاں تک درست معلوم ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ  
 ہر شے سے پہلے نورِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہی کو خلق فرمایا گیا تھا؟  
 اس شبہ کو دور کرنے کے لئے تھوڑے سے غور و تدبیر کی ضرورت ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ  
 سب شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ علمائے حق کے درجات بلند فرمائے  
 کہ انہوں نے اس بارے میں بڑے واضح ثبوت فراہم فرماتے ہیں۔ قارئین کرام  
 کی معلومات اور دلچسپی کے لئے چند ایک ثبوت نقل کئے جاتے ہیں:

یہ حدیث کہ "سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا گیا" محققین و محدثین کے نزدیک یہ  
 درجہ صحت ہی کو نہیں پہنچتی، انہوں نے اس میں بہت کلام کیا۔ یہی دوسری حدیث کہ  
 "اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا" تو اس میں یہ بھی ہے کہ قلم کو پیدا فرمانے  
 کے بعد سب سے پہلے اسے حکم دیا، لکھ۔ قلم نے عرض کیا، کیا لکھوں؟ تو ارشاد فرمایا، لکھ  
 "مَا كَانَ وَمَا هُوَ بِكَائِنٍ إِلَى الْأَبَدِ"۔ یعنی "جو کچھ ہو گیا ہے اور جو کچھ آئندہ اب تک ہوگا  
 سب لکھ دے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ قلم کے پیدا ہونے سے پہلے کچھ نہ کچھ پیدا ہو چکا  
 تھا، اسی لئے تو حکم ہوا کہ "جو کچھ ہو گیا ہے، وہ لکھ"۔ (ترمذی شریف)

علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں یہ بھی ہے کہ:  
 "كَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ" (بخاری)، "عرش خداوندی پانی پر تھا"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیقِ قلم سے قبل پانی اور عرش کو بھی تخلیق کیا جا چکا تھا، البتہ لوح محفوظ کا ذکر نہیں فرمایا گیا کہ اس کا وجود قلم سے پہلے ہے یا بعد (واللہ تعالیٰ اعلم وعلّمہ اتم)۔

اسی طرح "نشر الطیب" کے پہلے باب میں مولانا اشرف تھانوی نے اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے یہ حدیث پاک نقل فرمائی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس شے کو پیدا فرمایا؟ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى، خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ ذُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورٍ... الخ یعنی "اے جابر! اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی تخلیق سے قبل تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔" اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی نے زبردست دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ سب سے اول حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نور مقدس ہی پیدا کیا گیا (ملاحظہ ہو نشر الطیب، باب اول)۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ۔ "میں اُس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (یعنی ابھی اُن کے بدن میں روح داخل نہ ہوئی تھی) ایک اور حدیث پاک میں ہے: رَأَيْتُ عَبْدُ اللَّهِ وَخَاتِمَ النَّبِيِّينَ وَآدَمَ الْمُتَجِدِلَ فِي طِينِهِ۔ یعنی میں (اللہ تعالیٰ کے حضور) اللہ تعالیٰ کا بندہ اور آخری نبی اُس وقت بھی تھا، جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی اپنے خمیر میں ہی تھے۔" (مدارج النبوة - دارمی مشکوٰۃ - تھوڑے فرق کے ساتھ)

بعض دیگر اولیات، انجشرت احادیث مبارکہ سے ثابت دُعاں ہیں کہ قیامت کے



دن سب سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے اور  
 سب سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہی اِذِنِ شفاعت ملے گا۔  
 سب سے اول آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔  
 سب سے اول آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہی جنت میں جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ۔  
**شانِ آخر بنایا۔** یعنی سب نبیوں کے بعد بعثت شریفہ ہوئی۔ آپ کا دین سب  
 ادیان کا خاتم اور قرآن کریم آخری کتاب بن کر آیا۔

**شانِ طاہر و باطن** کوئی بھی مخلوق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کے  
 ہم پلہ نہیں، نہ ہی کوئی جن و بشر کا حقہ، اسرار نبوی سے  
 مطلع ہو سکتا ہے، ارشادِ خداوندی، فَأَوْحِیْ اِلَیْ عَبْدِیْ مَا اَوْحِیْ (النجم)  
 اس حقیقت پر شاہد عدل ہے۔ علاوہ ازیں اگر آپ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 کی زندگی کا مطالعہ کریں، تو مختلف حالتیں نظر آتی ہیں، مثلاً کبھی تو عالم ہے کہ غزوہ خندق  
 کے موقع پر بھوک کی صبر سے شکم انور پر پتھر باندھ رکھا ہے اور کبھی یہ حال ہے کہ کئی کئی  
 دن تک صوم وصال رکھتے ہیں، یعنی نہ کھانا کھاتے ہیں، نہ پانی پیتے ہیں۔ کبھی تو یہ حال ہے  
 کہ میدانِ طائف میں سنگباری سے جسم انور لہو لہان ہو گیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 نڈھال ہو کر انگوڑوں کی بیل کے سائے میں جا بیٹھے، میدانِ احد میں پتھر لگنے سے اتنا خون  
 بہا کہ لباس مقدس گل رنگ ہو گیا۔ صدمہ کی شدت سے ایک گڑھے میں تشریف لے گئے  
 اور کبھی یہ حال کہ شوقِ صدر کے وقت حلق مبارک سے لے کر ناف مقدس تک سارا سینہ او  
 پیٹ چاک کیا گیا اور یہ عمل کئی مرتبہ ہوا، لیکن نہ تو خون کا ایک قطرہ بھی نکلا اور نہ ہی آپ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بیہوشی طاری ہوئی نہ کوئی صدمہ، بلکہ تمام منظر کا خود بخود چشمِ سر جازہ  
 لیتے رہے، حالانکہ روح حیوانی کا اصل مستقر دل بھی باہر نکال کر چاک کر دیا گیا مگر حواس

تک نہ ہوا، یہ سب کیا ہے؟ لامحالہ اقرار کرنا پڑے گا: ”بس اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔“ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ يَا رَبَّنَا لَعَلَّ مَلَكَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

اس جہانِ رنگ و بو میں حضور انور ﷺ عام الفیل ۶۱۰ء عند البعض علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جلوہ گری علیہ السلام سے بہت پہلے خلق ہو چکا تھا، بطور امانت سپرد آدم علیہ السلام ہوا۔ پھر ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام سے نسل و نسل اصحاب طابہر اور بطون مقدس میں منتقل ہوتا ہوا حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جلوہ گر ہو گیا۔ اس وقت خطہ عرب میں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً قحط سال کا سماں تھا، طویل عرصے سے بارش رُکی ہوئی تھی، چراگاہیں خشک اور جانور لاغر و کمزور ہو کر بڑیوں کا ڈھانچہ بن چکے تھے، باغات خزاں کا منظر پیش کر رہے تھے، پینے کا پانی مشکل تمام میسر آتا تھا، تو جو نہی اس نور مقدس نے شکم مادر میں تخلیق انسانی کے مراحل طے فرمانے شروع کئے، زمانے کی رنگینوں پر بہار آنے لگی اور پھر بقول مشہور بارہ ربیع الاول بوقت صبح جبکہ رات اپنے سیاہ دامن میں زمانے بھر کی ظلمتیں سمیٹے جا رہی تھی، ستارہ صبح آفتاب جہان تاب کی آمد کا ابھی اعلان کر ہی ہاتھ اٹھا کہ آنکوش آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں خوشخبر رسالت، ماہ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، کی جلوہ گری ہو گئی اور رب ذو الجلال نے اپنی بے پایاں رحمتوں کی بارش نازل فرمادی، جہان بھر کو سرسبز و شاداب کر دیا گیا۔ بے رونق پہاڑوں پر سبزے کی مٹھی چادر نظر آنے لگی، غیر آباد اور ویران کھیتیاں آباد ہو گئیں، باغات کونٹے سرے سے زندگی مل گئی، پورے زمانے میں خوشی اور مسرت کی ایسی لہر دوڑی کہ قریش نے اس سال کا نام ہی ”سنة الفتح والا بہتاج“ رکھ دیا۔

ولادت باسعادت ربیع الاول کو ہوئی۔ اہل عرب چہرے کو بھی ربیع کہہ دیتے تھے

اور موسم بہار کو بھی "ربیع" کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ سب چیزیں یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ گری، ماہ ربیع الاول اور موسم یکجا جمع ہو گئے۔ اس پر کسی نے کیا خوب کہا؟  
 رَبِيعٌ فِي رَبِيعٍ فَوْقَ رَبِيعٍ فَوْقَ نُوْرٍ فَوْقَ نُوْرٍ  
 اہل عرب عموماً لڑکیوں کی پیدائش پر غم مناتے تھے، جبکہ بعض نوزائیدہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، رب ذوالجلال نے ولادتِ باسعادت کے سال سب کو بیٹے ہی عطا فرمائے، تاکہ نہ تو کسی گھر میں غم ہو اور نہ ہی کسی بچی کو ظلماً دفن کیا جائے۔ یہ سب صدقہ تھا حضور رحمتِ عالم، نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا۔

## بوقتِ ولادتِ باسعادت ظہورِ خوارق

خوارقِ عادات، یعنی ایسی باتیں جو عام عادات سے بہت ہٹ کر ظہور پذیر ہوئیں۔ یہ اس قدر کثرت کے ساتھ ہیں کہ ان کا کماحقہ احاطہ نہیں ہو سکتا، ان میں کچھ دیکھتے ہیں  
 حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم  
 حجاب کا اکھٹا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت  
 میں گھر میں اکیلے تھی۔ حضرت عبدالمطلب طوافِ کعبہ میں مصروف تھے۔ میں نے لیٹے لیٹے  
 جو نہی اوپر کودھیاں کیا، تو دیکھا کہ کوئی بڑی شے چھت کے راستے سے گھر میں آ رہی ہے۔  
 اس سے مجھ پر سمیت چھا گئی۔ مگر مجھے یوں معلوم ہوا کہ جیسے ایک سفید رنگ کے پرندے  
 نے اپنے پر میرے جسم پر ملے ہوں، جس سے وہ خوف و ہراس زائل ہو گیا۔ پھر وہ دھکی طرح  
 کی کوئی شے مجھے پیٹنے کو دی گئی، جس سے مجھے مزید سکون قرار مل گیا۔ پھر میں نے دراز  
 اور خوبصورت عورتیں دیکھیں جو کہ عبدالمناف کی بیٹیوں سے ملتی جلتی تھیں، وہ میرا گرد  
 جمع ہو گئیں اور میرا حال پوچھنے لگیں۔ پھر میں نے ایک سفید رنگ کی چادر دیکھی جسے  
 زمین سے لے کر آسمان تک آویزاں کر دیا گیا، پھر میں نے دیکھا کہ میرا کمرہ نہایت

خوشنما پرندوں سے بھریا، ان کی چونچیں یا قوت اور پر زرد کی طرح معلوم ہو رہے تھے، پھر یکایک میری نگاہوں کے سامنے سے حجابات کو اٹھالیا گیا اور میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا۔ میں نے دیکھا کہ تین جھنڈے لہرا رہے ہیں، ان میں سے ایک مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں جبکہ تیسرا خانہ کعبہ کی چھت پر نصب ہے۔ بعد ازاں بہت سی عورتیں میرے ارد گرد جمع ہو گئیں۔ اسی دورانِ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہو گئی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ولادت کے بعد آپ نے اپنا سر سجڈ میں رکھا اور انگشتِ مقدس آسمان کی طرف اٹھائی۔

(مدارج النبوة - شواہد النبوة)

ولادت باسعادت کے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مقدس پر کسی بھی قسم کی کوئی آلائش نہ تھی، یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی ابھی غسل مبارک فرمایا ہے۔ جسم انور سے نہایت پاکیزہ اور نفیس ترین خوشبو آ رہی تھی، ناف کٹی ہوئی تھی اور ختنہ کئے ہوئے تھے، روتے تاباں چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور آنکھیں قدرتی طور پر مگنی تھیں، جبکہ دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت شریفہ تھی۔ (مدارج النبوة)

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ولادت مقدسہ کے نور کا ظہور وقت میں نے ایسا عظیم الشان نور دیکھا جس سے سارا جہان روشن ہو گیا، یہاں تک کہ میں نے اپنے کمرے میں لیٹے لیٹے ملکِ شام کے محلات دیکھے، میں تعجب کر رہی تھی، جبکہ نور کا منبع خود میرا جسم اور میرا اپنا وجود تھا۔ (مدارج النبوة)

اے جب جنین رحم مادر میں تخلیقی مراحل طے کر رہا ہوتا ہے، تو اس کی خوراک ناف کے ذریعہ سے ہم پہنچائی جاتی ہے اور یہ خوراک ماں کا خون ہوتا ہے یعنی حیض بند ہو جاتا ہے اور وہ خون بچے کی پرورش میں صرف ہوتا ہے، مگر اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ ربِّ الجلال جل شانہ نے اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خون سے نہیں، بلکہ اپنی قدرت کاملہ سے پرورش فرمائی۔ (سبحان اللہ تعالیٰ)

اے گویا کہ ہر اعتبار سے مکمل و اکمل پیدا فرمایا۔ دنیا میں کسی کی محتاجی نہ دی۔ ۱۲

حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم، نور مجسم، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور خاتم النبیین لکھا ہوا تھا، حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی اپنی گندھی ہوتی مٹی میں ہی تھے۔ (یعنی ابھی روح مبارک جسد انور میں داخل نہ ہوئی تھی) میں تم کو اپنے امر کی ابتداء سے مطلع کرتا ہوں: (أَنَا، دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ وَبَشَارَةُ عِيسَى وَرُؤْيَا أُمِّيَ الَّتِي سَأَتْ حِينَ وَصَنَعْتِي وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُورٌ أَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ) (مشکوٰۃ شریف)

فرمایا: ”میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ محترمہ کا خواب ہوں۔ جب میری ولادت باسعادت ہوئی، تو میری والدہ محترمہ سے ایک نور نکلا کہ جس سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔“ (نظر آگئے)

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا: ”حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت میں بھی حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نور مقدس کے سامنے چراغ کی روشنی ماند پڑ گئی۔“ (شواہد النبوة)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا: ”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت میں حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر تھی، میں نے دیکھا کہ آسمان کے ستارے زمین کے نزدیک آگئے ہیں۔ میں ڈر گئی گویا کہ وہ مجھ ہی پر گر پڑیں گے۔“ (مدارج النبوة - شواہد النبوة)

امم حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما، بھی ان جیسے کئی عجائبات کا ذکر کر کے فرمانے لگیں: ”یہ بات ہمیشہ میرے دل میں جمی ہی، یہاں تک حضور رحمت عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا اور میں فوراً اسلام لاکر سابقین اولین  
یعنی پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہو گئی۔

## آتشکدہ فارس قصر کسری

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی  
شبِ لادت بادشاہ ایران کسری کے  
محل میں ایک بڑا زلزلہ آیا، جس سے اُس کے محل کے ہم انگرے گر گئے۔ کسری محل کے  
یوں لرزنے اور کنگروں کے گرنے سے خوف زدہ ہو گیا۔ ہر چند کہ وہ اپنے خوف کو چھپاتا  
تھا، لیکن اطمینان خاطر جاتا رہا۔ صبح ہوئی تو تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے اپنے خاصِ زدا  
اور داناؤں کو حالتِ گزشتہ سے مطلع کیا، ابھی اُس کی بات تمام نہ ہوئی تھی کہ اُسے آتشکدہ  
ایران کے بجھنے کی خبر مل گئی۔ (یہ آتشکدہ تقریباً ایک ہزار سال سے مسلسل روشن تھا  
چونکہ اہل فارس آتش پرست تھے، اس لئے انہوں نے اس آتشکدہ کو کسی بھی حالت میں  
بجھنے نہ دیا، اب یہ یکسخت بجھ گیا) تو یہ سن کر بادشاہ کا غم مزید بڑھ گیا۔ اسی دوران  
اس کے سب سے بڑے قاضی (یعنی چیف جسٹس) اور عالمِ موبدان نے اپنا خواب  
بیان کیا کہ اس نے دیکھا، بہت سے موٹے تازے، قوی ہیکل اونٹ اور سرکش حیوت و  
جلا لاک عربی گھوڑے سرپٹ دڑے آہے ہیں اور انہوں نے دریائے دجلہ کو عبور کیا  
اور سارے ملک میں پھیل گئے۔ بادشاہ نے بے چین ہو کر موبدان سے پوچھا کہ اب کیا  
ہو گا؟ اُس نے کہا، ”عرب کی جانب غالباً کوئی عظیم واقعہ پیش آنے والا ہے“  
پھر ان خبروں نے بادشاہ کو مزید یسیت زدہ کر دیا کہ یکا یک دریائے ساوہ کا  
سارا پانی زمین میں دھنس گیا اور دریا صحرا کا منظر پیش کرنے لگا۔ اس کے برعکس  
ایک ہزار سال سے خشک دریا وادیِ سماوی“ پانی سے لبالب بھر گیا۔

ان حیران کن لرزائینے والی خبروں کی حقیقت جاننے کے لئے بادشاہ نے  
کاہتوں سے رابطہ کا حکم دیا۔ بادشاہ کا ایلچی اُس وقت کے سب سے بڑے کاہن بطح کے



پاس پہنچا۔ اُس وقت سیطیح قریب لمرگ تھا اور اس پر پہوشی طاری تھی۔ بادشاہ کے ایلچی  
 عبدالمسیح نے سیطیح کو بادشاہ کا سلام کہا، مگر اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر عبدالمسیح  
 نے چند اشعار پڑھے، جنہیں سُن کر وہ ہنسا اور بولا، عبدالمسیح ایک تیز رفتار اُونٹ پر  
 سیطیح کے پاس آیا ہے، جس کی موت قریب ہے۔ (پھر بولا) ”تجھے ساسانیوں کے بادشاہ نے  
 بھیجا ہے کہ ایوان میں زلزلہ آگیا، نار فارس بجھ گئی اور موبدان نے خواب دیکھا  
 کہ طاقتور اُونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچ رہے ہیں اور وہ دجلہ کو عبور کر کے سارے ملک میں  
 پھیل گئے ہیں۔ اے عبدالمسیح! (یہ وقت ہے کہ) جب تلوت (قرآن کریم) کی کثرت  
 ہوگی اور حامل عصا (یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث  
 ہوں گے، ”وادی سماوی“ پانی سے اُبلنے لگے گا اور بحیرہ ساوہ خشک ہو جائے گا اور فارس کا  
 آتش کدہ بجھ جائے گا۔ بس بادشاہ کے محل کے چودہ عدد گرنے والے کنگروں کے مطابق  
 بادشاہ ہوں گے۔ پھر جو کچھ ہونا ہوگا ہو جائے گا۔ بس اب سیطیح کی زندگی کا درخت  
 دنیا میں نہ ہے گا، یہ کہتے ہی سیطیح مر گیا۔

کسریٰ کے ایلچی نے واپس آکر سب واقعہ بادشاہ کے گوش گزار کیا، چونکہ کسریٰ  
 کے محل کے چودہ کنگرے گرے تھے۔ اس لئے بادشاہ نے لا پرواہی سے کہا: جب  
 تک ہمارے چودہ بادشاہ (یعنی بعد دیگرے گزریں گے) تب تک نہ جانے کیا سمجھا جائے  
 گا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شاید چودہ بادشاہ کئی سو سال میں ہوں گے، مگر خدا تعالیٰ کی قدرت  
 کہ ان میں سے دس بادشاہ تو چار سال کے اندر اندر ہی نمٹ گئے اور باقی چار حضرت سیدنا  
 عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت تک حکمران رہے اور یوں آپ رضی اللہ عنہ  
 کے دورِ خلافت میں فارس کا آخری بادشاہ بھی جاتا رہا (نصائص کبریٰ مدارج ابنہ)۔  
 بتوں کا اوندھے منہ گنا خراطلی اور ابن عساکر، عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ  
 قریش کے کچھ افراد جن میں رقبہ بن نوفل، زید بن عمرو

عبداللہ حبش اور عثمان بن الحویرث شامل تھے۔ ایک شب بُت خانہ کی طرف آئے تو دیکھا کہ بڑا بُت مُنہ کے بل گرا پڑا ہے۔ ان لوگوں نے بُت کی اس حالت کو مناسبہ جاناؤ اُسے سیدھا کھڑا کر دیا، لیکن وہ پھڑ وھڑام سے زمین پر گر گیا۔ انہوں نے پھر سیدھا کیا، مگر تیسری مرتبہ پھر گر گیا۔ تو عثمان بن الحویرث بولا: آج ضرور کوئی نہ کوئی اہم بات ہوئی ہے اور یہ وہی شب تھی کہ جس شب کی صبح ولادت باسعادت ہوئی۔ اس موقع پر عثمان بن الحویرث نے کچھ اشعار کہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

”اے صنم! تیرے پاس دُور دراز سے سردارانِ عرب جمع ہو رہے ہیں اور تو اٹا گرا پڑا ہے؟ بتا تو کیا بات ہے؟ کیا تو کھیل رہا ہے۔ اگر ہم سے کوئی گناہ ہوا ہے تو ہم اپنی خطا کا اقرار کرتے ہیں، اور آئندہ نہ کرنے کا وعدہ کرتے ہیں اور اگر تو ذلیل و مغلوب ہو کر جھک گیا ہے، تو پھر تو (آج سے) نہ ہی بُتوں کا سردار ہے اور نہ ہی (ہمارا) رب۔“

یہ کہہ کر (یاد دوسرے لفظوں میں وارننگ دے کر) بُت کو پھر کھڑا کر دیا، تو اُس میں سے آواز آئی:-

”یہ صنم تباہ ہو گیا اس نو مولود کی وجہ سے جس کے نور سے ساری دنیا روشن ہو گئی ہے۔ سارے ہی صنم اس کی آمد پر گر پڑے اور بادشاہوں کے دل اس کی ہیبت سے کانپنے لگے۔ نارِ فارس بجھ گئی، جس کی وجہ سے شاہِ فارس غم سے بھر گیا۔ کامنوں سے اُن کے جن بھاگ گئے۔ اب انہیں جھوٹی سچی خبر سنانے والا نہ رہا۔ اے فقی کی اولاد! اپنی گمراہی سے باز آ جاؤ اور اسلام کے کشادہ امن میں پناہ لے لو۔“ (خصائص کبریٰ ج ۱ اقل)

رضاعت باسعاد اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی حاضری حضور نبی کریم رحمتِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کو کئی عورتوں نے دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی ہے۔ تعداد میں قدرے اختلاف ہے، جامعہ الفواد، قاہرہ کے سابق مدیر اپنی کتاب ”محمد رسول اللہ“ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں رقمطراز ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آٹھ عورتوں نے دودھ پلانے کا شرف حاصل کیا، جبکہ بعض نے اس سے بھی زیادہ تعداد بتائی ہے (واللہ تعالیٰ اعلم) ان عورتوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے علاوہ، خولہ بنت منذر، حضرت اُمّ ایمن، قبیلہ عمو کی تین خواتین، حضرت سلیمہ سعدیہ ایک اور سعدیہ نامی خاتون اور ابولہب کی لونڈی ثویبہ شامل ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) (کتب سیر) مدارج النبوة میں ہے کہ (سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد) سب سے اول جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا، وہ ابولہب کی لونڈی ثویبہ تھیں۔ جس شب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، ثویبہ نے ابولہب کو خوشخبری سناتے ہوئے کہا کہ تمہارے مرحوم بھائی عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے، اس پر ابولہب نے خوش ہو کر بطور انعام ثویبہ کو آزاد کر دیا اور کہا کہ جاؤ اُس نو مولود کو دودھ پلاؤ۔ چنانچہ ثویبہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانا شروع کر دیا۔

**ابولہب کے لئے انعام** حدیث پاک میں ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خواب میں دیکھا تو پوچھا، اے دشمنِ خدا و رسول! تیرا کیا حال ہے؟ تو اُس نے کہا: تم سے جدا ہو کر (یعنی مرنے کے بعد) مجھے سکون نہ ملا۔ سخت عذاب میں گرفتار ہوں، البتہ ثویبہ کو آزاد کرتے وقت جس انگلی سے اشارہ کیا تھا، ہر پیر کے دن اس انگلی سے مجھے ٹھنڈا اور شیریں پانی مل جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس دن کے عذاب میں تخفیف محسوس کرتا ہوں۔ صاحب ”مدارج النبوة“ فرماتے ہیں: باوجودیکہ ابولہب کافر تھا اور اس کی مذمت

قرآن کریم میں نازل ہو چکی ہے۔ جب اس نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کی خوشی میں اپنی باندی کو دودھ پلانے کی خاطر آزاد کر دیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حق تعالیٰ جل شانہ نے اسے اس کا بدلہ عنایت فرمادیا (تو پھر صاحب ایمان کو کیا کچھ نہ ملے گا۔)

توسیہ کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔ بعض محدثین کرام ان کو صحابیات شمار کرتے ہیں۔ کتب سیرت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رضاعی ماں ہونے کی نسبت سے ان کا بہت احترام فرماتے تھے اور مدینہ طیبہ سے ان کے لئے کپڑے اور انعامات ارسال فرماتے رہتے۔ حضرت توسیہ کی وفات غزوہ خیبر کے بعد ۸ھ کو ہوئی۔ توسیہ نے سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی دودھ پلایا تھا۔

منقول ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سات یوم سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شیر مبارک نوش جاں فرمایا اور چند دن جناب توسیہ کا دودھ پیا اور سب آخر میں دودھ پلانے کی سعادت قبیلہ بنو سعد کی خوش قسمت حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حاصل کی۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنا نام و نسب ہی حکم و وقار سے متصف تھا اور وہ اس نامور قبیلہ بنی سعد بن بکر سے تھیں کہ جن کی شیریں زبانی، اعتدالِ آبِ ہوا اور فصاحت و بلاغت مشہور و معروف تھی۔ مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اس لئے کہ میں قریشی ہوں اور میں نے قبیلہ بنو سعد بن بکر کا دودھ پیا ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دودھ پلانے ذاتِ گرامی کی برکات کے ضمن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جس قدر فضائل و معجزات مروی ہیں، ان کا احاطہ و شمار انسانی طاقت سے باہر ہے۔

تاہم اختصاراً کتب سیرت سے بعض ضبط تحریر میں لاتے جاتے ہیں،

سیرت ابن ہشام، مواہب لدنیہ، ابویعلیٰ، طبرانی، بیہقی اور ابو نعیم ابن عساکر بحوالہ عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب، حلیمہ بنت ابی ذؤیب حارث السعدیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں اپنی بستی سے قبیلہ بنو سعد بن بکر کے ساتھ دودھ پلانے کے لئے کسی بچے کو لینے مکہ مکرمہ آئی۔ یہ زمانہ شدید قحط سالی کا تھا۔ آسمان سے زمین پر پانی کا ایک قطرہ تک نہ برسا۔ میرے پاس ایک مادہ دراز گوش (گدھی) تھی جو لاغری اور کمزوری کی وجہ سے صحیح طور پر چل بھی نہ سکتی تھی۔ ایک اونٹنی تھی جس کا دودھ خشک ہو چکا تھا۔ میرے ساتھ میرے شوہر اور میرا بچہ تھا۔ خود میری چھاتی میں اتنا دودھ نہ تھا کہ بچہ پیٹ بھر پنی سکے، بھوک سے وہ بھی ہلکا رہتا۔ ہماری تنگی کا یہ عالم تھا کہ نہ تو ہم رات کو چین سے سو سکتے تھے اور نہ دن کو سکون ہوتا۔ میرے ساتھ آنے والی سب عورتوں نے دودھ پلانے کے لئے بچوں کو لے لیا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی بچہ نہ رہا اور میرے سوا کوئی دایہ نہ بھٹی۔ مشہور تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یتیم ہیں۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ بچہ بچہ لئے بغیر مکہ مکرمہ سے کوٹنا مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا، میں جاتی ہوں اور اسی یتیم بچے کو لے آتی ہوں، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اسی میں برکت دے دے۔ چنانچہ میں ستیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حضور حاضر ہوئی تو دیکھا کہ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لخت جگر سیدہ و سدر (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) دودھ سے زیادہ سفید رنگ کے اونی کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مشک عنبر سے بھی نفیس خوشبوئیں لپٹیں مار رہی ہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نیچے سبز رنگ کا حریر دریشمی کپڑا بچھا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم محو خواب تھے۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے چاہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نیند بیدار

کردوں، مگر میں آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی، میں نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے سینہ اطہر پر رکھا، تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے تبسم فرما کر اپنی چشمان مبارک کھول دیں، اور میری طرف نظر انور اٹھائی تو میں نے دیکھا کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی مبارک آنکھوں کے درمیان ایک نور سا نکلا اور آسمان کی طرف پرواز کر گیا۔ میں نے دیوانہ وار آگے بڑھ کر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی پیشانی مقدس کو چوم لیا۔ پھر میں نے گود میں اٹھایا، تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے حسبِ خواہش میری چھاتیوں میں دودھ اُتر آیا۔ میں نے دایمی جانب سے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو دودھ پلایا۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے حسبِ تمنا دودھ نوش جاں فرمایا۔ میں نے بائیں جانب سے دودھ پلانا چاہا، تو حضور رحمت کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ پایا۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: پروردگارِ عالم اللہ رب العزت جل شانہ نے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو ابتدائی زمانہ (بچپن) ہی میں عدل و انصاف کو ملحوظِ خاطر رکھنے کا الہام فرمادیا تھا، اسی لئے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہمیشہ ایک ہی پستان سے دودھ نوش جاں فرماتے اور دوسرا پستان حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے یعنی اپنے رضاعی بھائی کے لئے چھوڑ دیتے۔ (بعض باتوں میں ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دایاں پستان دودھ سے خشک تھا صرف بائیں پستان میں ہی دودھ اُترتا تھا، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں لیتے ہی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پستان میں دودھ اُتر آیا جسے رسولِ خدا حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نوش فرمایا، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہی مختص تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال) حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لیٹر



اپنے شوہر کے پاس آئی، تو حسن مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم) کو دیکھتے ہی وہ دل و جان سے جمال مبارک کے عاشق ہو گئے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ پھر وہ اپنی بوڑھی اونٹنی کی طرف گئے، تو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اونٹنی کے کھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے، حالانکہ اس سے قبل اُن میں ایک قطرہ شیر بھی نہ ہوتا تھا، میرے شوہر نے اونٹنی کا دودھ دیا، جسے انہوں نے بھی پیا، اور میں نے بھی پیا، یہاں تک کہ ہم دودھ سے خوب سیراب ہو گئے۔ اس رات ہم پورے آرام و سکون سے چین کی نیند سوتے، جبکہ اس سے قبل بھوک اور پریشانی کی وجہ سے نہ تو ہم میاں بیوی اچھی طرح سو سکتے تھے اور نہ ہی ہمارا بچہ میرے شوہر نے مجھے کہا: اے حلیمہ! تم کو مبارک و بشارت ہو کہ خدا کی قسم تم نے بہت سی بابرکت بچہ لیا، تم نہیں دیکھتیں کہ ہمیں اس بچہ کی وجہ سے کس قدر خیر و برکت ملی ہے اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اس بچے کی طفیل ہمیشہ خیر و برکت میں اضافہ ہی ہوگا۔ میں نے جواباً کہا: خدا کی قسم مجھے بھی یہی اُمید ہے۔“

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد ہم چند یوم تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرے۔ ایک اُت میں نے دیکھا کہ ایک نور آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم) کے گرد اگرد گھیرا ڈالے ہوئے ہے اور ایک شخص سبز رنگ کا لباس زیب تن کئے سرٹنے کی طرف کھڑا ہے۔ میں نے اپنے شوہر کو جگا کر کہا: اٹھیے اور دیکھئے یہ کیا ہے؟ جواباً انہوں نے کہا: حلیمہ! خاموش رہو اپنی اس حالت کو چھپا کے رکھو، کیونکہ مجھے پتہ چلا ہے کہ جب سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، یہ نو کے علماء و احبار کا کھانا پینا چھوٹ گیا ہے اور انہیں چین و سکون نہیں ہے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب جنگ مکہ کے بعد ہم دایوں کو نصرت کیا اور مجھے بھی سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے الوداع فرمایا، تو میں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم) کو لیگا کر اپنی سواری دگدھی پر سوار ہوئی، تو میری سواری خوب چست و چالاک ہو گئی اور اپنی گردن تان کر چلنے لگی۔ جب ہم خانہ کعبہ کے پاس سے گزرے، تو میری سواری نے تین مرتبہ سجدہ کے انداز میں

خانہ کعبہ کی طرف سر جھکایا پھر جو سر اٹھا کر چلی تو اس قدر تیزی کے ساتھ کہ پورے قبیلہ کی سواریوں سے آگے نکل گئی۔ قافلے والوں کی سواریاں اس کے مقابلہ میں عاجز آگئیں، تو میرے ساتھ والیاں مجھے کہنے لگیں: "اے ذویب کی بیٹی! مہربانی کر اور ہماری خاطر ذرا درمیاں چال چل، کیا یہ وہ گدھی نہیں ہے جس پر تو سواری ہو کر ہمارے ساتھ مکہ کی طرف آئی تھی اور یہ نہ تو تیرا بوجھ صحیح طور پر اٹھا سکتی تھی اور نہ ہی سیدھی چل پھرتی تھی۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم یہی جانور ہے، مگر حق تعالیٰ نے اس فرزند کی برکت سے اسے قوی فرما دیا ہے۔ اس پر انہوں نے خدا تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہا کہ اس کی تو حالت ہی بدل گئی ہے اور رنگ بھی شکستہ آیا ہے۔ پھر ہم اپنے گھر پہنچے جو کہ بنی سعد کی بستیوں میں تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ اللہ تعالیٰ کی پوری زمین میں سے کوئی بھی جگہ ہماری بستیوں میں سے زیادہ قحط زدہ ہو، سب چراگاہیں سوکھ چکی تھیں، دُور دور تک سرسبزی کا نشان تک نہ تھا، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ مسعود کی برکت تھی کہ میری بکریاں شام کو چراگاہ سے واپس لوٹیں تو شکم سیر اور دُودھ سے خوب بھری ہوئی ہوتیں۔ غرض ہم اور ہمارے جانور اس خیر و برکت سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہے تھے، جبکہ دُوسرے لوگوں کی بکریاں چراگاہوں سے بھوکے واپس آتیں اور ایک قطرہ بھی دُودھ نہ دیتیں۔ ہمارے اس پاس کے سنے والے اپنے چراہوں کو ڈانٹتے اور کہتے، ارے تم بختو! ابو ذؤب کی بیٹی کا چرواہا جس چراگاہ میں بکریاں چراتا ہے، تم بھی وہیں چرایا کرو، حالانکہ وہ نہ جانتے تھے کہ اس خیر و برکت کا سبب تو کوئی اور ہی ذاتِ اقدس ہے۔ ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خیر و برکت سے محکم خدا تعالیٰ مسلسل فائدہ اٹھاتے رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دو سال کے ہو گئے۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نشوونما کا انداز عام عادات سے ہٹ کر تھا۔ عام بچے ایک ماہ میں جس قدر بڑھتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف ایک دن

میں اس قدر پرورش پاتے تھے، حتیٰ کہ محض دس ماہ کی عمر شریفہ میں نہ صرف فصیح گفتگو فرمایا کرتے تھے، بلکہ تیر اندازی بھی فرمایا کرتے تھے، اس لئے دو برس کی عمر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خوب توانا ہو گئے۔ پھر ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکات دیکھ چکے تھے اور چاہتے تھے کہ خیر و برکت کے اس عظیم خزانے کو کچھ عرصہ مزید اپنے پاس رکھیں، اس لئے میں نے بہانہ بناتے ہوئے کہا: ”مجھے خطرہ ہے کہ مکہ کی آب و ہوا اس بچے کو بیمار کر دے گی اس لئے کم از کم ایک سال کے لئے یہ بچہ مزید مجھے دے دو۔“ میں نے اس بات پر اس قدر اصرار کیا کہ حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجبور ہو کر ہاں کر دی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں **شق صدر کا واقعہ** خوشی خوشی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر واپس اپنے قبیلہ میں آگئی۔ اب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رضاعی بھائیوں اور بہن کے ساتھ چراگاہوں کی طرف تشریف لے جاتے۔ ایک دن سخت گرمی کے موسم میں باہر جانے سے میں نے منع کیا تو میری بیٹی ”شیماء“ نے کہا: ”اتنی جان! فکر نہ کریں میرے بھائی کو گرمی لگتی ہے، تو ان پر بادل سایہ کر دیتا ہے اور یہ جدھر جلتے ہیں، بادل اُدھر ہی چلا جاتا ہے۔“

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو واپس تشریف لائے۔ ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہمارے گھروں کی پھلپی طرف جہاں ہمارے جانور بندھتے تھے، تشریف لے گئے۔ (بعض روایتوں میں چراگاہ کا لفظ ہے) تھڑی ہی دیر بعد میرا بیٹا ضمیرہ خوفزدہ دوڑتا ہوا آیا، اُس کی پیشانی عرق آلود تھی۔ وہ رو رہا تھا اور چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا: اے ابا! اے ابا! جلدی کرو میرے قریشی بھائی (محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)۔

کی خبر لو، مجھے اُمید ہے کہ جب تک تم اُن تک پہنچو گے، وہ قتل ہو چکے ہوں گے، ہم نے  
 بوجھا کیا ہوا؟۔ اُس نے بتایا: ”ہم کھڑے تھے کہ ایک شخص آیا اور وہ بھائی ”مُحَمَّد“  
 (صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم) کو اٹھا کر پہاڑ کی چوٹی پر لے گیا اور وہاں آپ (صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ آلم وسلم) کا پیٹ چاک کر دیا، پھر مجھے معلوم نہیں کیا ہوا۔“

یہ سُن کر میں اور میرے شوہر پریشان حال دوڑتے ہوئے گئے، تو دیکھا کہ آپ  
 (صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم) پہاڑ کی چوٹی پر جلوہ فرما آسمان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔  
 میں نے آگے بڑھ کر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم) کی پیشانی مقدس پر بوسہ دیا اور کہا  
 ”میری جان! آپ پر قربان ہو، آپ کو کیا ہوا تھا؟“ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم) نے  
 ارشاد فرمایا اُمّاں جان! کوئی فکر نہ کریں، بات صرف اتنی ہوئی کہ میں کھڑا تھا کہ تین آدمی  
 میرے پاس آئے، جن میں سے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا تھا، دوسرے کے ہاتھ میں  
 سبز زمرہ کا طشت تھا، جو برف سے بھرا ہوا تھا، وہ اپنے ساتھ مجھے پہاڑ کی چوٹی  
 پر لے گئے اور وہاں مجھے پہاڑ کی چوٹی پر ہی آہستہ سے ٹکا دیا، پھر ان میں سے ایک نے  
 سینے کے جوڑے سے ناف تک میرا پیٹ چاک کیا، اس کی مجھے کوئی بھی تکلیف نہ ہوئی اور  
 اس منظر کو میں خود دیکھ رہا تھا، پھر انہوں نے میری آنسو کیوں کو باہر نکالا اور برف  
 سے دھو کر واپس پیٹ میں کھد دیا۔ پھر دوسرا آگے بڑھا اور اُس نے میرے جوف میں ہاتھ  
 ڈال کر میرا دل باہر نکالا، حالانکہ میں دیکھ رہا تھا، اُس نے میرے دل کو چیرا اور ایک  
 سیاہ رنگ کا لوٹھڑا سا نکال باہر کیا، پھر میرے دل میں کوئی نورانی شے بھر دی۔  
 اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اُس نے اپنے ساتھی سے ایک ایسی نورانی مہر لی کہ جس کی روشنی  
 سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں، اُس نے وہ مہر میرے دل پر پشت کر دی، اس مہر کی راحت اور  
 لذت اُنک اپنے سینے اور رگوں میں اب بھی محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد تیسرا شخص آگے بڑھا  
 اور اُس نے اپنا ہاتھ میرے سینے کے شکاف پر پھیرا تو وہ اُسی وقت درست ہو گیا۔ پھر اُس نے

کہا کہ ان کو ان کی اُمت کے دس آدمیوں کے مقابلہ میں وزن کرو۔  
 انہوں نے مجھے دس آدمیوں کے مقابلہ میں وزن کیا تو  
 میں غالب آگیا۔ اس پر وہ بولا: بس بسے دو، اگر تم ان کو پوری اُمت کے مقابلہ میں بھی  
 وزن کرو گے، تو یہی غالب آتیں گے۔ پھر اُس نے میرا ہاتھ پکڑا اور بڑی نرمی کے ساتھ  
 مجھے اٹھا کر بٹھا دیا، پھر وہ سب کے سب میری طرف جھکے۔ انہوں نے میرے سر اور پیشانی  
 کو چوما اور کہا: اے خدا کے حبیب! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) آپ کوئی خوف نہ کریں۔  
 اگر (ابھی) آپ کو معلوم ہو جاتے کہ آپ کا پروردگار آپ سے کس قدر بھلائی کا ارادہ  
 فرما رہا ہے، تو یقیناً آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں، اس کے بعد وہ مجھے بیٹھا چھوڑ کر  
 آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔

حلیہ شریف کے بیان میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم سؤل اللہ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ انور و شکم مبارک پر اس نشان کو سیدھی لکیر کی مانند  
 دیکھا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر  
 گھڑ پہنچی تو لوگ اس خبر سے مطلع ہو کر مجھے کہنے لگے کہ ان کو کسی کاہن کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ دیکھ کر  
 ان کا علاج کرے شاید ان پر (جفات وغیرہ) کا کوئی اثر ہے۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)  
 نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو مجھے کچھ نہیں، میری جان بھی سلامت ہے اور دل بھی سلامت ہے۔  
 مگر لوگوں کا اصرار بڑھتا گیا، یہاں تک میں مجبور ہو کر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو ایک کاہن کے  
 پاس لے گئی اور اُسے سارا واقعہ سنا دیا۔ کاہن بولا: میں غم اس بچے سے پوچھتا ہوں، کیونکہ خود  
 اپنے احوال سے زیادہ واقف ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پوری تفصیل کے ساتھ  
 تمام واقعہ کہہ سنایا جسے سُنتے ہی وہ کاہن گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور زور زور سے چلانے لگا کہ اے اہل  
 ایک بُرائی (معاذ اللہ تعالیٰ) قریب آگئی ہے بلدی دُور اس لڑکے کو اور مجھے ایک ساتھ

قتل کر ڈالو۔ اگر تم نے اسے چھوڑ دیا اور یہ بڑا ہو گیا تو یہ بڑے بڑے داناؤں کی عقلوں کو ضبط کر دے گا۔ یہ تمہارے دین کو جھٹلاتے گا تمہیں اُس رب کی طرف بلاتے گا جسے تم نہیں پہچانتے اور یہ تم کو اس دین کی دعوت دے گا، جس سے تم نا آشنا ہو۔  
حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اُس کی باتیں سُن کر اُس کے ہاتھوں سے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو چھین لیا اور کہا تو کو تو کوئی یا گل اور خطبہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو یہ کچھ کہے گا، تو میں تیرے پاس ہی آتی، تو اپنے آپ کو قتل کرنے کے لئے خود ہی کسی کو بلالے، ہم تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل نہیں کرنے دیں گے۔

**والدہ محترمہ سیدہ آمنہ خاتون کے پاس ایسی** حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد تم خوفزدہ ہو گئے۔ خود میرے شوہر اور دوسرے لوگوں نے مجھے کہا کہ ان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی جان کو خطرہ ہے، اس لئے ان کو واپس ان کی والدہ کے پاس چھوڑ آؤ۔ چنانچہ میں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو لے کر عازم مکہ مکرمہ ہوئی اور آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کر دیا۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے دادا حضرت عبدالمطلب نے مجھے انواع و اقسام کے انعامات اور سونا چاندی سے مالا مال کر دیا۔

(سیرت ابن ہشام، خصائص کبریٰ، مواہب لدنیہ، مدارج النبوة، شواہد النبوة وغیرہ)

**سیدہ آمنہ خاتون کی رحلت، حضرت عبدالمطلب کی** ارہاب سیر فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی رحلت ہوئی اور حضرت ابوطالب کی خدمت میں پہنچا، تو سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہو گیا اور

لہ تفصیلی واقعہ حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تحت ملاحظہ فرمائیں ۱۲۰



آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت و خدمت گزاری کی ذمہ داری حضرت عبدالمطلب نے بطریق احسن پوری فرمائی۔ حضرت عبدالمطلب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سب فرزندوں سے زیادہ محبوب جانتے تھے اور کبھی آپ کے بغیر دسترخوان نہ بچھاتے۔ خلوت و خلوت کے تمام اوقات میں دادا محترم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بہت یاد خیال و احساس فرماتے۔ حتیٰ کہ جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس مستعار زندگی کے آٹھویں برس میں قدم رکھا، تو دادا جان اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت و خدمت کی ذمہ داری آپ کے محبوب چچا حضرت ابوطالب نے اٹھالی۔

حضرت ابوطالب بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ سفر و حضر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کبھی پسند نہ کرتے تھے۔ یہ بھی اپنے والد ذی وقار حضرت عبدالمطلب کی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر دسترخوان نہ بچھاتے۔ شواہد النبوة میں ہے کہ حضرت ابوطالب کے اہل و عیال جب تنہا کھانا کھاتے، تو پوری طرح سیر نہ ہوتے اور کھانا ختم ہو جاتا، لیکن جب دسترخوان پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم موجود ہوتے، تو اس قدر برکت ہوتی کہ سب سیر بھی ہو جاتے اور کھانا بھی باقی بچ جاتا۔ اسی طرح دودھ پیتے وقت سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے، بعد ازاں خود نوش کرتے تو سب کے سب سیر ہو جاتے، حالانکہ مقدار کے لحاظ سے سب سے اس قدر ہوتا کہ ایک آدمی کا پیٹ بھی نہ بھر سکے۔ حضرت ابوطالب عموماً کہا کرتے تھے کہ ”لے بیٹے! یہ سب میری ہی برکت ہے۔“

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

**حضرت ابوطالب کے ساتھ سفر شام**

حضرت ابوطالب کے ساتھ ملک شام کی طرف بغرض تجارت روانہ ہوئے۔ بصرے کے قریب

نصاری کے جیہ عالم دین بحیرہ راہب سے ملاقات ہوتی۔ بحیرہ دین سماوی کے بہت بڑے عالم اور صاحب تقویٰ تھے۔ چونکہ انہوں نے سابقہ کتب سماویہ میں حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیاں اور حالات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے تھے۔ وہ اس لیے دیدار نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حد درجہ مشتاق تھے۔ جب قافلہ قریش میں بحیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعینہ اسی طرح پایا جس طرح کہ انہوں نے پہلی آسمانی کتابوں میں پڑھا تھا۔ بحیرہ راہب نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان کر حد درجہ تعظیم و تکریم کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بوسہ لیا اور ایمان لے آئے۔ صاحب راج النبوة فرماتے ہیں کہ بحیرہ ان میں سے ایک ہیں جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اظہار نبوت سے پہلے ہی ایمان لے آئے تھے۔

الغرض حضرت بحیرہ نے حضرت ابوطالب کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خوب حفاظت کریں، کیونکہ یہ نبی آخر الزماں ہیں اور ان کا دین سابقہ تمام ادیان کا ناسخ ہے۔ یہود و نصاریٰ ان کے جانی دشمن ہیں، اس لیے ان کو ملک شام نہ لے جایا جائے۔ اس پر حضرت ابوطالب نے اپنا سامان و ہین فروخت کیا اور واپس مکہ مکرمہ آگئے۔

**ملک شام کی طرف ایک اور سفر** پچیس برس کی عمر شریفہ میں حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں مکہ مکرمہ کی ایک نہایت مالدار اور باوقار مجسمہ عفت و طہارت خاتون حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیغام بھیجا کہ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ان حضرت خدیجہ کا مال تجارت ملک شام کی طرف لے جائیں اور جو نفع حاصل ہو، اس سے جس قدر چاہیں خود رکھیں اور جس قدر چاہیں مجھے بے دیں۔

مکہ مکرمہ میں صادق و امین کے لقب سے شہرت کی بلندیوں کو پالینے والے محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس پیش کش کو اپنے پیارے چچا حضرت ابوطالب کے مشورہ سے قبول فرمایا۔ اس کے بعد حضرت سیدہ خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ اور ایک اور آدمی خنزیمہ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے لئے ساتھ روانہ کر دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بصرہ پہنچے تو وہاں ایک کلیسا کے نزدیک ایک درخت کے نیچے آرام فرما ہو گئے۔ یہ درخت پرانا اور سوکھا ہوا تھا، لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے وہ درخت یکایک سرسبز و شاداب ہو گیا اور اُس کو کھیل بھی لگ گئے، ارد گرد بھی سبزی پھیل گئی۔ یہ دیکھ کر اُس کلیسا کا نسطورا نامی راہب ایک کتاب ہاتھ میں پکڑے اپنے کلیسا سے باہر نکلا اور میسرہ سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟ میسرہ نے بتایا کہ میرے شرفارقش اور سادات بنو ہاشم سے ہیں۔ پھر نسطورا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: میں آپ کو لات و عزی کی قسم دیتا ہوں کہ بتائیے آپ کا نام کیا ہے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فکلتک اُمّک میسرہ پاس سے گزر رہا کسی عرب نے اس سے زیادہ مکروہ و ناگوار اور شدید بات مجھ سے نہیں کی (یعنی آپ نے لات و عزی سے سخت اظہارِ نفرت فرمایا)، اس پر نسطورا نے اپنے ہاتھ والی کتاب کو محمول کر لیا اور بولا: مجھے اُس خدا کی قسم جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل ازل فرمائی۔ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں (جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی) الغرض رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بصرہ میں اپنا مال فروخت کیا اور خوب نفع حاصل ہوا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خیر و برکت سے قافلہ کے دیگر افراد بھی مستفید ہوئے۔ پھر جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ واپس پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنی سہیلیوں کے ساتھ بالاحاقہ

پر بیٹھی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ دو پرندے صغیر اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سرانور پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ (مواہب لدنیہ میں ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے۔) حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام میسرہ اور دوسرے شخص خزیمہ نے بھی راہ میں پیش آنے والے خوارقِ عادات و اوقات کا ذکر کیا، جس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت متاثر ہوئیں۔

## حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقلمند و فراست ہونے کا بیان

النسب اشرف تھیں اور بہت زیادہ مالدار تھیں۔ اگرچہ بیوہ تھیں، بایں ہمہ بنو قریش کئی مردوں نے ان کو پیغامِ نکاح دیا، مگر انہوں نے کسی کو قبول نہ فرمایا تھا، لیکن آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ اپنی ہمارہ عورت کے ذریعے خود بارگاہِ اقدس میں نکاح کی درخواست پیش کی، جسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے محبوب چچا حضرت ابوطالب کے مشورہ سے قبول فرمالیا۔ اس پر حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا از حد خوش ہوئیں اور اپنے چچا عمرو بن اسد کو پیغام بھیجا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عقد کے وقت موجود ہوں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا حضرت ابوطالب، حضرت حمزہ اور دیگر چچاؤں کی معیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر رؤسا قریش کے ساتھ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے، جہاں تقریبِ سعیدِ نکاح و عقد منعقد ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوطالب نے ایک بلیغ خطبہ پڑھا اور حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے تائید و تصدیق میں خطبہ دیا۔ حق مہربانِ رحمان اونیائیں تھیں۔ (مدارج النبوة - ابن ہشام)

ولادت باسعادت کے سنتیسویں برس آپ صلی اللہ تعالیٰ  
**تعمیر بیت اللہ علیہ آلہ وسلم** نے خانہ کعبہ کی تعمیر نو میں حصہ لیا۔  
 حرم کعبہ کی تعمیر کے وقت جب دیواریں اس حد کو پہنچیں کہ جہاں حجرِ اسود کو  
 نصب کیا جانا تھا، تو ہر قبیلہ کی اُمانے سر اٹھایا اور ہر کوئی یہ اعزاز تنہا ہی  
 حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کشیدگی بڑھی تو تلواریں نکل آئیں۔ قریب تھا کہ زمین حرم  
 خود مہماروں کے خون سے رنگین ہو جاتی۔ چند روز کے لئے تعمیر حرم پاک رک گئی۔  
 پھر ٹوڑھے تجربہ کار اُمیہ بن مغیرہ نے مشورہ دیا کہ کل صبح سورج نکلنے کے بعد جو شخص  
 سب سے پہلے بابِ بنی شیبہ سے حرم پاک میں داخل ہو، اُسے ثالثِ مان لو۔ اس  
 پر سب قبیلے متفق ہو گئے۔ اگلی صبح سب قبائل کے سردار جمع ہوئے اور نظریں  
 بابِ بنی شیبہ پر جم گئیں۔ ادھر تو پیاروں کے پیچھے سے آفتابِ زمانہ نے سر نکالا  
 اور ادھر بابِ بنی شیبہ سے خورشیدِ رسالت، مہتابِ نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 تشریف لے آئے، تو بے اختیار سب ہکا بکا ہو گئے۔

جَاءَ الْأَمِيْنُ جَاءَ الْأَمِيْنُ - ”یہ تو امین آرہا ہے، یہ تو امین آرہا ہے۔“  
 ہم راضی ہیں، ہم راضی ہیں۔ رسولِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے  
 فیصلہ کے لئے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا دی، حجرِ اسود اٹھایا اور چادر مبارک پر  
 رکھ دیا۔ پھر ہر قبیلہ کے سردار کو فرمایا کہ ”چادر کے کونوں کو پکڑ کر اٹھاؤ“ سب نے  
 باہمی مل کر چادر کو اٹھایا۔ جب حجرِ اسود مقامِ نصب تک پہنچا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 نے ارشاد فرمایا: ”اب تم سب مجھے اپنا نمائندہ چن لو“ سب راضی ہو گئے۔ تو  
 آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے حجرِ اسود اٹھایا اور سب کی طرف سے حرم کعبہ کی دیوار  
 میں نصب فرما دیا۔ یہ فیصلہ اس قدر دانشمندانہ تھا کہ زمانہ عیشِ عیش کراٹھا۔  
 — اور قریش مکہ خون کی ہولی پھیلنے سے بچ گئے۔

## باب دوم

### اعلان نبوت سے، ہجرت مدینہ منورہ تک

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چالیس برس کی  
**اعلان نبوت** ہوئی تو وحی و بشارت کا ظہور ہوا، جس سے آفاقہ عالم منور ہو گیا۔  
 مدارج النبوة کے مطابق اس نور وحی کا ظہور پیر کے دن ۱۲ شعبان ۱۲۰۰ عام الفیل ماہ ربیع الاول  
 کی آٹھیا تین تاریخ کو ہوا۔ بعض علماء کرام نے آیات مبارکہ شہر رمضان الذی  
 أنزل فیہ القرآن اور انا أنزلناہ فی لیلۃ القدر کے حوالہ سے ثابت فرمایا  
 کہ نزول وحی کی ابتداء ماہ رمضان المبارک میں ہوئی۔ سیرۃ ابن ہشام میں محمد بن اسحق المطلبی  
 کے حوالہ سے منقول ہے کہ نزول قرآن کریم کی ابتداء رمضان المبارک بروز جمعہ المبارک کو ہوئی  
 لیکن علماء سیر و تاریخ کے نزدیک ماہ ربیع الاول اور پیر کے دن کی روایات زیادہ قابل اعتماد  
 ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ اعلم)

منقول ہے کہ جب ظہور نبوت کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 کی خلوت نشینی میں اضافہ ہو گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی سی کھجوریں، سستو اور بانی  
 لے کر مکہ مکرمہ کے قریبی پہاڑ (جسے جبل النور کہا جاتا ہے) پر تشریف لے جاتے اور اس کی  
 چوٹی کے قریب واقع غار حرا میں کئی کئی روز تک عبادت میں مصروف رہتے۔ پھر جب کبھی  
 جی میں خواہش پیدا ہوتی، تو پہاڑ سے نیچے تشریف لاتے، جی بھر کر طواف کعبہ فرماتے۔  
 پھر اپنے اہل خانہ سے ملاقات کرتے اور توشہ لے کر دوبارہ غار حرا میں صلوہ کر سوجاتے۔  
 پہلی وحی کی حالت علامہ ابن ہشام نے یوں نقل فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، فَبَاءَ بِي جِبْرِيلُ وَأَنَا نَائِمٌ بِمَطْمَعٍ وَبِجَاوِ



فِيهِ كِتَابٌ إِقْرَأْ قَالَ قُلْتُ مَا أَقْرَأُ . . . الخ یعنی فرمایا

کہ میں محو استراحت تھا کہ میرے پاس حضرت جبریل امین (علیہ السلام) آئے، اُن کے پاس  
 ریٹھی کپڑا تھا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے مجھے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم)  
 پڑھتے۔ میں نے کہا، میں کیا پڑھوں؟ (یعنی میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، چنانچہ جبریل امین  
 (علیہ السلام) نے مجھے اپنی آغوش میں لے کر خوب بھینپا، پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھتے۔ میں نے  
 جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انہوں نے پھر مجھے بڑی قوت سے بھینپا اور چھوڑ کر کہا  
 کہ پڑھیے۔ میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انہوں نے تیسری مرتبہ پھر پوری  
 قوت سے بھینپا اور چھوڑ کر کہا۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ  
 الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۚ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۚ  
 عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۚ (سورۃ العلق ۱ تا ۵)

”آپ پڑھیے! اپنے رب کے اسم گرامی قدر کے ساتھ جس نے پیدا فرمایا، پیدا فرمایا  
 انسان کو جسے برے خون سے پڑھتے، آپ کا رب بہت ہی کریم ہے جس نے علم سکھایا  
 قلم کے ذریعے سے، اُسی نے سکھایا انسان کو، جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں نے اسی طرح پڑھا جب قرآن  
 ختم ہو گئی، تو وہ میرے پاس سے چلے گئے۔ اس واقعہ عظیمہ سے مجھ پر ایک ہیبت سی ٹاری ہو گئی  
 میں گھرانے کے ارادہ سے پہاڑ سے نیچے اترنے لگا، حتیٰ اِذَا كُنْتُ فِي وَسْطِ مِן  
 الْجَبَلِ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَاءِ يَقُولُ يَا مُحَمَّدُ اَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ  
 وَاَنَا جِبْرِيلُ قَالَ فَرَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى السَّمَاءِ أَنْظُرُ فَإِذَا جِبْرِيلُ  
 فِي صُورَةٍ سَاجِدٍ صَافٍ قَدْ مَيَّ فِي أَفْقِ السَّمَاءِ (ابن ہشام)  
 ”ابھی میں پہاڑ کے درمیان میں ہی تھا کہ میں نے آسمان کی جانب سے ایک آواز سنی  
 کہ کوئی کہہ رہا تھا اے محمد، صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور

میں جبریل ہوں ۽ فرمایا میں نے آسمان کی طرف جو نظر اٹھا کر دیکھا تو اُنھیں آسمانی  
 میں جبریل (علیہ السلام) بشکل بشر نظر آتے۔ جو یہ کہہ رہے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ  
 کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔ پھر میں نے آسمان کی جس جانب بھی دیکھا مجھے  
 جبریل ہی نظر آتے۔ میں سخت ہیبت زدہ حالت میں گھر آیا۔ (سیرت ابن ہشام)  
 مدارج النبوة میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا: ذَمِّلُوْنِیْ ذَمِّلُوْنِیْ یعنی مجھے کھیل اور ہادو،  
 مجھے کھیل اور ہادو ۽ اُمّ المؤمنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے  
 جلدی سے ایک کھیل جسم النور پر ڈالا اور دلاسا دیتے ہوئے طبیعت اقدس کے بارے میں  
 پوچھا، تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے واقعہ گزشتہ کہہ سنایا اور فرمایا کہ  
 اے خدیجہ! مجھے تو اپنی جان کی فکر ہے۔ غم خوار اور وفا شعار رفیقہ حیات سیدہ  
 خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہایت محبت بھرے انداز میں ڈھارس بندھاتے  
 ہوئے عرض کیا: آپ غم نہ کھائیے، خوش رہیے، اللہ تعالیٰ آپ کو کسی خطرے میں نہیں ڈالے گا  
 اور نہ ہی آپ کو کسی کے سامنے رسوا ہونے دے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ بھلائی  
 ہی فرمائے گا، کیونکہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، عیال کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ  
 کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں، محتاجوں اور مجبوروں کی دستگیری کرتے ہیں۔  
 بیکیوں اور غریبوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں، سب کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آتے  
 اور سچائی کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے ہیں، سچ بولتے، یتیموں کو پناہ دیتے اور اعلیٰ  
 درجے کے امانت دار ہیں۔ (مدارج النبوة)

اس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 کی معیت میں اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں۔ ورقہ بن نوفل بہت  
 ضعیف العمر ہو چکے تھے۔ آپ نے قریش کے اندازِ جاہلیت کو چھوڑ کر دینِ مسیحی قبول کر لیا تھا۔

سابقہ کتب سماوی کے ایک بہت بڑے عالم تھے اور انجیل کو عبرانی زبان سے ترجمہ کر کے عربی میں لکھا کرتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احوال گزشتہ بیان کئے۔ ورقہ بن نوفل نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے چند ایک سوالات کئے اور جواباً پاکر خوشی سے جھوم اٹھے اور بولے: ”اللہ تعالیٰ کی قسم یہ تو وہی ناموس (فرشتہ یا کلام) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پہ نازل ہوا تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور وہی ہیں کہ جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی، عنقریب آپ کفار سے قتال و جدال فرمائیں گے۔ اے کاش کہ میں اُس وقت زندہ رہتا اور میرے قوی مضبوط ہوتے، تو میں ہر ممکن آپ پر جاں نثاری کرتا، جبکہ آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے باہر نکال دے گی۔“ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”کیا وہ مجھے اس شہر سے نکال دیں گے؟“ ورقہ بن نوفل نے عرض کیا: ”جی ہاں! سنت الہیہ اسی طرح جاری ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کفار و مشرکین نے ایسا ہی سلوک کیا۔ اگر میں زندہ رہا، تو آپ کی پوری پوری نصرت و مدد کروں گا۔“ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت ورقہ بن نوفل وفات پا گئے۔ (مدارج النبوة وغیرہ)

حضرت سیدہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ  
**دعوت و تبلیغ داتا سن نبوت** رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اسی وقت ایمان لے آتی تھیں، جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار حرا سے تشریف لائے ہی تھے اور حالات حیا و ذکر فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں شجر و حجر سے سنتا ہوں کہ وہ مجھے یا محمدؐ یا رسول اللہ کہہ کر سلام عرض کرتے ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُس دن دل و جان سے ایمان لے آتی تھیں، اس کے بعد ہی ورقہ بن نوفل کے پاس گئے۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ، حضرت صدیق اکبر، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

بھی شرفِ ایمان سے مشرف ہو گئے۔ پھر روزِ بروز غلامانِ مصطفیٰ میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسی طرح تین سال کا عرصہ گزر گیا۔ پھر ربِ کریم جلّ شانہ کی طرف سے حکم ہوا کہ: **فَاُصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاعْوَظْ عَنِ الْكُفْرِ كَيْتُ اُورِيَهُ كِهْ وَ اَفْشِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَكْثَرِ بَيْنَ**۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلانیہ طور پر تبلیغِ اسلام شروع فرمادی۔

اسی اعلان کے ساتھ ہی خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ **مَصَاتِبِ الْاَلَامِ** دآلہ وسلم اور آپ کے غلاموں پر کفارِ مکہ نے عرصہ حیات تنگ کر دیا اور اس قدر شدید تکالیف دیں کہ جن کے تصور سے ہی رُوحِ انسانیت کانپ مٹھتی ہے۔ بطورِ تمثیل چند ایک واقعات سپردِ قلم ہیں تاکہ فہمِ مضمون میں آسانی ہو:

○ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ آپ بد بخت ترین کافرِ امیہ بن خلف لعین کے زرخیزِ غلام تھے۔ اسلام قبول کرنے کے حرم میں امیہ آپ کو شدید ترین ایذائیں دیتا، سخت گرمی میں دوپہر کے وقت آپ کو دھوپ میں آگ اگلتی ریت پر چپٹا دیتا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ انور پر بھاری بھر کم پستھر رکھ دیتا تاکہ نہ تو وہ آسانی سے سانس لے سکیں اور نہ ہی حرکت کر سکیں۔ پھر کہتا: یا تو دینِ اسلام کو چھوڑ دو یا اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جاؤ۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال میں بھی **اَحَدٌ اَحَدٌ** یعنی اللہ ایک ہے، اللہ تعالیٰ ایک ہے، کی صدا بلند کرتے رہے۔ دن بھر کے بھوکے اور ستائے ہوئے اس عاشقِ صادق کو رات کے وقت زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا اور اس قدر کوڑے برسائے جاتے کہ جسمِ لبو لہان ہو جاتا۔ دوسرے دن پھر زخمی بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دھوپ میں ڈال دیا جاتا، کبھی ان کی گردن میں سی بانڈھ کر نو عمر لڑکوں کو تھما دی جاتی تاکہ وہ ان کو پتھر پٹی زمین پر گھسیٹیں کبھی تو امیہ بن خلف ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا اور کبھی ابو جہل لعین کی باری آجاتی۔ ظلم کرنے والے

تشدد کرتے کرتے تھک جاتے، مگر عزم و استقلال کے کوہِ گراں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ زبانِ حال سے یہ ہی فرماتے کہ جان تو قربان کر سکتا ہوں، مگر اپنے آقا مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دامنِ اطہر کو چھوڑ نہیں سکتا۔ بالآخر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس ظلم سے نجات دلائی، یعنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے لئے آزاد کر دیا۔

○ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جو بالکل مشروع میں ہی شرفِ ایمان سے مشرف ہو گئے تھے۔ ان سے قبل تقریباً پانچ چھ آدمی ہی مسلمان ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عورت کے غلام تھے۔ جب اسے پتہ چلا کہ یہ مسلمان ہو گئے ہیں، تو اُس نے آپ کو بے سخا شاکالیف دین، وہ لوہے کے آگ میں گرم کر کے ان کے سر کو داغ دیتی، کبھی ننگے بدن لوہے کی زرہ پہنا کر اور ہاتھ پاؤں بندھوا کر گرم ریت پر دھوپ میں ڈال دیتی۔ مگر وہ شہیدِ گرم موسم میں لوہے کی زرہ دھوپ میں نہ پک کر آگ بن جاتی۔ بدن سے نکل کر زرہ کے اندر رُک جانے والا پسینہ گرم پانی کی طرح اُبلنے لگتا جس کی وجہ سے آپ کے جسمِ انور کا گوشت گل گیا، مگر پروردگارِ عالم حلِ شہادت کی کروڑوں جہتوں کا نزول ہوا، ان پاکباز ہستیوں پر کہ جسم کا ظلم و تشدد برداشت کر لیا مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا پٹہ گردن سے نہ اتارا۔

حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قمیض اتارے بیٹھے تھے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی نظر اُن کی کمر پٹی تو لہر زائے اور فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم، اس قسم کی کمر میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ اس پر حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، امیر المؤمنین! آپ کیا جانیں کہ ہمارے ساتھ کیسا ہیمنہ سلوک کیا جاتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں مجھے دیکھتے کوٹلوں پر چت لٹا دیا جاتا اور میرے سینے پر پتھر رکھ دیا جاتا۔ جب میرے جسم سے نکلنے

والا خون اور جہنی اُن کو تلوں کو بجھا دیتے، تو ظالم نئے سرے سے کوئلے بجھا کر مجھے اُن پر لٹا دیتے۔ میری کمر کے یہ نشانات اُسی ظلم و تشدد کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

○ حضرت سیدنا یاسر اُن کی زوجہ حضرت سیدہ سمیہؓ اور اُن کے بیٹے حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی قدیم الاسلام صحابہ کرام میں سے ہیں۔ اُن کے مسلمان ہونے کے وقت مسلمانوں کی تعداد تیس کے قریب تھی۔ کفار مکہ ان حضرات ذی وقار کو صوہر کے وقت مکہ سے باہر پہاڑوں میں لے جاتے، سخت نوکیلے پتھروں اور گرم ریت پر لٹا کر ان کو بے تحاشا مارتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو صبر کی تلقین فرماتے ہوئے خوشخبری دی کہ اِصْبِرْ مَا يَأْتِيكَ يَا سَرِيحُ مَوْعِدُكُمْ الْجَنَّةُ۔  
 ”اے آلِ یاسر! صبر کرو، بے شک تمہارا ٹھکانہ جنت ہے۔“

ایک دن سنگلاخ زمین پر لٹا کر بد بخت ترین ظالم ابو جہل لعین نے حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس قدر تشدد کیا کہ تڑپ تڑپ کر آپ مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ حضرت سیدہ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بھی اگرچہ تشدد ہو رہا تھا، لیکن اپنے محبوب خاوند کو یوں تڑپ تڑپ کر موت کے منہ میں جاتے ہوئے دیکھا، تو برداشت نہ کر سکیں اور اپنی تکلیف کو بھول کر عالم خود رفتگی میں ابو جہل لعین کو کوسنے لگیں۔ تشدد پسند ابو جہل نے حضرت سیدہ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سزا دینے کا نہایت بھیانک ناپاک منصوبہ بنایا۔ چند لمحوں کے لئے اُس نے مار پیٹ کا سلسلہ بند کرنے اور ڈواؤنٹ لانے کا حکم دیا۔ کسی معلوم نہ تھا کہ ابو جہل لعین کا شبیطانی ذہن کیسا ظالمانہ پلان تیار کر رہا ہے تھوڑی ہی دیر میں اُوٹ آ گئے۔ ظالم ابو جہل کے حکم سے حضرت سیدہ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک پاؤں ایک اونٹ اور دوسرا پاؤں دوسرے اونٹ سے باندھ دیا گیا اور خود ابو جہل تیز لے کر کھڑا ہو گیا اور حضرت سیدہ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ یا تو وہ دین اسلام کو ترک کر دیں یا پھر عبرت ناک موت کے لئے تیار ہو جائیں۔ حضرت سیدہ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے



دو ٹوک الفاظ میں ابو جہل لعین کو فرمایا کہ میں دامن مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو  
 نہیں چھوڑوں گی، خواہ اس کے بدلہ میں مجھے کتنی بھی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ اس  
 پر ظالم ابو جہل نے ایک اونٹ کو دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف چلانے کا حکم  
 دیا۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دونوں ٹانگوں کے درمیان اتنی زور سے نیزہ مارا کہ  
 آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہسم نور دو جھتوں میں چر کر اونٹوں کے پیچھے گھسٹنے لگا۔

اللہ اکبر! کس قدر استقامت ہے دینِ متین پر۔

پہ خوش رسمے بنا کر دند بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

نحفے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شفیق و مہربان والدین کریمین کی  
 شہادت کا یہ اندوہناک منظر اپنی نگاہوں سے دیکھ چکے تھے۔ اگرچہ رور و کر  
 بے حال ہو گئے تھے مگر کچھ بھی نہیں سکتے تھے۔ اب انہوں نے ان ظالم جلاؤں کو  
 اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو خوف کے مارے سہم گئے۔ ابو جہل نے حضرت یاسر  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈانٹ کر کہا کہ اولڑکے! تو ہمارا کہنا مانتا ہے یا پھر تجھے بھی  
 تیرے ماں باپ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ ظالموں کی قہر آلود نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے  
 حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ ان سے جان بچا کر  
 حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدھے بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں  
 حاضر ہوئے اور روبرو عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)، اُن ظالموں نے  
 مجھ سے زبردستی کفر یہ کلمہ کہلوا یا ہے، اب میرا کیا بنے گا؟ اس پر خالق کائنات جل شانہ  
 حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کی گواہی دیتے ہوئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ  
 اَلَا مَن اُكْفِرَہٗ وَ قَدْبَہٗ مُطْمَئِنِّیْمٌ بِالْاِیْمَانِ ط مگر وہ شخص قابلِ گرفت نہیں ہے  
 جس پر جبر کیا گیا ہے، حالانکہ اُس کا دل اپنے ایمان پر مطمئن ہے۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسلی دی اور اپنی خصوصی غلامی میں قبول فرمایا۔ خیال رہے کہ حضرت یاسر و حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسلام کے سب سے پہلے شہید ہیں۔

کتاب سیرۃ نوابہ میں اس قسم کے بہت سے کریناکہ واقعات مذکور ہیں۔ یہ ہی وہ حالات تھے کہ رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلاموں کو جان بچانے کے لئے ہجرت حبشہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔

جب صحابہ کرام پر کفار کا ظلم و ستم صحابہ کا جانب حبشہ ہجرت کرنا، شہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ ہجرت

ماہِ ربیع الثانی نبوت کے پانچویں سال ہوتی تھی۔ اس وقت ایت وایت کے مطابق گیارہ مرد، جبکہ دوسری روایت کے مطابق بارہ مرد، چار یا پانچ عورتوں نے ہجرت کی ان میں بعض بمعہ اہل و عیال تھے اور بعض بغیر اہل و عیال کے یہ ہجرت پوشیدہ طور پر کی گئی تھی۔ یہ لوگ کنارہ سمندر تک تو پیدل گئے، پھر وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر جانب حبشہ روانہ ہو گئے۔ سب سے اول جس نے حکم نبوی کے مطابق اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کی وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جنہوں نے اپنی زوجہ محترمہ یدہ رقیبہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: بے شک عثمان بن عفان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت کو طاعیت و سلام کے بعد اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ ہجرت کی ہے ہجرت حبشہ کرنے والے صحابہ کرام کے سربراہ حضرت سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپ نے ہی دربارِ نجاشی میں اپنے ساتھیوں کی نمائندگی کی۔ (تفصیل کے لئے اس کتاب میں حضرت جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات ملاحظہ فرمائیں،

اعلان نبوت کے چھٹے سال  
اعلان نبوت کے چھٹے برس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا حمزہ بن  
عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرف ایمان سے مشرف ہو گئے۔ آپ قریش میں مشہور  
غیرت مند بڑے شہ زور اور عظیم بہادر تھے۔ ان کے اسلام لانے کی وجہ سے مسلمانوں کو  
بہت قوت و حوصلہ میسر آیا۔ تفصیلی واقعہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات کے  
تحت ملاحظہ ہو۔

اسی سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شدید خواہش اور دعا کے صدقے  
رب کریم جل شانہ نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دولت ایمان عطا فرمائی۔  
حضور نبی کریم، صاحب خلق عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کا ایمان کس قدر محبوب تھا، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے کہ جب ارا رقم  
میں حاضر ہو کر بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں شہادت ایمان دیتے ہوئے عرض  
کیا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ط تو حضور نبی کائنات  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت خوش ہو کر بلند آواز میں اللّٰهُ اَکْبَرُ کہا، اس پر صحابہ  
بھی خوشی سے نعرہ تبکیر بلند کیا۔ چنانچہ اس نعرہ کی گونج کفار مکہ کے مجمع میں بھی پہنچی۔  
اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کفار  
تولات و عزی کی عبادت علی الاعلان کرتے ہیں۔ ہم اپنے معبود حقیقی کی عبادت چھپ کر کیوں کریں؟  
ہم بھی علانیہ طور پر عبادت کریں گے۔ اس گزارش پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
حضرت ابوبکرؓ حضرت حمزہؓ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ خانہ کعبہ کی  
طرف چل دیئے، آگے آگے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ننگی تلوار ہاتھ میں پکڑے  
یہ اعلان کرتے جا رہے تھے کہ ”جو چاہتا ہو کہ اُس کی ماں اُس کو روئے جو چاہتا ہو کہ اُس کے  
بچے یتیم اور اُس کی عورت بیوہ ہو جائے، وہ آئے اور میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راستہ

روکے، مگر کسی کی ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھتا، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خانہ کعبہ تشریف لائے اور صحابہ کرام کے ساتھ دو رکعت نماز ادا فرمائی۔  
مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آیہ مبارکہ:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ  
”اے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اللہ تعالیٰ حامی ہے اور وہ مومنین جو آپ کی پیروی کرتے ہیں“ اسی وقت نازل ہوئی۔ (کتب سیرت)

حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے منقول ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے، تو حضرت جبریل امین علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے آسمان والے آپ کے حضور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے پر مبارک باد عرض کرتے ہیں اور اظہارِ مسرت و شادمانی کرتے ہیں۔ (رواہ ابن ماجہ)

## نبوت کے ساتویں برس شعب ابی طالب میں مقید ہونا جب قریش مکہ نے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسلام لانے سے اہل اسلام کی قوت و شوکت میں اضافہ ہو گیا ہے اور کچھ عرصہ ہجرت کر کے حبشہ میں آرام و چین کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی سادہ نشین نام ہوئیں اور دین اسلام قبائل عرب میں تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے، تو ان کی آنش حسد و عداوت خوب بھڑک اٹھی اور وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے پر تیل لگے، لیکن حضرت ابوطالب کی حمایت و کفالت کی وجہ سے ان کفالت کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ دست درازی کرتے، اس لئے وہ حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھاتیں کہ وہ ہمارے خداؤں کو برا نہ کہے، اگر وہ نہ مانے تو اس کی ذمہ داری سے ہاتھ اٹھا لیجئے، بصورتِ دیگر ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے

تیار ہو جاتیے۔ یہ سن کر حضرت ابوطالب نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی اور قوم قریش نے جو کہا تھا، بیان کیا اور عرض کیا کہ ہم میں جنگ کھڑے کی قوت نہیں ہے، اس لئے آپ اپنی جان پر رحم فرمائیے۔ اس پر نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت پُر مغز خطبہ ارشاد فرمایا اور یہاں تک فرما دیا کہ چچا اگر آپ میرا ساتھ دیں، تو ٹھیک ہے، ورنہ مجھے قطعاً پرواہ نہیں، کیونکہ میرا حامی و ناصر اللہ تعالیٰ ہے، میں اس کام سے ہرگز ہرگز باز نہیں رہ سکتا، خواہ کچھ بھی ہو جائے۔“

یہ سن کر حضرت ابوطالب نہایت جوش میں ہوئے، آپ اپنا کام بخوشی کریں، رب کعبہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں، آپ کی طرف کوئی میلی آنکھ سے دیکھ بھی نہیں سکے گا، اپنے دین کو علی الاعلان پھیلائیے گا اور اپنی آنکھوں کو مٹھنڈا کیجئے گا۔“ جب قریش مکہ ان حالات پر مطلع ہوئے، تو انہوں نے باہمی مل کر ایک عہد نامہ تحریر کیا اور حلف اٹھایا کہ ”وہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے مکمل طور پر سماجی اور معاشی بائیکاٹ کریں گے اور ان سے کسی قسم کا لین دین نہ تو خود کریں گے اور نہ کسی دوسرے کو کرنے دیں گے۔“ معاہدے کا کاغذ لکھ کر حرم کعبہ میں لٹکا دیا گیا اور سوائے ابولہب لعین کے، خاندان بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب (خواہ وہ مسلمان تھے یا ابھی مشرک، سب کے سب) ایک گھاٹی میں محصور ہو گئے۔ اس گھاٹی کو شعب ابی طالب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تین سال کا طویل عرصہ اسی طرح گزر گیا، بھوک، پیاس اور ناداری کے ساتھ بکلتے ہوئے بچوں کی آہ و بکا سے راتوں کی نیند اور دن کا سکون برباد ہو گیا تھا مگر اس قدر کھٹن حالات میں بھی نبی محترم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے فرائض تبلیغ رسالت سرانجام دیتے رہے۔ بالآخر تین سال بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا محترم حضرت ابوطالب کو بتایا کہ قریش کے مذکورہ ظالمانہ عہد نامہ کو حکم خدا تعالیٰ، دیمک نے کھا لیا ہے اور اس پر صرف اللہ تعالیٰ کا نام باقی ہے، اس کے سوا سب تخر و تیک چاٹ چکی ہے۔“

حضرت ابوطالب بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کے دیگر افراد کے ساتھ قریش مکہ کے پاس تشریف لائے اور کہا اے قریش مکہ! مجھے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے خبر دی ہے کہ تمہارے معاہدہ جو روزِ ظلم کو دیکھ کھا گئی ہے، صرف لفظ اللہ باقی ہے۔ اس کے سوا کچھ بھی نہیں بچا، تم اسے کھول کر دیکھو، اگر یہ بات سچ ہے تو خوفِ خدا کرو اور اس ظلم و ستم سے باز آ جاؤ اور اگر یہ بات جھوٹ ہو تو میں ان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔

قریش مکہ بولے: ”ٹھیک ہے، فیصلہ ہمیں منظور ہے۔“ چنانچہ کپڑے میں لپیٹے ہوئے اس عہد نامہ کو کھول کر دیکھا تو اس پر سوائے لفظ اللہ کے کوئی شے باقی نہ تھی۔ قریش مکہ کی ندامت و شرمندگی سے گردنیں جھک گئیں اور یوں نبی محترم رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاندان کے ساتھ فاتحانہ انداز میں گھاٹی سے باہر تشریف لائے، اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر تقریباً پچاس برس اور اعلانِ نبوت کو دس سال ہو چکے تھے۔

## دس سن نبوت عام الحزن

حضرت ابوطالب کی وفات اس سال حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار چچا حضرت ابوطالب نے وفات پائی۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت ابوطالب کی رحلت کے وقت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس مستعار زندگی مبارکہ کے انچاس سال آٹھ ماہ اور گیارہ دن گزر چکے تھے، جبکہ اس وقت حضرت ابوطالب کی عمر ستاسی سال کی تھی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات حضرت ابوطالب کی وفات حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم



کے لئے ایک سانحہ عظیم تھی، کیونکہ حضرت ابوطالب نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بھی رسول خدا محبوب کبریٰ سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم کی خدمت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ابھی قلبِ انور اسی غم میں نہ ڈھال تھا کہ وفاتِ ابوطالب کے تین یا پانچ روز بعد ہی رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم کی انتہائی وفا شعار و جاں نثار خدمتگزار رفیقہ حیات حضرت سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (میری روح و جان اُن کے قدموں پر قربان ہو) اس جہان فانی سے انتقال فرما کر فردوسِ اعلیٰ کی طرف سدھاریں۔ حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رفاقتِ خدمتِ نبوی میں پچیس سال گزارے اور سنیسٹھ سال کی عمر میں رحلت فرمائیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم اس سال کو ”عام الحزن“ کا سال فرمایا کرتے تھے اور خانہ اطہر سے بہت کم باہر تشریف لاتے تھے۔

**سفرِ طائف** حضرت ابوطالب سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سانحہ ارتحال کے ساتھ ساتھ مصائبِ اکام کے مزید پہاڑ یہ ٹوٹے کہ کفارِ مکہ جو ابھی تک حضرت ابوطالب کی وجہ سے براہِ راست ایذا دینے سے گریزاں تھے۔ اب اُن کے ظلم و ستم میں شدت آگئی۔ اسی دورانِ حضورِ وِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم اہل طائف کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ ان کو صراطِ مستقیم کی طرف آمادہ فرمائیں، مگر اُن بد نصیبوں نے حضورِ سید الکونین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم پر ان سیاہ بختوں نے اس قدر سنگباری کی کہ تمام جسمِ انور لبو لبان ہو گیا اور خون بہہ کر جونوں میں جم گیا۔ اس وقت صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اہل طائف کے لئے بددعا کرنے کا عرض کیا اور جبریل امین علیہ السلام کی معیت میں آنے والے فرشتے ملک الحبال نے اہل طائف کو تباہ کرنے کی اجازت مانگی، مگر حضورِ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم نے اہل طائف کے حق میں دُعا سے رحمت و

ہدایت ہی مانگی اور ارشاد فرمایا: ”میں تمہیں چاہتا ہوں کہ ان کو نیست و نابود کر دیا جائے، بلکہ  
میں امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو اس کی  
عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے۔“ (بخاری مسلم۔ مدارج النبوة)

## سلسلہ نبوت کے مزید واقعات

اسی سال رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم نے رحلتِ سیدہ خدیجہ الکبریٰ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد حضرت ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ قریشہ اور حضرت  
سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نکاح فرمایا۔ اس وقت حضرت  
سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر صرف چھ برس کی تھی، جبکہ زفاف  
مدینہ طیبہ میں جا کر ہوا بعض سیرت نگار تحریر فرماتے ہیں کہ اسی سال رسول کریم شفیعِ عظیم  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شرفِ معراج سے نوازے گئے۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ  
نے معراج شریف کا واقعہ پانچ سن نبوت تحریر فرمایا ہے، جبکہ بعض نے ایک یا دو  
سن نبوت بھی تحریر فرمایا ہے۔ مدارج النبوة میں بارہ سن نبوت درج ہے واللہ تعالیٰ اعلم

اسی سال جبکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم طائف سے واپس مکہ مکرمہ  
تشریف لائے تھے تو راستہ میں (دادی بطنِ نخلہ میں) جنوں کی جماعت نے قرآن کریم کی  
تلاوت سن کر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ اقدس پر اسلام قبول کیا۔

## نبوت کا گیارھواں سال، بیعتِ عقبہ اولیٰ

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم کی عادتِ کریمہ

تھی کہ جو نہی خبر ملتی کہ کسی دوسرے شہر سے کوئی قافلہ مکہ مکرمہ میں آیا ہے، تو آپ  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوراً ان کے پاس تشریف لے جاتے اور نہایت احسن طریقہ  
سے دعوتِ اسلام دیتے۔

نبوت کے گیارھویں برس زمانہ حج میں میدانِ منیٰ کے اندر حضور سرورِ کائنات

فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات بنو خزرج کے ایک قافلہ کے ساتھ ہوتی جو کہ مدینہ طیبہ کا رہنے والا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دینِ اسلام کی طرف بلایا اور فرمایا: ”حق تعالیٰ نے مجھے منصبِ رسالت عطا فرمایا ہے، اگر تم میری متابعت کرو گے تو دنیا و آخرت میں نیک اور سعادت مند رہو گے۔“

انہوں نے چونکہ مدینہ منورہ کے یہودیوں سے سن بکھا تھا کہ ”نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ کا زمانہ قریب آ گیا ہے“ اس لئے سب انہوں نے حضور نبی اکرم رحمۃ عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے قرآن کریم کی تلاوت سنی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جمال باکمال کا مشاہدہ کیا، تو ایک دوسرے سے کہنے لگے: خدا تعالیٰ کی قسم! یہ وہی نبی ہیں کہ یہودیوں کے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ سہم ان پر ایمان لاؤ تمہیں قومِ عاد کی طرح قتل کر دیں گے، اس وقت کو غنیمت جانو اور ان پر ایمان لے آؤ تاکہ مدینہ والوں میں سے کوئی تم پر سبقت نہ لے جائے، چنانچہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعتِ اسلام کی یعنی سب کے سب مسلمان ہو گئے، ان کی تعداد چھ تھی۔ یہ بیعت منیٰ کی پہاڑی میں اُس عقبہ کے قریب ہوئی جسے ”جمرۃ العقبہ“ کہتے ہیں۔ (مدارج النبوة)

سیرت ابن ہشام کے مطابق بیعتِ عقبہ اولیٰ میں بارہ اصحاب شامل تھے۔ (سیرت ابن ہشام)

**نبوت کا بارہواں سال، بیعتِ عقبہ ثانی** بیعتِ عقبہ اولیٰ کے بعد مدینہ منورہ میں حضور نبی اکرم رسولِ مختتم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خوب چرچا ہوا، بلکہ یوں کہتے کہ مدینہ طیبہ کے گلی کوچہ و بازار سب کے سب ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منور ہو گئے۔ چنانچہ آئندہ برس موسمِ حج میں قبیلہ اوس و خزرج کے بارہ افراد مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے اور فیضانِ نبوت

سے مالا مال ہو کر واپس لوٹے۔ ان صحابہ کرام نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان باتوں پر بیعت کی :-

(۱) ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

(۲) ہم چوری اور زنا کاری نہیں کریں گے۔

(۳) ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔

(۴) ہم نہ تو کسی پر جھوٹی تہمت لگائیں گے اور نہ ہی جھگلی کریں گے۔

(۵) ہم ہر اچھی بات میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے۔

**مُبلِّغ اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ** جب یہ لوگ واپس جانے لگے، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

ان کو دین اسلام کی تعلیم دینے کے لئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ روانہ کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک امیر گھرانے کے لاڈلے چشم و چراغ تھے۔ نہایت قیمتی لباس زیب تن فرماتے اور جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے، تو ان کے آگے بچھٹیلے چلا کرتے تھے، یہ بڑی مٹھاٹھ سے شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے، لیکن انہوں نے ایمان اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ مدینہ طیبہ میں عموماً ان کے کندھوں پر کھیل کا ایک پُرانا ٹکڑا ہوتا جسے وہ اگلی طرف سے کبکرو وغیرہ کے کانٹوں سے اٹکالیا کرتے تھے۔

**اعلان نبوت کا تیرھواں سال** حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جا کر

اُترے تھے۔ اہل مدینہ ان کو "المُقرئ" یعنی "پڑھانے والا" کہا کرتے تھے۔ لوگ ان کی کوششوں سے دینِ مسطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ جب قبیلہ بنو نضیر کے سردار اسید بن حنییر اور قبیلہ بنو عبدالمشہل کے سردار اسعد بن معاذ کو پتہ چلا کہ شہر مدینہ میں ایک نئے مذہب کا

پر چار سو رہا ہے، تو دونوں سردار غصہ سے بھر گئے۔ سعد بن معاذ، حضرت سعد بن زرارہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ماموں کے بیٹے تھے، انہوں نے اُسید بن حضیر سے کہا کہ پہلے تم جاؤ سعد بن زرارہ اور نوادار سے کہہ دو کہ اس نئے دین کی اشاعت سے باز آ جائیں اگر وہ نہ مانیں، تو مجھے آکر بتانا، میں خود ہی نمٹ لوں گا۔ اُسید بن حضیر اپنے ہاتھ میں نیزہ پکڑے حضرت سعد بن زرارہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس باغ میں پہنچے اور ان دونوں کو بہت سی گالیاں دیں اور کہا کہ تم ہمارے احمق اور نادان لوگوں کو پھنسانے کے لئے آئے ہو۔ جواباً حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر میری بات سُن لیں۔ اگر پسند آئے تو قبول کر لیں، اگر ناپسند ہو تو رد کر دیں، یہ سُن کر اُسید بن حضیر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو قرآن کریم سُنایا تو ان پر اس قدر اثر ہوا کہ اسی وقت مسلمان ہو گئے اور فرمایا: میں تمہارے پاس سعد بن معاذ کو بھیجتا ہوں، اگر وہ مسلمان ہو گیا، تو سمجھ لو سب روکاوٹ دور ہو گئی۔ یہ کہہ کر اُسید سعد بن معاذ کے پاس پہنچے اور کہا کہ میں نے ان کو سمجھا دیا ہے، البتہ تم خود بھی جا کر ان کو سمجھا دو، چنانچہ سعد بن معاذ بھی نیزہ لے کر ان دونوں بزرگوں کے پاس پہنچے اور ان کو بہت سخت و سست کہا، ان کی تُرش رُوئی کے جواب میں حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت نرم رویہ اختیار کیا اور کہا کہ تھوڑی دیر شریف رکھیں، میری بات تو سُن لیں، اگر میں غلط کہوں تو انکار فرمادیں اور اگر صحیح کہوں تو قبول فرمائیں۔ حضرت سعد نے بھی اس بات کی تائید کی۔ اس پر سعد بن معاذ بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کئے اور قرآن کریم کی تلاوت بھی کی۔ خوش بخت سعد بن معاذ بھی اُسی گھڑی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گئے۔ پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے قیدیوں کے سب مرد و زن اکٹھے کئے اور پوچھا: اے ابنِ عبدالشہل بتاؤ تم لوگوں کی میرے بارے میں کیا رہنے ہے؟ سب نے کہا: تم ہمارے سردار ہو تمہارا فیصلہ اور

تمہاری رائے ہم سے بہتر اور افضل ہے۔“

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو پھر غور سے سنو، خواہ کوئی مرد ہو یا عورت، میں اُس سے بات کرنا بھی حرام سمجھتا ہوں، جب تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لائے۔“

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوششوں سے مدینہ طیبہ میں اسلام کا خوب چرچا ہوا۔ چنانچہ سلسلہ سن نبوی کو مدینہ منورہ سے ایک وایت کے مطابق ۳۱ مرد اور دو عورتوں پر مشتمل راست زوں کا قافلہ یام تشریق میں اُسی متبرک مقام پر پہنچا جہاں قبل ازین علامانِ حضور و رکنین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) شرف بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ رات کے اندھیرے میں حضور سید عالم شفیع اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا حضرت عباس کو ساتھ لے کر ان کے پاس تشریف لائے۔ اگرچہ حضرت عباس ابھی تک ایمان نہ لائے تھے، مگر وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصارِ مدینہ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”اے قوم! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے اندر نصب شرافت اور عظمت کے اعتبار سے بہت بلند درجہ رکھتے ہیں۔ ہم نے ان کو اس نئے دین سے ہر چند باز رہنے کو کہا، لیکن یہ نہ ملنے اب تم نے ان کی حمایت کا پروگرام بنایا ہے اگر تم وفائے عہد کا مستحکم اور مضبوط عزم رکھتے ہو اور تمہیں اپنی جانوں پر مکمل اعتماد اور ہمسو ہے۔ اگر تم شدید ترین حالات میں بھی وفاداری اور موافقت کر دو گے تو ٹھیک ہے، ورنہ ابھی کہہ دینا کہ بعد میں تمہیں یا ان کو کوئی پریشانی نہ ہو۔“

راست بازوں کی اس جماعت نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتیں بڑے غور سے سُنیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ”آپ فرمائیے، آپ ہم سے جو بھی عہد لینا چاہیں، ہم حاضر ہیں اور یہ گزارش کرتے ہیں کہ



آپ ہمارے شہر (مدینہ طیبہ) میں تشریف لے آئیں۔ اس پر حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کی چند آیات مبارکہ تلاوت فرمائیں اور ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا عہد یہ ہے کہ صرف اُسی کی عبادت کی جائے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اور میرا عہد یہ ہے کہ تبلیغ رسالت میں میری مدد کی جائے، خواہ اس مقصد کے لئے جہاد و قتال بھی کرنا پڑے مجھ سے بیعت و عہد کرو کہ جو میں کہوں گا، تم اسے مانو گے اور اپنا مال و جان و سرِ حال میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے تیار رہو، حق بات کہنے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرو گے اور جب تک میں تمہارے پاس ہوں، تم اپنے مال و جان اور اولاد کی طرح میری حفاظت کرو گے۔ (مفہوم و خلاصہ از سیرت ابن ہشام، انصار نے عرض کیا کہ ہم سب قوموں سے اپنے سابقہ معاہدے ختم کر کے آپ سے عہد وفا باندھتے ہیں، لیکن کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو فتح و نصرت اور غلبہ عطا فرمائے، تو آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر واپس اپنی قوم کی طرف تشریف لے آئیں۔“

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تبستم کناں ہو کر ارشاد فرمایا: (مفہوم) ایسا نہ ہوگا میرا حبیبنا اور مرنا تمہارے ساتھ ہوگا، میری وفات بھی تم میں ہی ہوگی، میں تمہارے ہی گھروں میں ہوں گا، جو تم سے جنگ کرے گا، میں اُس کے ساتھ جنگ کروں گا اور جو تم سے صلح کرے گا، میں تمہارے ساتھ اُس سے صلح کروں گا۔“

خوش نصیب انصار مدینہ نے محبت و عقیدت سے عرض کیا: ہم اپنا مال و جان آپ کے قربان کرنے کو تیار ہیں، فرمائیے آخرت میں اس کا کیا بدلہ ملے گا؟ تو ارشادِ ذی شان ہوا:

جَنَّتْ تَجْرِي مِیْ تَحْتِہَا (لَا تَهْمَا)۔ (”وہ جنتیں کہ جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں“)

یہ سن کر انصار مدینہ خوشی سے جھوم اُٹھے اور کہنے لگے:

بِیْعِ الْبَیْعِ بِسْمِ اللّٰہِ یَا دَسُوْلَ اللّٰہِ اَبْسُطْ یَدَکَ  
فَقَدْ بَايَعْنَاکَ۔

”یعنی یہ تو بڑے نفع کا سودا ہے بسم اللہ، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اپنا دستِ اقدس بڑھائیے اور ہماری بیعت قبول فرمائیے۔“  
 چنانچہ وہ سب کے سب دستِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والتّشاد پر شرفِ بیعتِ مکشوف ہو گئے، اس وقت سب سے اول بیعت کرنے والے خوش نصیب حضرت برابر بن معرورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہ واقعہ نبوت کے تیرھویں سال ماہ ذوالحجہ میں ہجرت سے تقریباً تین ماہ قبل پیش آیا

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان بارہ تقیبوں کا تقرّر کیا۔ اس سے بارہ خوش نصیبوں کا انتخاب فرماتے ہوئے فرمایا جس طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہا السلام) نے اپنے لئے بارہ شخصوں کو چن لیا تھا، اسی طرح میں بھی تمہارا انتخاب کرتا ہوں تاکہ تم اہلِ یثرب میں اشاعتِ اسلام کرو، اہلِ مکہ میں یہ کام میں خود کروں گا۔“  
 منصبِ نقابت پر درج ذیل صحابہ کرام کا تقرّر ہوا۔

قبیلہ بنو خزرج سے نو حضرات :- (۱) حضرت اسعد بن زرارہ (۲) حضرت رافع بن مالک (۳) حضرت عبادہ بن صامت (یہ تینوں حضرات بیعتِ عقبہ اولیٰ میں بھی شامل تھے) (۴) حضرت سعد بن بیع (۵) حضرت منذر بن عمرو (۶) حضرت عبداللہ بن واہ (۷) حضرت برابر بن معرورہ (۸) حضرت عبداللہ بن عمرو (۹) حضرت سعد بن عبادہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

جبکہ قبیلہ اوس سے تین حضرات :- (۱) حضرت اسید بن حضیر (۲) حضرت سعد بن خثمہ (۳) حضرت ابوالہشیم بن تیہان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)



## باب سوم

## ہجرت مدینہ منورہ سے سال مبارک تک

اس عقبتہ ثانیہ کی بیعت کے بعد نبی اکرم رحمت عالم  
 ترکِ وطن کی اجازت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجبوراً و مظلوم مسلمانوں کو  
 ترکِ وطن کر کے مدینہ منورہ جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ ہجرت کرنے والوں کو اہل مکہ  
 (کفار) کی سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، بہت تکالیف اٹھائیں، سخت مصائب آلام و شدت  
 کرنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ کی کرپڑا رحمتوں کا نزول ہوا، اُن نفوسِ قدسیہ پر کہ انہوں نے ظلم و ستم  
 برداشت کئے، اپنے اہل و عیال، اپنے مال و دولت کو قربان کیا، اپنے پیارے وطن کو خیر باد کہا،  
 خانماں بربادوں نے پوری چھپے بھاگ کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک کئی سو میل کا نہایت  
 دشوار گزار سفر طے کیا، مقصد صرف یہ پیش نظر تھا کہ مدینہ منورہ جا کر خدائے وحدہ لا شریک  
 کی عبادت پوری آزادی سے کر سکیں۔ ع "خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را"  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے جب اکثر مسلمان ہجرت کر کے  
 ہجرت مدینہ طیبہ میں جا بسے اور مکہ مکرمہ میں گنتی کے چند مسلمان رہ گئے، یعنی مشہور صحابہ  
 میں صرف حضرت ابو بکر صدیق اور علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی باقی رہ گئے، تو قریش اس  
 صورتِ حال پر مشورہ کرنے کے لئے "دار الندوہ" میں جمع ہوئے۔ اس اجلاس میں شیطان  
 لعین بھی تجربہ کار بوڑھے نجدی و شیخ نجدی کی صورت میں شامل گفتگو ہو گیا۔ اس اجلاس  
 میں مکہ مکرمہ کے مشہور و نامور سردار شامل تھے، گفتگو شروع ہوئی، تو ایک نے کہا: اگر تم

لہ سیرت نگار و مؤرخین حضرات نے اس کا نام عقبتہ ثانیہ رکھا ہے، جبکہ واقعاتی اعتبار سے

یہ یقیناً واقعہ ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) ۱۲ منہ

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے جان چھڑانا چاہتے ہو تو یوں کرو کہ اُن کو ایک ایک کمرے میں قید کر دو اور وہیں تڑپ تڑپ کر مر جائے۔“

اس تجویز کو بوڑھے نجدی نے رد کر دیا اور بولا: ”نہیں، یہ ٹھیک نہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قید ہونے کی خبر ضرور پھیل جائے گی اور اُن کے ساتھی نہ صرف یہ کہ اُن کو چھڑا کر لے جائیں گے، بلکہ طاقت پاکر تمہیں بھی فنا کر دیں گے۔“

اس پر ایک کافر بولا، ہم اسے کسی تند خور اور سرکش اڈنٹ پر بٹھا کر اپنے شہر مکہ سے نکال دیتے ہیں یا تو وہ پہاڑوں میں گر کر مر جائے گا یا پھر کسی طرف نکل جائے گا، پھر ہم سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

یہ بوڑھا نجدی بولا: ”یہ رائے بھی درست نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے ڈر ہے کہ اگر تم ایسے کیا، تو وہ عرب کے جس قبیلہ میں بھی ٹھہرے گا، اپنی شبیریں گفتار اور خوبی کلام سے اُس قبیلہ کو اپنا گرویدہ بنا لے گا، پھر اُن کے ساتھ تم پر حملہ کر دے گا، کوئی اور بات سوچو۔ بالآخر ابو جہل لعین کی تجویز کو بوڑھے نجدی سمیت سب اہل جلسہ نے منظور کر لیا اور وہ تجویز یہ تھی: ”ہر قبیلہ میں سے ایک ایک جوان مرد، نو عمر، قوی اور شریف النسب لیں ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک تلوار دے دیں۔ یہ سب بہادر، رات کی تاریکی میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر کو گھیرے میں لے لیں اور جب صبح منہ اندھیرے نماز کے لئے گھر سے باہر نکلیں، تو یک نخت سب جوان اپنی تلواروں سے اس پر حملہ کر کے قتل کر دیں۔ اس طرح اُس کا خون تمام قبائل پر بٹ جائے گا۔ پھر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا قبیلہ یا اُس کے ماننے والے سب قبائل کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور مجبوراً خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے۔“

شب بھرت تدریس یا اوراد و خلائق عالم جل شانہ نے اپنے نبی مکرم رسول محترم اِدھر تو کفارِ مکہ نے اس مکروہ تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کا پروگرام

صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کو اس میں عظیم سے مطلع فرما کر حکم دیا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر  
حضرت علی المرتضیٰ اکرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، کوٹا دو اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔

رات کے وقت جبکہ کفار مکہ نے کاشانہ نبوت کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔  
شیطان لعین اپنے چیلوں کی کارکردگی پر مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر رسول  
محترم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے اپنے پیارے چچا زاد بھائی حضرت علی المرتضیٰ اکرم اللہ  
وجہہ الکریم کو اپنے حضور طلب فرمایا اور حکم دیا کہ اے علی! تم میرے بستر پر پیری سبز رنگ  
کی چادر اوڑھ کر سو جاؤ، مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے، تم مطمئن رہو کفار تمہارا کچھ  
بھی نہیں بگاڑ سکیں گے، تم میرے بعد لوگوں کی امانتیں واپس کر کے مدینہ منورہ  
چلے آؤ، جاں نثار سرور کونین حضرت علی المرتضیٰ اکرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، توجاریا بی  
پر لیٹ گئے اور حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم بلند آواز سے  
سورہ یسین شریفہ کی تلاوت فرماتے ہوئے اپنے خانہ اطہر سے باہر تشریف لائے۔  
دروازے پر بہت سے کفار ابو جہل لعین کی معیت میں ننکی تلواریں لئے کھڑے تھے  
حضور نبی اکرم رسول مخلص صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم بلند آواز سے تلاوت فرماتے ہوئے  
ان کے درمیان میں سے گزر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم مسطحی بھر بھر کر  
ان سیاہ بختوں کے سروں پر خاک بھی ڈالتے جاتے تھے، مگر یہ دل کے اندھے اور  
کور باطن یوں مت بنے کھڑے تھے، گویا کہ ان کے جسم سے روح نکال لی گئی ہو۔ میرے آقا  
رسول عربی (فداہ رُوحی و جسدی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم پوری شان و شوکت کے  
ساتھ خراماں خراماں چلتے ہوئے ان کے درمیان میں سے گزر گئے اور ان کو بہت بھی نہ  
چل سکا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کے گھر پہنچے اور ان کو تیاری کا حکم دیا۔ جاں نثار غلام حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے بڑی تیزی سے سامانِ سفر درست کیا اور اسی شب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور جاں نثار ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے، رات کا بقیہ حصہ مکہ مکرمہ سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر جبلِ ثور کی چوٹی کے قریب واقع ایک غار میں گزارا۔

کفارِ مکہ ابھی تک تلواریں لئے دروازہ نبوی پر کھڑے تھے، معانئ کے پاس ایک خمیدہ عمر بڑھا آیا اور ان سے پوچھا: تم یہاں تلواریں لئے کیوں کھڑے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے منتظر ہیں کہ وہ اپنے گھر سے نکلیں اور ہم ان کو (معاذ اللہ) قتل کر دیں۔ یہ سن کر وہ بولا: اللہ کی قسم! وہ تو تمہارے درمیان سے گزر کر چلے گئے ہیں، اور جاتے ہوئے تمہارے سروں پر مٹی بھی ڈال گئے ہیں۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ان میں سے ہر شخص نے سر پر ہاتھ پھیرا تو دیکھا کہ سر مٹی سے بھرا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے مزید تصدیق کے لئے دیوار پر چڑھ کر اندر جھانکا تو بستر پر کسی کو لیٹے دیکھ کر مطمئن ہو گئے اور سمجھے کہ بڑھے کو غلطی لگی ہے، ابن عبد اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تو ابھی سوئے ہیں، لیکن صبح کو جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بستر سے اٹھئے، تو کفار کو سخت ندامت ہوئی اور انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے دریافت کیا کہ بتاؤ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہیں؟ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے بڑی بہادری سے جواب دیا۔ مجھے کیا معلوم کہ وہ اس وقت کہاں ہیں، کیا دروازہ پر میرا پہرہ تھا؟ تم لوگوں نے تو خود ہی تو ان کو جانے دیا۔ بدبخت کفار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نکل پڑے اور کچھ گستاخیاں کیں، پھر جھوڑ کر چلے گئے۔ (تاریخ طبری)





## قبائیں جلوہ گری

تین روز و شب غار ثور میں رہنے کے بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر (سُرور المحزون کے مطابق) مؤرخہ ۸ ربیع الاول شریف تیرہ سن نبوت کو، قبائیں تشریف لائے۔ بخاری شریف میں ہے کہ وہ دو شنبہ یعنی پیر کا دن تھا۔ جب سے اہل مدینہ نے یہ سنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ چھوڑ دیا ہے۔ یہ سب روزانہ صبح سویرے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر بلند ٹیلوں پر بیٹھ کر مکہ مکرمہ سے آنے والے راستے کو دیکھتے رہتے تاکہ جمالِ جہاں آرا سے استفادہ ہو۔ یہ روزانہ دو پہر کے وقت تک یہاں بیٹھے رہتے۔ ایک دن یہ حضرات القدس انتظار کر کے ابھی واپس کوٹے ہی تھے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ ایک یہودی نے پکار کر کہا کہ اے لوگو! جن کے تم منتظر تھے وہ آگئے۔ معاودہ سب کے سب خوشی سے بے تاب ہو کر نعرۂ ہائے تکبیر بلند کرتے اور نعتِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے ترانے گاتے ہوئے دیوانہ وار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گردِ حاکم و جمع ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں چند روز قیام فرمایا۔ اسی جگہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بھی پا پیادہ چلتے ہوئے حاضر خدمت ہو گئے بلکہ مکہ سے مدینہ طیبہ تک کے طویل پیدل سفر کی وجہ سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے جو کہ مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ اقدس کے لمس سے اُسی وقت ٹھیک ہو گئے۔ اس مختصر سے قیام کے دوران رسول اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قبائیں اس بے مثال مسجد کی تعمیر فرمائی جسے قرآن مجید نے اُمّتی علی الثَّقَوٰی کے پیارے لقب سے نوازا اور رسولِ خدا حبیبِ کبریٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو شخص اس مسجد میں دو رکعت نماز نفل پڑھے،  
اُسے اللہ تعالیٰ عمرہ کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے۔“

## مدینہ طیبہ میں تشریف آوری

(یکم سن، ہجری، بمطابق ۶۲۲ء)

قباء میں چند روز قیام فرماتے کے بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وصحبہ وسلم نے  
مدینہ طیبہ میں داخلے کا عزم فرمایا۔ یہ جمعۃ المبارک کا دن تھا اور عند بعض ربیع الاول  
کی بارہ تاریخ تھی، جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قباء سے سوار ہو کر منوسالم کے  
گھروں تک پہنچے، تو جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسی جگہ تقریباً  
سو آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی، یہ اسلام میں پہلا جمعہ تھا اور جس جگہ جمعہ ادا  
کیا گیا، اس جگہ مسجد بنادی گئی، جس کا نام مسجد جمعہ ہے۔

نماز جمعہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جنوب کی جانب سے  
اس شہر میں داخل ہوئے جسے اس وقت تک دُنیا والے یثرب کہا کرتے تھے۔ اسے  
بلاؤں اور مصیبتوں کا مرکز گردانا کرتے تھے۔ بیماریوں اور وباؤں کی اس آماجگاہ میں  
حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدمِ انور کی برکت سے اس قدر رحمت نازل  
ہوئی کہ نہ صرف بلائیں اور وباؤں سے بچ کر ہو گئیں، بلکہ اس کی مٹی بھی خالص شفا بن گئی اور  
رسول خدا حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک ارشاد فرمادیا کہ  
دُنیا کے دوسرے شہروں میں وبا کی امراض طاعون وغیرہ اور دِقَالِ لعین آسکتی  
مگر مکہ مکرمہ اور میرے مدینہ طیبہ میں یہ ہرگز نہ ہو سکتے۔ سبحان اللہ تعالیٰ  
خداوندِ کریم تمام مسلمانوں کو ان تمام وباؤں اور بلاؤں سے محفوظ و مامون فرمائے۔



# حَاشِنِ آدِرِ سُولِ ﷺ

مدینہ طیبہ میں رسول خدا، سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا داخلہ عجب شاندار تھا۔  
لوچے تحمید و تقدیس کے کلمات ذی شان سے گونج اٹھے۔ صحیح مسلم شریف باب الہجرة  
حضرت برابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالتِّسَاعُ فَوْقَ  
يُؤْتِ وَتَفَرَّقَ الْعُلَمَاءُ وَالْخُدُمُ فِي الطَّرِيقِ يُنَادُونَ يَا مُحَمَّدُ  
رَسُولَ اللَّهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ - (مسلم شریف)

”یعنی (حضور سرورِ کونین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں  
شریف آوری کے وقت) عورتیں اور مرد اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ بچے اور غلام  
مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں گھومتے ہوئے (یعنی جلوس کی شکل میں) یا محمد۔ یا رسول اللہ  
محمد، یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نعرے لگاتے پھر رہے تھے)۔  
عورتیں، مرد، بچے بوڑھے سبھی نورِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا  
کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے سراپا چشم بن گئے تھے۔ انصار کی معصوم و نوزیر لڑکیاں  
بیارے لہجے اور پاکیزہ زبان سے نعتِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے یہ شعر  
لاپ رہی تھیں:۔

مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

(۱) طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا

مَا دَعَى إِلَهُ دَاعٍ

(۲) وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا

جِئْتُ بِالْأَمْرِ الْمَطَاعِ

(۳) أَيْتُهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا

(۱) ”ثنیّات الوداع نامی پہاڑوں کی جانب سے (یہ گھاٹی مکہ مکرمہ کی

راہ پر ہے) ہم پر چودھویں شب کا چاند طلوع ہو گیا ہے۔“

(۲) ”ہم پر واجب ہے کہ شکر ادا کریں کہ داعی الی اللہ جلوہ گر ہو گئے۔“

۳، اے ہمارے پاس تشریف لانے والے! آپ ہم پر وہ دین متین لے کر تشریف لائے ہیں کہ جس کی اطاعت نہایت ضروری ہے۔“

جبکہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ننھیال قبیلہ بنو نجار کی بھولی بھالی بچیاں خوشی سے جھوم جھوم کر دف بجاتی ہوئی کہہ رہی تھیں:۔

نَحْنُ جَوَارِمٌ مِّنْ بَنِي النَّجَّارِ يَا حَبِذَ الْحَمْدِ اَمِوْجِبَارِ

اس کا ترجمہ حفیظ جالندھری مرحوم نے اپنے الفاظ میں یوں کیا کہ۔

کہ ہم ہیں بچیاں نجار کے عالی گھرانے کی

خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی

غرضیکہ جشن کا ایک عجب سماں تھا۔ حضور نبی اکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار اُن کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ جملہ قبائل انصار کے لوگ اپنی آنکھوں کو سر راہ بچھا کر، سر اپا نیاز بن کر رسول محترم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دامن کرم کو تھام کر عرض کر رہے تھے: ہمارے غریب خانہ میں قیام فرما کر نعمت و ثروت کے اظہار اور خدمت گاری اور جاں نثاری کی سعادت مرحمت فرمائیں۔ حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کے حق میں دُعا سے رحمت و برکت فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے: مِیرِی یہ اُونٹنی مَا مُوَدُّ مِّنَ اللّٰہِ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جائے قیام کا بتا دیا گیا ہے) اس کی رسی کو چھوڑ دو، یہ جہاں بیٹھے گی وہی جگہ قرار گاہ ہوگا۔ چنانچہ یہ اُونٹنی جب اس جگہ پہنچی جہاں اب مسجد نبوی شریف ہے، تو اس جگہ بیٹھ گئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُسی جگہ سوار بیٹھے۔ کھوڑی ہی دیر بعد اُونٹنی کھڑی ہوئی اور چند قدم آگے بڑھ کر گھومی اور پھر پہلی جگہ حضرت ابوایوب انصاری

لے انصار کا معنی ہے مد نگار، یہ لفظ مدینہ طیبہ کے پرانے باشندوں کے لئے بولا جاتا ہے یعنی صحابہ کرام میں جو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے، اہل مدینہ اس مہاجر بھائی کی دل کھول کر مدد کرتے۔ ۱۲

نبی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازہ کے بالکل قریب آکر بیٹھ گئی۔ حضرت ابویوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا کہ آفتابِ منتظر بامِ عروج تک پہنچ گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشی خوشی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وہ مختصر سا سامانِ ضرورت جو اونٹنی پر لدا ہوا تھا اتارا اور اپنے گھر لے گئے اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اَلْمَسْعُوعَ رَحْلِهِ فرماتے ہوئے حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو نزولِ سعادت کی برکت سے مشرف فرمایا۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ۔ (ابنِ مسعود) جس جگہ اُونٹنی بیٹھی تھی اور گھومی تھی، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسی جگہ (بحکمِ خدائے کم یزل) مسجد بنانے کے ارادہ کا اظہار فرمایا۔ یہ جگہ بنوِ نجار کے دو یتیموں کی تھی انہوں نے بغیر کسی قیمت کے جگہ پیش کی، مگر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمانے سے انکار کر دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ بغیر قیمت ادا کئے تمہاری جگہ نہیں لوں گا، پھر دس مثقال سونا قیمت ادا فرما کر جگہ خرید لی اور اسی جگہ مسجد نبوی شریفہ کی تعمیر کا آغاز فرما دیا۔ مسجد شریفہ کی ابتدائی وسعت صاحبِ مدارج النبوة کے مطابق جنوب یعنی قبلہ سے شمال تک چوڑا اور مشرق سے مغرب کی طرف ساٹھ گز تھی۔ اول تعمیر میں قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ بعد ازاں بیت اللہ کی طرف کیا گیا۔ مسجد میں نہ تو کوئی زیبِ زینت تھی اور نہ ہی موجودہ محراب کی شکل و صورت تھی۔ موجودہ شکل میں محراب کی علامت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ میں ایجاد کی گئی۔ بدعت ہے (یعنی نئی چیز) جو کہ آج تک جاری ہے تعمیر مسجد میں خود سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مزدوروں کی طرح کام کر رہے تھے اور صحابہ کرام کے ساتھ اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر معمار کو عطا فرما رہے تھے۔ مسجد کے پہلو میں اندراجِ مطہرات کے لئے چند حجرے کچی اینٹوں سے بنائے گئے اور ان پر کھجور کی شاخوں کی چھت ڈالی گئی۔ ان ہی مقدس و عظیم حجراتِ النور میں وہ حجرہ بھی شامل تھا، جسے آج رسول

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس تعمیر کے بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان سے حجرات مبارکہ میں منتقل ہو گئے۔ (مدارج و ابن ہشام)

۹ شوال المکرم، یکم سن ہجری کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زفاف فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح سلسلہ نبوت میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہو چکا تھا، جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارکہ اس وقت صرف چھ برس کی تھی اور بوقت زفاف عمر شریفہ ۹ سال کی تھی۔

ت اس سال رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انصاری

مہاجرین میں رشتہ موخات (بھائی چارہ) استوار فرمایا، یعنی ایک ایک مہاجر صحابی اور ایک ایک مدینہ طیبہ کے پرانے باشندے (انصار صحابی) کو آپس میں بھائی بھائی بنایا۔ یہ رشتہ موخات بالکل سگے بھائیوں کی طرح تھا، حتیٰ کہ ایک دوسرے کی جائیداد کے وارث بھی ہوتے تھے۔ یہ عہد موخات آیہ مبارکہ اُولَٰئِیْنَ اَدْحَامٍ لِّبَعْضِهِمْ اُولَٰی فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ ط (رحم یعنی شکم مادر کے رشتہ والے اللہ تعالیٰ کے قرآن میں ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہیں) کے نازل ہونے کے بعد منسوخ ہوا۔

اسی سال حالت قیام میں رکعات نماز میں اضافہ ہوا جیسا کہ کعات نماز میں اضافہ صحیح بخاری شریف میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ دو دو رکعت نماز فرض کی گئی تھی اور سفر کی نماز کو پہلے تیرہ پر قرار رکھا گیا۔ (بخاری شریف)

کعات نماز میں اضافہ صحیح بخاری شریف میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ دو دو رکعت نماز فرض کی گئی تھی اور سفر کی نماز کو پہلے تیرہ پر قرار رکھا گیا۔ (بخاری شریف)

کعات نماز میں اضافہ صحیح بخاری شریف میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ دو دو رکعت نماز فرض کی گئی تھی اور سفر کی نماز کو پہلے تیرہ پر قرار رکھا گیا۔ (بخاری شریف)



صاحبِ مواہب لدقیہ کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوتے، دو ماہ گزرے تھے اور عند البعض ایک سال گزرا تھا کہ رکعات نماز میں اضافہ ہوا، اس سے قبل مغرب کی تین رکعتیں تھیں، باقی سب کی دو رکعتیں، اس کے بعد ظہر، عصر اور عشاء میں دو رکعت کا اضافہ ہو گیا اور نماز فجر کی دو رکعتیں بدستور برقرار رہیں کہ ان کی قرأت طویل ہے اور نماز مغرب بھی بدستور قائم رہی کہ یہ دن کے وتر ہیں۔ اسی سال بھیڑیتے نے چرواہے کے سامنے فصیح عربی زبان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔

اسی سال حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام حضرت اسعد بن زرارہ، کلثوم بن الہدم اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سحلت مبارکہ ہوئی۔

## سنہ ہجری - مشہور واقعات بطابق

ابتداءً قبلہ بیت المقدس تھا۔ مدینہ طیبہ میں رسول کائنات **تحویل قبلہ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ گری کو ۱۶ ماہ اور عند البعض سترہ ماہ گزرنے تک قبلہ بیت المقدس ہی رہا۔ پھر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش پر قبلہ خانہ کعبہ کو قرار دے دیا گیا۔ یہ واقعہ خاندان بنو سلمیٰ کی بستی میں عین اُس جگہ پیش آیا، جہاں آج مسجد قبلتین بنی ہوئی ہے۔ نبی محترم، رسول مکرم، شفیع معظم، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ نماز ظہر ادا فرما رہے تھے اور عین حالت نماز میں نزول وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف آثارِ ملا حظہ فرمانے کے منتظر تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شدید خواہش تھی کہ قبلہ خانہ کعبہ کو قرار دے دیا جائے۔ اسی حالت میں جبریل امین علیہ السلام کو پیغام

خداوندی لے کر حاضر خدمت ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قَدْ نَوَىٰ  
تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ  
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ رِسْوَةَ الْبَقَرَةِ ۚ (اے محبوب کریم!)  
علیک الصلوٰۃ والسلام ہم آپکا بار بار آسمان کی طرف دیکھنا ملا حطہ فرما رہے ہیں، تو  
ضرور ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے، جس میں آپ کی خوشی ہے، تو ابھی اپنا  
منہ مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کی طرف پھیر دو۔ چنانچہ اُسی وقت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم نے دوران نماز ہی اپنا رخ انور بیت المقدس سے ٹھہرا کر حرم کعبہ کی  
طرف فرمایا، اسی طرح سب صحابہ کرام بھی ٹھہوم گئے۔

مشہور ہے کہ جنابہ سیدہ فاطمہ  
حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ  
سلسلہ کوہ ہوا۔ جامع الاصول میں ہے کہ غزوہ اُحد کے بعد ہوا۔ بوقت نکاح  
حضرت سیدہ زائدہ عابدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارکہ  
سولہ یا اٹھارہ برس کی تھی، جبکہ امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم  
کی عمر شریفہ اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ  
میں اُس وقت وہاں موجود تھا، جب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی  
ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: اے انس! رب العرش کے  
حضور سے جبریل امین علیہ السلام، میرے پاس پیغام لے کر آیا ہے کہ سیدہ فاطمہ الزہراء  
کا نکاح علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، سے کر دیا جلتے۔ اے انس! تم جاؤ اور  
ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر اور جماعت انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلاؤ، چنانچہ  
جب سب حاضر ہوئے تو رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی

اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا  
 نکاح چار سو مثقال چاندی سے مہر پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا،  
 اور فرمایا: اے علی! کیا تم قبول کرتے ہو؟ اور راضی ہو؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 نے عرض کیا: میں نے قبول کیا اور راضی ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 نے ایک طباق کھجوروں کا لیا اور جماعت صحابہ پر بکھیر دیا۔ اسی بناء پر فقہاء کی  
 ایک جماعت کہتی ہے کہ عقد نکاح کی ضیافت میں کھجوروں وغیرہ کا بکھیر کر سلطان  
 مستحب ہے۔ (مدارج النبوة)

۲۷ میں رمضان المبارک کے

**زکوٰۃ، روزہ رمضان نماز عید اور روزے فرض ہوئے۔ اسی سال**  
**صدقہ فطر و حکم جہاد،** نماز عید اور صدقہ فطر کا حکم ہوا۔  
 زکوٰۃ بھی اسی سال فرض ہوئی۔ (البتہ مواہب لدنیہ میں ہے کہ زکوٰۃ قبل از ہجرت فرض  
 ہو چکی تھی) اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد و قتال کا حکم بھی اسی سال ہوا۔ چنانچہ غزوہ ابواء،  
 سریہ دار ارقم، سریہ حمزہ بن عبد المطلب، سریہ سعد بن ابی وقاص، غزوہ بواط۔  
 غزوہ غنیمہ، غزوہ بدر اولیٰ یا صفوان، سریہ عبداللہ بن جحش وغیرہ اسی سال  
 وقوع پذیر ہوئے۔

ان سب زیادہ شاندار غزوہ بدر کبریٰ بھی اسی سال معرض وجود میں آیا۔ اس  
 مقدس غزوہ سے دین کی عزت و شوکت روشن ہوئی اور ناموس اسلام نمایاں ہوا۔  
 قرآن کریم نے اس عظیم الشان دن کو یوم الفرقان قرار دیا، کیونکہ اس سے حق و باطل  
 کے درمیان فرق و امتیاز رونما ہوا تھا۔ روزِ بدر خلاق عالم حل شانہ نے اسلام اور  
 لہ مثقال کا وزن سا طرے چار ماشہ ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کا جہیز نہایت سادہ تھا، مگر حق مہر چار سو مثقال چاندی تھا۔ ۱۲

اہل اسلام کو غالب اور کُفر کی بنیادوں کو شکست پاتا مال کر کے ذلیل و خوار فرمایا۔ زمانہ آج تک محو حیرت ہے کہ محض تین سو تیرہ نہتے مسلمان کہ جن کے پاس صرف تین گھوڑے چھ ترہیں اور آٹھ تلواریں تھیں، بعض ایسے تھے کہ ان کے بدن پر کرتہ بھی موجود نہ تھا۔ ان ظالم نادار قسم کے اہل ایمان نے دشمنانِ دین کے اس عظیم لشکر کو نہایت بُری طرح شکست دی، جو نہ صرف ان سے تعداد میں کئی گنا زیادہ تھا، بلکہ اس لشکر کا ہر فرد پوری طرح مسلح اور سترنا پا لوہے کے لباس میں چھپا ہوا تھا۔ اسی طرح غرور و تکبر کے یہ پتیلے (کفار لشکرِ اسلام کو دیکھ کر کہہ رہے تھے کہ "خدا تعالیٰ کی قسم! اگر ہماری عورتیں اپنے خیموں کے کھونٹے وغیرہ لے کر میدان میں آجائیں، تو ان کمزور و ناتواں مسلمانوں کو بھل گئے کی جگہ نہ ملے گی۔" مگر تاریخ شاہد ہے کہ دشمنانِ دین ستر نامی گرامی سرداروں اور بہادروں کو مسلمانوں سے تیر تیغ کروا کر میدانِ جنگ سے ذلیل و رسوا ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اسلام اور اہل اسلام کے جاہ و حشمت کے چہرے روشن و تاباں ہوئے۔ شیطان اور اس کے چیلے شرمندہ و رُوسیاہ ہوئے۔ ربِّ کریم اپنے اس احسان و کرم کا ذکر فرماتے ہوئے اہل ایمان سے ارشاد فرماتا ہے کہ "وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ" "یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ اجل شانہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالانکہ تم بے سروسامان اس عزوہ کے لئے حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے انیسویں مہینے یعنی رمضان المبارک کی آٹھ یا بارہ تاریخ کو مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے، اور سترہ رمضان المبارک بروز جمعہ المبارک جنگ واقع ہوئی۔ اس جنگ میں ستر مہاجرین اور دو سو چھتیس انصار صحابہ تھے، مگر عین میدانِ جنگ میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ۳۰۵ صحابہ تھے، بقیہ آٹھ صحابہ یا تو کسی عذر کی وجہ سے میدانِ جنگ میں موجود نہ تھے یا پھر مشرکین کی جستجو میں دایں بائیں موجود تھے، چونکہ یہ سب حضرات حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم و نشان کے

تحت ہی مصروف کار تھے، اس لئے ان کو بھی اہل بدر میں شمار کیا جاتا ہے اس جنگ میں کل چودہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جام شہادت نوش فرمایا، جن میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔ (ابن خلدون - مدارج النبوة)

## سلسلہ ہجری کے مشہور واقعات (۶۲۴ء)

ہجرت کے تیسرے سال بقول علامہ ابن خلدون ماہ محرم الحرام غزوہ غطفان اور بقول صاحب مدارج النبوة و دیگر کتب سیرت ماہ ربیع الاول سلسلہ ہجری میں غزوہ غطفان واقع ہوا۔ اسے غزوہ انمار اور غزوہ تم کہتے ہیں اسی غزوہ میں لشکر کفار کا سپہ سالار ”عشور“ اپنے ہاتھ میں تلوار لئے ایسی حالت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کی خدمت میں آیا، جبکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم لشکر صحابہ سے دور ایک درخت کے نیچے آرام فرما تھے عشور نے آتے ہی کہا: ”اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم) آج کون ہے جو تجھے مجھ سے بچائے گا؟“ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے پورے اطمینان سے جواب دیا: ”میرا اللہ، وہی میرا محافظ ہے۔“ عشور جو کہ ارادہ قتل سے آیا تھا، خود ہیبت زدہ ہو گیا اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے تلوار اٹھالی اور فرمایا: ”بتا کون ہے جو تجھے مجھ سے بچائے گا؟“ وہ بولا: ”کوئی نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”تو بھی کہہ دے: میرا اللہ!“ اس پر اس نے کہا: میں کہتا ہوں:-

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ-

اس کے مسلمان ہونے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے تلوار اسے ہی واپس دے دی۔ یہ جب اپنی قوم کی طرف واپس گئے تو لوگوں نے پوچھا، تم تو بہت بہادر اور بڑے دلیر اور جوانمرد تھے، تمہیں کیا ہو گیا کہ تم تلوار سنوت کر ان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم) سے

کے سرہانے پہنچ چکے تھے، مگر دارکیوں نہ کیا؟ تو جواباً ”دعشور“ نے کہا: میں نے یکایک ایک مرد سفید لباس والے کو دیکھا۔ رکت پ سیرت کے مطابق یہ جبریل امین علیہ السلام تھے۔ اُس نے میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے میں بے بس ہو کر گر پڑا۔ پھر ”دعشور“ نے اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دی اور ان کی کوشش سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

خیال ہے کہ اس غزوہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔

کعب بن اشرف ایک بد بخت یہودی تھا۔  
**کعب بن اشرف کا قتل** یہ اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے ایک تھا۔

واقعہ بدر کی خوشخبری جب مدینہ طیبہ پہنچی، تو یہ غصے سے جل بھن گیا۔ یہ مقتول کفار کی تعزیر کے لئے مکہ مکرمہ گیا اور لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر ابھارنے لگا۔ یہ مقتولین بدر پر نوحہ و مرثیہ خوانی کرتا۔ خود بھی روتا، لوگوں کو بھی رلاتا اور ان کھجڑان کو برا لگیتا کرتا۔ چند روز بعد یہ واپس مدینہ طیبہ آگیا اور اپنے اشعار میں رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں سخت گستاخیاں بکنے لگا۔ علاوہ ازیں اس نے اپنے خبیث باطن کے اظہار کے لئے مسلمان عورتوں کی شان میں بھی نہایت گدے قصائد اور غزلیں لکھنا شروع کر دیں۔ گویا یہ اس طرح مسلمانوں کی غیرت سے کھینے کی کوشش کرنے لگا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طبعِ مبارک پر اس کا یہ فعل ناگوار گذرا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ يَقْتُلْ كَعْبَ بْنَ اشْرَفٍ“ اس پر کعب کے رضاعی بھائی حضرت ابونا مکہ ملک بن سلام حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت عبادہ بن بشر، حضرت حرث بن بشر، حضرت ابوہریرہ بن حیر و غیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے کعب کے قتل کی ذمہ داری قبول کی اور حضرت محمد مسلمہ اور حضرت ابونا مکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نہایت ہوشیاری سے کام



لیتے ہوئے منہ پھٹ گستاخ کعب بن اشرف کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ (ابن خلدون، مدارج)  
 اس سال وقوع پذیر ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
**غزوہ نجران** کا یہ سفر دس یوم کا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے  
 اپنی عدم موجودگی میں حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں  
 خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ (مدارج النبوة)

سریہ فروہ بھی اسی سال وقوع پذیر ہوا۔ اس سریہ کی کمان  
**سریہ فروہ** حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔

مدارج النبوة کے مطابق ابورافع کا قتل بھی اسی سال  
**ابورافع کا قتل** واقع ہوا۔ روضۃ الاحباب کے حوالہ سے منقول ہے  
 کہ عند البعض ابورافع کا قتل چوتھے سال بموجب ایک قول کے پانچویں سال اور  
 ایک قول کے مطابق چھٹے سال واقع ہوا، مگر قول اول قوی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)  
 تاجر حجاز ابورافع بھی کعب بن اشرف کی طرح نہایت خبیث النفس تھا۔ یہ بھی  
 کفار کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ پر ابھارتا تھا۔  
 اور اسلام کے خلاف کام کرنے والوں کی دل کھول کر مدد کرتا تھا۔ حضور نبی کریم  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے اس کے قتل کی ذمہ داری اہل خنجر  
 نے اٹھائی اور حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال بہادری کا مظاہرہ  
 کرتے ہوئے ابورافع کو داصل جہنم فرمایا۔

اسی تیسرے سال سبط مصطفیٰ، نورِ دیدہ  
**امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ** فاطمۃ الزہراء، جگر گوشہ علی المرتضیٰ  
**کی ولادت باسعادت** سید شباب اہل جنت سیدنا امام حسن مجتبیٰ  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (تفصیلی واقعات آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کے تذکرہ کے تحت آئیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ)

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی اسی سال حضرت سیدہ

کی شادی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ خیال ہے کہ اس سے قبل بھی حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں رسول کریم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ان کی رحلت مبارکہ سلسلہ ہجری میں غزوہ بدر کے ایام میں ہوئی تھی۔ اسی بنا پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔

یہ غزوہ ۲ شوال المکرم بروز ہفتہ ۳ ہجری غزوہ سویق یا قرقرۃ الکد سنہ کو واقع ہوا، سبب اس کا یہ تھا کہ بدر

میں ذلت آمیز شکست اٹھانے کے بعد ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لے گا، اُس وقت تک نہ تو غسل کرے گا اور نہ اپنے سر میں تیل ڈالے گا، چنانچہ وہ دو سو سواروں کو لے کر مکہ مکرمہ سے نکلا۔ جب وہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا، تو رسالہ کو چھوڑ کر خود تنہا رات کی تاریکی میں چڑھا داخل مدینہ طیبہ ہوا اور سلام بن مشکم یہودی سے ملا۔ رات بھر خوب شراب نوشی کی، صبح منہ اندھیرے اپنے لشکر کی طرف نکلا۔ راستے میں ایک انصاری صحابی اُس کے حلیف سے ملاقات ہوئی۔ اس ظالم نے ان دونوں کو شہید کر دیا۔ مزید کہنے پر کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانوں کے چند ایک پھل دار اور کھجوروں کے درختوں کو آگ لگا کر بھاگ گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت فیضرت میں اس سانحہ کی خبر عرض کی گئی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت صحابہ کے ساتھ ابوسفیان اور اُس کے ساتھیوں کا تعاقب کیا، مگر مشرکین ہیبت زدہ ہو کر زاو راہ کے طور پر لائے ہوئے ستور جو کا آٹا، کے تھیلے چھوڑ کر مکہ مکرمہ کی طرف

بھاگ گئے۔ جو مال غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ چونکہ عربی میں سویتو ستو کو کہتے ہیں، اس لئے اس کو غزوۃ سویتو کہا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کا تعاقب ”قرقرۃ الکدر“ (جگہ کا نام) تک کیا اس وجہ سے اسے ”غزوۃ قرقرۃ الکدر“ بھی کہتے ہیں۔

اسلام کو مٹانے اور شمع رسالت کو گل کرنے کے ناپاک غزوۃ احمد منصوبے کفار کے شیطانی ذہن ہر وقت تیار کرتے رہتے

تھے، مگر (آیہ کریمہ) یُرِیدُ وَنَ أَنْ یُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَهِهِمْ وَ یَأْتِی اللّٰهُ إِلَّا أَنْ یُتِمَّ نُورُہٗ وَ کُورُہٗ الْکَافِرُونَ (التوبة: ۳۲) ”وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور اپنی منہ سے بجھا دیں، اللہ تعالیٰ نہ مانے گا، مگر اپنے نور کا پورا کرنا (یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کو بہر حال پورا فرما کر ہی رہے گا) اگرچہ کفار اس بات کو کہ تا ہی ناپسند کیوں نہ کریں۔“ کے مصداق کفار ہمیشہ ذلت و خواری کا منہ دیکھتے رہے۔

غزوۃ بدر کی رسوا کن شکست کا دھبہ دھونے کے لئے ابوسفیان بن حرب، بقول ناسخ التواریخ پانچ ہزار اور علامہ ابن خلدون کے مطابق تین ہزار کے لشکر کے ساتھ سلسلہ صحری، ماہ شوال المکرم کو مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا حضور نبی مکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے۔ راستہ میں عبداللہ بن ابی بدترین منافق نے اپنے خبث باطن کا اظہار کیا اور وہ اپنے تین سو ساتھی منافقین کو لے کر لشکر اسلام سے الگ ہو گیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سات سو نفوس قدسیہ کو ساتھ لے کر آگے بڑھے اور میدان احد میں دونوں لشکروں کا آمنہ سامنا ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سات سو مجاہدین میں سے سچا س صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حضور عبداللہ

بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت جبل اُحد سے متصل عین نامی پہاڑ کے ایک ایسے شگاف پر متعین فرمایا، جہاں سے کفار کے حملے کا خطرہ تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کمال تاکید فرماتے ہوئے ان پچاس صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، خواہ ہم غالب ہوں یا مغلوب، یہاں تک کہ میں خود تم کو نہ بلالوں، خبردار! اس شگاف کے راستہ سے کفار مسلمانوں پر عقب سے حملہ نہ کر پائیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بار بار تاکید فرما رہے تھے۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے ان سارے چھ سوشیروں نے کفار کے ہزاروں سوڑاؤں کے چھٹے چھڑاویے مسلمان اس قدر جوش و خروش سے لڑے کہ کفار میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ رب ذوالجلال نے اہل ایمان کو شاندار فتح عطا فرمادی۔ اہل ایمان میدان جنگ میں مالِ غنیمت سمیٹنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت شگاف پر متعین صحابہ کرام نے دیکھا کہ مشرکین میدان جنگ سے بھاگ گئے ہیں۔ اب ہمارا یہاں ٹھہرنا بے سود ہے۔ اگرچہ ان کو حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار منع بھی کیا لیکن پھر بھی اکثریت پہاڑ سے نیچے اتر کر مالِ غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہو گئی۔ کفار نے جب اس شگاف کو خالی دیکھا، تو اس خفیہ راستے سے اچانک مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اُن کا مقابلہ تو کیا، لیکن بے سود۔ مسلمان اس اچانک حملے سے سخت گھبرا گئے۔ اذرا تفری کے عالم میں بعض مسلمان مسلمانوں ہی کے ہاتھوں قتل یا زخمی ہوئے۔ اس جنگ میں تقریباً ستر صحابہ کرام مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے، جن میں سید الشہداء اسد اللہ و رسول حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ خود رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی زخمی ہو گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک گڑھے میں گر گئے۔ شیطان لعین نے بلند آواز میں اعلان کر دیا کہ قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ الْيَتِي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

شہید ہو گئے ہیں، یہ سن کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ پریشان و سرگردان مسلمان تین حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ مدینہ طیبہ کی طرف واپس آ گیا اور دوسرے گروہ نے کہا کہ ابے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زندگی کا کیا لطف ہے؟ اس لئے وہ اس قدر شدت سے لڑے کہ درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گرد موجود تھا اور پوری جاں نثاری سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کر رہا تھا۔ ان جاں نثاروں میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن عوام، حضرت طلحہ بن عبد اللہ، حضرت عبیدہ ابن الجراح، حضرت خباب بن منذر، حضرت ابو دجانہ، حضرت عامر بن ثابت، حضرت سہل بن حنیف، حضرت انس بن حنظل، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت عاتق بن صبحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے جو رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گرد موجود تھے۔ جب آتش جنگ سرد ہوئی، تو ابوسفیان نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر چلا کر لشکر اسلام سے پوچھا: اَفِی الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ؟ کیا تم میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو جواب دینے سے روک دیا۔ ابوسفیان نے تین مرتبہ اپنا یہ سوال دہرایا۔ جب کوئی جواب نہ پایا تو پھر پوچھا: اَفِی الْقَوْمِ ابْنُ ابْنِ قَحَافَہ؟ کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر) موجود ہیں؟ یہ سوال بھی اس نے تین مرتبہ دہرایا، جب کوئی جواب نہ پایا، تو بولا: اَفِی الْقَوْمِ عَمْرُو بْنُ الْخَطَّابِ؟ کیا تم میں عمر بن خطاب ہیں؟ جب اس کا جواب بھی سوا غاموشی کے کچھ نہ ملا، تو اُس نے اپنے ساتھی کفاس سے کہا: اَمَّا هَؤُلَاءِ فَقَدْ قَتَلُوا۔ یعنی: ”معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب مارے گئے ہیں۔“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس کی گستاخی برداشت نہ کر سکے اور نہایت غصہ کے ساتھ بلند آواز سے جواب دیا:



كَذَّبَتْ آيُ عَدُوُّ اللَّهِ قَدْ أَبْقَى اللَّهُ مَا يُخْزِيَاكَ - یعنی اے دشمنِ خدا تو جھوٹ بکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل کرنے کے لئے ان کو باقی رکھا ہوا ہے۔

ابوسفیان نے یہ سن کر کہا: اعلٰ ہبل۔ ”بُئیل نامی بُت کا بول بال ہو۔“ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! اس کو جواب دے اور کہو اللہ اعلىٰ واجل۔ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا اور بڑا ہے۔

ابوسفیان نے کہا: اَنْ لَّنَا عِزَّتِي وَلَا عِزَّتِي لَكُمْ۔ ”عزتی ہمارا ہے تمہارا کوئی عزتی نہیں ہے۔“ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ۔ اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ ابوسفیان نے کہا: هَذَا بِيَوْمِ الْبَدْرِ - یہ بد کے دن کا بدلہ ہو گیا، یعنی برابر برابر۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لَا مَسَوءَ قَتَلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ۔ ”برابری نہیں ہو سکتی، کیونکہ ہمارے ساتھی جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں۔“ اس کے بعد بھی کچھ مکالمہ بازی ہوئی۔

پھر ابوسفیان نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو بھیجا کہ دیکھ کر آؤ اگر مشرکین گھوڑوں کی بجائے اُونٹوں پر سوار ہوں تو سمجھنا کہ یہ لوگ مکہ مکرمہ جا رہے ہیں، لیکن اگر گھوڑوں پر سوار ہوں، تو پھر ان کا ارادہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ہوگا۔ اس وقت تم مجھے بہت جلد مجھے اطلاع دینا۔ قسم ہے مجھے رب ذوالجلال کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر قریش نے مدینہ طیبہ کا قصد کیا، تو میں بھی ان پر حملہ کر دوں گا۔

اور ان سے بہت اچھی طرح سے پٹوں گا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تحقیق حال کے لئے ابوسفیان کے تعاقب میں گئے اور واپس آکر عرض کیا کہ قریش مکہ مکرمہ کو روانہ ہو چکے ہیں۔



جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

**تدفین شہداء علیہ وآلہ وسلم** مع اپنے چند جاں نثاروں کے میدانِ احد

میں موجود تھے۔ چنانچہ آتشِ حرب ٹھنڈی ہونے کے بعد جب مشرکین میدانِ احد سے

مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شہداءِ کرام رضوان اللہ

تعالیٰ علیہم اجمعین کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی، چونکہ ستر صحابہ کرام مرتبہ شہادت پر فائز ہو چکے

تھے، اس لئے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک قبر میں دو دو

تین تین شہداء کو اکٹھے ہی دفن کر دیا جائے۔ نیز حکم دیا کہ جو قرآن کریم زیادہ پڑھا ہوا

ہو اُسے پہلے لحد میں رکھا جائے۔ چنانچہ سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے ساتھ اُن کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

تدفین شہداء کرام سے فارغ ہو کر حضور نبی مکرم

**مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت** رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شہرِ مقدس

**اور مشرکین کا تعاقب** مدینہ طیبہ کی طرف واپسی فرمائی۔

تقریباً ہر قبیلہ کے مرد و عورت اور بچے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال

اور دیدار کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر نکل آئے۔ اگرچہ اس وقت بعض نہایت دل دوز

اور رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے، مگر مجموعی طور پر اہل ایمان اس بات سے بھڑکے

نہیں سماتے تھے کہ رب ذوالجلال والا کرام نے اپنے محبوب با کمال و بے مثال

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت فرمائی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی رُوح پر وزیارت سے ساکنانِ مدینہ طیبہ مستفید ہوئے۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ ابی سفیان اور دیگر مشرکین مکہ اُحد سے واپس جاتے

ہوئے راستہ میں رُک گئے۔ یہ آپس میں کہنے لگے کہ ہم نامکمل کارروائی کر کے واپس

آگئے ہیں، ورنہ اب آسان تھا کہ ہم (حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

اور آپ کے رفقاء کو شہید کر دیتے اور دین اسلام کو ختم کر دیتے۔ اس شیطانی سوچ نے ان کو دوبارہ حملہ کرنے پر براہِ نیجۃ کر دیا۔ اگرچہ ان میں سے ایک شخص صفوان بن امیہ نے ان کی مخالفت کی اور ان کو احساسِ دلانے کی کوشش کی کہ ہمیں مسلمانوں کی کوتاہی کی وجہ سے یہ عارضی عزت ملی ہے، اس کو سنبھالے رہو، ورنہ (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں، لیکن سپہ سالار فوج ابی سفیان نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اپنی فوج کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

ادھر حضور نبی اکرم رسولِ محترم، شفیعِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب مشرکین کے اس ناپاک ارادہ کی خبر سنی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ طیبہ کے کوچوں میں اعلان کر دیں کہ وہ صحابہ کرام جو میدانِ احد میں کفارِ مکہ سے مقابلہ کے لئے گئے تھے، فوراً ہتھیار بند ہو کر باہر آجائیں، کیونکہ حکمِ خداوندی جہاں دیر روانہ ہونا ہے اور جو لوگ جنگِ احد میں شامل نہ تھے، وہ ہرگز ہرگز نہ آئیں۔

در اصل دنیا والوں کو یہ احساس دلانا بھی (غالباً) مقصود تھا کہ میدانِ احد میں آنے والی عارضی پریشانی کا سبب مجاہدین کی کمزوری یا سستی نہیں بلکہ مشیتِ خداوندی ایسے ہی تھی کہ حکمِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کما حقہ تسلیم کرنے کی کوتاہی۔ (یعنی نیر انداز صحابہ کرام کے ذرہ بھر چھوڑنے پر کچھ سزا دی جائے، مگر سزا کا انداز بھی اس قدر انوکھا اور پیارا کہ شہرِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مرتبہ شہادت عطا فرما دیا جائے۔ سبحان اللہ تعالیٰ! نہ ہے قسمت، نہ ہے نصیب!) بہر حال غازیانِ احد رضی اللہ عنہ، ایک مرتبہ پھر ہتھیار سنبھالے حضور رحمتِ عالم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر اور

بالکل تیار تھے۔ علم اسلامی ایک روایت کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسری روایت کے مطابق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھلے کھڑے تھے۔ ان غازیوں میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا باقی سب شامل ان اُحد تھے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خصوصی اجازت اس لئے ملی کہ وہ اُحد میں اپنے والد ماجد کی شدید بیماری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تھے، جبکہ شدت سے حاضری کی تمنا رکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ مجاہدین اسلام کا عظیم الشان لشکر پوری شان و شوکت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں گھوڑے دوڑانا ہوا اُحمرالاسد نامی مقام پر پہنچا یہ جگہ مدینہ طیبہ سے بائیں جانب تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں سے ایک استہ ذوالحلیفہ کی طرف جاتا ہے۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر مشرکین کے لشکر کا پڑاؤ تھا جب اُت ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اہل ایمان نے اپنے ہموں کے سامنے پانچ سو جگہوں پر آگ روشن کی (اس طرح غالباً مشرکین کے دلوں میں سیبت النامقہ دھتی و اللہ اعلم)

۱۔ اگر بنظر ایمان دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اہل اُحد کا انتخاب فرما کر یہ بتا دیا کہ اُحد میں کوئی تاہی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول نے معاف فرما دیا ہے اس لئے نہ تو صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو تاہی کرنے والے صحابہ کرام کو چھوڑا ہے، بلکہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سب اس قدر راضی ہیں کہ صرف ان ہی کو اس غزوہ میں شمولیت کی اجازت دی معلوم ہوا کہ اب ان بزرگوں پر اعتراض کرنا گویا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر اعتراض کرنا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اس کی مزید تصدیق کے لئے قرآن کریم سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیں: ”بیشک وہ لوگ جو تم میں سے پھر گئے تھے (اُس دن) جس دن (روزِ اُحد) دونوں فوجیں دکھار اہل ایمان، ملی تھیں، ان کو شیطان ہی نے لغزش دی تھی، ان کے بعض اعمال کی وجہ سے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا ہے، اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا حلیم (بردار) ہے۔“

معبد بن اُمّ معبد خزاعی جو ابھی تک مسلمان نہ ہوا تھا، مکہ مکرمہ کی طرف جارہا تھا۔ اُس نے حمزہ الاسدؓ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی پھر یہ روانہ ہو کر مشرکین کے لشکر میں پہنچا، تو ابوسفیانؓ نے اس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور لشکر اسلام کی بابت سوال کیا، تو معبد بن اُمّ معبد نے کہا: ”محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حاضرین معرکہ اُحد اور اُن کے علاوہ دیگر بہت سے مجاہدین کے ساتھ تم سے انتقام لینے کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر آگئے ہیں۔ میں نے اُن کو یہاں قریب ہی حمزہ الاسدؓ میں چھوڑا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم! میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے کہ تم اس منزل سے کوچ کرو، ان کا لشکر تمہارے سر پر آن پہنچے گا۔ اس خبر وحشت اثر نے مشرکین کی حالت دگرگوں کر دی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے موت ناچنے لگی اور اُن کے دل پر زبردست خوف طاری ہو گیا، اور وہ تیزی سے مکہ مکرمہ کی طرف فرار ہو گئے۔

(خلاصہ روایات مدارج النبوة، نسخ التواریخ، ابن خلدون، طبری، ابن ہشام)  
**انصاف کی بات** کوئی شخص مسلمان ہو یا غیر مسلم لا محالہ مندرجہ بالا واقعات کے پیش نظر یہ ہی نتیجہ نکالے گا کہ میدانِ اُحد میں اہل ایمان کو شکست خوردہ اور کفار کو فتح مند اور کامیاب کہنا انصاف و دیانت کا صریحاً خون کرنا ہے، کیونکہ شکست خوردہ سپہ سالار یا تو میدانِ جنگ سے بھاگ جاتا، یا پھر ہتھیار ڈال کر خود کو دشمن کے حوالے کر دیتا ہے۔ شکست خوردہ لشکر دشمن کا تعاقب نہیں کیا کرتا، جبکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے برگزیدہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت تک میدانِ اُحد میں اپنے جاں نثاروں کے ساتھ تشریف فرما رہے، جب تک کہ خود مشرکین میدان چھوڑ کر بھاگ نہ گئے اور جب مشرکین کی طرف سے لاف زنی اور مہم جوئی گفتگو ہوئی، تو اُن کو دندان شکن جواب دیا گیا اور جب مشرکین نے رختِ سفر باندھا، تو حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو تحقیق حال کے لئے بھیجا اور ارشاد فرمایا

”اگر مشرکین کا ارادہ مدینہ طیبہ پر حملہ کا ہے، تو قسم ہے اُس ربِّ و الجلال کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ابھی ان پر حملہ کر دوں گا اور ان سے خوب چھی طرح نیٹوں گا۔“  
 علاوہ ازیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنانِ دین کا ”حمر الاسد“  
 یہ تعاقب فرمایا اور ان کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

## سورہ ہم و اقفا بمطابق ۶۲۵

سورۃ رجب یہ سریۃ ہجرت کے چھتیسویں مہینہ ماہ صفر المظفر میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کا سبب یہ بنا کہ مشرکین مکہ کے واپس لوٹ جانے کے بعد انبث الناس سفیان بن خالد ہندلی عضل وقارہ کے قبیلہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ قریش کو مبارک دینے مکہ مکرمہ پہنچا دیا اُسے پتہ چلا کہ ”سلا فہ بنت سعد“ نامی عورت جو کہ میدانِ احد میں کفار کی علمبردار تھی، اُس کا شوہر طلحہ بن ابی طلحہ اپنے بیٹوں سمیت میدانِ احد میں حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں جہنم رسید ہو گیا تھا، اُس نے اعلان کر رکھا ہے کہ جو کوئی حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر کاٹ کر لائے گا وہ اُسے ایک سواؤنٹ بطور انعام دے گی۔ سفیان بن خالد شقی القلب کے دل میں لالچ پیدا ہوا کہ وہ یہ سواؤنٹ حاصل کرے، چنانچہ اس نے اپنی قوم کے ساتھ شر ترین آدمیوں کا انتخاب کیا اور ان کو کہا کہ وہ مدینہ طیبہ میں جا کر اظہارِ اسلام کریں اور عرض کریں کہ ان کے بہرا جماعت صحابہ بھیج دیں تاکہ وہ ان کو دینِ اسلام کی تعلیم دیں اور اسی بہانے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے لیا جائے۔ چنانچہ ان خبیثانے نہایت عیاری و مکاری کے ساتھ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت دس صحابہ کرام کو لے کر ”بدہ“ نامی مقام پر آگئے۔ یہاں پر وگرام کے



مطابق سفیان بن خالد تقریباً دو سو دیگر ملعونوں کے ساتھ ان صحابہ کرام پر حملہ آور ہو گیا۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی علم تھا کہ "سلاف بنت سعد" نے ان کے قتل پر انعام مقرر کر رکھا ہے، اس لئے آپ سمجھ گئے کہ ان جہنمی کتوں کا اصل مقصد کیا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی کہ "اے اللہ تعالیٰ جل شانہ! ان خبیثہ سے میرے جسم کو بچانا، یہ مجھے چھو بھی نہ سکیں۔" اسی اثناء میں جنگ چھڑ گئی اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چھلے دوسرے ساتھیوں سمیت مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے، جبکہ تین صحابہ حضرت خبیب بن عدی، عبداللہ بن طارق اور زید بن ثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گرفتار کر لیا گیا۔ جب یہ بد بخت کفار حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر کاٹنے کی نیت سے آگے بڑھے، تو رب ذوالجلال نے زبور یعنی بھڑوں کے ایک لشکر کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد انور کی حفاظت پر متعین فرما دیا۔ چنانچہ جو کافر بھی آگے بڑھتا، بھڑیں اُس پر حملہ کر دیتیں اور اُس پر ڈنگ چلاتیں اور اس سیاہ بخت کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیتیں، یہاں تک کہ کسی بھی شقی القلب کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب پھٹکنے کی ہمت نہ ہوتی۔ جب ات ہوئی تو حق تعالیٰ جل شانہ نے سیلابی پانی کا ایک ایسا ریلہ بھیجا جو ان کے جسد انور کو بہا کر لے گیا اور دشمنوں کی نظر سے اوچھل کر دیا۔ گرفتار شدہ صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طرح آزاد ہو گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار پر حملہ کر دیا، لیکن زیادہ دیر رہنا ہونے کی بنا پر، مقابلہ نہ کر سکے اور مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ ان دھوکہ باز کافروں نے حضرت خبیب و حضرت زید بن ثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کفار مکہ (قریش) کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

حضرت خبیب و زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بے مثال استقامت و شہادت قریش مکہ نے



حارث بن عامر کے گھر کئی روز تک بھوکا اور پیاسا قید کئے رکھا، پھر مکہ مکرمہ سے  
 باہر مقام تنعیم پر ان کو سولی دینے کے لئے لے آئے۔ قریش نے ان حضرات ذی وقار  
 کو پیش کش کی کہ اگر اسلام چھوڑ دو، تو تمہاری جاں بخشی ہو سکتی ہے، مگر ان دونوں  
 بزرگواروں نے کہا: ”جب ایمان ہی باقی نہ رہا تو جان باقی رکھ کر کیا کریں گے؟“  
 قریش نے ان سے پوچھا کہ کوئی آخری تمنا ہو تو بیان کرو، حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ  
 نے فرمایا: ”دو رکعت نماز پڑھنے کی ہمیں مہلت دے دو“ اس پر مہلت دے دی گئی،  
 اور انہوں نے نماز ادا فرمائی۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”میں نماز  
 میں زیادہ وقت صرف کرتا، لیکن سوچا کہ کہیں دشمن یہ نہ سمجھیں کہ یہ موت سے ڈر گیا ہے  
 اس لئے جلد ادا کر لی۔“ (بخاری شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت دل ظالموں نے دونوں بزرگوں کو  
 نصب کی گئی مضبوط لکڑیوں کے ساتھ جکڑ کر  
 کی محبت اور جان کی محبت باندھ دیا۔ پھر نیزہ برداروں سے کہا کہ  
 ان کے جسموں کے ہر ایک حصہ پر نیزہ کی آتی سے چر کے لگائیں، چنانچہ ان کے اجساد  
 مقدس کو چھپنی کی طرح چھید دیا گیا۔ ایک ظالم نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کے جگر کو چھیدا اور پوچھا کہ اب تو تم پسند کرتے ہو گے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم تمہاری جگہ موجود ہوں اور تم بچ جاؤ، حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے  
 نہایت جوش سے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میری جان  
 بچانے کے بدلے میں آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پائے اطہر میں کانٹا  
 بھی لگے (تذاریع طبری - ابن ہشام)

سبحان اللہ تعالیٰ وحمده! یقیناً یقیناً ایمان اسی چیز کا نام ہے کہ بندہ  
 اپنے خالق و مالک جل شانہ کے بعد پوری کائنات میں سب سے زیادہ محبت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے رکھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ناموس کی خاطر اپنی جان کی قربانی کو باعثِ فخر و سعادت سمجھے۔

اللّٰهُمَّ اِنِّیْ ذَقْنِیْ شَہَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَحُبَّ حَبِیْبِکَ

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار اس مقتل میں تماشا یوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے، صلیب پر بندھے

ہوئے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ فی البدیہہ اشعار کہے جن کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے، اس سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایمانی عظمت اور اسلام سے محبت کی پوری منظر کشی ہوتی ہے:-

ترجمہ اشعار: ”گروہ در گروہ لوگ میرے گرد اگرد کھڑے ہیں اور انہوں نے اپنے سب ساتھیوں کو اکٹھا کر لیا ہے۔ یہ سب کے سب میرے ساتھ دشمنی و عداوت رکھا ہے ہیں، میرے خلاف بڑے جوش میں ہیں، جبکہ میں اس ہلاکت گاہ میں بندھا ہوا ہوں۔ لوگوں نے اپنے بچے، اور عورتوں کو بھی (یہ تماشا دکھانے کے لئے) بلا رکھا ہے۔ یہ مجھے ایک مضبوط لکڑی کے پاس لے آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ کفر اختیار کر لے آزادی مل جائے گی، مگر اس سے تو موت میرے لئے زیادہ آسان ہے۔ میری آنکھوں سے (شدت درد کی وجہ سے) آنسو بہہ رہے ہیں (بندھے ہوئے ہاتھوں کی وجہ سے) میں صاف تک نہیں کھینک سکتا، مگر مجھے کوئی اعتراض نہیں، میں دشمن کے سامنے نہ تو عاجزی کروں گا اور نہ ہی صیخوں چلاؤں گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف جا رہا ہوں۔ موت سے مجھے اس لئے ڈر نہیں کہ مرنا تو آسان ہے، لیکن میں تو لپٹنے والی اور خون چوسنے والی آگ (دوزخ) سے ڈرتا ہوں۔ عرشِ عظیم کے مالک جل شانہ نے مجھ سے کوئی خدمت لینا چاہی اور مجھے شکیبائی کے لئے منتخب فرمایا ہے (تو میں حاضر ہوں) اب انہوں نے مار مار کر میرا گوشت لوٹھڑے کر دیا ہے۔ اب میری زندگی کی اُمید ختم ہو گئی ہے۔ میں اپنی اس درماندگی، مجبوری

اور بے وطنی و بے کسی کی فریاد اور ان کے خوفناک ارادوں کی فریاد اپنے پروردگار سے کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! جب میں اسلام پر مہر رہا ہوں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ راہِ خدا میں، میں کس پہلو پر گرتا ہوں اور کیونکر جان دیتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ مجھے ربِّ کریم کی ذاتِ بابرکات سے کامل اُمید ہے کہ وہ میرے پارہ ہائے گوشت کے ہر ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے گا۔“ (زاد المعاد - سیرت ابن ہشام)

سب سے آخر میں جو آپ نے دُعا کی وہ یہ تھی:-

اللّٰهُمَّ بَلِّغْنَا سَالَةَ رَسُولِكَ وَبَلِّغْهُ مَا يَصْنَعُ بِنَا۔  
 ”اے اللہ تبارک و تعالیٰ ہم نے تیرے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے احکامات ان لوگوں تک پہنچا دیئے، آپ تو اپنے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے حال کی اور ان کی کرتوتوں کی خبر نہ دے۔“

”مدارج النبوۃ“ میں ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا: ”اے باری تعالیٰ! یہاں ایسا کوئی نہیں ہے جو میرا سلام تیرے محبوبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتے۔ اے خدا تعالیٰ تو ہی میرا سلام بارگاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پہنچا دے۔“

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سرورِ کونین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس شریف میں دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ موجود تھا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر حالت وحی طاری ہوئی۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی اس پر رحمت ہو۔“ نیز فرمایا: غیب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو قریش نے شہید کر دیا ہے اور یہ جبریل امین ہیں، جو ان کا سلام مجھے پہنچا رہے ہیں۔“ (مدارج النبوۃ جلد ثانی)

اسی سال ماہِ صفر ۶۱ھ، ابوہریرہؓ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ علاقہ نجد میں تعلیم اسلام کی

خاطر کچھ صحابہ کرام کو بھیج دیجئے۔ اس کا بھتیجا عامر بن طفیل نجد کا رئیس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے نجد والوں پر اعتماد نہیں ہے، لیکن ابو براء عامر نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ حفاظت کی ضمانت میں دیتا ہوں، آپ مجھ پر اعتماد کر لیں۔ اس کے شدید اصرار پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت منذر بن عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں ستر صحابہ کرام جو کہ بہترین قراء اور فضلاء تھے کو اس کے ساتھ روانہ فرمادیا۔ جب لوگ بیرمعونہ پہنچے تو حضرت منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نامہ اطہر حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت رئیس نجد عامر بن طفیل کی طرف بھیجا، اس بد بخت نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ اطہر کا مطالعہ کئے بغیر ہی حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔ پھر عامر بن طفیل نجدی دیگر قبائل مثلاً سلیم، عصبہ، رعل، ذکوان وغیرہ کو ساتھ لے کر بیرمعونہ پہنچا اور اہل ایمان پر حملہ کر دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان صحابہ کرام میں صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی باقی بچے۔ عامر بن طفیل نجدی نے ان کو قبیلہ بنو مضر کا سمجھتے ہوئے ان کی ریش انور تراش کر چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ ربیع نامی مقام کے قریب ۲۰ صفر المنظر کو رونما ہوا۔ (ابن خلدون - مدارج) بعض مورخین نقل فرماتے ہیں کہ اس معرکہ میں حضرت کعب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدید زخمی ہونے کے باوجود جاں برہوئے اور غزوہ خندق میں جام شہادت نوش فرمایا۔

**حلفت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بیرمعونہ سے**

**حلیف مقتولین کا خون بہا**

دائیں مدینہ طیبہ کی طرف آ رہے تھے تو راستے میں دو آدمی ملے۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بنو عامر یا بنو سلیم کا سمجھ کر قتل کر ڈالا، حالانکہ یہ وہی وہ اشخاص تھے کہ جن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ فرما رکھا تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ کی خبر ہوئی

تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا خوں بہا دینے کا حکم جاری فرمایا۔  
 مذکورہ بالا واقعہ کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنو نضیر کے مقتولین کا خوں بہا دینے کی غرض سے  
 کے قتل کی سازش ان کے پاس تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم کے ساتھ حضرات ابو بکر، عمر، عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ بنو نضیر نے ظاہر  
 اس بات پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور خوں بہا بھی قبول کر لیا، مگر پوشیدہ طور پر دھوکے  
 سے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام جو کہ ساتھ گئے تھے، کو شہید کرنے کا  
 مکمل ارادہ کر لیا۔ اس سازش کی تکمیل کے لئے یہودیوں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم کو ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا دیا اور ایک شخص عمرو بن محاس کو دیوار پر اس  
 ہدایت کے ساتھ چڑھایا کہ وہ ایک بھاری بھر کم سچڑا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفقاء کرام پر گرا دے تاکہ اس صدمہ سے سب کے سب شہید  
 ہو جائیں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے نبی برحق کو یہودیوں کی مکروہ سازش سے  
 مطلع فرمادیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی کو کچھ بتائے بغیر تیزی کے  
 ساتھ اٹھے اور شہر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ صحابہ کرام اسی جگہ بیٹھے رہے۔ جب  
 حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری میں کافی تاخیر ہو گئی، تو یہ صحابہ کرام  
 بھی اٹھے اور مدینہ طیبہ کی طرف آ گئے۔ (ابن خلدون)

نبی محترم شفیع معظم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم خدائے لم یزل کے  
 مطابق حضرت محمد بن مسلمہ کو بنی نضیر کی طرف بھیجا کہ تم لوگوں نے غداری کی ہے، اس لئے  
 تم کو جلا وطن ہونے کا حکم دیا جاتا ہے؛ اس پر یہودیوں نے جلا وطن ہونے کی تیاری شروع  
 کر دی۔ اسی اثناء میں رئیس المناقین عبداللہ بن ابی نے بنو نضیر کی طرف پیغام بھیجا  
 کہ وہ اپنی بستی چھوڑ کر نہ جائیں میں دو ہزار آزمودہ کار جنگی جوانوں کے ساتھ تمہارا



پشت پناہ ہوں۔ مزید برآں بنو قریظہ اور بنو غطفان بھی تمہارے مددگار و معاون ہوں گے۔ یہود بے بہبود اس بے وقوف منافق کی اس پیشکش پر مغرور ہو گئے اور بارگاہ رسالت میں پیغام بھیجا کہ ”تمہارا جوہی چاہے کرو، ہم اپنی بستیوں سے نہیں نکلیں گے۔“ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ مقرر فرمایا اور علم اسلام حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو مرحمت فرمایا، اور بنو نضیر کا محاصرہ فرمایا۔ یہ واقعہ ماہ مقدس ربیع الاول میں پیش آیا۔ بنو نضیر بھی قلعہ بند ہو کر لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ روز تک بنو نضیر کا محاصرہ فرماتے رکھا، جبکہ صاحب ”مدارج النبوة“ و ”ذو الایمان" کے مطابق مدت محاصرہ پندرہ یوم تھی۔ اس دوران یہود سے چھوٹی موٹی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ عبداللہ بن ابی اور دیگر قبائل کے دلوں میں اہل ایمان کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ بنو نضیر کی مدد نہ آ سکے۔ لاچار یہودیوں نے امن کی درخواست کی، عبداللہ بن ابی ان کا سفارشی بھیج آیا۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شانِ کریمی سے کام لیتے ہوئے بنو نضیر کی اس درخواست کو قبول فرمایا اور حکم دیا کہ وہ اسلحہ کے علاوہ اس قدر مال فی کس لے جاسکتے ہیں، جو ایک اونٹ اٹھا سکے۔

**بنو نضیر کی جلا وطنی** چنانچہ بنو نضیر نے اپنا مال و اسباب تقریباً چھ سو اونٹوں پر لاد لیا اور مدینہ منورہ سے چلے گئے۔ ان میں حتی بن اخطب

اور ابن ابی حقیق وغیرہ کے خاندان والے خیبر میں جا کر آباد ہو گئے اور کچھ ملک شام کی طرف نکل گئے، کچھ کسی اور طرف جلا وطن ہو گئے۔ (مدارج النبوة)

**غزوہ ذات الرقاع** جمادی الاول ۳ھ تک مدینہ طیبہ میں تشریف فرما رہے

پھر نجد کی طرف مختلف قبائل کو دین اسلام کی دعوت دینے کے لئے روانہ ہوئے غطفان کے مقام پر کفار کی ایک جماعت سے آمناسا منا تو ہوا، مگر لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ (ابن خلدون)



## سہ کے دیگر اہم واقعات

اسی سال حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور حضرت جعفر و عقبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اُم المؤمنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رحلت مبارکہ ہوئی۔ اسی سال حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُم المؤمنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد نکاح فرمایا اور اسی سال شعبان المعظم کی چار تاریخ کو ریحانۃ الرسولؐ نور دیدہ بتول امام شہید و سعید حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

**غزوہ بدرِ صغریٰ** اسی سال غزوہ بدرِ صغریٰ وقوع پذیر ہوا۔ غزوہ اُحد میں ابوسفیان نے لاف زنی کی تھی کہ آئندہ سال ہم پھر بدر میں ملیں گے۔ اہل ایمان نے جواباً فرمایا تھا کہ ٹھیک ہے، چنانچہ رسولِ عظیمؐ بنی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ مقرر فرمایا اور علم جہاد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو عنایت فرمایا اور پندرہ سو جاں نثار صحابہ کرام کی معیت میں میدان بدر کی طرف روانگی فرمائی۔ دوسری طرف ابوسفیان دو ہزار اشقیاء کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ سے چلا اور تقریباً آٹھ میل کا سفر طے کر کے ”مراۃ النظرین“ تک پہنچا، مگر شوکتِ اسلام سے اس قدر مغرب ہوا کہ خشک سالی کا بہانہ بنا کر اسی جگہ سے واپس لوٹ گیا اور بدر میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اہل ایمان نے آٹھ دن تک میدان بدر میں قیام کیا۔ تجارت کی اور خوب نفع اٹھا کر خوش و خرم پورے اطمینان سے واپس مدینہ طیبہ کوٹ آئے۔

# شہ کے واقعات مطابق ۶۲-۶۱-۶۰

اس سال کے عظیم واقعات میں سے ایک واقعہ غزوہ خندق بھی ہے، اسے غزوہ احزاب کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ یہ غزوہ ۶۲ھ میں واقع ہوا۔ امام بخاری بھی موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے ۶۲ھ ہی بتاتے ہیں، لیکن ابن اسحاق صاحب "روضۃ الاحباب" و دیگر اہل معاذی ۶۱ھ ہی تحریر فرماتے ہیں۔

علمائے سیر و تواریخ نے نقل فرمایا ہے کہ جب بنو نضیر (یہودی) جلا وطن ہو کر خیبر کی طرف روانہ ہو گئے،

## جنگ خندق کی جوہات

تو اہل ایمان کے خلاف ان کی نفرت میں شدید اضافہ ہو گیا، چنانچہ انہوں نے پختہ عزم کیا کہ مسلمانوں کا قلع قمع کئے بغیر وہ سکون سے نہیں بیٹھیں گے۔ اس مقصد کے لئے ان کے سرکردہ افراد مثلاً سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع، سلام بن مشکم، حتی بن اخطب، یہود بن قیس اور ابوعمارہ وغیرہ مکہ مکرمہ گئے اور اہل مکہ کو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف خوب ابھارا۔ کفار مکہ تو پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت رکھتے تھے، یہودیوں کی اس براہیخت نے گویا جلتی پرتیل کا کام دیا۔ پھر یہودیوں اور مشرکین مکہ نے ارد گرد کے دیگر قبائل کو اپنے ساتھ ملایا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ذی القعدہ ۶۱ھ کو دس ہزار کا خونخوار جنگی لشکر جس میں بت پرست اور یہودی وغیرہ سمجھے قبائل شامل تھے، مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا۔

(ابن خلدون، زاد المعاد، روضۃ الاحباب، مدارج النبوة)

چونکہ اس جنگ میں کفار کے مختلف قبائل شامل تھے، اس لئے قرآن مجید نے اسے غزوہ احزاب کا نام دیا۔ اس جنگ میں قریش مکہ، بنو کنانہ اور اہل تہامہ کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی، جبکہ بنو فزارہ عقبہ بن حصین، بنو حارث بن عوف اور بنو اشجع و

اہل نجد مسعود بن ذخیلہ کی زیرِ کمان تھے۔ (تاریخ طبری، جلد ۳) مسلمانوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق شہرِ مدینہ کو اغیار کے حملہ سے محفوظ رکھنے کے لئے خندق کھودی۔ تاریخ طبری کے مطابق چار چار گز خندق کی کھدائی اوسطاً ہر صحابی کے حصہ میں آئی۔ خود رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خندق کھودنے میں صحابہ کرام کے شریک کار تھے۔ آپ کا جسم نور مٹی سے بھرا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پوری تندہی سے اس کام میں مصروف و مشغول تھے۔

خندق تیار ہوئی، تو اتنے میں لشکرِ کفار بھی آن پہنچا اور مجبوراً ان کو خندق کی دوسری جانب ٹھہرنا پڑا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ ابنِ ام مکتوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو اپنا نائب مقرر فرما کر تین ہزار صحابہ کے ساتھ کفّاء کے مقابلہ کے لئے تشریف لے آئے اور جبلِ سلع کے قریب قیام فرمایا۔ گودونوں لشکر آمنے سامنے تھے، مگر ان کے درمیان خندق حائل تھی۔

بنو قریظہ کے یہودی جو مدینہ طیبہ میں آباد تھے اور ان کا بنو قریظہ کی بدعہدی مسلمانوں سے معاہدہ تھا کہ وہ ان کا ساتھ دیں گے۔ بنو نضیر کے سردار حنی بن اخطب کے بہکانے سے مسلمانوں کے ساتھ غداری پر آمادہ ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کو سمجھانے کے لئے چند صحابہ کرام کو روانہ کیا، مگر بنو قریظہ نے صاف صاف کہہ دیا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کون ہے کہ ہم اس کی بات مانیں، اس کا ہم سے کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ (طبری و سیرت ابنِ ہشام، جلد ثانی)

اس کے بعد بنو قریظہ کے یہودیوں نے شہر کے امن و امان کو تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا، جس سے مسلمانوں کے بچوں اور عورتوں کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ آلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین سو مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں عورتوں اور بچوں کی حفاظت کئے لئے روانہ فرما دیا۔

فریقین تقریباً ایک ماہ تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں

**فریقین کی جھڑپیں** ڈٹے رہے، اگرچہ درمیان میں خندق حائل تھی بائیں ہر چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ ایک دن چنڈشاہ سواران قریش حین میں نامور جنگجو ابن عبدود جو اپنے آپ کو ایک ہزار جوانوں کے برابر طاقتور سمجھتا تھا، شامل تھا۔ خندق کو عبور کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے چند صحابہ کرام کی معیت میں زبردست مقابلہ کیا خصوصاً حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا انداز جنگ اس قدر بڑا اور غیر اعتقوال تھا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آ رہے حد درجہ خوش ہوئے اور آخرت کے عظیم درجات کی خوش خبری دینے کے ساتھ ساتھ اپنی وہ تلوار بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمادی، جس کا نام ذوالفقار تھا۔ اس لڑائی میں ابن عبدود سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ہاتھوں بڑی طرح مارا گیا۔ کچھ کفار نے بھاگ کر جان بچائی اور کچھ واصل جہنم ہوئے۔

**حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زخمی ہونا** اسی دوران حضرت سعد بن معاذ

بن العرقہ کا تیر لگنے سے زخمی ہو گئے اور یہ ہی زخم بعد ازاں آپ کی شہادت کا سبب بنا۔ اس وقت آپ نے دُعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ بنو قریظہ کے انجام تک ان کو زندہ رکھے۔

اربابِ سیر بیان فرماتے ہیں کہ ایک ذکفار نے خندق کی تقریباً ہر جانب سے حملہ کر دیا۔ جنگ کی شدت رات تک عروج پر رہی، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی نماز ظہر عصر اور مغرب قضا ہو گئی۔ نمازوں کی قضا کا حضور

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عالم رنج میں کفار کھلے بددعا فرمائی کہ انہوں نے نمازوں اور خصوصاً صلوٰۃ الوسطیٰ (نماز عصر) کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالی تھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اذان اقامت کہیں اور ظہر کی نماز ادا فرمائی، پھر اقامت کہہ کر نماز عصر کی جماعت کروائی۔ اس کے بعد اقامت کہہ کر نماز مغرب اور آخر میں نماز عشاء ادا کی گئی۔

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

## کفار کی بدحواسی اور فرار حکمتِ عملی نے کفار کے درمیان اختلاف و تفرقہ

پیدا کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ رت ذوالجلال نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس انداز میں امداد فرمائی کہ فرشتوں کی ایک جماعت کو تیز آندھی کے ساتھ بھیجا اور ایسا زلزلہ بپا کیا کہ لشکرِ کفار اُلٹ پُلٹ سوکڑہ گیا۔ اُن کی دیگیں اونڈھ مٹنے لگیں۔ اُن کے خیمے اکھڑ کر آندھی میں اڑ گئے۔ اُن کے ٹھوڑے اونٹ بے قابو ہو گئے۔ اُن کے منہ، سر اور آنکھیں سب گر دو غبار سے اُلٹ گئے اور اُن پر شدید سیبت و بدبوی طاری ہو گیا۔ پھر اُن پر چھوٹے چھوٹے سنگریزوں کی لمبی بارش برسی کہ رات ہی رات کفار میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ اپنا بہت سا سامان بھی ساتھ نہ لے سکے۔ اس دوران فرشتوں کے نعرۂ تکبیر یعنی ”اللہ اکبر“ کی آوازیں مسلسل سنائی دیتی رہیں۔ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُس دعا کا نتیجہ تھا جو کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ رب العزت میں مانگی تھی۔

کفارِ مکہ کے ذلیل و رسوا رہ کر فرار ہو جانے کے بعد

## غزوۂ بنو قریظہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے غلاموں کے ساتھ

لے کر ابھی مدینہ طیبہ پہنچے ہی تھے اور غسل تک نہ فرمایا تھا کہ جبریل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہو گئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فوراً اسی وقت بنو قریظہ پہنچنا



چاہیے اور ان کو نگہداری کی سزائیں، مہلت نہیں دینی چاہیے۔ دیکھتے ہیں (جبریل) نے اور میرے ساتھیوں (فرشتوں) نے ابھی تک اپنے جسموں سے ہتھیار نہیں اتارے۔ میں فرشتوں کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف جارہوں آپ تشریف لے آئیں۔“

(مدارج النبوة، ابن ہشام اختصاراً)

اس پر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ مدینہ طیبہ میں اعلان کر دو: ”اے خدا تعالیٰ کے شہسوار و سوار ہواؤ اور تمہیں حکم ہے کہ نماز عصر بنو قریظہ پہنچ کر پڑھو۔“ (خیال رہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کی روایت میں نماز عصر کا ذکر ہے، جبکہ مسلم شریف میں نماز ظہر کا ذکر ہے) اور خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے علم اسلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تھمایا۔ حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں نائب مقرر فرمایا اور اپنے گھوڑے ”لحیف“ پر سوار ہو کر اس شان سے تشریف لائے کہ آگے آگے حضرت علی المرتضیٰ مع اکابر مہاجرین و انصار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے علم اسلام لہراتے ہوئے جا رہے تھے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں بائیں حضرت سیدنا صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور پیچھے دیگر صحابہ کرام آرہے تھے۔ کم و بیش تین ستر ہزار نفوس قدسہ کا عظیم الشان لشکر شام تک بنو قریظہ کی بستی میں جا پہنچا اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ ابن اسحاق نے مدت محاصرہ پچیس یوم، جبکہ ابن سعد نے پندرہ یوم نقل فرمائی۔ اس دوران کعب بن اسد سردار بنو قریظہ نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا کہ ”اے گروہ یہود!“ ”محمد“ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آؤ، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں کہ جن کا ذکر توراۃ میں ہے۔ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو تمہارا مال و جان سب محفوظ ہو جائے گا۔ اگر میری یہ بات منظور نہ ہو تو آج بوقت کی شب ہے، اور مسلمان تم سے بے خوف ہیں (کہ یہودی بوقت کے روز لڑائی نہیں کرتے)، تم ان پر



شب خون مارو، پھر دیکھو کیا ہوتا ہے اور اگر یہ بھی منظور نہ ہوتا اپنے ہاتھوں سے اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے مسلمانوں پر بے دریغ حملہ کر دے تاکہ اگر ہمیں شکست ہو بھی گئی، تو عورتوں اور بچوں کی فکر نہ ہوگی اور اگر ہم جیت گئے، تو عورتیں اور بچے پھر بھی مل جائیں گے، مگر یہودیوں نے کوئی بھی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ محاصرہ جاری رہا۔ بالآخر محاصرہ سے تنگ آکر بنو قریظہ قلعہ سے باہر نکل آئے اور عرض کیا کہ بنی اوس جو ہمارے حلیف و تعلق دار ہیں، ان سے فیصلہ کروالیں، ہمارے حق میں وہ جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔ رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس گزارش کو قبول فرمایا۔ فیصلہ کے لئے بنو اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو غزوہ خندق میں زخمی ہونے کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں آگئے تھے، طلب فرمایا گیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو رسول خدا سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فیصلہ کا اختیار عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”تم جو فیصلہ کرو گے، ہمیں منظور ہے“ بنو قریظہ نے بھی اقرار کیا کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں، ہمیں بسر و چشم قبول ہوگا۔ بنو قریظہ نے ایک مرتبہ قبل ازیں بھی غداری کی تھی جسے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے معاف فرما دیا تھا۔ ان سب باتوں کے پیش نظر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ دیا کہ ”بنو قریظہ کے جنگجو مرد قتل کر دیئے جائیں، ان کے نابالغ لڑکے اور عورتیں و دیگر اسباب مسلمانوں کی ملکیت بنا دیئے جائیں۔“ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”لقد حکمت فیہم بحکم اللہ۔“

”یعنی بیشک تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حکم دیا ہے“ (ابن خلدو، ابن اسحاق، مدارج النبوة)

اس کے بعد بنو قریظہ کو بازارِ مدینہ کی طرف لایا گیا اور

**بنو قریظہ کا انجام** گہری خندق کھود کر ان میں سے جنگجو مردوں کو قتل کر دیا گیا

ان کی تعداد چھ اور سات سو کے درمیان تھی۔ عورتوں میں صرف ہنا نہ زوجہ حکم کو قتل کر دیا گیا، کیونکہ اس نے حضرت خلد بن سوید بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دیوار کے اوپر سے چکی کا پاٹ گرا کر شہید کر دیا تھا۔ اس قتل کے قصاص میں وہ عورت قتل ہوئی۔

**حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت** اس کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس دعا کا اثر ظاہر ہوا، جو انہوں نے مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بنو قریظہ کے انجام تک نہ رکھے۔ وہ یوں ہوا کہ روزِ خندق لگے تیر کے زخم سے پھر خون جاری ہو گیا، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

اسی سال غزوہ مریس واقع ہوا، اسے غزوہ بنو مصطلق **غزوہ مریس** بھی کہتے ہیں۔ سبب اس غزوہ کا یہ بنا کہ مشرکین کی مختلف جماعتوں نے بنو مصطلق میں جمع ہو کر اہل ایمان پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ ان کا سردار حارث بن ابی ضرار حضرت ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ تھا۔ بنو غنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پیش قدمی سے مطلع ہو کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عند البعض حضرت نمیلہ بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں نائب مقرر فرمایا۔ (ابن خلدون) مدارج النبوة میں ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نائب مقرر فرمایا تھا۔ حاشیہ ابن خلدون میں ہے کہ مہاجرین کا جھنڈا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا ہوا، جبکہ بعض دیگر کتب میں کہ مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور انصار کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ مقدمۃ الحبش پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرما کر بنو مصطلق کی طرف روانگی فرمائی۔ چشمہ مریس پر فریقین میں زبردست مقابلہ ہوا۔ نتیجتاً کامیابی نے آگے بڑھ کر اہل ایمان کے

قدم چومے۔ مُشرکین شکستِ فاش سے دوچار ہوئے اور مالِ غنیمت پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

**حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا** گرفتار شدہ قیدیوں میں بنو مصطلق کے مقتول سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ یہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور بخوشی کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گئیں۔ رسولِ رحمت، شفیعِ امت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی عزت افزائی فرمائی اور ان کی مرضی کے مطابق ان کو اقبہات المؤمنین میں شامل فرمایا (تفصیل واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ اقبہات المؤمنین کے ذکر میں آئے گا) حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس عمل مبارک کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ کرام نے بنو مصطلق کے سب قیدیوں کو آزاد فرمادیا (ابن خلدون)

**عبداللہ بن ابی کے خبیث باطن کا اظہار** اس غزوہ سے واپسی پر حضرت عمر ایسا نصاریٰ صحابی میں جھگڑا ہو گیا، جس پر عبداللہ بن ابی بسخ پا ہو گیا اور نہایت گستاخانہ انداز میں کہا: لَنْ نَجْعُكَ إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَكَ الْأَعْرَابُ مِنْهَا الْكَذَلِ۔ (سُورَةُ الْمَنَافِقُونَ، آیت ۷) ”یعنی اگر ہم مدینہ کو لے، تو ضرور عزت والے لوگ ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔“ اس بد بخت نے عزت والوں سے مراد، اپنی ذات اور اپنے ساتھیوں کو لیا اور دوسرے لفظ سے مراد معاذ اللہ اہل ایمان کو لیا۔ اس کے علاوہ بھی کئی نازیبا کلمات اپنی زبان پر لایا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ گستاخانہ گفتگو سُن کر بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عرض کر دی۔ اس پر عبداللہ بن ابی مکر گیا اور الزام لگایا کہ زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہتان تراشی کی ہے۔ پروردگارِ عالم جل شانہ نے سُورَةُ الْمَنَافِقُونَ (بارہ ۲۸) میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سچائی کی گواہی دے دی۔ یس ہمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شانِ رحمت سے کام لیتے ہوئے عبداللہ بن ابی سے درگزر فرمایا۔

اربابِ سپربیان کرتے ہیں

**حضرت عبداللہ بن عبد اللہ بن ابی کی شانِ ایمان کہ عبداللہ بن ابی کا بیٹا**

حضرت عبداللہ بن عبد اللہ بن ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ثابت القدم صاحبِ ایمان تھا۔ یہ اپنے والد ابن ابی کا بھی بہت زیادہ فرماں بردار تھا۔ جب اُسے اپنے والد کی گستاخی کی اطلاع ہوئی، تو وہ سخت غصہ میں آگیا اور وادیِ عقیق میں پہنچ کر سرِ راہ کھڑا ہو گیا۔ لشکرِ اسلام اس کے قریب سے گزر کر مدینہ طیبہ میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ خاموشی سے کھڑا رہا، یہاں تک کہ اس کے باپ ابن ابی کی سواری آگئی۔ یہ نیک بخت آگے بڑھا اور اپنے باپ کی سواری کو روک لیا اور نہایت غصہ کے عالم میں کہا کہ اُو مُناقِب! مجھے پتہ چلا ہے کہ تو نے میرے آقا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں یہ گستاخی کی ہے۔ میں اس وقت تک نہ چھوڑوں گا، جب تک تو یہ اقرار نہ کرے کہ سب مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور سب سے زیادہ ذلیل تو ہے۔“

اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور ملاحظہ فرمایا کہ ابن ابی کا بیٹا ننگی تلوار ہاتھ میں پکڑے غصہ میں بھپڑا ہوا اپنے باپ کا راستہ روکے کھڑا ہے اور اُس کا باپ کہہ رہا ہے، اَنَا اَذَلُّ مِنَ الصَّبِيَّانِ وَاَنَا اَذَلُّ مِنَ النِّسَاءِ۔ یعنی میں بچوں اور عورتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔“ وَحُكْمُ اَعْمَالِ النَّاسِ۔“ اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سب انسانوں میں زیادہ عزت والے ہیں۔“ اس پر رسول خدا حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اپنے باپ کا راستہ چھوڑ دو، نا کہ یہ مدینہ منورہ میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باپ عبداللہ بن ابی کو چھوڑ دیا۔ (مدارج النبوة و دیگر کتب سیرت)

اس کے بعد عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ میرے باپ کو قتل کر دانا چاہتے ہیں؟ آپ یہ خدمت میرے سپرد فرما دیجئے، میں خود ابھی اپنے باپ کو قتل کر کے اُس کا سر پیش خدمت کر دوں گا۔ آپ کسی دوسرے کی یہ ڈیوٹی لگائیں گے، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا نفس برداشت نہ کرے اور میں اس مسلمان کا مقابلہ کر کے اور کافر باپ کا حمایتی بن کر جہنمی بن جاؤں۔؟  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سُن کر اُن کو فرمایا کہ اُس کے باپ سے نرمی کی جائے گی۔“ (ابن خلدون)

**قصہ افک** ہجرت نبوی کے پانچویں برس اسی غزوہ بنو مصلط سے واپسی پر قضیہ افک پیش آیا۔ اس واقعہ کو امام بخاری امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیحین میں اور متعدد محدثین نے بروایت زہری بواسطت عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص، عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود (وغیرہم) نقل فرمایا۔ اس جگہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیان کا مفہوم درج کیا جاتا ہے (والعون من اللہ تعالیٰ) حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سفر پر تشریف لے جانے کا ارادہ فرماتے تو ازواجِ مطہرات میں قرعہ اندازی فرماتے اور جس بی بی کا نام نکل آتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ ایک جہاد پر جب معمول قرعہ اندازی فرمائی، تو میرا نام نکل آیا اور مجھے ہمراہی کا شرف میسر آ گیا چونکہ یہ واقعہ آیاتِ پردہ کے نزول کے بعد کا تھا، اس لئے میرے لیے لوہے کا ہودج (ایک ڈولی نما شے) بنایا گیا، میں ہودج میں سوار ہوتی، تو میرا ہودج ہی اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا اور اُسے ہی اتار لیا جانا، مجھے ہودج سے باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔



اسی طرح ہم مدینہ طیبہ سے چل دیئے۔ جب جہاد سے واپس لوٹے تو مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ کر ایک جگہ اترے۔ رات ہی کو کوچ کا اعلان ہوا۔ میں ہودج سے نکل کر محبت میں رفع حاجت کے لئے لشکر سے باہر چلی گئی (تاکہ راستے میں پریشانی نہ ہو) جب واپس اپنے اونٹ کے پاس آئی تو مجھے پتہ چلا کہ میرا ہار جو کہ مہربانے ظفار (عقیقہ یمنی) سے بنا ہوا تھا کہیں گر گیا ہے، میں اُس کی تلاش میں دوبارہ رفع حاجت والی جگہ پر چلی گئی اور بار تلاش کرنے لگی، مجھے کچھ دیر ہو گئی اور میری عدم موجودگی میں میرے ہودج کو اونٹ پر باندھ دیا گیا۔ لوگ اس گمان میں رہے کہ میں ہودج کے اندر موجود ہوں، چونکہ اُس زمانے کی عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، ان پر گوشت چڑھا ہوا نہیں ہوتا تھا، علاوہ ازیں میں ابھی کم سن تھی، اس لئے ہودج اٹھانے والوں نے محسوس نہ کیا کہ میں اس میں نہیں ہوں اور وہ خالی ہودج اونٹ پر لاد کر چل دیئے۔ جب میں ہار ڈھونڈھ کر آئی تو سب جاچکے تھے اور پڑاؤ خالی تھا۔ مجبوراً میں اُسی جگہ اس خیال میں ٹھہر گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھے نہ دیکھیں گے، تو ضرور مجھے تلاش کرنے کے لئے واپس تشریف لائیں گے۔ میں اپنی جگہ بیٹھی تھی کہ اچانک نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گئی۔ حضرت صفوان بن معطل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) لشکر کے پیچھے رہا کرتے تھے۔ اُن کی ڈیوٹی تھی کہ لشکر کے پیچھے پیچھے چلیں تاکہ کسی کی گری پڑی چیز اُٹھا کر اُس کے مالک تک پہنچائیں۔ جب صبح ہوئی تو تو صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر کے پڑاؤ کی جگہ پر پہنچے، انہوں نے مجھے سوتے ہوئے دیکھ کر سمجھا کہ شاید کوئی لشکر کی سوتارہ گیا ہے، لیکن مجھے دیکھتے ہی وہ پہچانی گئے، کیونکہ آیات پردہ نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا، اس پر انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا۔ میں ان کے اس آیہ مبارکہ کے پڑھنے کی آواز سے بیدار ہو گئی اور جلدی سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم، انہوں نے نہ تو مجھ سے کوئی بات کی اور نہ ہی سوائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے



میں نے کوئی لفظ ان کی زبان سے سنا انہوں نے اپنی اُونٹنی میرے قریب لے کر بٹھادی اور اُس کا گھٹنا باندھ دیا۔ میں اٹھی اور اُونٹنی پر سوار ہو گئی۔ (حضرت) صفوان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اُونٹنی کی مہار پکڑی اور پیدل چلنے لگے۔ دو پہر تک ہم اپنے لشکر تک جا پہنچے، ہوا ایک منزل میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ ہمارا گزر منافقین کے گروہ کے قریب ہوا، وہاں عبداللہ بن ابی اور اُس کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے میرے بارے میں تہمت تراشی شروع کر دی۔ تہمت تراشیوں کا پیشوا عبداللہ بن ابی تھا، جو ہر جگہ یا وہ کوئی اور چرچا کر رہا تھا۔ بعض مخلص مومنین بھی اس کے مکروہ پڑوسی گنڈے کا شکار ہو گئے، جن میں حضرت حستان بن ثابت، حضرت مسطح اور حضرت حمزہ بنت جحش (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی شامل تھے۔ میں مدینہ طیبہ پہنچ کر بیمار ہو گئی۔

مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں تھا ایک شب میں اُم مسطح کے ساتھ رات کو رفع حاجت کے لئے نکلی، تو واپسی اُم مسطح کا پاؤں اُن کے دامن میں الجھا، وہ گرنے لگی، تو اس کے مُنہ سے نکلا ”مسطح مرے“۔ میں نے اعتراض کیا کہ تم نے ایک بدری صحابی کے متعلق یہ نازیبا کلمات کیوں کہے؟ اُم مسطح نے کہا: اے بیٹی! تجھے کیا معلوم کہ میرے بیٹے مسطح نے تبرے بارے میں کیا کہا ہے؟ میں نے انکار کیا تو اُس نے تہمت تراشیوں کی کہی ہوئی بات مجھے سنادی۔ یہ رُوح فرسا خبر سُن کر میری بیماری مزید بڑھ گئی۔ میں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے والدین کے ہاں چلی گئی تاکہ مجھے والدین سے یقینی خبر مل جائے۔ میری والدہ نے مجلس خبر کی شہرت کے بارے میں بتایا اور تسلی دی کہ حاسد لوگ طرح طرح کی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ میں اس صورتِ حال سے مطلع ہو کر ساری رات سخت پریشانی کے عالم میں روتی رہی، صبح تک نہ تو میرے آنسو ٹھکے اور نہ ہی نیند آتی۔ پھر دن بھر بھی اسی حال میں گزرا، میرا چین و سکون برباد ہو چکا تھا اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی نازل نہ ہوئی۔

رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تحقیق حال کے لئے اپنی خادمہ بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی پوچھا۔ جب پاکدامنی متحقق ہو گئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف پر جلوہ افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ ”مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے اپنی اہلیہ کے بارے میں اچھاتی ہی معلوم ہوتی ہے اور لوگ اس بارے میں جس آدمی (صفوان) کا نام لے رہے ہیں، مجھے اُس کے اندر کوئی بُرائی نظر نہیں آتی۔ عبداللہ بن ابی اور اُس کے ساتھیوں کی الزام تراشی سے مجھے تکلیف پہنچی ہے“ اس پر بنو خزرج اور بنو اوس کے درمیان بحث و تکرار شروع ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو خاموش کروایا اور خود بھی خاموشی اختیار فرمائی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اس روز میں دن بھر بھی روتی رہی اور پوری رات بھی میرے آنسو نہ کھٹے، نیند کو سوں دور تھی۔ والدین کو اندیشہ لاحق ہو گیا کہ یہ روتے روتے ہلاک ہو جائے گی۔ وہ مجھے برابر تسلی دے رہے تھے، مگر مجھے سکون نہ ملتا تھا۔ کچھ دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور میرے قریب تشریف فرما ہوئے۔ قبل ازیں جب سے چہ میگوئیاں شروع ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف فرما نہ ہوئے تھے۔ اس طرح ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا تھا۔ اُس روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا حال ہے؟ میری والدہ نے عرض کیا کہ بخارا اور لرزہ ہے۔ میری کمزوری بھی حد سے بڑھ گئی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ شہادت پڑھ کر فرمایا: اے عائشہ! مجھے تمہارے متعلق ایسی ایسی خبر ملی ہے۔ سُنو! اگر تم بری اور پاک ہو تو اللہ تعالیٰ عنقریب جی نادل فرما کر تمہاری پاکدامنی کا اعلان کر دے گا، لیکن اگر تم سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ کر، کیونکہ جب بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اپنے پُرکار سے معافی مانگتا ہے، تو اللہ تبارک و تعالیٰ سب گناہ معاف فرما دیتا ہے۔“

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی گفتگو مکمل فرما چکے تو مجھے ایک اعتبار سے سکون سا آگیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کلام مبارک میں میرے لئے خوش خبری اور بشارت تھی، میرے آنسو تھم گئے تھے۔ میں نے اپنے والدین سے عرض کیا کہ رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کا جواب دیں، مگر انہوں نے معذوری ظاہر کر دی۔ آخر میں نے خود ہی کہا: ”میں نو عمر لڑکی تھی، قرآن کریم زیادہ نہیں پڑھا تھا، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے جان لیا کہ آپ نے لوگوں سے یہ بات سن کر اپنے دل میں جمالی ہے اور اسے سچ سمجھ لیا ہے۔ اب اگر میں عرض کروں کہ میں اس سے پاک ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو آپ (شاید) میری تصدیق نہیں فرمائیں گے اور اگر میں اعتراف کروں حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس فعل سے پاک ہوں تو آپ (غالباً) مجھے سچا جانیں گے اب میں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہتی ہوں کہ میں اپنے اور آپ کے بارے میں سوائے اس کے کوئی مثال نہیں پاتی کہ جو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے والد گرامی نے کہا تھا:

قَصَبٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝

”اب صبر جمیل ہی ہے اور اللہ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہے اس پر کہ جو کچھ تم بیان فرما رہے ہو“ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ میں یہ تو جانتی تھی کہ چونکہ میں سچی ہوں، اس لئے اللہ تعالیٰ میری پاکدامنی سے اپنے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو مطلع فرمادے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! میں سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ میرے بارے میں اللہ تعالیٰ ایسی وحی (قرآن کریم) نازل فرمائے گا جسے قیامت تک پڑھا جائے گا، کیونکہ اپنے وجود میں میری شان بہت کمتر ہے، اس لائق نہیں۔ مجھے امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رب کریم جل شانہ کوئی نہ کوئی ایسا خواب ضرور دکھائے گا، جس سے میری پاکدامنی ثابت ہو جائے گی، مگر اللہ تعالیٰ کی قسم! ابھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے اور

نبی میرے والدین میں سے کوئی اٹھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر  
اناروحی نمودار ہو گئے۔ نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی  
پیشانی مقدس پر سخت سردی کے زمانے میں بھی چاندی کے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے  
پینچنے لگتے تھے۔ رہر حال، جب وحی نازل ہو چکی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے  
مُسکراتے ہوئے جو جملہ سب سے پہلے ادا فرمایا، وہ یہ تھا:-

عَائِشَةُ أَمَّا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقَدْ بَرَآكَ -

”اے عائشہ! (مبارک ہو) اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تمہیں اس الزام سے بری فرمادیا ہے۔“  
اس پر میری والدہ محترمہ نے فرمایا، عائشہ! اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا  
شکر یہ لو ا کرو، مگر اس وقت میں نے جذبات سے بے قابو ہو کر، میں نے عرض کی کہ خدا تعالیٰ  
کی قسم میں ان کی بجائے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا شکر ادا کروں گی کہ جس نے میری پاکدامنی کا  
اعلان فرمایا۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی  
جو اس وقت آیات نازل ہوتی تھیں: اِنَّ الْاٰدِیْنَ جَاۤءُوْا بِالْاٰفَکِ عَصَبَةٍ مِّنْکُمْ  
.... دس آیات مبارکہ (یعنی سورۃ النور کی گیارہ سے لے کر اکیس تک آیات مبارکہ)  
ازاں بعد تاجدارِ عرب و عجم رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہایت خوش و خرم  
مسجدِ نبوی شریف میں جلوہ گر ہوئے اور صحابہ کرام کو جمع فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا، اور  
نادل شدہ آیات مبارکہ کو صحابہ کرام کے سامنے تلاوت فرمایا۔

مروی ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مذکورہ آیات مبارکہ کی  
تلاوت فرما چکے، تو الزام تراشی کرنے والوں کو طلب فرمایا اور ان پر حدِ قذف جاری  
فرماتے ہوئے اسی اسی کوڑے لگوائے۔ (بخاری، مسلم، مظہری، مدارج و دیگر کتب سیر اہل حق)  
نوٹ: اقبہات اہل مینین خصوصاً حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شفقت  
اعزاز کا اندازہ لگانے کے لئے قرآن کریم پارہ اٹھارہ سورۃ النور کی گیارہ تا پچیس آیات  
کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

حضرت سیدہ ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ہجرت کے پانچویں سال حضور  
کی شادی اور آیہ حجاب کا نزول نے حضرت زینب بنت جحش  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اہل سیر نقل فرماتے ہیں کہ ان ہی کے زفاف  
میں آیہ حجاب کا نزول ہوا۔ یعنی قبل ازیں اسلام میں عورتوں کو مردوں سے پردہ  
کرنے کا حکم نہیں تھا۔ یہ حکم اسی سال نافذ فرمایا گیا۔ (مدارج النبوة)  
خیال رہے کہ علامہ ابن خلدون نے غزوہ بنی مصطلق اور اس سے متعلقہ  
واقعات کو سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

## ہجرت نبوی کا چھٹا سال ۶ھ بمطابق ۶۲۷-۶۲۸

ہجرت مدینہ منورہ کے چھٹے سال میں پیش آنے والے بہت سے واقعات  
میں سے چند اہم واقعات یہ ہیں:

حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام  
علیہ السلام کی شہزادی حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر تھے۔ چونکہ  
ابتداءً اسلام میں مشرک مردوں اور عورتوں کا مومن مردوں اور عورتوں سے نکاح  
جائز تھا، اس لئے ابوالعاص کے مشرک ہونے کے باوجود سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
ان کی زوجیت میں تھیں۔ غزوہ بدر کے دن ان کو گرفتار کر کے بارگاہ اقدس میں پیش کیا  
گیا تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بھی دوسرے قیدیوں کی طرح  
فدیہ طلب فرمایا، جس پر سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مکہ مکرمہ سے فدیہ کے طور پر وہ



ہار بھیجا جو کبھی حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھوڑے مبارک کی زینت ہوا کرتا تھا اور یہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز میں ملا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ہار دیکھا، تو اُمّ المؤمنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یاد آگئی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رقت طاری ہو گئی۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا اگر تم ابوالعاص سے فدیہ نہ لو اور احسان کرتے ہوئے ان کو چھوڑ دو تو بہتر ہوگا۔ صحابہ کرام نے اس مبارک خواہش کو بسر و چشم قبول کر لیا۔ رسول محترم نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوالعاص کو آزاد فرماتے ہوئے حکم دیا کہ تمیری بیٹی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ طیبہ بھیج دیں۔ جب ابوالعاص مکہ مکرمہ واپس گئے۔ تو مشرکین مکہ کے شدید اصرار اور رکاوٹ کے باوجود ابوالعاص نے سید زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ طیبہ بھیج دیا۔

۱۔ جمادی الاول میں یہ ستر دیگر کفار کے ساتھ ملک شام سے واپس آ رہے تھے کہ مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلہ پر موضع عیص میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت مسلمانوں کی سپاہ سے ان کی مدد بھیڑ ہو گئی۔ ابوالعاص کو گرفتار کر کے بارگاہ اقدس میں پیش کیا گیا۔ ان کے پاس مشرکین مکہ کا بہت سا تجارتی سامان بھی تھا۔ حضرت سید زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سفارش پر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پھر آزاد فرما دیا۔ مزید مہربانی یہ فرمائی، وہ سب سامان تجارت بھی واپس فرمایا۔ اس پر بعض احباب نے یہ مشورہ دیا کہ مسلمان ہو جاؤ اس طرح یہ سب مال تمہارا ہو جائے گا۔ ابوالعاص نے کہا: ”خدا کی قسم! میں اپنے ایمان کو دنیا کے اس مال سے آلودہ نہیں کروں گا۔ یعنی اس لالچ میں مسلمان نہیں ہوں گا۔ پھر ابوالعاص مکہ مکرمہ کو پہلے گئے۔ سب لوگوں کا مال اُن کے سپرد کر کے پوچھا، بتاؤ تم میں سے کسی بھی



شخص کا کوئی حق مجھ پر باقی تو نہیں رہ گیا جسے میں نے ادا نہ کیا ہو؛ سب لوگوں نے ابوالعاص کی تعریف و تحسین کرتے ہوئے اقرار کیا کہ آپ نے ہم احسان کیا کہ اپنی جان پر کھیل کر ہمارا مال بچا لیا۔ اس پر حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان فرما دیا۔ (اسد الغابہ)

ہجرت کے چھٹے برس ماہ ذی قعدہ میں پیر کے دن  
**وَاقِعَاتِ حَدِيثِيهِ** رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ  
 سے اداۓ عمرہ کے لئے عازم مکہ مکرمہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ  
 مختلف روایات کے مطابق تیرہ سو یا پندرہ سو کے قریب صحابہ کرام تھے۔ حضور نبی کریم  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کے اظہار کے لئے کہ ہمارا ارادہ جنگ کرنے  
 کا نہیں، قربانی کے اونٹوں کو آگے روانہ فرما دیا تھا۔ مزید برآں مدینہ طیبہ سے احرام عمرہ  
 بھی باندھ لیا تھا، اس کے باوجود قریش مکہ نے اس کی خبر پاتے ہی لڑائی کی تیاری  
 شروع کر دی اور پروگرام بنایا کہ مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس  
 مقصد کے لئے انہوں نے خالد بن ولید کی زیرِ کمان ایک دستہ سواروں کا کراع النعم  
 کی طرف بڑھایا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ سے بچنے کے لئے  
 عام راستہ کو چھوڑ کر شنیۃ المار کا راستہ اختیار فرمایا اور مقام حدیبیہ تک جا پہنچے۔  
 یہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا  
 کہ شاید اونٹنی تھک گئی ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا  
 "لَكِنْ حَسْبَهَا حَاسٍ الْقَيْلُ -

”لیکن اُسے ہاتھی روکنے والے (یعنی اللہ تعالیٰ) نے روک دیا ہے۔“  
 چونکہ قریش پوری طرح لڑائی پر آمادہ تھے اور نہ چاہتے ہوئے بھی کشت و خون بڑی  
 کا اندیشہ تھا، شاید اسی لئے حکم خداوندی ناقہ رُک کی تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے خدا تعالیٰ کی قسم! آج اگر فطیش میرے لئے رکاوٹ نہ بنتے، تو وہ بہ نظر صلہ رحم مجھ سے جو مانگتے ہیں ان کو دے دیتا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سواری سے اتر آئے اور صحابہ کرام کو بھی قیام کا حکم ارشاد فرمایا۔ صحابہ کرام نے اس جگہ پانی کی کمی کی شکایت کی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر دیا۔ صحابہ کرام نے حسب الحکم وادی کے ایک پتھر میں گاڑ دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھر سے پانی کے چشمے بہا دیے، جس سے پورا لشکر سیراب ہو گیا۔ مورخین کے مطابق یہ عمل کرنے والے حضرت جابر بن عبد ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ (ابن خلدون)

## پانی کی فراہمی کا اعجاز

مذکورہ بالا واقعہ کے سوا مدارج النبوة میں اس قسم کے کئی واقعات ہیں، مثلاً کنوئیں کا پانی جاری ہونا کلی کی برکت سے پانی بڑھ جانا اور اسی طرح سے بارگاہ اقدس میں عرض کیا گیا کہ پانی ختم ہو گیا ہے۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک بڑا پیالہ (آبخورہ) پڑا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے حضور فرمایا۔ پھر صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: تمہارا کیا حال ہے؟ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے کہ آپ کے اس پیالے کے سوا پورے لشکر میں پانی نہیں ہے۔ نہ وضو کیلئے اور نہ ہی پینے کے لئے، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیالے میں اپنا دست مقدس کھ دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ، ہم نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان پانی چشموں کی طرح اُبلنے لگا، یہاں تک کہ پورے لشکر نے پانی پیا بھی اور وضو بھی کیا۔ سالم بن ابی الجہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ تم ان دنوں کتنے آدمی تھے؟ تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر ہم ایک لاکھ ہوتے تب بھی پانی کافی سمجھتا، ویسے ہم پندرہ سو تھے۔ (بخاری عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

کفائے نامہ و پیام صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم حرم محترم کی عزت و حرمت  
 جب مشرکین مکہ نے دیکھا کہ حضور نبی اکرم رسول معظم  
 کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جنگ سے گریزاں ہیں، تو وہ مغرور ہو گئے اور دیگر قبائل  
 عرب پر یہ ثابت کرنے کیلئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم (معاذ اللہ تعالیٰ)  
 ہم سے دب گئے ہیں، ان کو درمیان میں لے آئے۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے بدیل  
 بن ورقہ خزاعی کو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کے پاس بھیجا تا کہ وہ اہل ایمان  
 کو بتا دے کہ ان کو مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ بدیل نے بارگاہ اقدس  
 میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے گفتگو کی، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کے ارشاد  
 عالیہ سے اس قدر متاثر ہوا کہ واپس جا کر سمجھانا سمجھانا شروع کر دیا۔ قریش نے  
 بدیل پر الزام لگا دیا کہ اس نے مسلمانوں سے سازش کر لی ہے، اس لئے انہوں نے غرہ  
 بن مسعود ثقفی کو بھیجا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم سے گفتگو بھی  
 کی اور اُس نے یہ بھی دیکھا کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم سے کمال  
 درجہ کی محبت و عقیدت رکھتے ہیں، مثلاً اُس نے دیکھا کہ جب حضور سرورِ عالم نورِ محبت  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم وضو فرماتے ہیں، تو صحابہ کرام پانی کا ایک قطرہ بھی زمین  
 پر نہیں گرنے دیتے، بلکہ اس غسالہ وضو کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور چہروں پر  
 مل لیتے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کلی فرماتے ہیں یا لعابِ ہن (یعنی  
 تھوک مبارک) پھینکتے ہیں، تو صحابہ کرام اس کے حصول کے لئے اس قدر تگ و دو  
 کرتے ہیں گویا کہ ابھی لڑ پڑیں گے جس کو لعابِ دہن مل جاتا ہے، وہ جلدی جلدی  
 اپنے منہ پر مل لیتا ہے اور جسے نہیں ملتا، وہ اس کے ہاتھوں سے ہاتھ مل کر ہی منہ پر مل  
 لیتا ہے، کتنی شریفہ فرماتے وقت اگر کوئی بال نکل آتا ہے، تو نہایت عزت و  
 احترام سے تبرک جان کر لے لیتے ہیں۔

صحابہ کرام کے اس عمل سے عرودہ بہت متاثر ہوا اور مشرکین مکہ سے جا کر کہاں گئے  
 دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اور مغرور و سلاطین دیکھے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی قسم! میں کسی بھی  
 بادشاہ کے درباریوں کو ایسا ادب و احترام کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جیسا کہ حضرت محمد  
 (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ کرام اُن کا کرتے ہیں۔ عرودہ نے تفصیل بیان  
 کرتے ہوئے کہا: اُن سے نہ اُلجھنا چاہیے مجھے اُمید ہے کہ جب تک اُن کا ایک صحابی  
 بھی زندہ رہا، تم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تک نہیں پہنچ سکو گے۔ بہتر ہے  
 کہ تم اُن کو زیارتِ حرم کی اجازت دے دو، مگر مغرور قریش نے انکار کر دیا۔

حضرت حراش بن امیہ رضی اللہ عنہ  
 قاصدِ رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جب قریش کی طرف سے  
 تو رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے حضرت حراش بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے اونٹ  
 پر سوار کر کے مکہ مکرمہ میں بھیجا تا کہ مشرکین کو سمجھائیں، مگر ان مغرور و سرکش مشرکین نے  
 اونٹ کو قتل کر دیا اور حراش بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ورپے ہو گئے، مگر ان کی قوم کے  
 جو افراد مکہ میں تھے، انہوں نے ان کو مشرکین کے چنگل سے نجات دلائی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی  
 اس کے بعد حضور نبی اکرم سرورِ عالم  
 عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا مگر مشرکین ٹس سے مس نہ ہوئے، بلکہ حضرت عثمان غنی  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی محبوس کر لیا۔ جب حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 اور آپ کے ساتھ جانے والے دیگر صحابہ کرام میں سے کوئی بھی واپس نہ آیا تو یہ خبر مشہور ہو گئی  
 کہ قریش مکہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کو شہید کر دیے۔  
 اس خبر کے مشہور ہوتے ہی رسول کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)  
 بیعتِ رضوان ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر تشریف فرما ہو گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جنگ میں ثابت قدم رہنے کی بیعت لینے لگے کہ اگر بالفرض جنگ ہوتی تو وہ جان کی بازی لگا دیں گے، مگر کسی بھی حالت میں پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

عندہ جب سب صحابہ کرام بیعت کر چکے تو رسول اللہ

بیعت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ

بلند فرما کر صحابہ کرام سے فرمایا: "یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ پھر اس ہاتھ کو دانتیں ہاتھ پر رکھ کر

فرمایا: عثمان کی طرف سے میں خود بیعت کرتا ہوں۔" سبحان اللہ تعالیٰ نے قسمت نہ ہے مقد

جب قریش کے مغرور و سرکش نادان مشرکین کو اس

مشرکین کی بدحواسی بیعت کی خبر پہنچی، تو ان کے ہوش اڑ گئے، نہایت

بدحواسی کے عالم میں صلح کے لئے ہاتھ پیاؤں مانے شروع کر دیئے۔ اس مقصد کے لئے انہوں

نے سہیل بن عمرو کو ایک وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ گفت شنید کے بعد یہ بات

طے پائی کہ اس سال مسلمان قربانی کر کے واپس چلے جائیں گے۔ آئندہ سال آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں بغیر کسی ہتھیار کے صرف تلوار نیا م میں بند لہجہ

داخل ہوں گے اور تین دن تک قیام کریں گے۔ یہ صلح دس سال تک قائم رہے گی

ایک دوسرے کو کسی قسم کی کوئی ایذا نہیں پہنچائی جائے گی۔ نیز جو کوئی کفار مکہ سے بھاگ کر

مسلمانوں سے جا ملے، اسے واپس کر دیا جائے گا، لیکن اگر کوئی مسلمان (معاذ اللہ)

مرتد ہو کر کفار سے آن ملا، تو واپس نہ کیا جائے گا۔ اس بات پر مسلمان بھڑک اٹھے،

مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو خاموش کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ اس میں بھی مسلمانوں کے لئے بہتری کی کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔" صلح نامہ

کا مضمون حضرت علی المرتضیٰ اکرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے تحریر فرمایا۔ کفار کے اعتراضات

کی وجہ سے چند ایک رکاوٹیں بھی پیدا ہوئیں، مگر رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے شانِ کرمی سے کام لیتے ہوئے درگزر فرمایا اور معاہدہ تحریر ہو گیا۔



ابھی عہد نامہ تحریر کیا جا رہا تھا کہ سہیل بن عمرو  
**ابو جندل بن سہیل کی آمد** کا بیٹا حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

گرتے پڑتے حاضر خدمت ہو گئے۔ یہ پہلے ایمان لائے تھے اور ان کے باپ سہیل بن عمرو  
 نے ان کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ یہ کسی نہ کسی طرح آزاد ہو کر مدینہ میں پہنچ گئے۔  
 سہیل اپنے بیٹے کو دیکھتے ہی چلا اٹھا کہ: اقل ما نقصا علیہ۔

”یعنی یہ پہلا وہ شخص ہے جس پر ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہونا ہے۔“

حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو اپنی داستانِ غم سنائی اور باب  
 کی طرف سے ملنے والی سزاؤں کا ذکر کیا، تو صحابہ کرام کے دل بھر آئے، ان کی آنکھوں میں  
 آنسو تیرنے لگے۔ وہ ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاطر کچھ بھی کرنے کے لئے تیار ہو گئے

مگر رسولِ برحق نبی صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ابو جندل ہم  
 وعدہ خلافی نہیں فرماتے، تم واپس چلے جاؤ، اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے لئے آسانی پیدا  
 فرمائے گا اور تمہاری رہائی کا سبب پیدا فرمادے گا۔“ چنانچہ حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کو واپس کر دیا گیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ مکرمہ جانے  
**قیدیوں کا تبادلہ** کے بعد کفارِ مکہ کے تیس سے پچاس افراد پر مشتمل  
 ایک گروہ نے مسلمانوں پر شبِ خون مارنے کی کوشش کی، مگر اہل ایمان نے ان سب کو  
 گرفتار کر لیا تھا۔ یہ ابھی تک مسلمانوں کی قید میں تھے۔ قریشِ مکہ کے مذکورہ بالا وفد نے  
 ان کی رہائی کا مطالبہ کیا، تو رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جب تک  
 عثمان اور ان کے ساتھیوں کو رہا نہیں کیا جاتا، میں تمہارے قیدی رہا نہیں کروں گا۔“  
 اس پر سہیل بن عمرو اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے مکہ مکرمہ میں پیغام بھیجا  
 تو حضرت عثمان غنی اور ان کے ساتھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، رہا ہو کر بارگاہِ اقدس



میں پہنچ گئے، تو حسب وعدہ کفار کے قیدی رہا کر دیئے گئے۔

صلح حدیبیہ قربانی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹوں کو خر فرمایا یعنی قربان کیا، اور سرانور کو منڈوا یا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں صحابہ کرام نے بھی ہدی کے جانور ذبح کئے اور سر منڈوا کر احرام کھول دیئے۔

## سلاطین ماکو و دعوت اسلام کے خطوط

اسی سال رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اطراف و اکناف کے سلاطین اور بادشاہوں کو وفود اور فرامین ارسال فرمائے۔ بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ ترسیل فرامین کا عمل ہجرت کے ساتویں سال ماہ محرم سے تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ یہ عمل مبارکہ ترسیل فرامین چھٹے سال کے بالکل آخر اور ساتویں کے ابتدائے میں واقع ہوا، اس لئے اشتباہ پیدا ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مدارج النبوة)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب

## انگشتری یا مہر مبارک

فرمایا تو صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بادشاہ لوگ اس خط کو اہمیت نہیں دیتے کہ جس پر مہر لگی ہوئی نہ ہو۔ اس پر الہام خداوندی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی، اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا اور حکم مبارک کے موافق اس نگینہ پر محمد رسول اللہ اس انداز کا لکھا تھا کہ پہلی سطر میں لفظ اللہ دوسری سطر میں رسول اور تیسری سطر میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

تھا۔ یعنی (اللہ رسول محمد) اس انداز میں۔ (مدارج النبوة)

ایسی مہر مبارکہ ثبت فرما کر جن سلاطین زمانہ کے نام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نامہ ہائے اقدس روانہ کئے گئے، ان میں ایک نجاشی شاہ حبشہ ہیں۔ دوسرا ہرقل شاہ روم، تیسرا کسری شاہ فارس، چوتھا مقوقس حاکم اسکندریہ، پانچواں عارف بن ابی شمر غسانی حاکم شام، چھٹا ہودہ بن علی حاکم یمامہ (نجد)، اور عند بعض حالات منذر بن ساوی حاکم بحرین ہے۔

رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس قاصد کو جس ملک کی طرف روانہ فرمایا وہ قاصد اس کی زبان سے واقف ہوتا تھا۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۱) اور یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ان ممالک کا زبان ان بنادیا جہاں انہیں بھیجا گیا۔ (مدارج النبوة جلد ۱) ذیل میں مذکورہ بالا حکام کی طرف تحریر کئے گئے خطوط کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

### (۱) شاہ نجاشی کے نام حضرت عمرو بن امیہ صمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو دو خط عطا فرما کر حبشہ کے فرماں روا حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف روانہ فرمایا ایک خط میں تو شاہ نجاشی کو دعوت اسلام دی گئی تھی اور دوسرا خط حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق تھا۔ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نامہ مبارک وصول کر کے تعظیماً اپنی آنکھوں سے لگایا اور ازراہ احترام اپنے تحت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ (کتاب الوفا جلد ۲، تاریخ طبری)

پھر اس نے ترجمان کو بلوا کر نامہ اظہر پڑھنے کا حکم دیا۔ فرمان رسالت مآب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کچھ یوں تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
مَنْ مَحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى النِّجَاشِیِّ عَظِیْمِ الْحَبَشَةِ سَلَامٌ  
عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهَدٰی اَتَابَعْدُ فَاِنِیْ اَحْمَدُ اِلَیْكَ اللّٰهُ الَّذِیْ

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقَدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ  
 وَاشْهَدَ أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رُوحُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ الْقَاهَا  
 إِلَى مَرْيَمَ الْبَتُولِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِينَةِ فَحَمَلَتْ بِعِيسَى مِنْ رُوحِهِ  
 وَنَفَخَ كَمَا خَلَقَ آدَمَ بِيَدِهِ وَإِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى اللَّهِ وَحْدَهُ لَا  
 شَرِيكَ لَهُ وَالْمَوَالِاةَ عَلَى طَاعَةٍ وَإِنْ تَتَّبِعْنِي وَتُؤْمِنَنَّ  
 بِالَّذِي جَاءَنِي فَأَنْتَ مِنْ رُسُولِ اللَّهِ وَإِنِّي أَدْعُوكَ وَجُنُودَكَ  
 إِلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَقَدْ بَلَغْتَ وَنَصَحْتَ فَأَقْبِلْ نَصِيحَتِي وَالسَّلَامُ  
 عَلَى مَنْ أَتْبَعَ الْهَدْيَ -



رہ خط کی مذکورہ بالا عبارت طبقات ابن سعد جلد ۲، ص ۱۵ کے مطابق ہے۔  
 طبری اور ابن خلدون وغیرہم نے متن میں تھوڑا سا اختلاف کیا ہے، مگر محققین کے  
 نزدیک صحیح عبارت مذکورہ بالا ہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،  
 مکتوب گرامی کا ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے۔  
 محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، کی طرف سے شہنشاہ حبشہ نجاشی کے  
 نام، سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ انا بعد میں تمہارے سامنے اُس  
 اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ تمام کائنات  
 کا مالک ہے، اُس کی ذات ہر عیب سے ماوریٰ ہے۔ سلامتی اور امن کی پناہ گاہ صرف  
 اُسی کی ذات اقدس ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم  
 (علیہ السلام) روح اللہ ہیں اور اُس کا کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے پاک و عفت مآب مریم  
 (علیہا السلام) پر اتقا فرمایا تو وہ عیسیٰ (علیہ السلام) سے اُس کی روح اور نفخہ سے حاملہ ہوئیں  
 جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا

اور میں تم کو وحدۃ لا شریک کی طرف بلاتا ہوں اور اُس کی اطاعت، موذت اور محبت کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم میری پیروی کرو اور میرے پیغام پر یقین کرو تو میں اللہ تعالیٰ کا رسول آپ کو اور آپ کے لشکر کو اللہ عز و جل کی طرف بلاتا ہوں۔ بلاشبہ میں نے پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کر دی۔ تمہیں چاہیے کہ میری اس نصیحت کو تم قبول کرو و سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ (سیرت حلبیہ و طبقات) حضرت نجاشی اس نامہ اقدس کو سنتے جاتے تھے اور نہایت درجہ متاثر ہوتے جاتے تھے۔ جوں ہی مضمون ختم ہوا، تو انہوں نے فرط شوق و محبت سے نامہ اقدس کو چوم کر سر پر رکھ لیا اور درج ذیل جواب پیش خدمت کیا:

اَلِیْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلٍ اَللّٰهُ مِنَ النِّجَاشِیِّ سَلَامٌ عَلَیْكَ یَا نَبِیَّ  
اَللّٰهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الَّذِیْ  
هَدَانِیْ اِلَی الْاِسْلَامِ اِمَّا بَعْدُ فَقَدْ بَلَغْنِیْ کِتَابُکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ  
فِی مَا ذَکَرْتَ مِنْ اَمْرِ عِیْسٰی فُودِیْتُ السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ اَنْ عِیْسٰی  
عَلِیْہِ السَّلَامُ مَا زَادَ عَلٰی مَا ذَکَرْتَ تَغْرِیْقًا وَاَنْتَ کَمَا قُلْتَ وَ  
قَدْ عَرَفْنَا مَا بَعَثْتَهُ الْبِنَا وَقَدْ مَرَّ بِنَ عَمَلِکَ وَاصْحَابِہِ وَاشْهَدُ  
اَنْکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَقَدْ بَايَعْتُکَ وَبَايَعْتَ ابْنَ عَمَلِکَ اَسْلَمْتُ عَلٰی  
یَدِیْہِ اللّٰہُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ قَدْ بَعَثْتَ اِلَیْکَ بِاَبْنِیْ اَنْ شِئْتَ اَنْ اَتِیَکَ  
فَعَلْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاتِّیْ اَشْهَدُ اَنْ مَا تَقُوْلُ حَقٌّ وَالسَّلَامُ  
عَلَیْکَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ۔ (الوفاء ۲، ص ۷۳۵)

ترجمہ: ”حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نجاشی کی طرف سے، اے اللہ تعالیٰ کے نبی آپ پر اس اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت عطا فرمائی

بعد ازاں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کا نامہ میرے پاس پہنچا۔ آپ نے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے، تو زمین و آسمان کے رب تعالیٰ کی قسم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے ذرہ برابر بھی زیادہ نہیں، اور وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے اور آپ نے جو حکم فرمایا ہے، ہم نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ آپ کے چچا زاد اور ان کے رفقاء (بھی) ہمارے پاس تشریف لاتے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، بے شک میں نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے چچا زاد بھائی کے ہاتھ پر بیعت کی، اُس اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے جو سارے جہانوں کا رب ہے، میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں اور آپ حکم فرماتیں تو میں خود بھی حاضر ہونے کو تیار ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، حق وہی ہے۔ آپ پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو۔“

دوسرا مکتوب گئے امی قدر  
دوسرا خط کہ جسے لکھنے کا شرف حضرت سیدنا

تھا۔ اس میں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تھا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی سفیان کو پیغام نکاح دیں اور جس قدر مہاجرین حبشہ میں ہیں، ان کو مدینہ منورہ روانہ کر دیں۔ حضرت نجاشی نے اپنی طرف سے چار سو مثقال سونا ادا کر کے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا۔ (تفصیلی واقعہ از واجبات مطہرات کے ضمن میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ) اور مہاجرین کو اسباب سفر پیش کر کے دو کشتیوں میں بٹھا کر حضرت عمر بنی مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ کر دیا۔ (کتاب الوفاء) پھر اُس نے ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک خوبصورت صندوقچہ طلب کیا اور کمال احترام سے دونوں نامہ ہائے اقدس کو اس میں محفوظ کیا اور فرمایا، جب تک یہ دونوں نامے



ہمارے پاس ہیں گے، حبشہ تمام آفات و بلیات سے محفوظ رہے گا۔ تاریخ طبری ج ۱، مدارج النبوة (۲)  
**ارتخا احم بن نجاشی** مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت نجاشی نے اپنے بیٹے ارتخا احم کو  
 ساتھ حبشیوں کے ہمراہ ایک کشتی پر سوار کر کے بارگاہ حضور  
 رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف روانہ کر دیا، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان  
 بے نیازی کہ کشتی ڈوب گئی۔ اور یہ سب واصل بچ ہو گئے، (ابن خلدون)

**حضرت نجاشی کی وفات** صحیحہ تھا۔ ہجرت نبوی کے نویں سال رحلت فرما  
 گئے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کی وفات کی خبر دی اور چار تکبیروں کے ساتھ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ (مدارج النبوة - بخاری - مسلم)  
 اس کے بعد دوسرا نجاشی جو کہ حضرت امحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جانشین ہوا۔  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی طرف بھی نامہ اقدس ارسال فرمایا  
 لیکن اس کے ایمان لانے یا نہ لانے کا واضح ثبوت مل نہ سکا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)  
 نوٹ: خیال رہے کہ اہل حبشہ اپنے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے۔ اسی طرح روم  
 کے ہر بادشاہ کو قیصر، ایران کے ہر شہنشاہ کو کسری اور مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون  
 کہا جاتا تھا۔

**۲) مکتوب گرامی قدر بنا قیصر روم** دوسرے شاہان مملکت کی طرح ایک خط  
 حضرت امحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیصر روم کو بھی ارسال فرمایا۔ یہ خط لے کر جانے والے مشہور صحابی حضرت ذئب بن  
 خلیفہ البکلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ان کو حکم تھا کہ یہ خط حاکم بصری کے پاس  
 لے کر جائیں تاکہ وہ اسے قیصر روم تک پہنچا دے۔ ان دنوں قیصر شہر حمص میں تھا۔



والی بصری نے حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ”حمص“ بھجوا دیا۔ قیصر روم کے حمص میں ہونے کا سبب یہ تھا کہ کسریٰ کے ہاتھوں بدترین شکست سے دوچار ہو جانے کے بعد قیصر نے منت مانی تھی کہ اگر اُسے فتح حاصل ہو جائے تو وہ بیت المقدس تک پیدل سفر کرے گا۔ قیصر اپنی اسی منت کو پورا کرنے کے لئے جارہا تھا۔ اُس کے ظاہری جاہ و جلال کا یہ عالم تھا کہ قیصر جس راستے سے گزرتا، اس پورے راستے میں قالین بچھا دیے جاتے اور اُن کے اوپر پھولوں کی تہہ بچھا دی جاتی۔ (طبری جلد سوم)

اور جو شخص بھی قیصر روم کے سامنے جاتا، وہ زمین کو چوم کر سجدہ تعظیم کو بجا لاتا۔ دربار رسالت کے سفیر حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانِ ذیشان لے کر قیصر کے پاس تشریف لے جانے لگے، تو لوگوں نے ان کو آدابِ شاہی سے آگاہ کرتے ہوئے کہا: جب تم قیصر کے سامنے پہنچو، تو تختِ شاہی کے قریب جا کر سجدہ کرنا کہ دربار شاہی کا یہی دستور ہے۔ حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً فرمایا: ہم مسلمان ہیں، مجھ سے یہ کام ہرگز نہ ہو سکے گا، کیونکہ ہمارا مذہب اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

الغرض حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نامۃ اقدس ہرقل کو عطا فرمایا اُس میں لکھا تھا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ  
إِلَى هِرَقْلٍ عَظِيمِ الرُّومِ سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى —  
أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدَعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْتَ قَسْلِمَ كُوتِكَ  
اللَّهُ أَجْرُكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ قَوْلَيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْإِسْرَافِيِّينَ؛

لے قرآن کریم کی سورۃ الروم میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے تفصیل کے شائقین کسی بھی معتبر تفسیر یا مستند تاریخ کا مطالعہ فرمائیں۔ علامہ اشیح عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس واقعہ پر ”مدارج النبوة“ میں سیر حاصل بحث فرماتی ہے جو کہ قابل مطالعہ ہے۔ ۱۲ منہ

وَيَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ  
إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَدْبَارًا  
مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝

(صحیح بخاری - کتاب الوفا ج ۲)

اللہ  
رسول  
محمد

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے، اللہ تعالیٰ کے بندے اور  
اُس کے رسول محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے بادشاہ روم ہرقل کی طرف  
سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بعد ازاں! میں تمہیں اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں۔  
اگر اسلام لے آؤ، تو سلامت رہو گے اللہ تعالیٰ تمہیں دو گنا اجر عطا فرمائے گا اور  
اگر روگردانی کرو گے، تو رعایا کا گناہ بھی تمہارے سر ہو گا اور اے اہل کتاب! اس کلمہ کی  
طرف آ جاؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا،  
کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور کسی بھی شے کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم  
اللہ تعالیٰ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو رب نہیں بنائیں گے۔ اگر تمہیں ان باتوں کا  
انکار ہے، تو اے نبی! تم فرما دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں“ (ابن خلدون،  
ہرقل نے اُس مکتوب گرامی القدر کو تعظیماً اپنے سر اور آنکھوں پر رکھ کر نامہ اقدس  
کے مضمون کی سیئت سے اُس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ (مدارج النبوة) اور اُس نے  
حکم دیا کہ تلاش کرو کہ میری سلطنت میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس دعوتی نبوت  
کرنے والے کا قریبی یا ہم قوم ہو“ اتفاقاً ابوسفیان بن حرب بغرض تجارت ملک شام  
گیا ہوا تھا اور یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سخت عداوت رکھتا تھا۔  
لوگ اسے ہرقل کے سامنے لے آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے رُلتے  
کہ اسلام قبول کرنے کے بعد، ابوسفیان نے بتایا، جب ہم یعنی میں اور میرے ساتھی قیصر روم  
کے دربار میں پہنچے، تو اُس نے پوچھا: تم میں سے کون ہے جو قرابتداری کے اعتبار سے

حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا قریبی ہو۔؟ میں نے کہا: وہ میرے چچا  
 کے بیٹے ہیں۔؟ یہ سن کر ہرقل نے میرے سامنے بیٹھے کھڑا کر دیا اور تا کی کمری  
 میں ابوسفیان سے چند سوالات کروں گا۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم فوراً جھٹلا دینا۔  
 ابوسفیان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر جھوٹ ظاہر ہو جانے پر مجھے ذلت و رسوائی کا  
 رنہ ہوتا تو میں ضرور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بہت جھوٹ اور بہستان  
 نہ دھتا، مجھے سزا اور ذلت کا ڈر تھا، اس لئے میں سچ سچ بتا رہا۔ (کتب سیرت و تاریخ)  
 ابوسفیان نے بیان کیا کہ ہرقل نے مجھ سے پوچھا: اس مقدس مستی کا  
 نسب و نسب (خاندان) کیسا ہے؟ میں نے کہا: نہایت شریف النسب ہیں۔؟  
 ہرقل بولا: انبیاء کرام علیہم السلام اسی طرح شریف النسب ہوتے ہیں تاکہ ان کی پڑی  
 میں کسی کو عار نہ ہو۔؟ پھر اُس نے پوچھا: کیا اس سے قبل بھی اس کے خاندان میں کسی  
 نے دعویٰ نبوت کیا تھا؟ میں نے کہا: نہیں۔؟ وہ بولا: اگر ایسے ہوتا تو میں کہتا کہ  
 سے بھی وہم ہو گیا ہے کہ اپنے بڑوں کی تقلید میں دعویٰ نبوت کر بیٹھا۔ پھر ہرقل  
 یعنی قیصر روم نے پوچھا: کیا اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ میں نے کہا:  
 نہیں۔؟ اُس نے کہا: اگر ایسا ہوتا تو میں یہ سمجھتا کہ خاندانی اثر ہے، اس کو بادشاہت  
 کی ہوس ہے اور یہ باپ و داد کی سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے۔؟ اچھا بتاؤ:۔؟  
 جن لوگوں نے اس کا مذہب قبول کیا ہے، وہ کمزور، غریب ہیں یا صاحب شریعت و ملت  
 میں نے کہا: کمزور لوگ اور مسکین لوگ ہیں۔؟ ہرقل بولا: پیغمبروں کے ابتدائی پیروکار ہمیشہ  
 غریب لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔؟ یہ تو بتاؤ؟ اس کے پیروکاروں میں دن بدن اضافہ  
 ہو رہا ہے یا کمی؟ میں نے کہا کہ ”دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔“ ہرقل نے کہا: کیا  
 کشش ہی ایسی ہوتی ہے کہ دن بدن بڑھتی ہی جاتی ہے۔؟ پھر اُس نے دریافت کیا  
 کیا کسی شخص نے اُس کے دین سے اظہارِ بے زاری کر کے اسے چھوڑا بھی ہے؟ میں نے

کہا: ”ابھی تک تو ایسے نہیں ہوا“ ہرقل گویا ہوا: ”ایمان کی یہ ہی خوبی ہے کہ وہ جبر و  
اکراہ سے نہیں، بلکہ اپنی صداقت کے ساتھ دل نشیں ہوتا ہے۔ ایمان کی لذت کی یہی  
تاثیر ہے کہ جب وہ دل میں بیٹھ جاتی ہے اور روح کو متاثر کر دیتی ہے، تو پھر جُدا نہیں ہوتی  
پھر اُس نے سوال کیا: ”بتاؤ! اس کے اس دعوتی نبوت سے قبل تم اپنے تجربہ کے اعتبار  
سے اسے سچا جانتے اور سمجھتے تھے یا کبھی اُس نے جھوٹ بھی بولا ہے۔ اپنی سُنِ فیان کہتے  
ہیں، میں نے کہا: ”نہیں، اُس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا“ ہرقل نے کہا: ”جو شخص لوگوں سے  
جھوٹ نہ بولے، وہ اللہ تعالیٰ پر کس طرح جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ پیغمبر نہ کبھی  
جھوٹ بولتے ہیں اور نہ ہی کسی کو دھوکہ دیتے ہیں۔“ اچھا تو یہ بتاؤ: کبھی اُس نے  
وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے؟“ میں نے کہا: ”ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا، لیکن اب جو  
صُلح حدیبیہ کا معاہدہ ہوا ہے، اس میں دیکھنا ہے کہ وہ اپنے وعدہ پر قائم رہتا ہے  
یا کہ نہیں؟“ ہرقل نے کہا: ”پیغمبر عہد شکن نہیں ہوا کرتے۔ پھر پوچھا: کیا کبھی اُن  
کے ساتھ تمہاری جنگ ہوئی ہے؟“ میں نے کہا: ”ہاں، کئی مرتبہ۔“ اُس نے پوچھا:  
”پھر نتیجہ کیا رہا؟“ میں نے کہا: ”کبھی غالب آتے اور کبھی ہم۔“ ہرقل نے کہا: ”رسول اللہ خدا  
کا یہی حال ہوتا ہے، لیکن بالآخر کامیابی و کامرانی ان ہی کے قدم چومتی ہے۔“ اچھا  
تو بتاؤ: ”وہ تعلیم کیا دیتے ہیں؟“ میں نے کہا: ”وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو،  
کسی اور کو اُس کا شریک نہ بناؤ، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، لوگوں کے ساتھ اچھا  
سلوک کرو، باپ دادا کے مشرکانہ طریقہ چھوڑ دو، نماز پڑھو۔“ یہ سُن کر ہرقل بولا:  
”اُنہ والے نبی کی یہی علامتیں ہمیں بتاتی گئی ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ عنقریب ایک نبی کا ظہور  
ہونے والا ہے، لیکن میرا خیال یہ نہ تھا کہ وہ عرب میں ہوگا۔“ اور سُنو: اگر تم نے  
جھوٹ نہیں بولا تو ایک وزیرہ اس جگہ کا جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں ضرور مالک ہو جائے گا  
اے کاش کہ میں اُن کی خدمت میں پہنچ کر اُن کے پاؤں دھوتا۔“ بخاری۔ طبری، مدارج النبوة

اللہ اکبر! متلاشی حق کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اُس وقت کا بدترین دشمن رسول ابوسفیان مجبوراً سچی باتیں بتا رہا ہے۔ قیصر روم عظیم فاتح ہر قل بغیر کسی دباؤ، لالچ یا خوشامد کے اس کی باتوں کی تصدیق و تائید کرتا جا رہا ہے ویسے تعجب ہے کہ ہر قل نے ابوسفیان سے سچ تو اگلا لیا مگر یہ کیوں نہ پوچھا کہ بھلا تو ایمان کیوں نہیں لایا؟ بہر حال خیال رہے کہ ابوسفیان فتح مکہ کے وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترغیب سے مسلمان ہو گئے تھے۔

قیصر روم ہر قل کی مذکورہ بالا گفتگو اور نامہ اطہر کی تلاوت کی وجہ سے قیصر روم کے دربار میں زبردست ہلچل مچ گئی لوگ مشتعل ہو گئے، یعنی اُن کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ شاید قیصر مسلمان ہو جائے گا اور وہ لوگ دین مسیحی کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اہل دربار کا یہ رنگ دیکھ کر ہر قل نے حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: خُدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ یہی وہ نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔ ان ہی کی صفات ہم نے کتب سماوی میں پڑھی ہیں، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اُن کی پیروی کی تو رومی مجھے ہلاک کر دیں گے۔ پھر ہر قل نے کچھ سوچ کر حضرت وحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صنعا طر نامی شخص کے پاس بھیجا۔ یہ شخص نصاریٰ کا پیشوا، دین مسیحی کا امام اور آسمانی کتب کا زبردست عالم تھا۔ جب حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے پاس گئے، تو اُس نے بھی یہی کہا کہ خدا کی قسم! حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ تم نے جو صفتیں اُن کی بیان کی ہیں، ان کو ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور ان کی نبوت میں ہم کوئی شبہ نہیں رکھتے۔ اس کے بعد صنعا طر کھڑے ہوتے اور گرجا میں آکر کہا: اے روم والو! سنو احمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، کی طرف سے ہمارے پاس ایک خط آیا ہے اس خط میں ہمیں دین حق کی دعوت دی گئی ہے، اُن کی رسالت حقیقت سورج کی طرح روشن ہے۔ تم اقرار کر لو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اُس کے رسول ہیں۔“



یہ سننے ہی وہاں موجود گنواروں اور چہلار نے جناب صنعا طر پر پیڑوں اور تلواروں کے حملہ کر دیا اور ان کو بے دردی سے شہید کر دیا۔ اس کے بعد حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر قتل کے پاس واپس آئے اور اس تمام واقعہ سے مطلع کیا تو ہر قتل نے کہا، میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں نصاریٰ سے ڈرتا ہوں، خدا کی قسم صنعا طر قوم میں مجھ سے بہتر بزرگ تھے اور اہل روم مجھ سے زیادہ اُس کے عقیدت مند تھے۔ (مدارج النبوة و دیگر کتب سیرت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت فیض درجت میں قیصر روم ہر قتل کا جواب ہر قتل (سبر کو لیس) نے پوری کوشش کی کہ امرائے سلطنت اسلام قبول کر لیں لیکن انہوں نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ ہی قیصر روم ہر قتل کی اسلام پسند باتوں کو تسلیم کیا۔ اس پر قیصر روم ہر قتل نے بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں یہ خط ارسال کیا:

توجہ: ”احمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہ جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے، کی خدمت اقدس میں روم کے بادشاہ قیصر کی طرف سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گرامی نامہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے قاصد سمیت پہنچا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ ہم آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا ذکر مقدس انجیل میں پاتے ہیں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں عیسیٰ ابن مریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ہمیں بشارت دی ہے۔ میں نے اہل روم کو دعوت دی ہے کہ وہ آپ کو تسلیم کر لیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اگر وہ میری بات مان لیتے، تو ان کے لئے بہتر تھا۔ کاش میں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت کرنے کا شرف پاتا اور آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے مبارک قدموں کو دھونا۔ (تاریخ یعقوبی جلد ۷)

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-



یَبْقٰی مَلٰئِکَہُمْ مَا بَقِیَ کِتَابِیْ عِنْدَہُمْ (تاریخ یعقوبی)

» یعنی جب تک میرا یہ خط ان کے پاس رہے گا، ان کا ملک سلامت رہے گا

اگرچہ ہر قل ایمان نہ لایا اور ایمان نہ لانے کا سبب اس کی بادشاہت و سلطنت بنی، بایں ہمہ اُس کے دل میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بے انتہا عزت و عظمت تھی۔ شرح زرقانی علی المواہب لدنیہ میں ہے: ہر قل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ اقدس کو اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا، اُسے چوما اور نہایت احترام سے محفل اور ریشم میں لپیٹ کر ایک قیمتی ڈبیہ میں محفوظ کر کے شاہی خزانہ میں رکھا اور یہ مقدس تحفہ کئی صدیوں تک قسطنطنیہ کے شاہی خزانے میں محفوظ رہا۔ (زرقانی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایرانی بادشاہ خسرو پرویز بن ہرمز بن

کا گرامی نامہ بطرف شاہ ایران حاصل تھا وہ آگ کی پوجا کرتا تھا۔

وہ نصف مشرقی دنیا کا شہنشاہ تھا۔ جس طرح روم کے ہر بادشاہ کو قیصر کہتے تھے۔ اسی طرح ہر ایرانی شہنشاہ کا لقب کسری تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ اطہر عطا فرما کر حکم دیا کہ بحرن کے گورنر منذر بن ساوی کی وساطت سے یہ خط کسری کو پہنچا دیا جائے

پہنچنے حسب الحکم حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منذر بن ساوی کے

معمد خاص کی معیت میں کسری کے دربار میں پہنچے اور کسری کو سجدہ کئے بغیر ہی

نہایت بہادری اور جرأت کے ساتھ نامہ اطہر کسری کے سامنے پیش فرما دیا۔

تاریخ طبری کے مطابق خط کا مضمون یہ تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ اِلٰی کَسْرِیْ عَظِیْمٍ فَارِسٍ سَلَامٌ عَلٰی

مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَاٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ

إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَإِن مَّحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ  
وَادْعَاكَ بِدَعَايَةِ اللَّهِ فَإِنِّي أَنَا رَسُولُ اللَّهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً  
لَأَنذَرُ مَنْ كَانَ وَيَحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ فَاسْلَمَ تَسْلِمًا  
فَإِن أَبَيْتَ فَإِنِّي أَثْمَرُ الْمَجُوسَ عَلَيْكَ - (تاریخ الامم والملوک از علاء طبری)

جلد ۲ - معمولی اختلاف کے ساتھ کتاب الوفاء

اللہ  
رسول  
محمد

(تاریخ ابن خلدون)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت  
رحم فرمانے والا ہے۔ (یہ خط) محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے  
کسریٰ شہنشاہ فارس کے نام ہے، سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ  
اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس بات کی گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت  
کے لائق نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور رسول  
ہیں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں، کیونکہ میں دنیا کے تمام انسانوں  
کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تاکہ میں ہر اس کو (عذاب خداوندی کا) ڈر سناؤں جو  
بھی زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول کافروں پر ثابت و حق ہو جائے۔ (یعنی منکروں کو جہنم کی  
سزا ملے گی، تو مسلمان ہو جا، سلامت رہے گا، لیکن اگر تو نے انکار کر دیا تو تیری تمام  
مجوسی سعایا کے اسلام کے قبول نہ کرنے کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا۔“

اللہ  
رسول  
محمد

ایرانی بادشاہ پرویز بن ہرمز اپنے آپ کو رب سمجھتا تھا اور ہر شخص دربار میں  
حاضر ہوتے وقت اسے سجدہ کیا کرتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد  
نہ تو اسے سجدہ کیا اور نہ ہی جھک کر آداب شاہی بجالایا تھا۔ پھر جب اس نے نامہ اقدس کے  
مصنوع گرامی قدر کو سنا تو نامہ اقدس کے آزاد لہجے، بے باکانہ ایجاز اور صاف گوینہ انداز

مخاطب کو دیکھ کر غیض و غضب سے بھر گیا۔ وہ مغرور و سرکش شخص کہ جس کے آستانہ عظمت پر  
 فحول انسان اپنی جبینِ نیازِ ذلت کی زمین پر کھتے تھے۔ حیران تھا کہ اس سرزمین پر کوئی  
 شخص بھی ہو سکتا ہے جس کا انداز بیان اس قدر بے نیازانہ ہو اور جو کسی کے نام سے  
 پہلے اپنا نام لکھنے کی جرأت کر سکتا ہو کیونکہ عجم کا دستور تھا کہ بادشاہ کو لکھے گئے خط میں  
 کے اوپر مبالغہ آمیز خطابات کے ساتھ بادشاہ کا نام لکھا جاتا اور آخر میں نہایت  
 کسارانہ انداز میں خط لکھنے والا اپنا نام لکھتا، مگر اس کو کھٹے خط کو اللہ تعالیٰ کے عظمت  
 و بابرکت نام سے شروع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد حضورِ سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
 اسمِ عالی شان تھا، پھر بڑی دلیری اور بے باکی کے ساتھ اسے مخاطب کیا گیا تھا۔  
 سری کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس نے طیش میں آکر نامہ اطہر کو شہید کر دیا اور  
 غضب ناک لہجے میں گرجا: یکتب ای ہذا و هو عبدی - یعنی (معاذ اللہ)  
 میرا بندہ ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے؟ (تاریخ طبری جلد ۳، طبقات ابن سعد جلد ۳)

اس پر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ  
**قاصدِ نبوی کا اہل فارس کو انتباہ**  
 تعالیٰ اعنہ کھڑے ہو گئے اور نہایت

تحمّل اور سنجیدگی کے ساتھ اہل دربار کو مخاطب ہو کر فرمایا: "اے اہل فارس! عرصہ  
 ہزاروں تمہاری زندگی ایسی جہالت میں گزر رہی ہے کہ نہ تمہارے پاس خدا تعالیٰ کی  
 کوئی کتاب ہے اور نہ ہی کوئی پیغمبر خدا تمہارے ہاں مبعوث ہوا ہے (یاد رکھو) جس  
 سلطنت پر تم کو ناز ہے یہ خدا تعالیٰ کی بہت ہی مختصر زمین کا ٹکڑا ہے، دنیا میں اس سے  
 کہیں زیادہ بڑی بڑی حکومتیں ہیں۔" پھر بادشاہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تجھ سے پہلے بہت سے بادشاہ گزرے ہیں، جنہوں نے آخرت کو اپنا مطلق نظر سمجھا  
 وہ دنیا سے اپنا جھتہ لے کر بامراد گیا اور جس نے دنیا کو اپنی خواہش کا مرکز بنایا اس  
 نے اپنی آخرت کو تباہ ویراں کر لیا۔ افسوس کہ میں نجات و فلاح کا جو پیغام تیرے پاس

لے کر آیا تھا، تو نے اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا، حالانکہ تو جانتا ہے کہ یہ پیغام  
تیرے پاں اُس جگہ سے آیا ہے کہ جس کی ہیبت تیرے دل میں موجود ہے۔ بہر کیف یاد رکھو  
تیرے اس تختہ آزمیز رویتے سے آوازِ حق دُب نہیں سکتی۔“ (روضہ الانف جلد ثانی)  
حاشیہ تاریخ ابن خلدون (مترجم اردو) میں ہے کہ بد بخت خسرو پرویز نے  
حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سُن کر حکم دیا کہ اس بے ادب کے  
کان اور ناک کاٹ کر اسے دربار سے نکال دو۔ یہ حکم پاتے ہی چوبداروں نے  
حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کر لیا اور کان و ناک کاٹ کر چھوڑ دیا۔ حضرت  
سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی پریشان کن حال میں بارگاہ رسالت میں  
حاضر ہوئے اور کسریٰ کی گستاخی و بد بختی کی داستان سنائی تو رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے نکلا: اَللّٰهُمَّ مَزِّقْ مُلْكَهُ۔  
”اے اللہ تعالیٰ اس کے مُلک کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔“

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان اور ناک سونے کے بنا کر لگانے کا حکم دیا  
بعض روایات میں دعا کے الفاظ یہ ہیں: اَنْ يَّمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ۔  
”اُنہوں نے خط کے ٹکڑے کئے، اُن کا مُلک ٹکڑے ہوئے“ دبخاری کتاب العلم، تاریخ طبری  
چینا پچھ اس واقعہ کے چند ہی سال بعد خلیفہ ثانی حضرت سیدنا فاروقِ عظیم رضی اللہ  
نے ہزاروں سال سے قائم چلی آنے والی اس عظیم سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اُس  
کا مُلک فی الواقع ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

نامہ اقدس شہید کرنے کے بعد خسرو پرویز  
خسرو پرویز کا تباہی کی طرف قدم نے اپنے ماتحت صوبہ یمن کے گورنر باذان  
کو حکم دیا کہ ”تم فوراً مدعیِ نبوت کو گرفتار کر کے میرے حضور پیش کرو۔“  
حاکم یمن باذان نے اپنے خاص معتمد ”بابویہ“ اور فوجی ”افیسر خضرہ“ کو اس پیغام

کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھیجا کہ آپ کو شہنشاہ عالم کسری نے بلایا ہے۔ آپ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ کسری کے پاس چلے جائیں۔ اگر تم نے حکم کی تعمیل کی، تو باذان کسری کے دربار میں آپ کی سفارش کر دے گا تاکہ وہ آپ کا قصور معاف کر دے، ورنہ وہ کسری، تمہیں اور تمہارے ملک کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔“ (تاریخ طبری، جلد ۳)

یہ دونوں قاصد پرتکلف ایرانی لباس پہنے، داڑھیاں منڈوائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی منڈھی ہوتی داڑھیوں کو دیکھ کر ناراضگی کے انداز میں فرمایا: ویلکم ما من امرکم ما یبہذ ا۔ تمہارا بڑا ہولے بد بختو! تمہیں ایسا کرنے کا کس نے حکم دیا ہے؟ انہوں نے جواباً کہا: ”ہمارے رب کسری نے یہ حکم دیا ہے۔“ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لکن ربی امرنی باعفاء لِحیتی وقصّ شاربی۔ یعنی میرے رب تعالیٰ نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے باذان کا خط اور پیغام سنا تو مسکرا دیئے اور ان قاصدوں کو دعوت اسلام دی اور یہ دونوں ہیبت نبوی سے کانپ رہے تھے (سیرت حلبیہ) اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں قاصدوں کیلئے صحابہ کرام کو قیام و طعام کا حکم دیا اور فرمایا: کہ تم کل آنا، انشاء اللہ تعالیٰ ہم جواب دیں گے۔ دوسرے دن جب قاصد بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایبلغا صاحبکما ان ربی قتل ربہ ہذہ اللیلۃ۔ ”جاؤ اپنے آقا سے جا کر کہہ دو کہ میرے رب (اللہ تعالیٰ جل شانہ) نے اس کے رب (کسری) کو آج رات قتل کر دیا ہے۔“ (طبقات ابن سعد، جلد ۱)

یہ واقعہ منگل کی رات ۱۰ جمادی الاولیٰ ۶۲۸ھ بمطابق ستمبر ۶۲۸ھ کو پیش آیا



جبکہ اہل کی سات گھڑیاں (یعنی دو گھنٹے اڑتالیس منٹ) گزری تھیں (ابن سعد طبری)  
 حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ باتیں سُن کر دونوں  
 قاصدوں نے متعجب ہو کر کہا: ”آپ جو کچھ فرما رہے ہیں اس کی پوری ذمہ داری  
 آپ پر ہے۔ کیا یہ بات ہم باذان سے جا کر کہہ دیں؟“

مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں ہاں بے شک  
 والی یمن سے جا کر کہہ دو اور ساتھ یہ بھی بتا دینا کہ میرا دین بہت جلد کسری کی تمام سلطنت  
 پر غالب آجائے گا اور اگر تم مسلمان ہو جاؤ، تو جتنا علاقہ تمہارے قبضہ میں ہے، وہ  
 تمہیں عطا فرما دیا جائے گا یعنی فارسیوں پر تمہیں حاکم بنا دیا جائے گا۔ (مدارج النبوة ج ۱)  
 حاکم یمن باذان رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام سن کر بہت حیران  
 ہوا اور کہنے لگا: ”اگر یہ معاملہ اسی طرح واقع ہوا جس طرح انہوں نے فرمایا ہے تو  
 پھر اُن کے نبی ہونے میں کیا شک باقی رہ سکتا ہے۔ بہر حال ہمیں انتظار کرنا چاہیے کہ  
 ہمدان سے کیا خبر آتی ہے؟“

تھوڑی ہی دیر بعد باذان کے پاس خسرو پرویز کے بیٹے شیروہ کا ایک پیغام  
 پہنچا جس میں لکھا تھا: میں نے ملک کی بہتری کے پیش نظر مجبور ہو کر اپنے باپ کو قتل  
 کر دیا ہے، کیونکہ رعایا کے ساتھ اُس کا رویہ ظالمانہ تھا۔ اس نے اپنے ملک کے کسی شرفاً  
 کو بغیر حرم و خیانت کے مروا ڈالا تھا۔ میں نے اُسے قتل کر کے بے گناہ رعایا پر ڈھائے  
 گئے ظلم و ستم کا انتقام لیا ہے۔ اب اس کی جگہ میں تخت ایران کا مالک ہوں، تم پر  
 لازم ہے کہ خود بھی میری اطاعت کرو اور تمام لوگوں سے بھی میری باتوں کا اقرار لو اور  
 ایک ضروری بات کہ جس کا ذکر خصوصیت سے کر رہا ہوں، وہ یہ کہ میرے باپ نے عرب  
 کی جس شخصیت کی گرفتاری کا تمہیں حکم دیا تھا، وہ حکم اب منسوخ ہے، جب تک تجھے میرا  
 دُورہ احکم نہ ملے، اُن کے خلاف ہرگز ہرگز کوئی کارروائی نہ کرنا۔ (تاریخ طبری، ابن خلدون،  
 مدارج النبوة)



شیرویہ کا فرمان پا کر حاکم یمن سخت حیرت زدہ ہوا اور بے اختیار اُس کے مُنہ سے نکلا۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی بات سچی معلوم ہوتی ہے کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، میں اُن پر ایمان لاتا ہوں۔ طبقات میں ہے: فاسلم هو الانبا الذین یالیمن۔ یعنی حضرت باذان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مسلمان ہو گئے اور ان کے بہت سے ساتھی یمن کے امیر زادے بھی مسلمان ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد)

قارئین کرام! ذرا حضور نبی اکرم، رحمتِ عالم نور مجسم، **مُخْبِرِ صَادِق کی خبر** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ اقدس میں مندرجہ الفاظ: اَسْلَمَ قَسْلَم۔ اُسلام قبول کر لے سلامت رہے گا۔ پر غور فرمائیں کہ کسریٰ کی سلامتی کو قبول اسلام سے مشروط فرما دیا گیا تھا کہ اگر اسلام قبول نہیں کرے گا تو سلامت نہ رہے گا۔ اسے محض تہدید نہ سمجھیں بلکہ یہ انصبار عن الغیب۔ یعنی غیبی خبر تھی، جس کا پورا ہونا زمانے نے دیکھا۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ تھا۔

مقوقس کا اصلی نام جریج بن مینا تھا جبکہ **دم، مقوقس شاہ اسکندریہ کے نام** مقوقس لقب تھا۔ یہ ہرقل کی طرف سے مصر کا نائب السلطنت تھا۔ یہ عیسائی مذہب کا بڑا عالم تھا، اس کا پایہ تخت مصر کا مشہور شہر اسکندریہ تھا۔ (مواہب لدنیہ، سیرت حلبیہ)

بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مصر کی سفارت کے لئے حضرت حابہ بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مامور ہوئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکتوب اقدس و اطہر مقوقس کو عطا فرمایا۔ اس نے کمال تعظیم و تکریم سے نامہ اقدس کو لیا اور خط پڑھا۔ خط مبارک کا مضمون یہ تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط من مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ اِلَى الْمُتَقَوِّسِ عَظِيمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔

أَمَّا بَعْدُ : فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدَعَايَةِ الْإِسْلَامِ ، اسلم تسلم  
 يَوْمَكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِن تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ أَثْمُ الْقَبْطِ -  
 يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ  
 إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا آدِيًا بِأَمْنٍ  
 دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ -

(ذُرْقَانِ عَلٰی الْمَوَاهِب - ذَاد الْمَعَاد)

ترجمہ: ”اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسم گرامی قدر کے ساتھ جو بے حد مہربان اور  
 رحم فرمانے والا ہے۔ یہ خط محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے حاکم مصر  
 مقوقس کے نام ہے۔ اس پر سلامتی ہو، جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ بعد ازاں  
 میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ پس اگر سلامتی مطلوب ہے، تو اسلام قبول  
 کر لیجئے۔ اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دوسرا اجر عطا فرمائے گا،  
 اور اگر انکار کر و گئے تو ساری قبضی قوم کی گمراہی کی ذمہ داری بھی تم پر ہی ہوگی۔  
 اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات پر متفق ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان  
 مسلم ہے، وہ یہ کہ ہم خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک  
 ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنائیں گے۔ اگر تمہیں اس سے  
 انکار ہے، تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔“  
 مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ اظہر  
**مقوقس کا ردِ عمل** کی نہایت درجہ تعظیم و توقیر کی اور حکم دیا کہ اس خط مبارک کو  
 ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں سر بہر کر کے محفوظ کر دو۔ پھر حضرت عاتب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا  
 اگر وہ واقعی سچے نبی ہیں، تو جس وقت اُن کی قوم نے انہیں مکہ مکرمہ سے نکالا تھا اس وقت  
 انہوں نے بددعا کیوں نہ کی کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔ (سیرت حلبیہ)

دوسری روایت میں ہے کہ اُن نے یہ کہا: اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واقعی رسول خدا ہیں، تو انہیں مجھے خط لکھنے کی بجائے میرے خلاف خدا تعالیٰ سے دعا کی ہوتی کہ خدا مجھے مقوقس پر غلبہ دے دے۔“ (مواہب لدنیہ)

حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے  
**حضرت حاطب کی حاضر جوابی** فوراً فی البدیہہ الزامی طور پر جواب دیا  
 ”اگر آپ کا یہ اعتراض درست ہے، تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت اپنے دشمنوں کے حق میں بدعا کیوں نہ کی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو ہلاک کر دے، جبکہ انہوں نے آپ علیہ السلام کو سبوتاژ دینے کا ارادہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی طرف اُٹھالیا۔“  
 مقوقس نے کہا: ”بہت خوب! تم خود بھی دانا ہو، جس کی طرف سے آئے ہو وہ بھی دانا ہیں“  
 گویا کہ آپ کی ذہانت کا اعتراف کیا۔ (الخصائص الکبریٰ)

حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے جرسبہ نہایت ہی فصیح مگر مختصر تقریر فرمائی، جو کہ اہل مصر کو فرعون اور دیگر دنیا داروں کے ناپائیدار ہونے اور آخرت کی اہمیت، نیز اہل کتاب کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت اور اطاعت کرنے کے حکم پر مبنی تھی۔ مقوقس اس تقریر سے نہایت درجہ متاثر ہوا اور کہا: میں نے غور کیا ہے کہ نبی یقیناً اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے منع فرماتے ہیں۔ وہ نہ تو قابل نفرت چیزوں کا حکم دیتے ہیں اور نہ ہی پسندیدہ چیزوں سے روکتے ہیں۔ میں نہ تو اُن کو نقصان پہنچانے والا جادوگر سمجھتا ہوں اور نہ ہی اُن کو جھوٹا کاہن سمجھتا ہوں، بلکہ میں اُن میں علاماتِ نبوت پاتا ہوں، مثلاً غیب کی خبریں دینا، بہر حال میں ابھی اس پر غور کروں گا۔ (سیرت حلبیہ)  
 مقوقس نے حضور نبی کا ثنات  
**مقوقس کی طرف سے نامہ اقدس کا جواب** دیا

نامہ اقدس کا جو جواب عرض کیا، اُس کا ترجمہ یہ ہے:

”محمد بن عبد اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شہنشاہ قبط مقوقس کی طرف سے آپ پر سلامتی ہو میں نے آپ کا خط پڑھا اور جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اس کے مفہوم کو سمجھا اور آپ کی دعوت پر غور کیا، میں اس بات سے تو واقف تھا کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام میں مبعوث ہوگا، میں نے آپ کے قاصد کو نہایت تعظیم و تکریم سے اپنے پاس کھا۔ اب اس کے ہاتھ آپ کی خدمت میں دلوں لگیاں روانہ کر رہا ہوں، یہ نہایت ہی معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہیں، اس کے علاوہ آپ کے لئے کچھ کپڑے اور ایک خچر آپ کی سواری کے لئے بھیج رہا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ پر سلامتی نازل فرمے“

مقوقس نے جو بدایا بارگاہ اقدس میں پیش کئے، مختلف کتب سیرت کے حوالہ سے اُن کی فہرست کچھ یوں ہے: چارتر کی النسل باندیاں جن میں حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ اور ان کی ہمیشہ سرین رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں۔ ان دونوں نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہونے سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ام المؤمنین ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا جبکہ حضرت سرین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ علاوہ انہیں ایک خواجہ سرا، ایک سفید اشتر (اُونٹ)، ایک خچر جسے ”دُلّ“ کہتے تھے، بیس عدد کپڑے، عطریات، عمامے، ایک ہزار مثقال سونا، پانی پینے کے لئے شیشے کے پیالے، ایک گدھا، جس کا نام یعفور بیان کیا جاتا ہے۔ ایک گھوڑا، ایک نیزہ، ایک جو کور ڈبیہ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تیل کی شیشی، کنگھی، قینچی اور مسواک وغیرہ رکھتے تھے، نبہان کے علاقے کا شہر، علاوہ انہیں حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی پانچ جوڑے کپڑے اور ایک سوا شرفی سونے کی پیش کی اور ایک طیب بھی بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھیجا، مگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے واپس بھیج دیا جبکہ باقی سب تحائف قبول فرمائے گئے (مدارج النبوة، طبقات ابن سعد وغیرہ)

حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقوقس سے ہونے والی تمام گفتگو کی رپورٹ  
بارگاہ اقدس اطہر میں پیش کی جسے سُن کر خبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-  
”بد نصیب کا دل سلطنت کی محبت میں مبتلا ہو گیا وہ یہ نہ سمجھا کہ سلطنت ناچیز ہے“ (طبقات ابن سعد)

## ۵۔ نامہ اقدس بنام حارث بن ابی شمر غسانی دار السلطنت شام کا مشہور

دمشق تھا۔ یہ ہرقل روم کے ماتحت تھا، اس طرف نامہ اطہر لے کر حضرت شجاع بن  
وہب اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روانہ ہوئے۔ حضرت شجاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ  
قیام دمشق کے دوران میری ملاقات حارث بن ابی شمر کے نہایت قریبی وزیر مری سے  
ہوئی۔ یہ رومی اہتل تھا۔ اُس نے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے  
حالات دریافت کئے۔ حالات سُن کر اس پر رقت طاری ہو گئی اور کہنے لگا:-

”جو کچھ تم نے بیان کیا ہے، انجیل میں یہی حالات اس آنے والے پیغمبر کے پائے جاتے ہیں،  
جس کا ہمیں انتظار ہے، میں اس نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر ایمان لاتا ہوں اور ان کے تمام  
احکامات کی دل کی گہرائیوں سے تصدیق کرتا ہوں، لیکن تم میرے قبولِ اسلام کا ذکر یہاں  
کسی سے برگزنہ کرنا مجھے ڈر ہے کہ اگر حارث کو پتہ چل گیا تو وہ مجھے قتل کر ڈالے گا۔  
حالانکہ وہ میری بہت عزت کرتا ہے۔ ظاہرًا مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حارث خط کو  
پڑھ کر نہ تو متاثر ہوگا اور نہ ہی ایمان لائے گا، کیونکہ وہ بہت مغرور بھی ہے،  
اور ڈر پوک خوشامدی بھی۔ ایسا آدمی کبھی صراطِ مستقیم نہیں پاسکتا۔“

حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حارث بن ابی شمر  
نے بڑی شان و شوکت سے دربار منعقد کیا، تو مری نے اُس سے میرا اور خط کا  
تذکرہ کر دیا۔ چنانچہ اُس نے مجھے دربار میں طلب کیا اور خط پڑھنے کا حکم دیا۔ خط  
میں لکھا تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ من محمد رسول اللہ



الى حارث بن ابي شمر سلاماً على من اتبع الهدى وامن بالله  
وصدق فاني ادعوك الى ان تؤمن بالله وحده لا شريك له  
يبقى لك ملك -

اللہ  
رسول  
محمد

ترجمہ: ”اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسمِ ذی شان سے شروع کرتا ہوں جو نہایت  
مہربان اور رحم والا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حارث  
بن ابی شمر کے نام سلام ہو اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے، اللہ تعالیٰ پر ایمان  
لائے اور سچا جانے، میں آپ کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ ایک خدا پر ایمان لائے  
جس کا کوئی شریک نہیں۔ (اگر قبول کرو تو آپ کا ملک آپ کے قبضہ میں باقی رہے گا۔“

اللہ  
رسول  
محمد

حارث مکتوبِ گرامی قدر رس کر آگ بگولا ہو کر کہنے لگا: کس کی مجال ہے  
کہ میرے ملک کی طرف نگاہ اٹھائے؟ پھر اسی غیظ و غضب میں اس نے فوج کو تیار کیا  
حکم دے دیا اور بھپھر کر کہا: ”اب میں اس مدعی نبوت کو تباہ کر کے ہی چھوڑوں گا“  
خواہ اس مقصد کے لئے مجھے کتنی ہی تکلیف کیوں برداشت کرنا پڑے۔“  
حارث نے اپنے اس ارادہٴ بد سے قیصر روم کو مطلع کیا تو چونکہ قیصر روم کو  
رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کا علم تھا اس لئے، اُس نے حارث کو فوج کشی سے منع  
کر دیا اور حکم دیا کہ ”میرے پاس فوراً چلے آؤ۔ اس معاملے کو بھردیکھنا۔“  
حضرت شجاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس ہونے لگے، تو ٹہرتی ”اُن کو اپنے مکان پر لے گیا  
اور تحائف پیش خدمت کئے اور عرض کیا کہ دربارِ اقدس میں سلام پیش کر دینا۔ حضرت شجاع  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر تمام  
واقعات گزشتہ کی اطلاع عرض کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مہتری کی



ہدیٰ فرمائی اور حارث کی بربادی کی خبر دی۔ چنانچہ چند ہی سال بعد سلمہ  
بن عسکانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ثالث ص ۷۱)

۱۔ نامہ اقدس بنام ہودہ بن علی گورنر کیا مگر اس زمانہ میں یہ ایرانی حکومت  
کے تحت ایک صوبہ تھا اور کسری کے زیر اقتدار عربی حکام گورنری کے فرائض سرانجام  
دیتے تھے۔ مکہ مکرمہ کی غذائی ضرورتیں یعنی غلہ وغیرہ یکامہ سے ہی آتا تھا۔ اس وقت  
یہاں کا گورنر ہودہ بن علی الحنفی تھا۔ اس کے نام فرمان رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام  
کی سفارت کا فریضہ حضرت سلیم بن عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپا گیا۔

(زاد المعاد - سیرت حلبیہ)

انہوں نے گورنر یکامہ کے دربار میں پہنچ کر نامہ اقدس اطہر پیش فرما دیا۔ تحریر تھا کہ  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ اِلٰی هُوْدَةَ  
بْنِ عَلٰی سَلَامٍ عَلٰی مَنْ اَتٰبَعَ الْهٰذِیْ وَاَعْلَمَ اَنْ دِیْنِیْ سَیْظٰهَرُ اِلٰی  
مَنْتَهٰی الْخَفِّ وَالْحَافِرُ فَاَسْلَمْتُ سَلَمًا وَاَجْعَلُ لَکَ مَا تَحْتَ یَدِکَ

اللہ  
رسول  
محمد

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ کے نام اقدس سے جو رحمن و رحیم ہے۔  
اللہ تعالیٰ کے رسول محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے، ہودہ بن علی کے نام۔  
سلامتی ہے اُس کے لئے جو ہدایت کی پیروی کرے۔ آپ پر واضح ہو کہ میرا یہ دین (اسلام)  
عنقریب منتہائے خف و حافرتک پہنچ جائے گا (خف اونٹ اور بکری وغیرہ کے سموں  
اور حافر گھوڑے اور گدھے وغیرہ کے ٹھکڑوں کو کہتے ہیں، یعنی جہاں تک ان جانوروں  
کے پاؤں پہنچتے ہیں اور آبادی ہے، وہاں تک میرا دین پہنچ جائے گا اور غالب آجائے گا)  
پس آپ کو اسلام قبول کر لینا چاہیے کہ اسی میں سلامتی ہے، مجھے تمہارے ملک (حکومت) سے

کوئی سرکار نہیں ہے، وہ بدستور تمہارے قبضہ میں رہے گا۔“ (مواہب لدنیہ)

اللہ  
رسول  
محمد

ہو ذہ نے مکتوبِ قدس کو پڑھ کر حضرت سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:-

”اُس کا جواب چند روز غور کرنے کے بعد دوں گا، تم ابھی سہارے پاں ٹھہرو۔“

**گورنرِ میاں کا جواب** چند روز بعد ہو ذہ نے حضرت سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں پیش کر دیا جائے اور ساتھ ہی ایک خط دیا جس میں لکھا تھا،

ما احسن ما تدعوا الیہ واجملہ وافا شاعر قومی خطیبہم

والعرب تہاب مکانی فاجعل لی بعض الامور اتبعک۔ (ابن سعدؓ)

”یعنی جس دین کی طرف آپؐ دعوت دیتے ہیں، وہ بہت اچھا دین ہے، میں اپنی قوم

کا مشہور شاعر اور خطیب ہوں، اس لئے عرب میری بڑی عزت کرتے ہیں۔ اگر آپ مجھے

اپنی حکومت میں شریک کر لیں، تو میں آپ کا حکم ماننے کو تیار ہوں۔“ (طبقات ابن سعدؓ، ص ۱۸)

واقعی بیان فرماتے ہیں، ہو ذہ کے پاس

**گورنرِ میاں اور مسیحی عالم کا مکالمہ** ایک عیسائی، عظیم عالم دین ہوتا تھا۔

اُس نے ہو ذہ سے پوچھا کہ تم نے اُن کا دین قبول کیوں نہیں کیا؟ ہو ذہ نے کہا: مجھے اپنے

دین سے محبت ہے۔ علاوہ ازیں میں اپنی قوم کا سردار ہوں، اگر میں اُن کی دعوت قبول

کر لیتا، تو ڈرتھا کہ میرا ملک مجھ سے چھین جاتا۔“ عیسائی عالم نے کہا: اگر آپ اُن

دستی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم کی پیروی کرتے، وہ ہرگز آپ کو آپ کے ملک سے محروم نہ کرتے،

(یعنی وعدہ خلافی نہ فرماتے)، وہ نبی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کا رسول

بنلایا ہے اور ان کی نبوت کی بشارت دی ہے اور ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔“

(واقعی بحوالہ اصح السیر)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خط کے  
**رسول محترم کا ردِ عمل** جواب میں فرمایا: حکومت تو بڑی چیز ہے، اگر وہ مجھ  
 سے کھجور کا ایک خوشہ یا ایک دانہ بعض روایات میں اس کے برابر جگہ، بھی مانگے تو میں یہ  
 بھی اسے نہ دوں گا۔ وہ اور اُس کا سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔  
 گو یا کہ ارشاد فرمایا: میں اسے دونوں جہان کی دولت عطا فرماتا ہوں یعنی نعمتِ مینا  
 مگر وہ دولت دنیا کا طالب ہے، حالانکہ یہ کہہ دیا تھا کہ تیرا ملک تیرے پاس ہی رہے گا۔  
 بہر حال ہوذہ اسی حال میں مر گیا۔

۱۔ نامہ طہر بنام **مُنذر بن وائی** رضی اللہ تعالیٰ عنہما بحرنِ عرب ہی کا حصہ ہے اسے  
 چھٹی صدی عیسوی میں یہ علاقہ ایرانی حکومت کے زیرِ اقتدار تھا۔ یہاں کے ایرانی گورنر  
 کا نام ”منذر بن ساوی“ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف حضرت علیؑ  
 بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ اقدس دے کر روانہ فرمایا۔ مکتوبِ گرامی کا مضمون یہ تھا:  
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ اِلٰی مُنْذَرِ بْنِ  
 سَاوِی سَلَامٌ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی - اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ  
 اِلَی الْاِسْلَامِ فَاسْلَمْ تَسْلَمْ، یَجْعَلُ لَّکَ اللّٰهُ مَا تَحْتَ یَدِکَ وَ  
 اَعْلَمُ اَنْ دِیْنِیْ سَیْظْهَرُ اِلٰی مُنْتَهٰی الْجَنْفِ الْحَافِرِ۔  
 (ابن طولون)

اللہ  
رسول  
محمد

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسمِ ذیشان کے ساتھ جو رحمان و رحیم ہے اللہ تعالیٰ  
 کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے، منذر بن ساوی کے نام:  
 سلامتی ہے اُس کے لئے جو ہدایت کی راہ چلے، بعد ازاں میں آپ کو اسلام کی دعوت  
 دیتا ہوں، پس اسلام قبول کر لو کہ اسی میں سلامتی ہے (مجھے تمہارے ملک سے کوئی سروکار نہیں)

اللہ تعالیٰ اسے بدستور تمہارے قبضہ میں رکھے گا۔ تمہیں یہ واضح ہو کہ میرا دین دُوتے  
زمین کی آخری حدوں تک پہنچ کر رہے گا اور (انشاء اللہ تعالیٰ) غالب آئے گا۔

اللہ  
رسول  
محمد

اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ نے حضرت منذر بن ساوی کو توفیق ہدایت بخشی اور انہوں  
نے اس نامہ مبارک کو پاتے ہی جو سیت سے توبہ کر کے دین اسلام قبول کر لیا اور  
ان کے ساتھ ہی بحرین کے اکثر لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا اور بارگاہ اقدس  
میں بیعت کا عریضہ ارسال کر دیا۔ تحریر یہ تھا کہ۔

ترجمہ: ”یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں آپ کے اس گرامی نامہ  
کو پڑھا، جو بحرین والوں کیلئے لکھا گیا ہے۔ تو ان میں سے کچھ لوگوں نے اسلام سے اظہار  
محبت کیا اسے پسند کیا اور (بخوشی) دائرۃ اسلام میں داخل ہو گئے، جبکہ کچھ لوگوں نے  
اسلام کو ناپسند کیا اور دائرۃ اسلام میں داخل ہونے پر راضی نہ ہوئے۔ یا رسول اللہ  
(علیک الصلوٰۃ والسلام) میری سرزمین میں جو سی بھی ہیں اور یہودی بھی ہیں، لہذا  
اب آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) مجھ کو ان کے بارے میں جو حکم صادر فرمائیں،  
میں ان پر عمل کروں گا۔“ (مدارج النبوة - مواہب لدنیہ)

## مُصَوِّرِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ کی طرف سے حضرت منذر کے نام دوسرا گرامی نامہ

مُصَوِّرِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ نے حضرت منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط کے  
جواب میں دوسرا نامہ اقدس روانہ فرمایا، جس میں تحریر تھا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ من محمد رسول الله  
الى المنذر بن ساوى سلام عليك فاني احمدا لله اليك  
الذي لا اله الا غيره واشهد ان لا اله الا الله واشهد

اِنَّ مُحَمَّدًا عَبْدٌ وَرَسُولٌ - اَمَّا بَعْدُ ! فَاِنِّي اَذْكُرُكَ اللّٰهُ  
عَزَّوَجَلَّ فَانَّهُ مَنْ يَنْصَحُ لِنَفْسِهِ وَاِنَّهُ مَنْ يَطْعُ رُسُلِي وَيَتَّبِعِ  
اَمْرَهُمْ فَقَدْ اطَاعَنِي وَمَنْ نَصَحَ لَهُمْ فَقَدْ نَصَحَ لِي وَاِنِّي  
رُسُلِي قَدْ اِثْنَوْا عَلَيَّ خَيْرًا وَاِنِّي قَدْ شَفَعْتُكَ فِي قَوْمِكَ  
فَاَتَرَكَ لِلْمُسْلِمِينَ مَا اسْلَمُوا عَلَيْهِ وَعَفَوْتُ عَنْ اَهْلِ الذُّنُوبِ  
فَاَقْبِلْ مِنْهُمْ وَاِنَّكَ مَعَهُمَا تَصْلِحُ فَلَنْ تَعْزَلَكَ عَنْ عَمَلِكَ  
وَمَنْ اَقَامَ عَلَيَّ يَهُودِيَّتَهُ اَوْ مَجُوسِيَّةَ فَعَلَيْهِ الْحِزْبُ -  
(طبقات ابن سعد جلد ۳، زاد المعاد جلد ۳)

(اللہ  
رسول  
محمد)

(فتوح البلدان)

ترجمہ: ”اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ کے اسمِ ذیشان کے ساتھ جو رحمن و رحیم ہے۔  
محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے۔ مذر بن ساوی کے  
نام؟ السلام علیک۔ میں اس اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حمد کرتا ہوں جو یکتا ہے  
اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں اور  
یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور رسول ہوں، ازاں بعد میں آپ کو اللہ تبارک و  
تعالیٰ جل شانہ کی یاد دلاتا ہوں، جو نصیحت قبول کرتا ہے، وہ اپنے آپ ہی کو فائدہ  
پہنچاتا ہے۔ جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت اور اُن کی ہدایت پر عمل کرے گا،  
تو گویا اُس نے میری ہی اطاعت کی اور جس نے اُن کی نصیحت کو مانا تو درحقیقت  
اُس نے میری نصیحت کو مانا۔ میرے قاصدوں نے آپ کے طرزِ عمل کی از حد تعریف کی  
ہے۔ میں تمہاری قوم کے بارے میں تم سے سفارش کرتا ہوں۔ تم مسلمانوں کو،  
جس حال میں مسلمان ہوئے ہیں چھوڑ دو، تمہیں تمہارے منصب پر بدستور قائم رکھا جاتا ہے۔  
آپ کو چاہیے کہ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے خیر خواہ ہیں۔

اہل بحرین کے بارے میں آپ کی سفارش ہمیں منظور ہے، میں قصور والوں کے قصور کو معاف کرتا ہوں، پس آپ بھی ان سے درگزر فرمائیے، اور جب تک تم اپنے آپ کو (ایسی) صلاحیت کا اہل بنائے رکھو گے، ہم اس میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔ اہل بحرین میں جو لوگ یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہنا چاہتے ہیں، رہیں۔ ان کے جزیرہ وصول کیا جائے گا۔

(اللہ رسول محمد)

رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد بھی ایک خط حضرت منذر بن سادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام تحریر فرمایا، جسے حضرات ابوہریرہ اور حضرت قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما لے کر بحرین روانہ ہوئے۔ اس اس نامہ اقدس اطہر کا ترجمہ یہ ہے :-

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَیُّہَا اَہْلُ الْبَیْتِ! میں آپ کے پاس (حضرت ابوہریرہ اور قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو بھیج رہا ہوں۔ آپ اپنے علاقہ سے جو عشر، زکوٰۃ اور جزیرہ وصول کر چکے ہوں، ان کے حوالہ کر دیں۔“

(اللہ رسول محمد)

(طبقات ابن سعد، جلد ۳)

محترم قارئین کرام! چونکہ یہ کتاب اپنے موضوع کے اہم بات اعتبار سے اس بات کی متحمل نہیں کہ اس میں تمام مکتوبات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے، اس لئے محض چند مکتوبات گرامی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض دستیاب بھی ہو چکے ہیں جن کا عکس شامل اشاعت ہوا ہے۔ محدثین مؤرخین اور سیرت نگار حضرات کے مطابق مکتوبات کی تعداد تقریباً ۲۲۵ ہے، جن میں ۱۳۹ کے اصل متن محفوظ ہیں، جبکہ متعدد خطوط ایسے ہیں کہ جن کے صرف مفہوم کا ذکر فرمایا گیا ہے اور بعض ایک ہی مفہوم کے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ السلام)



# ہجرت نبوی کا ساتواں سال

بمطابق ۶۲۸-۲۹ھ

اس سال کے اہم ترین واقعات میں سے ایک واقعہ غزوہ خیبر ہے۔ خیبر مدینہ، شام کی جانب ایک بڑے شہر کا نام ہے، جس میں متعدد قلعے اور کثرت صیتیاں ہیں۔ یہ مدینہ طیبہ سے آٹھ ہریہ یعنی تقریباً چھیانوے میل کے فاصلہ پر ہے۔ بستی میں صرف یہودی بستے تھے اور آبادی کے گرد اگر بعض روایتوں کے مطابق اور عند البعض سات یا آٹھ مضبوط و مستحکم قلعے تھے۔

مدارج النبوة میں ہے کہ اہل سیر چھوٹی بستی کو "قریہ"، درمیان بستی کو "مدینہ" اور بڑی بستی کو "مصر" کہتے ہیں، لیکن بعض حضرات مدینہ کو مصر اور بلد سے بڑا شہر شمار کرتے ہیں، جبکہ "خیبر" قلعوں کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔ (مدارج النبوة جلد ۲) خیبر کی بستی میں جو قلعے تھے، فتح الباری میں ان کی تعداد دس اور نام درج مل کر کئے گئے ہیں: ناعم، نطاه، صعب، زبیر، شن، البر، ایتی، قموص، طیح۔ سلام یا بنی الحقیق۔ یہ سب یہودیوں کے نام تھے، جن کے نام پر یہ قلعے آباد تھے۔ مدارج النبوة میں آٹھ قلعوں کے نام تحریر ہیں، جبکہ معجم البلدان بلاذری میں سات قلعوں کے نام درج ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلما اتم)

غزوہ خیبر کے اسباب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سفر حدیبیہ سے واپس تشریف لائے بھی

خند روز ہی ہوئے تھے کہ پتہ چلا "خیبر کے یہودی مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔" (طبقات کبیر ابن سعد)

یہودی جنگِ احزاب میں ناکامی اور ذلت و رسوائی کا داغ دھونے کے لئے ایک خونخوار جنگ کی تیاری کر چکے تھے۔ قلعہ ہائے خیبر کے دس ہزار خونخوار جنگجو یہودیوں کے علاوہ قبیلہ بنو غطفان کے چار ہزار جنگ آزمادہ مردوں نے بھی اہل خیبر کا ساتھ دینے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ اہل خیبر نے بنو غطفان سے معاہدہ کیا تھا کہ اگر وہ جنگ میں مکمل طور پر شریک ہوں، تو مدینہ طیبہ فتح ہونے پر ہمیشہ کے لئے پیداوارِ خیبر کا نصف حصہ بنو غطفان کو دیتے رہیں گے۔

چونکہ غزوہ احزاب میں اہل ایمان کو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس لئے اہل ایمان نے رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں آگے بڑھ کر حملہ آور دشمن کو روکنے کا پروگرام بنایا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس غزوہ میں شمولیت کے لئے صرف اُن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا انتخاب فرمایا جو بیعت رضوان کی عظمت سے سرفراز فرمائے جا چکے تھے، ربِّ ذوالجلال نے جن کی شان میں لَقَدْ سَرَّحْنِي اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (بے شک اُن مومنوں سے اللہ راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے آپ کے بیعت کر رہے تھے) کی بشارت کے ساتھ ساتھ وَعَدَ كَمَا اللَّهُ مُغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُ وَنَهَادَ الْفَقْرَ (اللہ تعالیٰ نے تم سے بڑی بڑی غنیمتوں (فتوحات) کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے) کی خوشخبری بھی سنائی جا چکی تھی۔ ان کی تعداد تقریباً چودہ سو تھی۔ (مدارج۔ ابن خلدون) بعض منافقین نے ساتھ جانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر سرورِ عالم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اس سفر میں ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص شامل نہیں ہونا چاہیے، جسے دنیا و مال و دولت کی طمع ہو۔" (مدارج النبوة جلد ۲)

## خیبر کی طرف وانگی شہد محرم الحرام کے آخر میں رسول کائنات

کی طرف قصد فرمایا۔ مقدمہ لشکر کا سردار حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا۔

میمنہ پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور میسرہ پر ایک اور صحابی کو سردار

مقرر فرمایا۔ حضرت سیدہ اُمّ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ بیس دیگر خواتین کو بھی بیماروں

کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے شامل لشکر فرمایا گیا۔ اسلامی لشکرات

کے وقت خیبر کے قریب جا پہنچا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کمر

تھی کہ رات کو جنگ کی ابتداء نہ فرماتے اور نہ ہی دشمن پر شب خون مارتے، اس لئے

لشکر اسلام نے رات اسی میدان میں گزاری۔ معرکہ جنگ کے لئے جگہ کا انتخاب مرد

جنگ آزما حضرت خباب بن المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے ہوا۔ یہ

میدان بنو غطفان اور اہل خیبر کے درمیان تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بنو غطفان

اہل خیبر کی مدد کو نہ آسکے، کیونکہ لشکر اسلام سترہ راہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرما دیا کہ لشکر کا بڑا کیمپ (چھاؤنی) اسی جگہ رہے گا اور یہیں

سے مجاہدین اسلام کے دستے جنگ کے لئے جایا کریں گے۔ اس کیمپ پر (ذمہ دار آفیسر)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنادیا گیا۔

صبح کو حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت فوج کھایک

دستہ کو جنگ کے لئے روانہ کر دیا گیا، خود رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

بھی حوصلہ افزائی کے لئے حملہ آور فوج کے ساتھ تشریف لے گئے۔ باقی ماندہ

فوج حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر نگرانی کیمپ میں موجود رہے۔

حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قلعہ نطاہ سے جنگ کا آغاز کر دیا۔

یہودیوں نے قلعہ کے دروازوں کو بند کر لیا اور دیواروں کے اوپر سے پتھر اور تیر

وغیرہ برسانے لگے۔ پانچ روز کی مسلسل کوششوں کے باوجود قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ پانچویں یا چھٹے روز حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکتوڑی دیر سستانے لگے۔ قلعہ کی دیوار کے قریب سایہ میں لیٹ گئے۔ کنانہ بن الحقیق یہودی نے قلعہ کی دیوار سے ایک پتھر ان پر گرا دیا، جس سے شہید ہو گئے۔ فوج کی کمان ان کے بھائی حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا ہوئی اور یہ شام تک کمال بہادری کے ساتھ لڑتے رہے۔ جب رات کے اندھیرے نے جنگ و کتے پر عبور کر دیا تو یہ واپس کمپ میں لوٹ آئے۔ اس شب مسلمانوں کے لشکر کی پاسبانی کے لئے حضرت عمر فاروق عظمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈیوٹی تھی تاکہ یہودی شب خون نہ مار سکیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی کو گھومتے ہوئے دیکھا تو گرفتار کر کے بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ اس یہودی نے عرض کیا کہ اگر آپ مجھے امان دیں، تو میں اہم باتیں عرض خدمت کروں گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے امان دے دی، تو اس نے بتایا کہ خیر والے مسلسل محاصرہ اور حملوں سے سخت مضطرب ہیں۔ خصوصاً آج کی جنگ سے بہت ہیبت زدہ ہیں۔ انہوں نے ارادہ کیا ہے کہ آج رات قلعہ "شن" میں منتقل ہو جائیں۔ انہوں نے آلات جنگ اور خوراک کا ذخیرہ اور دیگر سامان پوشیدہ اور محفوظ جگہ چھپا دیا ہے اور مجھے اس جگہ کا علم ہے۔ جب قلعہ فتح ہو جائے گا، تو میں وہ سب کچھ برآمد کروں گا۔ میرے اہل و عیال بھی اس قلعہ میں ہیں، آپ ان کو بھی معاف فرمادیں، آپ کا احسان ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ٹھیک ہے میں تم کو معاف کر دیا۔ دوسرے دن اہل ایمان نے قلعہ کو فتح کر لیا اور وہ یہودی بمع اہل و عیال مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح قلعہ صعب بھی فتح ہو گیا، اسے حضرت خباب المندرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت دستہ نے فتح کیا تھا۔ ان قلعوں سے بہت سے ستھیا، مخینہیں اور دوسرا مال غنیمت ملا۔

یہودیوں کا مضبوط ترین قلعہ ناعم (طبری) یا قموص (مدارج) تھا، اس قلعہ کا سردار مشہور یہودی شاہسوار مرحب تھا۔ یہ اپنے آپ کو ایک ہزار بہادر کے برابر طاقتور سمجھتا تھا۔ مسلمانوں نے کئی یوم تک اس کے قلعہ کا محاصرہ کرتے رکھا۔ کئی بزرگ صحابہ کرام جن میں حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما شامل ہیں۔ فوجی دستوں کے ساتھ مرحب کے قلعہ پر حملہ آور ہوئے، مگر گوہر مراد ہاتھ نہ آیا۔

اور باسیسیر بیان کرتے ہیں کہ خیر شکن حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا جب محاصرے نے طول کھینچا تو

کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا عظیم کارنامہ ایک شب رسول مکرم مغیر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لَاُعْطِيَنَّ الرَّأْيِيَّةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيْهِ۔ ”کل میں اُس شخص کو علم اسلام دوں گا (یا ارشاد فرمایا، لیا تین، یعنی جھنڈا وہ لے گا، جس کو اللہ تعالیٰ امد

اُس کا رسول پسند فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسی کے ہاتھ پر فتح دے گا،

یہ ایک ایسا شرف اور فضیلت تھی کہ جسے مسکن کہ فوج کے بڑے بڑے بہادر لگے روز جھنڈا اٹھنے کے آرزو مند ہو گئے اور یہ رات نہایت بیقراری اور اضطراب میں بسر کی کہ دیکھیں کل کس پر فضل و عنایات کی بارش ہوتی ہے؟ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”علی کہاں ہیں؟“ عرض کیا گیا کہ ”آشوب چشم میں مبتلا ہیں اس لئے حاضر نہیں ہوتے۔“ ارشاد ہوا: ”اُن کو بلاؤ۔“ اور جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب ہن ڈالا اور دُعا فرمائی تو آنکھیں اُسی وقت کھولیں تندرست ہو گئیں کہ آئندہ کبھی نہ تو آنکھ دیکھی، اور نہ ہی سر میں درد ہوا، اس کے بعد رسول محترم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ



کو علم اسلام مرحمت فرما کر ارشاد فرمایا: علی جاؤ اور راہ خدا میں جہاد کرو۔ پہلے اسلام کی دعوت دینا (وہ نہ مانیں تو) پھر جنگ کرنا اے علی! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اگر ایک شخص بھی تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تو یہ کام بھاری بھر کم ضیمنوں سے بہت افضل و اعلیٰ ہے۔“

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم علم اسلام کو لہراتے ہوئے مرحب کے قلعہ کے دامن میں جا پہنچے، تو دشمن کی طرف سے مرحب کا بھائی عارث میدان میں نکلا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقابلہ کے لئے آگے بڑھے اور ایک ہی وار میں ذوالفقار حیدری نے اس کا بھیجا چاٹ لیا۔ عارث کے مرنے کے بعد مرحب خود میدان میں نکلا، وہ غرور و تکبر کے ساتھ یہ رجز پڑھ رہا تھا: **قد علمت خیبرانی محرب** شاکى سلاح بطل محرب

اذا القلوب اقبلت تلہب

”خیبر جانتا ہے کہ میں سہتیار سجانے والا بہادر، تجربہ کار مرحب ہوں، جب لوگوں کے ہوش مارے جاتے ہیں تو میں (اس حال میں بھی) بہادری کے جوہر دکھاتا ہوں۔“ اس کے مقابلہ کے لئے حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ رجز پڑھتے ہوئے مقابلہ میں آگے آئے کہ:

**قد علمت خیبرانی عامر** شاکى سلاح بطل مقامر

”خیبر جانتا ہے کہ میرا نام عامر ہے میں سہتیار چلانے میں استاد اور نبرد آزما ہوں۔“ مرحب نے ان پر تلوار سے وار کیا۔ انہوں نے اس کے وار کو ڈھال پر رد کیا اور جواباً تلوار چلائی، مگر ان کی تلوار جو کہ لمباتی میں چھوٹی تھی۔ ان کے اپنے ہی گھٹنے پر آگئی، جس کے صدمہ سے یہ بالآخر مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ اس کے بعد رجز حیدری سے میدان جنگ گونج اٹھا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ



وجہ الکریم یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں تشریف لائے۔  
 اَنَا الَّذِي سَمَّيْتَنِي اَمِي حَيْدَرَ اَكِيْلَكُمْ بِالسَّيْفِ كَيْلَ السُّنْدِ  
 کلیث خابات شدید قسودہ (تاسع طبعی)  
 ”میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (یعنی غضب ناک شیر) رکھا ہے۔  
 میں تمہیں اپنی تلوار کی سخاوت سے بڑے بڑے جام پلاؤں گا۔  
 میں شیر بہتر اور سخت حملہ آور ہرگز میدان ہوں۔“ (طبری ج ۳ ص ۱۸۳)  
 مغرور و سرکش مرحب نے آگے بڑھ کر شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کیا  
 تو آپ نے اس کے حملے کو رد فرماتے ہوئے ایک ایسا بھریوہ ہاتھ مارا کہ ذوالفقار  
 حیدری مرحب کے آہنی خود کو کاٹتی، عمامہ کو قطع کرتی اور سر کے دو ٹکڑے بناتی  
 ہوئی اُس کی گردن تک جا پہنچی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

شاہِ مرداں شیرِ نیرِ داں، قوتِ پروردگار  
 لَا فَتَى إِلَّا عَلَيَّ لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفَقَارِ  
 مرحب کو ذلت نشین ہوتے دیکھ کر اُس کا ایک اور بھائی یا سرِ غصہ میں بھرا ہوا  
 میدان میں آیا، اسے آگے بڑھ کر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاک و خون  
 میں ملا دیا۔ اس کے بعد لشکرِ اسلام نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم  
 کی قیادت میں قلعہ کے یہودیوں پر عام حملہ کر دیا۔ دورانِ جنگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کی ڈھال گر گئی جسے ایک یہودی اٹھا کر بھاگ گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رتبہ  
 نے اس قدر جوش و ولولہ اور قوت عطا فرمائی کہ آپ نے قلعہ کے مضبوط آہنی گیٹ  
 کو کہ جو کئی سو من وزنی تھا، اکھاڑ لیا اور اپنے ہاتھوں پر ڈھال کی طرح اٹھا لیا  
 پھر اُسے زور سے دُور پھینک دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں قلعہ فتح ہو گیا۔ آپ کی شجاعت  
 بہادری سے دشمن سخت خوفزدہ ہو گیا۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے قلعے بھی فتح ہوتے گئے۔ بعض قلعوں پر  
 لڑائی کی بھی فوج نہ آئی۔ یہودیوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ جب حضرت  
 سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معرکہ سے مسخرو ہو کر بارگاہ رسالت مآب  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوئے، تو خود سرور کائنات نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
 نے اپنے خیمہ اقدس سے باہر نکل کر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا استقبال  
 فرمایا اور کمال محبت کے ساتھ آپ کو اپنی آنکھوں میں رحمت میں لے کر پیشانی کو چومایا اور  
 زبان وحی ترجمان سے تعریف حیدر گزار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے علی! میں  
 بھی تم سے راضی ہوں، خدا تعالیٰ بھی راضی ہے۔ جبریل اور سمیعی فرشتے بھی تم  
 سے راضی ہیں۔“

خیبر فتح ہو جانے کے بعد رسول رحمت شفیع امت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
 نے یہودیوں پر احسان فرمایا اور ان کے خون سے درگزر فرمایا البتہ جو مال غنیمت ملا  
 اسے اہل ایمان میں تقسیم فرمادیا گیا۔ اسی مال غنیمت میں سردار یہود حتی بن اخطب  
 (جو کہ غزوہ خندق میں مارا گیا تھا) کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گرفتار  
 ہو کر آئیں، جنہیں بعد ازاں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کا تفصیلی واقعہ  
 انشاء اللہ تعالیٰ از دواج مطہرات کے ضمن میں آئے گا۔

غزوہ خیبر میں ۹۳ یہودی مارے گئے،  
**جنگ خیبر کے مقتولین** جبکہ پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے  
 شہادت شہادت نوش فرمایا۔

**حسین و سکوک** فتح خیبر کے بعد خیبر کی زمین پر قبضہ کر لیا گیا، مگر یہودی  
 نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر نہایت عاجزی و انکساری  
 سے درخواست کی کہ ان کو اس بستی سے نہ نکالا جائے۔ زمین اس شرط پر ہمیں دے دی جائے

کہ اس کی پیداوار کا نصف آپ کی خدمت میں پیش کر دیا کریں گے۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہم تمہیں اسی طرح برقرار رکھیں گے، جب تک چاہیں گے۔ چنانچہ یہود کھیتی باڑی کرتے رہے، جبکہ غلہ کی تقسیم کا موسم آیا، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج دیا تاکہ وہاں سے نصف غلہ لے آئیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلہ کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کر کے بیڑے سے فرمایا: جو حصہ چاہئے لو اور جو چاہو ہمارے لئے رہنے دو۔ اس پر وہ حیران ہو کر کہنے لگے: ”زمین و آسمان ایسے ہی عدل و انصاف سے قائم ہیں۔“

(فتوح البلدان بلاذری، ذکر خیبر)

جنگ خیبر سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ غزوۃ وادی القریٰ علیہ وآلہ وسلم وادی القریٰ کی جانب روانہ ہوئے۔

یہ وادی خیبر اور تیماکے درمیان ہے۔ اس میں دیہات کالگاتا سلسلہ چلا گیا ہے۔ اسی لئے اس وادی کو وادی القریٰ (بستیوں والی وادی) کہتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر یہود کو دعوت اسلام دی، تو انہوں نے قبول حق سے انکار کر دیا اور مقابلہ پر آئے، مگر جلد ہی مغلوب ہو گئے۔ اس جنگ بھی خیبر کی طرح تقسیم غنائم ہوا۔ رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کمال شفقت سے کام لیتے ہوئے اہل خیبر کی طرح نصف پیداوار پر زمین و باغات ان ہی کے قبضہ میں چھوڑ دیئے۔ تیماکے بیڑیوں نے جب وادی القریٰ والوں کا حال سنا تو مقابلہ و مجاہدہ سے گریز کیا اور قاصد بھیج کر جزیہ پر صلح کر لی اور ان کی زمین و باغات ان ہی کے قبضہ میں رہے۔

یعنی یہ کہ مسلمانوں سے لڑائی نہیں کریں گے بلکہ ایک مخصوص جزیہ ادا کرتے رہیں گے جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی بھی قوم ان پر حملہ کرے گی، تو مسلمانوں کی فوج تمام تر وسائل کے ساتھ ان کی رہائی کا حاشیہ آئندہ صفر میں

جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیبر سے واپس تشریف لائے  
**شکر** تو اہل فدک کی طرف حضرت مجبصہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کو بھیجا، وہاں کار بنس یثع بن لون یہودی تھا۔ اہل فدک کو دعوت اسلام دی گئی، وہ  
 خیبر کا حال سن کر پہلے ہی خوف زدہ تھے، اس لئے انہوں نے اگرچہ اسلام تو قبول نہ کیا  
 مگر جنگ نہ کرنے کے وعدہ اور نصف زمین پر صلح کر لی۔

دنیا میں کوئی بھی مفتوحہ قوم سے اس قدر فیاضانہ سلوک  
 یہود کا خبیث باطن نہیں کرتا، جس قدر باقی اسلام سید خیر الانام علیہ

الصلوة والسلام فرماتے تھے، باوجودیکہ مفتوح و مغلوب یہودیوں سے رسول عظیم نبی کریم  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے مثال حسن سلوک فرمایا تھا۔ بایں ہمہ یہودنا یہود کے باطن کی  
 پلیدی ظاہر ہوتے بغیر نہ رہی۔ چنانچہ ایک بن زینب بنت الحارث یہودیہ جو کہ سلام  
 بن مشکم کی بیوی اور مقتول خیبر مرحب کی بھانج تھی۔ (اس نے ایک بکری کا گوشت  
 بھون کر اس میں زہر ملا دی اور بطور ہدیہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں  
 روانہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے بازو کا کچھ گوشت لیا اور  
 تناول فرمانے لگے۔ حاضرین صحابہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ  
 شامل طعام تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گوشت تناول فرماتے ہی صحابہ کرام  
 سے فرمایا کہ اسے نہ کھاؤ، اس میں زہر ملا دیا گیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 نے یہودیوں کو طلب فرمایا اور ان میں سے ہر ایک کو اس کے باپ کا نام پوچھا، تو انہوں نے  
 ازراہ شرارت غلط نام بتا دیئے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تردید فرماتے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) حفاظت کرے گی، اگرچہ کتنے بھی مسلمانوں کو جام شہادت نوش

کیوں نہ کرنا پڑے اور ان کے معاشرتی حقوق مسلمانوں کے برابر ہوں گے، یعنی اگر کوئی مسلمان

ان سے زیادتی کرے، تو اسے برابر کی سزا ملے گی۔ ۱۲ منہ

تے نام بنام اُن کے پاپوں کے نام بتا دیتے، تو وہ اس غیبِ انی پر حیران و ششدر  
 گئے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے بتاؤ اگر میں تم سے کوئی  
 سوال کروں تو مجھ کو صحیح جواب دو گے؟“ انہوں نے عرض کیا کہ اگر جھوٹ بولیں گے  
 آپ کو اسی طرح پتہ چل جائے گا جس طرح ہمارے پاپوں کے نام کا پتہ چل گیا ہے  
 لئے سچ ہی بولیں گے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تم نے اس  
 پشت میں زہر ملا یا ہے؟“ انہوں نے کہا کہ آپ کو کس نے بتایا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم نے بکری کے بازو کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”مجھے اس بازو نے بتایا ہے،  
 میرے ہاتھ میں ہے۔“ اس پر انہوں نے اقرار کر لیا کہ ہم نے زہر ملا یا ہے۔ آپ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”کیوں ملا یا؟“ زہر ملانے والی عورت نے عرض کیا:  
 ”میں خیال سے زہر ملا یا کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہوئے تو زہر آپ کو نقصان  
 نہیں دے گا اور اگر آپ رسول نہ ہوئے تو (معاذ اللہ تعالیٰ) ہم آپ سے نجات پائیں  
 گے۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذاتِ اقدس کے لئے کسی سے  
 بھی انتقام نہ لیتے تھے، اس لئے اُسے معاف فرما دیا۔ (مشکوٰۃ باب المعجزات مفہوم)  
 لیکن جب وہ صحابہ کرامؓ بوشاملِ طعام تھے، انتقال فرما گئے اور ان میں سے  
 اول حضرت بشر بن براہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زہر خورانی سے جامِ شہادت  
 نوش فرمایا تو ان کے قصاص میں وہ عورت قتل کر دی گئی اور بعض روایات کے  
 مطابق وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ (روا اللہ تعالیٰ اعلم، مدارج النبوة جلد ثانی)  
 اسی سال حضرت خالد بن ولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن العاص  
 (فاتح مصر) ایمان لائے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)



# سنہ کے بعض دیگر اہم واقعات

(نوٹ: اس جگہ ہم واقعات کو اختصاراً نقل کریں گے۔ اگر تفصیل مطلوب ہو تو کتب سیر و تواریخ خصوصاً مدارج النبوة، روضۃ الاحباب اور مواہب لدنیہ وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔ یہ کتاب زیادہ طوالت کی متحمل نہیں)

ان مہاجرین میں سے جو کہ نجاشی کے ملک میں  
**مہاجرین حبشہ کی آمد** چلے گئے تھے، ان میں سے کچھ قبل از ہجرت  
 یہ جھوٹی افواہ سُن کر قریش مکہ نے اسلام قبول کر لیا، واپس آگئے تھے۔ پھر انہوں نے  
 مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، جبکہ کچھ لوگ غزوہ خیبر سے دو سال قبل حبشہ سے  
 مدینہ طیبہ آگئے۔ جو چند افراد باقی تھے، وہ فتح خیبر کے دن بارگاہ رسالت مآب  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، ان میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ  
 بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے بیٹے کا دالہ انداز  
 میں استقبال فرمایا۔ ان کی پیشانی حرم کر گلے سے لگایا اور ارشاد فرمایا:-

ما ادری بایتهما انا اسر لفتح خیبر ام بقدم جعفر۔  
 ”یعنی میں نہیں جانتا کہ مجھے دونوں میں سے کس بات کی زیادہ خوشی ہے، خیبر کے  
 فتح ہونے کی یا جعفر کے آنے کی۔“ (ابن ہلدون)

حضرت سیدہ اُمّ المؤمنین اُمّ حبیبہ بنت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
 سے رواف فرماتا بھی ان ہی ایام کے واقعات میں سے ہے، یہ بھی حبشہ کے مہاجرین  
 میں شامل تھیں۔ تفصیلی واقعہ انشاء اللہ العزیز امتہ المؤمنین کے ضمن میں  
 آئے گا۔



لحم خمر اور منقہ کی حرمت (غارہنی نکاح) مباح تھا۔ روز خیر حضور

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منقہ اور لحم خمر کو حرام فرمادیا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ روز خیر شام کے وقت مسلمانوں نے خوب آگ جلائی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ آگ کیسی ہے اور کیا چیز پک رہی ہے؟ عرض کیا گیا کہ ”پالتو گدھوں کا گوشت ہے جو پک رہا ہے“ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گوشت زمین پر پکٹ دو، اور ہانڈیوں کو توڑ دو، کسی غلام نے عرض کیا کہ توڑ دیں یا دھونے کی اجازت ہے؟ فرمایا: ”دھو ڈالو“ علما کرام فرماتے ہیں کہ اس جگہ ہمارا منی یا جماع اہلی یعنی پالتو گدھا اس لئے فرمایا کہ ہمارا وحشی (گورخ) حلال ہے۔ ابتداً ہمارا اہلی (عام گدھا) بھی حلال تھا جسے اب حرام فرمادیا گیا۔

(کنزانی الموابب - مدارج النبوة)

اسی طرح منقہ جو پہلے مباح تھا، حرام قرار دے دیا گیا۔ پھر یوم اوطاس جو کہ فتح مکہ سے متصل بعد ہے، تک اجازت دی گئی۔ پھر اس کے تین دن بعد اسے ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا گیا۔ (مدارج النبوة)

عمرۃ القضا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فتح خیبر کے بعد شوال المکرم کے ہجرت تک مدینہ طیبہ میں

تشریف فرما رہے۔ جب ذوالقعدہ کا چاند دکھائی دیا تو ادا تے عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف رخت سفر باندھا، کیونکہ صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا کہ آئندہ سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جماعت صحابہ کے ساتھ عمرہ ادا فرمانے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائیں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم اُن صحابہ کرام کے جو گزشتہ برس بلا ادا تے عمرہ مقام حدیبیہ سے واپس چلے گئے تھے۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن واہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے چل رہے تھے اور کافروں کو جلانے کے لئے اشعار پڑھ رہے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اشعار پڑھنے سے روکا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عمر! ان کو کچھ نہ کہو اور شعر پڑھنے سے نہ روکو۔ ان کے اشعار تیز تر جاتے ہیں اور کفار کے دلوں میں تیروں کی مانند چبھتے ہیں۔ ”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تلبیہ پڑھتے ہوئے کعبہ معظمہ تک تشریف لائے اور استیلام حجر اسود کے بعد طواف کعبہ فرمایا اور عمرہ ادا فرمایا۔

رسول کائنات فخر موجودات  
**حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 تین دن تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ اس دوران اُم المؤمنین سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد فرمایا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خالہ ہیں اور تین دن کے بعد حسب معاہدہ کفار کی گزارش پر رسول عظیم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

**ہجرت نبوی کا اٹھواں سال** مطابق ۳-۶۲۹ء

سردارانِ قریش کا قبولِ اسلام  
 جمہور اہل سیر نے بقول سیدنا محمد مصطفیٰ

معروف دشمنان اسلام ولید بن مغیرہ قرشی مخزومی اور عاص بن وائل قرشی سہمی کے جگر گوشے حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے، ان کے ساتھ شرف ایمان سے مشرف ہونے والوں میں حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، جن کے قبضہ میں خانہ کعبہ کی کنجی ہوا کرتی تھی۔ بعض اہل سیر کے نزدیک ان حضرات کا قبول اسلام ساتویں سال کے آخر پہ ہوا اور عندا بعض سن پانچ بھری ہے۔ بہر حال اللہ جل شانہ کی شان بے نیازی ہے کہ کل تک جو مصطفیٰ اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو شہید کرنے کے درپے تھے، آج اُن ہی کے دامن رحمت و کرم میں پناہ لینا اپنے لئے سعادت داریں جانتے ہیں۔ (اللہ اکبر و للہ الحمد)

(نوٹ: ان کے قبول اسلام کے تفصیلی واقعات کتب سیرت میں موجود ہیں۔) اس سال وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات میں ایک واقعہ جنگ موتہ ہے۔

— حمادی الاول —

## جنگ موتہ

بمطابق ستمبر ۶۲۹ء

موتہ یہ ایک موضع کا نام ہے جو بلقار کے قریب بیت المقدس سے تقریباً دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔ (مدارج النبوۃ)

اس جنگ کے وقوع کا سبب یہ بنا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ جنگ کا سبب علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر زدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نامہ اقدس عطا فرما کر حکم دیا کہ وہ اسے بصرہ کے بادشاہ کے پاس لے جائیں۔ جب قاصد نبوی حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ موضع موتہ پہنچے، تو ان کی ملاقات شرجیل بن عمر غسانی سے ہوئی۔ یہ امر اربعہ روم میں سے ایک تھا۔ اس نے حضرت

حارث بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نام و پتہ اور بصرے کی طرف جانے کا سبب پوچھا، تو آپ نے سب کچھ بتا دیا، تو وہ بولا: ”گویا تم محمدی قاصد ہو؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں! میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔“ اس پر شر جیل نے حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔ اس سبب سے حضور نبی اکرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی قاصد کو شہید نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی (سوائے اس کے) کسی بادشاہ یا حاکم کے نزدیک کسی قاصد کو شہید یا قتل کرنا جائز تھا۔ قاصدوں کو امن دینا، بدترین ظالموں کے ہاں بھی مسلم تھا تا کہ نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہ سکے، مگر شر جیل لعین پر شر غالب آگیا اور اس نے قاصد نبوی کو شہید کر دیا۔ اس افسوس ناک خبر کے سمیع اطہر تک پہنچنے پر حضور اکرم

**جنگ کی تیاری** آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دشمن کی سرکوبی کا حکم دیا۔ چنانچہ مدینہ طیبہ کی نواحی سب سے ”البحرف“ میں تقریباً تین ہزار صحابہ کرام جمع ہو گئے، اس لشکر میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آزد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا، اور ساتھ ہی یہ ہدایت فرمائی کہ اگر زید بن حارثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شہید ہو جائیں تو امیر لشکر حضرت جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوں گے اور اگر ان کی بھی شہادت ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) امیر بنیں اور اگر یہ بھی مرتد شہادت پا جائیں، تو اہل ایمان جسے چاہیں اپنا امیر بنالیں۔

اربابِ کسیر بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی جو اس مجلس مبارک میں موجود تھا، نے ابوالقاسم، اگر آپ سچے نبی ہیں، تو جن امیروں کے نام آپ نے گئے ہیں، سب شہید ہو جائیں گے، کیونکہ پہلے انبیاء کرام اگر کسی لشکر کو دشمن کے خلاف روانہ

فرماتے وقت شخصوں کو اس طریقہ پر میر مقرر فرماتے تو وہ سب کے سب شہید ہو جاتے۔  
یعنی زبانِ نبوت سے جو نکلتا ہے، وہ حق ہی ہوتا ہے، چنانچہ اس جنگ میں بھی اسی  
طرح وقوع پذیر ہوا، مگر اپنے جثِ باطن اور شقاوتِ ازلی کی وجہ سے تیرہ بخت یہودیوں  
کی قسمت میں نورِ ایمان نہ ہو سکا۔

القصۃ حضور اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سفیدِ علم دھندلا تیار  
فرما کر حضرت زید بن عارضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرمایا اور ثنیتہ الوداع تک  
لشکرِ اسلام کے ساتھ تشریف لائے اور روانہ فرماتے وقت نصیحت فرمائی کہ پہلے  
وہاں موجود لوگوں کو دعوتِ اسلام دینا، اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو جنگ نہ کرنا، لیکن اگر وہ  
انکار کریں، تو اللہ تعالیٰ سے امداد و نصرت مانگ کر میدانِ کارزار میں اتر جانا۔ پھر  
رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا فرماتے ہوئے غازیانِ اسلام کو نصیحت فرمائی۔  
جیسا کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ لشکرِ اسلام کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی۔  
جب یہ لوگ سرزمینِ شام میں ”معان“ نامی مقام پر پہنچے تو پتہ چلا کہ ہر قلعہ و محکمہ  
کی نقل و حرکت سے مطلع ہو کر دو لاکھ کے لشکرِ جرار کے ساتھ ”بلقا“ نامی جگہ میں پڑاؤ  
کئے ہوئے ہے۔ یہ لشکر شرجیل کی امداد و حمایت کے لئے آیا تھا، اس میں ایک  
لاکھ رومی سپاہی اور ایک لاکھ نصرانیانِ عرب تھے۔ خطہٴ عرب کے یہ عیسائی  
قبائل بنو لخم، بنو جذام، قضاعہ، بہروہی، اور قیس سے متعلق تھے جبکہ ان کا فوجی سردار  
قبیلہ بنو راسہ سے مالک بن راختسہ تھا۔ (ابن خلدون)

اسلامی لشکر نے دو شب تک ”معان“ میں قیام کیا اور باہم مشورہ کیا کہ کفار کی اتنی  
بڑی فوج سے خود ان کے ملک میں جا کر چند ہزار سپاہیوں کا لشکر اجماعاً قرینِ عقل نہیں ہے۔  
اس لئے بارگاہِ رسالت مآب میں بذریعہ خط یا قاصد حالاتِ حاضرہ کے بارے میں  
عرض کرتے ہیں تاکہ ہماری امداد کے لئے مزید لشکر روانہ فرمائیں یا جو حکم چاہیں ارشاد فرمائیں۔



رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
حضرت عبداللہ بن رواحہ کا خطبہ جہا ہوں، اُن پاکباز جاثرائی اسلام

پر کہ جن کا دل شوق شہادت میں چلیا تھا۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان ہی میں سے ایک تھے۔ جب آپ نے لشکر اسلام کے اس پس و پیش کو ملاحظہ فرمایا تو بلند آواز سے لوگوں کو اپنی طرف مخاطب فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا:-

(ترجمہ) ”اے مسلمانو! تم تو جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار ہو کر اپنے گھروں سے نکلے ہو، ہم اکثریت یا طاقت کے بل بوتے پر نہیں لڑتے، ہم تو اس دینِ متین کیلئے لڑتے ہیں کہ جسے عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت و عظمت عطا فرمائی ہے۔ اس لئے (بلا خوف و خطر) موتہ کے قریب جمع ہو کر ہر قل کے لشکر کی طرف بڑھو اور اپنے لشکر کا میمنہ اور میسرہ ترتیب دے کر لڑو، تمہیں نیکیوں میں سے ایک نیکی ضرور ملے گی یا تو دشمن پر فتح پا جاؤ گے یا پھر مرتبہ شہادت سے سرفراز ہو کر جنت کی سیر کرو گے۔“

اس کلام کے ختم ہوتے ہی مسلمانوں میں ایک تازہ رُوح دوڑ گئی اور وہ اپنے گھوروں دوڑاتے ہوئے موضع موتہ پہنچے اور ہر قل کے لشکر کے مقابل صف آرا ہو گئے۔

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)  
جنگ کی ابتدا اور حضرت زید کی شہادت میدان جنگ میں مسلمانوں کے

حق کی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ہاتھ میں لشکر اسلام کا جھنڈا اور دوسرے میں نیزہ پکڑا ہوا تھا اور آپ سب لشکر کے آگے تھے۔ آپ کے دائیں طرف یعنی میمنہ میں حضرت قطیبہ بن قنادہ عذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بائیں جانب یعنی میسرہ میں حضرت عبایہ بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب گھمسان کی جنگ شروع

اے لشکر کے دائیں حصہ کو میمنہ اور بائیں حصہ کو میسرہ کہا جاتا ہے، جبکہ درمیانی حصہ کو قلب کا نام دیا جاتا ہے اور فوج کا جو دستہ سب سے اگلے بڑھ کر حملہ کرتا ہے اسے ہزاول دستہ کہا جاتا ہے۔ ۱۲



ہوئی، تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکرِ کفار کے قلب پر حملہ کیا اور جنگ کرتے ہوئے دُور تک لشکرِ کفار کے اندر چلے گئے۔ دشمنانِ اسلام نے ان کو گھیرے میں لے لیا اور سخت لڑائی کے بعد یہ مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
**حضرت جعفر کی قیادت اور شہادت** کے کرتے ہی حضرت جعفر بن

ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دُور کر رایتِ اسلام و اسلامی جھنڈا اٹھالیا اور جنگ میں مشغول ہو گئے۔ دورانِ جنگ آپ کا گھوڑا زخمی ہو کر گر پڑا۔ آپ اس کی پرواہ کئے بغیر پیادہ ہی مصروفِ جہاد رہے، یہاں تک آپ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ آپ نے جلدی سے رایتِ اسلام کو باتیں ہاتھ میں پکڑ لیا دورانِ جنگ وہ بھی کٹ گیا مگر اللہ تعالیٰ کی کرورِ ہمارِ حمتیں نازل ہوں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ آپ نے پھر بھی رایتِ اسلام کو گرنے نہ دیا بلکہ دونوں کٹے ہوئے بازوؤں میں علمِ اسلام تھام کر سینے سے چٹالیا۔ اس کے بعد کسی کافر نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایسا بھروپہ وار کیا کہ آپ کی رُوح مبارک فردوسِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔

مواہبِ لدنیہ میں ہے کہ بعد از شہادت ان کے جسمِ انور کو دیکھا گیا تو جسمِ انور کے اوپر والے آدھے حصے میں استی سے زیادہ زخمِ تلواروں اور نیزوں کے تھے اور یہ سب کے سب سامنے کی جانب تھے جبکہ بخاری شریف میں ہے کہ جسمِ انور پر نوے سے زیادہ زخمِ نیزوں کے پائے گئے۔

ت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے  
**حضرت عبداللہ بن رواحہ کی قیادت اور شہادت** بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علمِ اسلام تھام لیا اور مشغولِ قتال ہو گئے۔

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین دن سے کچھ نہ کھایا تھا۔ آج اُن کے چچا زاد بھائی نے ان کی خدمت میں تھوڑا سا

پکا ہوا گوشت پیش کیا۔ ابھی انہوں نے پہلا لقمہ منہ میں ڈالا ہی تھا کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچ گئی۔ انہوں نے وہ لقمہ نکلنے کی بجائے تھوک دیا، اور فرمایا: اے نفس! جعفر! تو دنیا سے چلے گئے، مگر تو ابھی تک دنیا کی لذت میں مشغول ہے! چل اللہ تعالیٰ کے نام پر شہادت کے لئے آگے بڑھو۔ اس مفہوم کے الفاظ کہتے ہوئے آپ معرکہ کاردار میں داخل ہو گئے اور اس قدر شدت سے جنگ کی کہ مرتبہ شہادت نے آگے بڑھ کر آپ کے قدم چوم لئے۔

ت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) چونکہ حکیم خدا غیب ان نبی محترم  
حضرت خالد بن ولیدؓ حیثیت سپہ سالار فرج رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے پہلے ہی ارشاد فرما دیا تھا کہ جب عبداللہ بن واہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شہید ہو جائیں، تو مسلمان کسی ایک کی امارت پر متفق ہو جائیں، اس لئے بروقت حضرت ثابت بن احرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سبقت دکھائی اور دُر کر علم اسلام تھام لیا اور پکار کر کہا:۔

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ اصْلَحُوا عَلَيَّ رَجُلٌ مِنْكُمْ۔  
”اے مسلمانو! اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنا لو۔“ لشکر اسلام نے جوابا کہا:۔ مَا حَيْنًا بَلَّكَ۔ ”ہم تم پر راضی ہیں“ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔ مَا اَنَا بِفَاعِلٍ فَاَصْلَحُوا عَلَيَّ خَالِدُ بْنُ وَلِيدٍ۔

”میں اس لائق نہیں ہوں (یعنی تیزی سے حملہ نہیں کر سکتا)، تم خالد بن ولید کی امارت پر اتفاق کرو“ سب مسلمان فوراً متفق ہو گئے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت ہی قابلِ رحم تھی۔ مشرکین مسلمانوں پر پل پڑے تھے۔ علم اسلام کو تھامنا بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ قریب تھا کہ اہل اسلام ہزیمت اٹھاتے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر علم اسلام کو تھام لیا۔ اور اس قدر دلیری اور شدت کے ساتھ حملہ کیا کہ لشکر کفار میں کھلبلی مچ گئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکوں کی ایک بڑی جماعت کو

موت کی وادی میں دھکیل دیا۔ خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اُس دن اُن کے ہاتھ میں (دورانِ جنگ) نو تلواریں لٹٹیں۔ غرضیکہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس دن اپنی گزشتہ غلطیوں کی خوب خوب تلافی کی۔ اس صورتحال کو دیکھ کر دوسرے مسلمانوں کے بھی حوصلے بلند ہو گئے۔ انہوں نے بھی پلٹ کر حملہ کر دیا۔ چنانچہ اس روز بڑی شدت کی جنگ لڑی گئی۔ جب شام ہوئی اور رات کا اندھیرا گہرا ہوا تو فریقین نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لئے۔

دوسرے روز حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمِ اسلام اٹھاتے میدان میں تشریف لاتے اور اپنے لشکر کی صفوف کی ترتیب بدل دی، یعنی میمنہ کو میسر اور میسر کو میمنہ سے بدل دیا۔ اسی طرح ساقہ کو مقدمہ اور مقدمہ کو ساقہ سے تبدیل کر دیا۔ مشرکین نے اس حال کو دیکھا تو سمجھا کہ شاید مسلمانوں کی امداد کے لئے کوئی تازہ دم لشکر آ گیا ہے۔ اُن کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب و دبدبہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے راہِ فرار اختیار کر لی۔ حضرت خالد مقابلہ کے وقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا تعاقب فرمایا اور دسیری و مردانگی کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ موتہ کی طرف آتے ہوئے مسلمان ایک قلعہ کے قریب سے گزرے تو اہل قلعہ نے ایک مسلمان کو شہید کر دیا تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قلعہ پر حملہ کر کے اسے بھی فتح کر لیا (ابن خلدون مدارج)۔

کتبِ احادیث میں ہے کہ جب مجاہدین اسلام میدانِ جنگ اور نگاہِ نبوت لشکرِ کفار سے برسرِ پیکار تھے، اُس وقت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی شریفہ میں تشریف فرما تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اجل شانہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مبارکہ سے حجابات کو دور فرما دیا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واقعات و حالاتِ جنگ کو

یوں ملاحظہ فرمائیے تھے گویا کہ خود میدانِ کارزار میں تشریف فرما ہیں اور چشمِ سر سے سب کچھ ملاحظہ فرمائیے ہیں۔ معائنہ فرماتے ہوئے صحابہ کرام سے ارشاد فرما رہے ہیں:-  
 ”وہ دیکھو، زید بن حارثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) علمِ اسلام اٹھائے ہوئے، لڑائی کر رہے ہیں۔ شیطان نے اُن کی نظر میں دنیاوی زندگی کو آراستہ کر کے دکھلایا، مگر وہ ثابت قدم ہے۔ وہ جنگ میں آگے بڑھ رہے ہیں، وہ جنگ کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ (پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے لئے دعا فرمائی اور صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا) تم بھی ان کے لئے استغفار کرو اور جنت میں داخل ہو گئے اور جنتی باغات کی سیر کر رہے ہیں۔ ان کے بعد جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے علم اٹھالیا ہے شیطان ان کے پاس بھی آیا، مگر انہوں نے بھی اسے ٹھکرا دیا اور معرکہ جنگ میں داخل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی شہادت کے مرتبہ پر فائز فرمایا (ان کے دونوں بازو کٹ گئے) مگر پھر بھی لڑتے ہوئے جنت میں داخل ہو گئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کی جگہ جنتی یا قوت کے دو بازو عطا فرمادیئے ہیں! اُن کو میں فرشتوں کے ساتھ اڑتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ (اُسی دن سے حضرت سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ”جعفر طیار“ یعنی اُڑنے والے جعفر پڑ گیا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے: ان کے بعد علمِ اسلام عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تھام لیا، انہوں نے بھی خوب جنگ کی اور وہ بھی مرتبہ شہادت پا کر جنت کو سدھار گئے ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے جا رہے تھے اور مُبارک آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے جاتے تھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (خوشی کے انداز میں) ارشاد فرمایا: اب اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (سیف اللہ) نے علمِ اسلام تھام لیا، یعنی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا پکڑ لیا ہے (انشاء اللہ تعالیٰ)

ان ہی کے ہاتھ پر فتح ہوگی۔ چنانچہ اسی طرح ہوا اور اُسی دن سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ”سیف اللہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کی تلوار مشہور ہو گیا۔

(خلاصہ مفہوم از صحیح بخاری، واقدی، بیہقی، ابن اسحاق، خصائص کبریٰ للسیوطی،

لشکر اسلام کے قاصد کی آمد حضرت یعلیٰ بن مہنیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجاہدین

موت کی خبر پیش خدمت کرنے کے لئے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے فرمایا: اگر تم چاہو، تو مجھے مطلع کرو اور اگر تمہاری مرضی ہو تو میں تم کو تمام حالات مفصل طور پر بتا دیتا ہوں۔ حضرت یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ ہی ارشاد فرمادیجئے۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے سبب واقعات و حالات بالتفصیل بیان فرمادیئے۔ یہ سُن کر حضرت یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا، آپ نے ان لوگوں کے واقعات میں سے کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی، جسے بیان نہ کیا ہو۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے سے زمین کے تمام حجابات اٹھا دیئے تھے اور میں نے کچشم خود میدان جنگ کا مشاہدہ فرمایا۔ (خصائص کبریٰ جز اول)

نظرت آج کے اس نام نہاد

میدان جنگ میں شرف انسانیت کی حفا  
شرافت کی جس انداز میں دھجیاں اڑاتی جاتی ہیں، وہ محتاج بیان نہیں دوران جنگ تمام تر اصول و قواعد کو پاؤں پر تھام کر دیا جاتا ہے۔ شہری آبادیوں بلکہ تعلیمی اداروں، عبادت گاہوں اور ہسپتالوں تک کو بھاری بمباری کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ایٹمی یا جوہری جنگ میں بلا امتیاز بے شمار انسانوں (بچوں، بوڑھوں، عورتوں، مرصیوں) کو کریناک موت کی نیند



سُلا دیا جاتا ہے جو چند زندہ لاشیں بچتے ہیں، اُن اپنا بیچ افراد کی زندگی موت سے بھی  
بدتر ہوتی ہے۔ اُن کے ہاں طویل عرصہ تک پیدا ہونے والے بچے تباہ کاری اثرات کی  
وجہ سے لولے لنگڑے، اندھے اور خوفناک شکلوں میں ہوتے ہیں۔ عام گھمسان کی جگہوں  
میں ان امن پسند شہریوں پر کہ جن کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بے پناہ ظلم اور تشدد کیا جاتا  
ہے، ان کے مکانات کو تہس نہس کر دیا جاتا ہے اور شہروں اور بستیوں کو دیران اور بریا  
کر دیا جاتا ہے، جس سے وہاں کے باشندے ہر ایسی انتہائی شقاوت اور بربریت کا  
شکار ہو جاتے ہیں کہ جن کا تصور بھی ممکن نہیں، اور یہ سب کچھ اس دور میں ہو رہا ہے جسے  
تہذیب و ترقی اور علمی عروج کا دور کہا جاتا ہے۔

میں مصنف کتاب ہذا، ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنے دل میں انسانیت کا  
درد کھنے والے ہر صاحب اختیار اور خصوصاً مغربی تہذیب و تمدن کے علمبردار ممالک اور  
فوجی سربراہوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ میرے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کے سراپا کرم اور انتہائی رحیم و شفیق اور شرف انسانیت سے بے برتری پر نور قلب اقدس سے  
صادر ہونے والی اس عظیم نصیحت پر غور کریں، جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے موت  
کی طرف جانے والے اسلامی لشکر کو فرمائی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا  
(ترجمہ) ”میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے (تقویٰ اختیار کرنے) اور اپنے مسلمان ساتھیوں  
سے حسن سلوک کی نصیحت کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تبارک تعالیٰ کی راہ میں اللہ تعالیٰ  
کے منکروں سے جہاد کرو۔ خبردار نہ تو عہد شکنی کرنا، نہ کسی قسم کی زیادتی کرنا، نہ ہی کسی بچے  
عورت، عمر رسیدہ شخص اور اپنی عبادت گاہ میں گمشدہ شخص کو قتل کرنا، لوٹ مار مچانا  
تو درکنار، کسی گھجور کے باغ کے قریب نہ مہانا، نہ کسی درخت کو کاٹنا اور نہ ہی کسی مکان  
کو منہدم کرنا (اگرچہ وہ مکان کسی امن پسند شہری کا ہو یا میدان جنگ میں لڑنے والے  
کسی سپاہی کا۔“ (مختلف کتب سیرت و انوار مکی)



جنگِ موتہ میں شہداء کی تعداد کہ محض تین سزار فرزند انِ توحید و یارِ غیر  
میں جا کر جبہِ دلا کھ سے زیادہ تعداد میں خونخوار جنگجوؤں سے ٹکرائے ہوں گے، تو  
شاید چند سو ہی باقی بچے ہوں گے، مگر آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ تاریخ ابنِ خالد  
کے مطابق اس جنگ میں صرف دس مجاہدین اسلام نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔  
البتہ علامہ ابن ہشام نے حضرت زبید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ  
بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے علاوہ نو آدمیوں کے اسمائے گرامی درج فرمائے  
ہیں، یعنی حضرت مسعود بن اسود، حضرت وہب بن سعد۔ حضرت عبادہ بن قیس،  
حضرت حُرث بن نعمان۔ حضرت سراقہ بن عمرو۔ حضرت ابولکلب بن عمرو۔ حضرت  
جابر بن عمرو۔ حضرت عامر بن عمرو۔ حضرت عمرو بن سعد۔ (رضی اللہ تعالیٰ  
عنہم اجمعین) (سیرت ابن ہشام)

## غزوہ فتح مکہ (رمضان المبارک ۶۳۰ء)

ہجرتِ نبوی کے آٹھویں سال کے واقعات میں مکہ مکرمہ (ذوالہ اللہ العظیم و تشریفاً)  
کا فتح ہونا بھی ہے۔ یہ وہ فتحِ عظیم ہے کہ جس پر سورۃ الفتح کی آیہ مبارکہ "إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ  
فَتْحًا مُبِينًا" بڑا باریک ناطق ہے۔ اگر یہ مفہومِ عظام کے نزدیک اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے  
جو فتوحاتِ عظیمہ کا باعث اور سرچشمہ و دروازہ بنی۔ بایں ہمہ فتحِ مکہ عظیم ترین فتوحات  
میں سے ایک ہے۔ ربِّ ذوالجلال نے اسی فتحِ عظیم کے ذریعے اپنے دینِ متین کو  
غالبِ قوی بنایا اور حرمِ پاک کو جائے امن قرار دیا۔ اسی سے اس بلدا میں اور اپنے بیتِ  
اقدس کو نبوتوں اور مشرکوں کی نہاست سے یوں پاک کیا کہ زمین و آسمان الے عش عش کر اٹھے۔

اطراف اکناف کے وہ لوگ جو اس بات کے منتظر تھے کہ اگر اس مقدس ہستی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آبائی شہر مکہ مکرمہ کو فتح کر لیا اور بیت اللہ شریف ان کے قبضہ و اقتدار میں چلا گیا، تو پھر ہم اس دین کو دین حق سمجھ کر قبول کریں گے۔ وہ لوگ اس فتح عظیم کے معرض وجود میں آتے ہی ہر چہار جانب سے دوڑتے ہوئے آئے اور گروہ درگروہ دامن رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پناہ لینے لگے، جیسا کہ خود خلاق عالم جل شانہ فرماتا ہے:

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ  
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي  
دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ  
رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنََّّهُ كَانَ  
تَوَّابًا (النصر)

جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آئے اور  
لوگوں کو تم دیکھو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین  
میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو  
اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی تسبیح  
کہو اور اس سے بخشش مانگو، بے شک وہ

توبہ کو بہت جلد قبول فرمانے والا ہے

**اسباب فتح مکہ** اس موجب بانی اور فتح صمدانی کے ظہور کا ظاہری سبب

یہ بھی تھی کہ قبائل مکہ میں سے جو قبیلہ چاہے قریش مکہ کا حلیف بنے اور جو چاہے  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہد و حلف میں شامل ہو اور دوسرے یہ کہ  
دونوں اطراف کے شہری ایک دوسرے سے امان میں رہیں گے۔ حلیف اور ہم عہد  
ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، چنانچہ قبیلہ بنو بکر قریش کا حلیف بن گیا  
جبکہ بنو خزاعہ رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معاہدہ و ذمہ داری میں داخل ہو گئے  
بنو خزاعہ کے داخل عہد ہونے کا سبب یہ بنا کہ جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
آلہ وسلم کے دادا محترم حضرت عبدالمطلبؑ اپنے چچا نوفل سے ستھایہ دھابیوں

کو پانی پلانے، کے چوک اور صحن پر جھگڑا ہوا تو نوفل نے حضرت عبدالمطلب سے مقابلہ اور متعلقہ عمارت وزمین طلبا چھین لی۔ اس پر حضرت عبدالمطلب نے اپنی قوم کو مقابلہ کے لئے آمادہ کرنا چاہا، مگر کسی نے بھی آپ کا ساتھ نہ دیا اور کہا کہ ہم آپ کے اور آپ کے چچا کے درمیان مداخلت نہیں کرنا چاہتے۔“

پھر حضرت عبدالمطلب کے اپنے نھتیاں بنو بخار جو بعد میں ہمارے پیارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی نھتیاں بنے، کو امداد کے لئے بلایا، چنانچہ شرب (موجودہ مدینہ منورہ) سے ابو سعید بن عدس بخاری باختلاف آیات ستر یا اسی شہسواروں کے ساتھ مکہ مکرمہ آگیا اور صاف لفظوں میں کہا کہ ہمارے بھائی سے جو کچھ تم نے چھینا ہے، واپس کر دو، ورنہ اس بیت اللہ کے رب کی قسم تم تلواروں کے ایسے بھروسہ وار کریں گے کہ فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ دیکھ کر نوفل نے جو چھینا تھا وہ سب کچھ واپس کر دیا، مگر اپنی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے اپنے دوسرے بھتیجے عبد الشمس سے بنو ہاشم کے مقابلہ میں معاہدہ کر لیا۔ رد عمل کے طور پر حضرت عبدالمطلب نے ان سے مقابلہ کے لئے قریش ہی کی ایک شاخ بنو خزاعہ سے معاہدہ کر لیا۔ صلح حدیبیہ کے دن بنو خزاعہ والے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جان کی تحریر لیکر حاضر خدمت ہو گئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ تحریر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پڑھ کر سنائی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسی سابقہ معاہدہ کی توثیق فرماتے ہوئے اسے قائم رکھا۔ زیادہ جاہلیت میں بنو خزاعہ اور بنو بکر کے درمیان بہت سی لڑائیاں لڑی گئیں، ظہور اسلام کے بعد ان کی توجہ اسلام کی طرف مبذول ہو گئی اور وہ لڑنے سے رُکے رہے مگر قریش اور مسلمانوں میں صلح حدیبیہ ہو جانے کے بعد سوتے ہوئے اختلافات پھر سے انگڑائیاں لینے لگے۔ ایک دن بنو بکر کا ایک بد نصیب شخص بنو ہاشم کے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں سخت گستاخانہ انداز میں بیوہ اسعار بلند آواز سے گالے مار

پڑھ رہا تھا۔ بنو خزاعہ کے ایک آدمی نے اسے روکا، جس پر دونوں میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف خزاعی نے اس ریڈ وہن گستاخ کا سر پھاڑ دیا۔ بنو بکر والوں نے قریش سے مدد مانگی۔ حسب معاہدہ حدیبیہ چاہیے تو یہ تھا کہ قریش ان کے ساتھ شامل جنگ نہ ہوتے، بلکہ ان کی صلح کرواتے، مگر قریش میں صفوان بن امیہ، حویطب بن عبد العزیٰ، عکرمہ بن ابی جہل، شیبہ بن عثمان، سہل بن عمرو وغیرہ بنو بکر کے ساتھ ہو گئے اور ان سب نے رات کے اندھیرے میں اپنے چہرے چھپا کر (تاکہ پہچانے نہ جائیں) سوتے ہوئے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ ان بیچاروں نے امان بھی مانگی، بھاگ کر حرم کعبہ میں پناہ بھی لی، مگر ان کو ہر جگہ بے دریغ تہ تیغ کیا گیا۔ جب یہ مظلوم اللہ! - اللہ! اپنے معبود کے واسطے اپنے معبود کے واسطے کہہ کر ان سے رحم کی درخواست کر رہے تھے، تو یہ ظالم جواباً کہتے تھے: لا اللہ الاہل۔ یعنی آج اللہ تعالیٰ کی کوئی حیثیت نہیں (معاذ اللہ) حتیٰ کہ خزاعہ کے تئیس کے قریب مرد قتل ہو گئے۔ (تاریخ طبری و سیرت ابن ہشام)

قریش نے چونکہ چہرے چھپا کر حملہ کیا تھا اور ان کو یقین تھا کہ وہ پہچانے نہیں جاسکتے، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اسی وقت اس واقعہ فاجعہ کی خبر دی گئی تھی۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جس شب یہ واقعہ پیش آیا اُس کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا: اے عائشہ! مکہ مکرمہ میں یہ حادثہ واقع ہوا ہے اور قریش نے عہد شکنی کی ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کیا خیال ہے کہ قریش عہد شکنی میں دلیری دکھائیں گے، حالانکہ تلواریں نے ان کو فنا کر دیا ہے؟ فرمایا: انہوں نے یہ عہد اس بات کی تکمیل کے لئے توڑا ہے، جو اللہ تعالیٰ پورا فرمانا چاہتا ہے۔ میں نے عرض کیا: یہ معاملہ خیر ہے یا شر؟ ارشاد فرمایا: انشاء اللہ تعالیٰ خیر ہی ہوگا۔

رَضِی اللہ تعالیٰ عنہا، رِیث طبرانی نے معجم صغیر میں حضرت سیدہ  
 حضرت ام المومنین سیدہ مہینہ کی تحد ام المومنین مہینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
 روایت کیا۔ آپ فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے  
 دو فرما تے ہوئے تین مرتبہ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ اور تین مرتبہ ہِی لَصَوْتُک  
 لَصَوْتُک۔ لَصَوْتُک میں مدد کرتا ہوں، میں مدد کرتا ہوں، میں مدد کرتا ہوں،  
 آیا میں جلدی سے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتی اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وسلم آپ کس سے باتیں قرار ہے تھے، یہاں تو کوئی بھی شخص نہیں؟ آپ نے  
 فرمایا: ”مجھے پکارنے والا بنی کعب تھا، جو قبیلہ بنو خزاعہ سے ہے، وہ مجھ سے مدد  
 مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ قریش نے بنو بکر کی مدد کی اور ہم پر شبخین مارا ہے۔“  
 اس کے تین دن بعد عمرو بن سالم بچے کھچے چالیس سواروں کے ساتھ مدینہ منورہ  
 حاضر ہوئے اور سیدھے مسجد نبوی شریف پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم سردار بنو خزاعہ نے آتے ہی  
 فی البدیہہ چند اشعار پڑھے، ان شعروں میں عمرو بن سالم نے اس داستانِ ظلم کو کچھ اس  
 انداز سے بیان کیا کہ جس کو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں اشکبار  
 ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی محبت اور ایفائے عہد کا مظاہرہ  
 فرماتے ہوئے فرمایا: ”میری مدد نہ ہوگی اگر میں نے تمہاری مدد نہ کی جس طرح میں اپنی  
 مدد کرتا ہوں، اسی طرح تمہاری مدد کروں گا۔ پھر مزید ارشاد فرمایا: ”تم اپنے گھروں  
 کو لوٹ جاؤ، کوئی غم فکر نہ کرو، کیونکہ فتح و نصرت کے دن قریب آگئے ہیں۔ اس کے  
 بعد صحابہ کرام سے فرمایا: ”میں دیکھ رہا ہوں کہ ابوسفیان آیا ہے، وہ صلح کی مدت  
 بڑھانے اور تجدید عہد کی درخواست کر رہا ہے، مگر خاتبہؓ خاصہ ہو کر مکہ مکرمہ کوٹ  
 گیا ہے۔“ (مدارج النبوة جلد ثانی)



ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب قریش کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی تو انہوں نے ابوسفیان کو تجدید عہد اور معذرت خواہی کے لئے مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ ابوسفیان مدینہ پہنچا اور سب سے اول اپنی بیٹی اُمّ المؤمنین حضرت سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آیا اور بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا، تو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے روک دیا اور بستر اقدس لپیٹ کر بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ ابوسفیان نے حیران ہو کر پوچھا: ”کیا تم اس بستر کو مجھ سے بچانی ہو؟“ حضرت سیدہ امّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ”ہاں اس لئے کہ یہ بستر حضور سید الطاہرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہے جبکہ تم مشرک اور نجس ہو، میں برداشت نہیں کر سکتی کہ تم اس پاکیزہ بستر پر بیٹھو؟“ اس پر وہ خفا ہو کر اپنی بیٹی کے ہاں سے چلا آیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر تجدید عہد کے موضوع پر بات کی، مگر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں سے وہ غائب ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا، مگر کوئی بات نہ بنی، تو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا یہاں سے سخت ڈانٹ پڑی، تو سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس ان کے آستانہ اقدس پر حاضری دی، مگر یہاں بھی نا اُمیدی و نا کامی کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں سفارش کے لئے عرض گزار ہوا، مگر یہاں سے بھی جہی دامن رہا۔ آخر مایوس و نا امید ہو کر مکہ معظمہ کی طرف واپس لوٹ گیا۔

(ابن ہشام۔ طبری۔ ابن خلدون۔ مدارج النبوة)  
 حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی شخص کو جنگ کی تیاری اطلاع میں بغیر خفیہ طور پر جہاد کی تیاری شروع فرمادی اور بارگاہ رب العزت میں یہ دعا کی کہ: اَللّٰهُمَّ خُذْ عَلٰی اَبْصَارِهِمْ فَلَا يَرَوْْنِيْ اِلَّا بِغَتَةٍ۔ ”اے اللہ تعالیٰ کفار کی بینائیوں کو سلب کر لے وہ مجھ نہ دیکھ سکیں مگر اچانک“



رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرات صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو  
 بنا ہمارا بناتے ہوئے کسی دوسرے کو ہمارا بنانے سے منع فرما کر بھرپور انداز میں تیاری کا  
 حکم دیا۔ سب صحابہ کرام علیہم الرضوان تیاری تو فرما رہے تھے، مگر ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ  
 دھڑ کا عزم مبارک ہے۔

**حضرت حاطب ابن بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ** خط اسی دوران بنو عبدالمطلب کی ایک  
 بیۃ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جا رہی تھی، اس کے ہاتھ حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 نے ایک خط اہل مکہ کے نام بھیجا جس کے مصنون کا مفہوم یہ تھا کہ ”حنور بنی کریم  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لشکر کی تیاری فرما رہے ہیں، مجھے اُمید ہے کہ مکہ مکرمہ پر لشکر کشی  
 ارادہ فرما رہے ہیں، تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیے۔“ سارہ نامی اس عورت نے یہ خط اپنے  
 سر کے بالوں کی مینڈھیوں میں چھپایا اور اونٹنی پر یکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئی، اور  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رتب کریم جل شانہ نے اس واقعہ سے مطلع فرمایا۔  
 پھر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت مقداد  
 بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرمایا کہ فوراً ”خاخ“ کے باغ میں جاؤ، وہاں تم کو ایک  
 اونٹنی سوار عورت ملے گی، اس سے خط لے آؤ، اگر وہ خط دے دے، تو اسے کچھ نہ کہنا۔  
 پھر پانچہ حضرات فوراً روضہ خاخ پہنچے، اتنے میں وہ عورت بھی آگئی۔ ان حضرات نے اس  
 سے خط طلب فرمایا، تو اُس نے جھوٹ بولا، اُس کا سامان ٹٹولا، مگر خط نہ ملا تو حضرت سیدنا  
 علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سخت لہجے میں دھمکی دی جس سے مرعوب ہو کر اس نے اپنے  
 بالوں سے خط نکال کر دے دیا۔ خط پا کر حنور بنی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت  
 حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور تحقیق حال فرمائی تو حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لے ابن خلدون نے اس کا نام ”کنود“ تحریر فرمایا ہے۔

نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، میرے معاملے میں جلدی نہ فرمائیے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ایمان والا ہوں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر دل و جان سے ایمان رکھتا ہوں، میرے اندر کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے میں ایسا شخص ہوں کہ جس کی مکہ مکرمہ میں کوئی قبیلہ یا کنبہ نہیں ہے۔ (یعنی میں قریش میں سے نہیں ہوں اور میرے اہل و عیال اُن رکفار مکہ میں گھرے ہوئے ہیں، ظاہراً ان کی کوئی حفاظت کرنے والا نہیں ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اُن پر احسان کروں (یعنی میرا خطا اُن کو بچا تو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، مکہ مکرمہ فتح ہو ہی جائے گا، بس اپنے اہل و عیال کی محبت میں یہ غلطی ہو گئی، وگرنہ میرا یہ عمل نفاق یا ارتداد کی وجہ سے نہیں ہے۔“

اس پر رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے صحابہ کو فرمایا: آگاہ اور باخبر ہو جاؤ حاطب سچ کہتا ہے۔ پھر فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اَطْلَعَ عَلٰی اَهْلِ بَدْرٍ وَّقَالَ اَعْمَلُوْا شَيْئًا لَّكُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ ”بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر کے حال پر مطلع ہے اور فرماتا ہے، تم جو چاہو کرو، بے شک میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔“ (رواہ طبرانی۔ بخاری باب غزوة الفتح)

واضح رہے کہ یہ وہی حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ۶۷ھ میں نامہ اقدس عطا فرما کر شاہ مقوقس کے پاس بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے قصہ کو معاف فرما دیا۔

**مکہ مکرمہ کی جانبے وانگی** جب مکہ مکرمہ کا عزم سفر مکمل ہو گیا تو بعض مسلمانوں نے مکہ مکرمہ کی جانبے وانگی کو قبائل عرب مثلاً اسلم، غفار، جہنیہ، اشجع، سلیم وغیرہ کی طرف بھیجا، یہ سب داخل اسلام ہو چکے تھے، ان کو حکم دیا گیا کہ سب مسلمانوں کو شکر پہنچائیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مورخہ ۶۷ھ

رمضان المبارک ۸۷۷ بروز بدھ بعد نماز عصر مدینہ طیبہ سے عازم مکہ مکرمہ ہوتے۔  
(ابن خلدون - واقعی)

امام احمد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باسناد صحیح روایت فرماتے ہیں کہ روانگی دو رمضان المبارک کو ہوئی۔ الغرض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تقریباً بارہ ہزار کے لشکرِ حرار کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اُمہات المؤمنین میں سے حضرت سیدہ اُمّ سلمہ اور حضرت سیدہ سمیونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شرف ہم رکابی حاصل ہوا۔ مدینہ طیبہ میں حضرت کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابن خلدون) جبکہ عند البعض ابن اُمّ مکتوم یا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما، (مدارج النبوة) کو خلیفہ مقرر فرمایا، جس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حجۃ یا ذوالحلیفہ (جسے آج ابیار علی کہتے ہیں اور اہل مدینہ کی میقات ہے) پر پہنچے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی طرف آتے ہوئے ملے، ان کی آمد پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اظہارِ مسرت فرمایا اور حکم دیا کہ اسبابِ تہ مدینہ طیبہ بھیج دو، مگر خود ہمراہ رہو اور یہ بھی فرمایا کہ یہ تمہاری ہجرتِ آخری ہجرت ہے یعنی اس کے بعد کوئی آنے والا مہاجر نہیں کہلائے گا، جب منیق العقاب پہنچے، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے ابوسفیان بن حارث شاؤ پھو بھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ بن امیہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا اور اہانت میں بہت بڑھ کر سختہ لیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے رُخ انور پھیر لیا اور گفتگو نہ فرمائی۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ اکرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی حکمتِ عملی اور حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سفارش پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو معاف فرمایا اور یہ دونوں سچے دل سے دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (ابن خلدون - مدارج النبوة)

حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے غلاموں کی معیت میں  
منازل سفر قریع فرماتے ہوئے مراظہران (جسے اب وادی فاطمہ کہا جاتا ہے) پہنچے۔ یہ  
مقام مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں پہنچ کر لشکر اسلام خمیزن ہوا، تو  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اہل لشکر کو حکم دیا کہ بوقت شب ہر سپاہی اپنے خیمے کے سامنے  
آگ روشن کرے۔“

**حضرت عباس اور ابوسفیان** حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ  
ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آپ اگر اہل مکہ  
حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مزاحم ہوں گے، تو شدید ترین نقصان اٹھائیں گے  
اس لئے اگر کوئی شخص مل جائے، تو میں قریش مکہ کو سمجھا دوں کہ وہ مقابلہ پر نہ آئیں۔ اس مقصد  
کے لئے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خچر پر سوار ہو کر لشکر سے  
باہر نکلے تو ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام یعنی ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے  
بھتیجے، اور بیدیل بن ورقار سے ملاقات ہوئی، یہ جاسوسی کی غرض سے گھوم رہے تھے اور  
پوری وادی میں پھیلی ہوئی آگ اور عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ یہ لشکر کس کا ہے؟  
انہیں یہ کہہ دیا کہ یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ دیکھ سکے، جبکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
نے ان کی آواز سے ان کو پہچان لیا اور فرمایا: یہ لشکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کا ہے، جو تم پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اے ابوالفضل عباس!  
ہمارا کیا بنے گا؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان کو اپنی سواری پر بٹھالیا اور  
بارگاہ اقدس میں لے کر حاضر ہو گئے، چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی  
تلوار کے ڈر اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترغیب سے ابوسفیان مسلمان ہو گئے

اے خیال ہے کہ وادی فاطمہ کا یہ نام سیدیہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منسوب نہیں  
بلکہ عام دیگر مقامات کی طرح یہ بھی ایک مقام کا نام ہے۔ (مدارج النبوة)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گزارش پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کے گھر کو دارالامن قرار دے دیا۔ مزید فرمایا کہ جو کوئی مسجد بیت الحرام میں آجائے گا وہ بھی امن میں ہے گا اور جو کوئی اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا یعنی جنگ میں حصہ نہ لے گا، وہ بھی مامون و محفوظ ہوگا۔

## شوکِ شکرِ اسلام

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ابوسفیان کو لے کر کسی چھوٹی گھاٹی کے کنارے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو جائیں تاکہ اسے لشکرِ اسلام کی شان و شوکت دکھا کر اس کے غرور کا سر توڑا جائے۔

(مدارج النبوة - ابن خلدون وغیرہ)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کو لے کر ایک تنگ سے راستے کے قریب پہاڑ پر جا بیٹھے، یہاں سے گزرتا ہوا لشکرِ اسلام صاف دکھائی دے رہا تھا سب سے اول سپاہِ شوکت پناہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے جو بنی سلیم کے ہزاروں افراد کے ساتھ تھے۔ اس فوج کے پاس دو جھنڈے تھے ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، یہ کون ہے؟ آپ نے جواباً فرمایا، یہ خالد بن ولید ہیں۔ اور جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کے برابر پہنچے تو پورے جاہ و حشم کے ساتھ اتنے روزے نعرۂ تبخیر بلند کیا کہ پہاڑ گونج اٹھے، ان کے بعد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا اٹھاتے پانچ سو پہلوانوں اور دلاوروں کے ساتھ نعرۂ تبخیر بلند کرتے ہوئے گزرے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا تعارف کروایا۔ ان کے پیچھے منو غفار کا لشکر نمودار ہوا۔ ان کا جھنڈا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ ان سے متصل بعد گزرنے والے بنو کعب بن عمر کے شاہسوار تھے



جو پوری شان و شوکت کے ساتھ گزر رہے تھے، اُن کا جھنڈا بشیر بن سُفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، ان کے بعد قبیلہ مُزنیہ کا عظیم الشان لشکر آگیا، ان کے پاس تین جھنڈے تھے، ان کے بعد قبیلہ جہنیہ کے لوگ پہنچے، جن کی تعداد آٹھ سو تھی اور انہوں نے چار جھنڈے اٹھا رکھے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر ایک لشکر کا تعارف کروا رہے تھے جبکہ ابوسفیان حیرت میں سرگردان لشکر اسلام کو دیکھ رہے تھے۔ پھر قبیلہ بنو شعیب کے تین سو پہاڑ جھنڈا اٹھائے گزرے، ان کے تعارف پر ابوسفیان نے کہا: محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ دشمن یہ لوگ تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لیکن اب اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا فرمادی ہے۔ ابوسفیان نے کہا: ”مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں ہے۔“ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضور سرورِ عالم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خاص فوج نمودار ہوئی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مخصوص ناقہ پر سوار تقریباً پانچ ہزار اعیانِ مہاجرین و انصار کے جھرمٹ میں جو کہ سب کے سب مکمل طور پر مسلح اور درۃ و خود سے آراستہ و پیراستہ تھے، یہ نعرہ تکبیر کو بلند کرتے ہوئے گزرے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک طرف حضرت ابوبکر صدیق اور دوسری طرف حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے محو گفتگو تھے۔ حضرت فاروقِ اعظم و علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی معیتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثنار میں جا رہے تھے۔ ابوسفیان نے جب اس خدائی لشکر کی اس عظمت و شوکت کو دیکھا تو اُس کی چشمِ عقل خیرہ ہو گئی۔ اُس نے انتہائی حیرت سے ہیبت زدہ ہو کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: ”تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بہت قوی اور عظیم ہو گئی ہے۔“ جواباً حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”مجھ پر افسوس ہے اے ابوسفیان کہ ابھی تک تجھے پتہ نہیں چلا یہ رسالت و نبوت ہے، سلطنت و بادشاہت نہیں۔“ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ



نے ابوسفیان سے فرمایا کہ جلد از جلد شہر مکہ میں پہنچ کر اعلان کر دو کہ وہ لوگ مقابلہ پر نہ آئیں، بلکہ مطیع و فرمانبردار ہو جائیں، ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔

ابوسفیان نے تیزی سے مکہ مکرمہ مسجد بیت الحرام میں پہنچ کر اعلان کیا کہ اے لوگو! اب بس کرو اے قوم قریش! یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اتنا بڑا شکر لے کر تشریف لے آتے ہیں کہ اتنا بڑا عظیم الشان لشکر میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ انہوں نے حکم دیا ہے کہ جو کوئی ہتھیار پھینک کر گھر میں بیٹھ جائے گا یا جو کوئی مسجد الحرام میں داخل ہو جائے گا یا ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، وہ امن میں رہے گا۔ خبردار ہو جاؤ اب تم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ قریش مکہ کو یہ خبر ہوئی کہ بیوی بندہ نے بھی اُسے نہایت نازیبا کلمات کہے اور اسے حد درجہ ذلیل کرنے لگے، تو ابوسفیان نے کہا: تم میرے ساتھ جو چاہو سلوک کرو، مگر یاد رکھو مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو درہم تمہاری گردنیں اڑادی جائیں گی، جاؤ جلدی کرو، گھروں میں گھس جاؤ اور دروازے بند کر لو تاکہ تمہاری جان بچ جائے، یہ سن کر کچھ لوگ تو اپنے گھروں میں جا بیٹھے اور کچھ مسجد الحرام میں بھی آ گئے۔ (مدارج النبوة)

حضور نبی مکرم رسول مختتم، رحمت عالم  
**شہر مکہ میں نزول اجلال** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مشہور  
 روایات کے مطابق بروز پیر بیست و نواں رمضان المبارک ۶۲۸ھ بمطابق جنوری ۶۲۸ء کو اپنے غلاموں کے ہمراہ پوری شان و شوکت اور جاہ و جلال نبوی کے ساتھ داخل مکہ مکرمہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر اسلام کو مختلف راستوں سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ ان میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حجاز مہاجرین کو ساتھ لے کر بالائی راستے سے حجوں کے حصہ طرف مکہ مکرمہ کا قبرستان جنتِ معلیٰ ہے، میں داخل ہوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیمہ اور علم اسلام وہاں

نصب کر دیا جائے دہتے ہیں کہ جہاں رایت اسلام یعنی جھنڈا نصب کیا گیا تھا اسی جگہ مسجد رایت اسلام بنی ہوئی ہے) حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہتھیار بند جماعت کے ساتھ بطون وادی کے راستہ سے نرمی اور مہربانی کرتے ہوئے داخل کا حکم دیا، جبکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ باقی تمام فوج کو لے کر اسفل مکہ کی راہ سے کہ جسے کہہ دیتے ہیں داخل ہوں اور اپنے علم کو مکہ مکرمہ کی منتہائے عمارت پر نصب کر کے کوہ صفا کے قریب حاضر خدمت نبوی ہوں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے مخصوص صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جلو میں شہر مکہ کی طرف بڑھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بروز فتح مکہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے بالائی راستہ سے داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے آپ کے غلام کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بیٹھے تھے (بخاری شریف)۔

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو مسلمانوں کی کثرت اور عظیم الشان فتح و نصرت دیکھ کر ہجرت کا وہ وقت یاد آگیا، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں سے گریزاں رات کے وقت اپنے یارِ فار کے ہمراہ اس شہرِ خوباں سے نکلے تھے اور تین شبانہ روز قریبی پہاڑ کی غارِ ثور میں چھپے رہے تھے اور تھوڑی ہی مدت بعد بایں شان و شوکت اور عظمتِ جلال، اسی شہرِ مقدس میں واپسی ہو رہی ہے۔

رسولِ محترم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کی بجائے آج اس شان سے تشریف لائے ہیں کہ اللہ رب العزت کے دربارِ مقدس میں اظہارِ عجز و انکساری فرماتے ہوئے لے اٹھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ اپنے غلام زادہ کو سوار فرمایا، حالانکہ آپ کے اپنے خاندان کے جید افراد اور صحابہ کبار بھی موجود تھے، مگر غریب نواز آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ عمل فرمایا۔ خیال رہے کہ ”صحابہ کی روایت کے مطابق حضرت علی بن ابوالعاص بھی اسی اونٹنی پر حضور علیہ السلام کے ساتھ سوار تھے۔“

سیر النور کو اس قدر جھکار ہے ہیں کہ لمحہ شریفہ (یعنی دارِ طہی مبارک) اؤنٹ کے پالان کی لکڑی سے ٹکرا رہی ہے۔ میرے آقا رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باوازِ بلند، طرے پر سوزا انداز میں سورۃ الفتح کی تلاوت فرماتے ہوئے رواں دواں ہیں اور اسی شہر مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا عظیم وقت ہے اور کچھ قدر سعید ساعت ہے کہ نورِ ایمان کی تابانی و سرفرازی اور ظلمتِ کفر کے اضمحلال و زوال کا وقت ہے۔ اللہ اللہ! اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کس قدر خوشی و شادمانی ہوتی ہوگی۔ "اے میرے پروردگار! میں تیرے دربارِ اقدس میں اس ساعت سعید کی حرمت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنی شانِ کریمی کے لائق، اس بندہ مسکین مؤلف کتاب ہذا (محمد سعید الحسن) کو اُن لوگوں کا ساتھی بنائے جن کی شان میں تو خود ارشاد فرماتا ہے کہ الَّذِينَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالشّٰهِدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ سَ فِیْقَآءِ رَآمِیْنَ بِجَاہِ نَبِیِّ کَرِیْمٍ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّلَیْمُ۔

منقول ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہر مکہ میں داخل ہوئے لگے تو کفارِ قریش مزاحم ہوتے اور صحابہ کرام پر تیرہ سانس لگے، جس سے صحابہ کرام زخمی بھی ہوتے۔ جب بات حد سے بڑھ گئی، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حملہ کا حکم دے دیا۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون کے مطابق تیرہ اور مدارج النبوة کے مطابق اٹھائیس لاشوں کو چھوڑ کر دشمنانِ دین بھاگ گئے، جبکہ اہل ایمان کی طرف سے دو صحابہ کرام یعنی حضرت خنیش بن الاشعر اور حضرت کرز بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے لڑائی کیوں کی جبکہ میں نے منع کر رکھا تھا؟ جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ

نے صحیح صورت حال عرض کی، تو فرمایا: قَضَاءُ اللَّهِ خَيْرٌ اللہ تعالیٰ کی قضاءِ قدیم ہی بہتر ہے۔  
 مراد یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ایسے منظور ہے تو ٹھیک ہے ایسے ہی ہے۔

اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں داخل ہوئے۔  
 آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گرد اگر دآہن پوش مسلح افراد انصار و مہاجرین کی  
 جماعت تھی کثرتِ اثر و ہام کی وجہ سے (مناسک حج سکھانے کے لئے) رسول اللہ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر ہی طوافِ کعبہ فرمایا اور عصا مبارک  
 سے حجرِ اسود کا استیلام فرمایا۔

جب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم طوافِ کعبہ  
 بیتوں کی بربادی سے فارغ ہوئے تو بیتوں کی طرف متوجہ ہوئے مشرکین  
 نے تین سو ساٹھ بیت کعبہ مکرمہ کے گرد اگر دسجا رکھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم اپنے عصا مبارک سے ایک ایک بیت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے رہا  
 وحی ترجمان سے آیہ مبارکہ جَاءَ الْحَقُّ وَذَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ  
 كَانَ زَهُوًّا ط "یعنی حق آگیا اور باطل فرار ہو گیا، بلاشبہ باطل کو تو فرار ہونا  
 ہی تھا۔" کی تلاوت فرماتے جاتے تھے، جبکہ بیت کوئی تو منہ کے بل اور کوئی  
 پیٹھ کے بل گرتا جا رہا تھا۔ (ابن خلدون - مدارج النبوة)

بیتوں کی نجاست سے صحن کعبہ کو پاک کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا تاکہ ان سے خانہ کعبہ کی  
 چابی لے کر اندر داخل ہوں۔ زمانہ قدیم سے حرم کعبہ کی چابی ان کے پاس تھی، اور  
 اس وقت چابی اُن کی والدہ سلامہ بنتِ سعد کے پاس تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ  
 نے ان سے چابی مانگی، تو والدہ نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت  
 عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اماں چابی دے دو، ورنہ خدا تعالیٰ کی قسم ابھی

تکو از کمال کوں گا۔ پھر ماں سے چابی لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے دست اقدس سے خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا۔ (صحیح مسلم شریف)

حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ پیر اور جمہورات کے سوا کسی دن خانہ کعبہ کا دروازہ نہ کھولا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور باب کعبہ کھولنے کی فرمائش کی تاکہ آپ اپنے غلاموں کے ساتھ کعبہ معظمہ میں داخل ہو سکیں، مگر میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حد درجہ گستاخی اور سختی کا برتاؤ کیا۔ جواباً حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت بر دباری سے کام لیتے ہوئے فرمایا: عثمان! ایک دن ہو گا کہ یہ چابی میرے پاس ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عطا فرماؤں گا، میں نے کہا کہ ”اُس دن تو قیش ہلاک ہو جائیں گے“ پھر فتح مکہ کے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے بیت اللہ کی چابی لے کر یہ واقعہ یاد دلایا تو میں ہیکار اٹھا کہ اَشْهَدُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ - (طبقات ابن سعد)

اس موقع پر حضرت سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ و حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چابی اپنے پاس رکھنے کی سعادت حاصل کرنا چاہی، مگر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چابی واپس حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمادی۔ الغرض رسول رحمت نبی کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کے تمام گوشوں میں تضرع و زاری اور دعا کی بھڑ بھار سے بھر دی۔ ان کے مطابق جو کچھ نفل بھی ادا فرماتی۔ پھر خانہ کعبہ کے اندر رکھے گئے تمام بتوں کو توڑ دیا گیا اور دیوار کعبہ پر پانی ہوتی تھا وہ سب کو دھو دیا گیا، بعض بکندی پر تھے جنہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں پر سوار ہو کر توڑا۔



وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم  
**حضورِ رحمۃ اللعالمین کی شانِ کریمی** پاک فرمانے کے بعد حضور

سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کعبہ مکرمہ کے دروازہ میں چوکھٹ کے دونوں  
 بازو پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ  
 لَا شَرِيكَ لَهُ صَدَقَ اللَّهُ وَفَصَرَ عَبْدَهُ وَحَزَمَ الْأَحْزَابَ  
 وَحْدَهُ . . . . . اِلٰی آخِرہ . . . . .

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حق دار عبادت نہیں ہے، وہ یکتا ہے اس کا  
 کوئی شریک نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد  
 فرمائی اور کفار کے لشکر کو تنہا شکست دی۔ خوب اچھی طرح سن لو کہ ہر رسم،  
 خون یا مال جس کا جاہلیت میں دعویٰ کیا جاتا تھا، وہ میرے دونوں قدموں کے  
 نیچے ہے، ریعنی میں نے پائمال کر دیا، ہاں البتہ کعبۃ اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو  
 پانی پلانے کا عہدہ بدستور باقی ہے۔ یاد رکھو قتلِ خطارِ قتلِ عمد کی طرح ہے،  
 خواہ کوڑوں سے ہو یا لاکھٹیوں سے، دونوں کا خون بہا سواؤنٹ ہے جس میں  
 چالیس حاملہ اُونٹیاں ہوں گی۔ اے گروہِ قریش! اللہ تعالیٰ تم سے جاہلیت  
 کا غرور اور نسب پر فخر کرنا ختم کر دیا۔ تمام لوگ آدم (علیہ السلام) کی اولاد  
 ہیں اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے پیدا ہوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے  
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا خَلَقْتُمْ كُمْ . . . . . اِلٰی آخِرہ آیت تلاوت فرمائی  
 ترجمہ: ”اے لوگو! ہم نے تمہیں (ایک) مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہارے  
 خاندان اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم ایک دوسرے پہچان لو، بے شک اللہ تعالیٰ  
 کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی رہے،  
 ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔“



اس عظیم الشان خطبہ کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قریش کی طرف متوجہ ہوئے، جن سے مسجد بیت الحرام بھری ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام اپنے ہاتھوں میں تلواریں لئے کھڑے تھے۔ اعلان نبوت سے لے کر اب تک تقریباً ساڑھے اکیس سال میں قریش نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے ساتھ جو سلوک کئے تھے، وہ سب ان کے پیش نظر تھے، وہ کفار جو کل تک اپنے آپ کو عظیم تصور کئے ہوئے تھے، سرنگوں بیٹھے ہیں، ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے ہیں، جسموں پر لرزہ طاری ہے، رہ رہ کر کئے ہوئے ظلم یاد آرہے ہیں۔ پتہ بھی ہلتا ہے، تو دل اچھل کر حلق میں آ جاتا ہے سوچتے ہیں کہ بس ابرو کا ایک اشارہ ہونے کی دیر ہے۔ شہر مکہ کے کوچہ و بازار خون میں نہا جاتیں گے، ہماری گردنیں اڑ چکی ہوں گی، بہت سی سہاگینیں بروہ، اوز پتے یتیم ہو جائیں گے، وہ سمجھتے تھے کہ ان کے ظلم و ستم بخیر جن کے تصور سے ہی انسانیت کی روح کانپ اٹھتی تھی، ناقابل معافی ہیں۔

اللہ اکبر! حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب اس شہر مقدس سے نکلے تھے، تو اندھیری رات تھی اور فقط حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساتھ تھے، آج جو واپس تشریف لاتے، تو کم و بیش دس ہزار مسلح جاں نثاروں کے جھرمٹ میں ہیں، بدلہ لینے کی پوری قدرت ہے، بایں ہمہ قریش سے فرماتے ہیں:

مَا تَرَوْنَ اِنِّیْ فَاعِلٌ بِکُمْ۔ ”بناؤ تم مجھ سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟“

قریش نے عرض کیا، بخیر! ”اَخْ کَرِیْمٌ وَاِبْنُ اَخْ کَرِیْمٍ۔“

”بھلائی کی توقع رکھتے ہیں، کیونکہ آپ بڑے کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔“

یہ سن کر حضور رحمۃ للعالمین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَشْرِیْبُ عَلَیْکُمْ اَلْیَوْمَ اِذْ هَبُوْا فَاَنْتُمْ اَلطُّلُقَاءُ۔

”آج تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو، (یعنی میں نے سب کو معاف فرمادیا،

میرے آقا و مولیٰ رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے عفو و کرم اور  
خلقِ عظیم کا مظاہرہ فرمایا کہ بدترین دشمن بھی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے  
اور تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ (سبحان اللہ تعالیٰ و بحمدہ)

خطبہ سے فارغ ہو کر رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو صفی  
بیعت پر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رخ زیبا  
خانہ کعبہ کی طرف تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب کھڑے ہو گئے۔  
اس جگہ مردوں اور عورتوں سے بیعت لی گئی۔ مردوں سے بیعت دستِ شفقت سے فرمائی  
جبکہ عورتوں سے زبانی بیعت تھی۔ عورتوں میں بیعت کرنے والی ابوسفیان کی بیوی  
ہندہ بھی تھی جو کہ روزِ اُحد حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ چبا گئی تھی۔  
مگر قربان جائیں اس سزا پر رحمت کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ  
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہند کی بیوی کو بھی قبول فرمالیا۔

بعض مجرمین کا قتل اور بعض کی معافی

اگرچہ حضور اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم نے عمومی طور پر ایمان دے دی  
تھی، مگر اس عفو عام سے چند افراد مستثنیٰ تھے۔ ان کے بارے میں حکم تھا کہ جہاں ملیں،  
قتل کر دیئے جائیں۔ اس حکم کا سبب کوئی ذاتی دشمنی یا ذاتی انتقام نہ تھا اور نہ ب  
کے سب اہل مکہ قتل کر دیئے جاتے، بلکہ مختلف جرائم تھے، یہ کل گیارہ مرد یعنی ابنِ خطل،  
عبد اللہ بن ابی سرح، حکمر بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، حویرث بن نقید،  
مقیس بن صبابہ۔ حارث بن طلاطل، ہبار بن اسود، کعب بن زہیر۔ و خلیفہ  
(قاتل حمزہ) عبد اللہ بن ربیعہ۔

ان میں سے چار مجرم ابنِ خطل۔ حویرث بن نقید۔ مقیس بن صبابہ۔  
حارث بن طلاطل قتل کئے گئے، باقی سب کو معافی مل گئی اور وہ ایمان لے لے گئے

اسی طرح چند عورتیں بھی بدترین جرائم کی وجہ سے لائق قتل قرار دی گئی تھیں مگر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو تین کے سوا باقی سب کو معاف کر دیا۔

بات بات پر اسلام اور حضور  
قتل مجرمین پر ایک غیر مسلم کے تاثرات نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کے بارے میں تنقیدی نقطہ نظر پیش کرنے والا عیسائی مصنف سر ولیم موبو اپنی کتاب ”لائف آف محمد“ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں درج کرتا ہے :-  
”اس طرح عفو کے مقابلہ میں حکم قتل کی صورت نہ ہونے کے برابر تھی اور نہ رائے موت

فی الواقع جہاں بھی عمل میں آتی، محض پولیٹیکل مخالفت کے سوا اور جرموں کی وجہ سے غالباً ضروری تھی، تاہم جس عالی حوصلگی سے (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے اس قوم سے سلوک کیا کہ جس قوم نے اتنی دیر تک ان سے دشمنی قائم رکھی اور آپ کا انکار کیا، وہ ہر طرح سے تحسین و آفرین کے لائق ہے، اگرچہ حقیقت میں گزشتہ کی معافی اور تمام گستاخیوں اور اذیتوں کی فراموشی آپ ہی کے فائدے کے لئے تھی مگر پھر بھی اس کے لئے ایک عظیم، فراخ اور فیاض دل کی ضرورت تھی۔“

ان اسحاق نے مختلف اسناد سے روایت کیا  
مختلف بیت خانوں کا انہدام کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ

کے بعد پندرہ روز تک وہاں مقیم رہے۔ اس اثنا میں برابر نمازِ قصر ادا فرماتے رہے۔ وہ بیت جو خانہ کعبہ کے اندر تھے، ان کو تو خود اپنے دستِ اقدس میں پکڑی چھڑی مبارک سے منہدم کیا یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منہدم کروا دیا (جیسا کہ گزر چکا ہے) اور حضراتِ ابراہیم و اسماعیل و عیسیٰ و مریم علیہم السلام کو، تصادیر کو دفن کروا دیا۔ باقی جو بیت اطراف و جوانب مکہ میں تھے اور مختلف قبائل کے بنائے ہوئے صنم خانوں میں کھے گئے تھے، مثلاً لات، منات، عزیٰ اور سواع وغیرہ ان کی بربادی کیلئے مختلف صحابہ کرام کو مامور فرمایا۔ چنانچہ وہ سب کے سب تباہ و برباد کر دیئے گئے۔

## عدل اسلام کی ایک تابناک مثال

تذہب اسلام نہایت ہی انصاف پسند ہے۔ اس نے اپنے ماننے والوں کو سختی کے ساتھ تاکید کی کہ کسی بھی صورت میں عدل انصاف کا دامن ڈاگدار نہ ہونے دیں۔ نبی اکرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عمل مبارکہ سے ثابت فرمایا کہ قانون کو عظمت اور برتری حاصل ہے۔ فتح مکہ کے بعد ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک عورت فاطمہ بنت الاسود کی چوری کا مقدمہ پیش ہوا۔ یہ عورت حضرت ابولہب بن عبد اللہ کی بھتیجی اور قبیلہ مخزوم کے ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھی، چوری ثابت ہو جانے پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمادیا۔ اس پر اس کی قوم کو وحشت ہوئی اور وہ محبوب و مقرب بارگاہ رسالت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافی منت سماجت کر کے خدمت اقدس میں لائے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سزا میں نرمی کے متعلق گزارش کی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اے اسامہ! تم حدودِ الہیہ کے نفاذ میں سفارش کرتے ہو۔“ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سنا اور غضب جلال کو ملاحظہ فرمایا تو فوراً عرض لگے: ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، مجھے معاف فرمادیجئے اور میرے لئے استغفار فرمائیے کہ مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے۔“ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! خبردار ہو جاؤ، پھیلی امتیں بھی اسی بنا پر ہلاک ہوئیں کہ جہان کے کسی بڑے سے گناہ سرزد ہو جاتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کسی کمزور سے مجرم سرزد ہوتا تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ مجھے اس اثرت العزت کی قسم ہے کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر اس جگہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اک پاک کی انتہائی معزز جاتوں کا نام لے کر فرمایا کہ اگر وہ بھی چھوڑ دیتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کٹا دیتا۔ پھر حد جاری کر دی گئی۔ (مدارج النبوة ص ۱۰۰)“

## غزوہ یحنین دشوال المکرم، فروری ۶۳۰ء

فتح مکہ کا قبائل عرب پر نہایت اچھا اثر پڑا تھا اور وہ منتظر تھے کہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ام القریٰ شہر مکہ پر بھی قابض ہو گئے تو وہ سچے پیغمبر ہیں اس لئے فتح مکہ کے بعد ہر قوم نے اسلام قبول کرنے میں پیش قدمی کی، مگر ہوازن کا زبیر بن جہلہ جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان سکونت پذیر تھا، اس فتح پر بہت برا فروختہ ہوا، وہ پہلے ہی اہل اسلام سے جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے، اُن کی آتشِ کُسد کو فتح مکہ نے مزید بھڑکا دیا اور وہ حملہ کے لئے پرتو لے لگے۔ بنو کعب و کلاب کے سوا بنو ثقیف، بنو نصر، بنو جثم، بنو سعد بن ابی بکر اور بنو ہلال نے اس معرکہ میں نو ہوازن کا بھرپور ساتھ دیا۔ بنو جثم کا رئیس و زید بن حمہ کہ جس کی عمر سو سال سے متجاوز تھی، مشورہ کے لئے ہمراہ لشکر تھا۔ اس فوج کا سپہ سالارِ اعظم مالک بن عوف نصری تھا۔ یہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوئے تھے تاکہ کوئی شخص میدانِ جنگ سے گھر کی طرف نہ بھاگے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس زبردست نقل و حرکت سے مطلع ہو کر ان کی سرکوبی کا عزم فرمایا اور یکم شوال بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ یحنین کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکرِ اسلام سحری کے وقت (منہ اندھیرے) وادی یحنین میں داخل ہوا۔ چالاک دشمن پہلے ہی وادی کی کمین گاہوں میں چھپا ہوا تھا جو نہی لشکرِ اسلام کی زد میں آیا دشمن نے حملہ کر دیا۔ اس لچا پنک اور بھرپور حملہ سے جو مسلمان گھبرا گئے مگر اس قدر ثابت قدمی دکھائی کہ دشمن کو مُنہ کی کھانی پڑی اور کفار میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمان ابھی مالِ غنیمت جمع کر رہے تھے کہ گھات میں لگے لشکرِ کفار نے دوسرا حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ لشکرِ اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ہوازن بنو نصر



کی جماعت جو تیر اندازی میں مشہور تھی، اُس نے لشکرِ اسلام پر اندھا دھند تیر و کامینہ برسانا شروع کر دیا۔ اس وقت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرات ابو بکر و عمر علی و عباس و ابو سفیان بن الحارث و جعفر و قثم و فضل پسرانِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے علاوہ ایک جماعت صحابہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و لدل نامی سفید چتر پر سوار تھے اور دشمن کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منتقلہ صحابہ کرام کو بلند آواز سے پکارا، "آن کی آن میں بکھرا سو! لشکرِ اسلام پھر سے اپنے آقا رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گرد گرد جمع ہو گیا اور نہایت بہادری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے لگا۔ آتشِ جنگ پوری شدت کے ساتھ بھڑک اٹھی، کفار کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چتر سے اتر کر ایک مُشتِ خاک لی اور شاہتِ الوجوہ فرماتے ہوئے کفار کی طرف پھینک دی، اس کے ساتھ ہی لڑائی کا نقشہ بدل گیا، کفار کو شکستِ فاش ہوئی اور میدانِ اہل اسلام کے ہاتھ رہا۔ اس جنگ میں بھی جنگِ بدر کی طرح افواجِ ملائکہ نے مسلمانوں کی مدد کی جیسا کہ قرآن کریم کی سورۃ التوبہ میں مذکور ہے۔

**جنگِ اوطاس** میں اور کچھ طائف میں جمع ہو گئی۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت ایک فوجی دستہ ان کی سرکوبی کے لئے اوطاس کی طرف روانہ فرمایا۔ دورانِ جنگ حضرت ابو اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ درجہ شہادت پر فائز ہو گئے تو علمِ اسلام ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھایا، خوب شدت کی جنگ ہوئی اور قبیلہ سہازن کے جتنے مرد اس معرکہ میں موجود تھے، سب کے سب قتل ہو گئے جبکہ اہل اسلام میں چار صحابہ کرام علیہم السلام نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ (ابنِ خلدون)



(رضی اللہ تعالیٰ عنہما) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن

شہما بنت حلیمہ سعدیہ اسیران جنگ کو بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ

والسلام میں پیش کیا، اُن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن شہما بنت

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کی رضاعی بہن شہما

ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ثبوت مانگا، تو شہما نے بچپن کے

بعض واقعات عرض کر دیے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بہت

عزت و توقیر کی اور چادر مبارک زمین پر بچھا کر ان کو بٹھایا اور ارشاد فرمایا،

اگر تمہارا جی چاہے، تو میرے پاس عزت و احترام کے ساتھ رہو، اگر تمہارا جی چاہے تو

اپنی قوم کے پاس جاسکتی ہو، اس حسن سلوک پر حضرت شہما رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرف

اسلام سے مشرف ہو گئیں اور عرض کیا کہ میں اپنی قوم میں جانا پسند کرتی ہوں۔ رسول محترم

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو غلام عطا فرما کر بڑے احترام سے انہیں ان کے

قبیلہ میں پہنچا دیا۔ (مدارج النبوة - سیرت رسول عربی)

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ جنگ حنین کے بعد غزوہ

طائف کا محاصرہ کفار کچھ تو اوٹاس کی طرف بھاگ گئے تھے اور

باقی (بنو نضیر وغیرہ) طائف کی طرف آگئے تھے۔ بنو نضیر نے اہل طائف کو

اپنا ہم نوا بنالیا اور تقریباً ایک سال کا راشن لے کر قلعہ بند ہو بیٹھے۔

نبی محترم، رحمت عالم رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حنین کے اسیران جنگ

اور مال غنیمت کو "جعرانہ" میں جمع کرنے کا حکم دیا اور غلاموں کے جلو میں طائف کی طرف

غزوم سفر باندھا اور طائف پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ فرمایا۔ چونکہ نضیر نے تقریباً

سال بھر کے لئے سامان جنگ اور راشن وغیرہ جمع کر رکھا تھا اس لئے وہ مقابلہ

میں ڈٹے رہے البتہ تیس غلام قلعہ سے چوری چھپے بھاگ کر حاضر خدمت ہوئے تاکہ

شرفِ اسلام سے مشرف ہو سکیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو آزاد کر دیا اور صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ ان کی ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھیں اور ان کو تعلیمِ اسلام دیں۔ تقریباً بیسٹھ یوم تک اہل اسلام نے قلعہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے مشورہ سے محاصرہ ختم فرما دیا اور جعرانہ کی طرف واپسی کی تیاری فرمائی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ ثقیف کے لئے تباہی و بربادی کی دعا فرمائیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اِهْدِ ثَقِیْفًا وَاَنْتَ بِهَمِّہُمْ ترجمہ: ”اے اللہ تعالیٰ تو ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو (مسلمان بنا کر) لا۔“ چنانچہ اگلے سال یعنی ۹ھ کو ثقیف کا وفد حاضرِ خدمتِ اقدس ہو کر دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گیا۔ (مدارج النبوة - ابن خلدون)

اثنائے محاصرہ میں طائف کے گردو  
 طائف کے نواحی قبائل کی اطاعت نواح کے ہنے والے قبائل میں اکثر  
 خود اور بعض وفد کے ذریعے حاضرِ خدمت ہوئے اور اسلام لے آئے۔ (ابن خلدون)  
 جعرانہ میں مالِ غنیمت کی تقسیم حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جعرانہ پہنچ کر چند روز ہوازن کا انتظار  
 اور انصار کی فضیلت فرمایا کہ وہ اپنے قیدیوں کے بارے میں  
 گفتگو کریں، مگر وہ نہ آئے۔ ”زاد المعاد“ کے مطابق مالِ غنیمت میں چھ ہزار قیدی چوبیس  
 ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے قبضہ میں تھی  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مالِ غنیمت سے مہاجرین، نو مسلم حضرات  
 اور ان لوگوں کو کہ جو اسلام کی طرف مائل تو تھے، مگر ابھی اسلام لائے نہ تھے ان سب کو  
 دافرقدر میں حصہ عطا فرمایا، جبکہ انصار کو عطانہ فرمایا، جس کی وجہ سے بعض نوجوان

انصار، صحابہ کرام کی زبان سے کچھ ایسے الفاظ نکل گئے، جن میں اس تقسیم پر اعتراض کا  
 اشارہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انصار صحابہ کو دربار اقدس میں طلب فرمایا  
 اور باز پرس فرمائی، تو بزرگ (انصار) صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وآلہ وسلم! ہماری جانیں بھی آپ پر قربان ہیں، ہم میں سے اگر کچھ نو عمر جذباتی صحابہ  
 تہ سے کوئی ایسا جملہ نکل گیا ہے کہ جس کی وجہ سے خاطر اقدس کو پریشانی لاحق ہوئی  
 ہم سب کے سب (جوان پیر و مرد) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ  
 وسلم) کے حضور اس جرات پر معافی مانگتے ہیں اور حُریم کی بخشش کی گزارش کرتے ہیں۔  
 اس پر حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حمد و ثناء کے بعد یوں خطبہ ارشاد فرمایا:  
 ترجمہ: ”اے گروہ انصار! کیا یہ سچ نہیں کہ تم گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے وسیلے  
 تم کو ہدایت عطا فرمائی۔ تم تو بکھرے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم کو اکٹھا  
 کر دیا اور تم مفلس تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم کو دولت مند بنا دیا۔“  
 آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے جاتے تھے اور انصار ہر جملہ پر عرض کرتے  
 جاتے تھے کہ ”اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا ہم پر اس سے بھی بڑھ کر احسان ہے۔“  
 پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو منیٰ طب کر کے فرمایا: تم مجھے جواب کیوں نہیں  
 دیتے؟ انصار نے عرض کیا: بھلا ہم کیا جواب دے سکتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول  
 (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا ہم پر بہت فضل و احسان ہے۔“ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم چاہو تو یہ جواب دو اور میں ساتھ ساتھ تمہاری  
 تصدیق کرتا جاؤں گا۔ تم کہو کہ ”کیا تم ہمارے پاس اس حال میں نہ آئے کہ لوگوں نے  
 تمہیں جھٹل دیا تھا اور ہم نے تمہاری تصدیق کی اور لوگوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا تھا  
 جبکہ ہم نے تمہاری مدد کی، لوگوں نے تمہیں نکال دیا تھا، ہم نے تمہیں پناہ دی، تم مفلس تھے،  
 ہم نے جان و مال سے تمہاری مدد کی۔“ جواباً انصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض

کیا، وَلِلّٰهِ الْمُنْتَهٰی وَلِیَسُوْلِهِ۔ ” اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا فضل و احسان ہے۔“ عرض کرتے ہوئے زار و قطار رو رہے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زانوئے اقدس اور دستِ انور کے بوسے لے رہے تھے۔ (زہدِ قسمت زہدِ نصیب) اس کے بعد رسولِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یاد رکھو میں نے ان لوگوں سے اس لئے یہ سلوک فرمایا ہے کہ ان میں بعض تو نو مسلم ہیں، ابھی ان میں امتِ کام نہیں، جبکہ بعض کو اسلام کی طرف راغب کرنا یعنی تالیفِ قلوب مقصود ہے۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ دوسرے لوگ اپنے گھروں کو اونٹ اور بکریاں لے کر جاتیں اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول کو لے کر گھر جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! جو لے کر تم اپنے گھروں کو جا رہے ہو، وہ اس سے بدرجہا افضل ہے جو وہ لے کر جا رہے ہیں یاد رکھو اگر لوگ کسی وادی یا درہ میں چلیں، تو میں اُسی درہ اور وادی میں چلوں گا جس میں انصار چلیں گے۔“

حضور نبی اکرم نورِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس خطبہ شریفہ سے انصار کے جذبات قابو میں نہ رہے، وہ زار و قطار روتے ہوئے بار بار عرض کر رہے ہیں، یَا دُصُوْلَ اللّٰہِ رَضْبْنَا۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ہم راضی ہیں، ہم راضی ہیں۔“ وہ اس قدر رو رہے تھے کہ ان کی مبارک وارٹھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں مدارجِ نبوی (علیہ السلام) کے ہوازن و فد کی آمد جماعتِ بارگاہِ اقدس اطہر میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام سے مشرف ہوئی اور انہوں نے اپنی بقیۂ قوم کے اسلام لانے کی بھی خبر دی۔ ہوازن کی اس جماعت میں ابو ثروان یا ابو برقان (”أصابہ“ میں ابو ثروان ہے جبکہ مدارجِ النبوة، اور سیرتِ حلبیہ میں ابو برقان درج ہے) بھی تھے۔ یہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے حضورِ سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی چچا تھے۔

و خیال ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہوازن کے قبیلہ بنو سعد بن بکر سے تھیں، اس وفد کے سربراہ حضرت زہیر بن عمرو سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اظہار اسلام کے بعد عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اسیران جنگ میں آپ کی رضاعی بھوپھیاں اور خالاتیں بھی ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ ہم پر خصوصی نظر کریم فرمائیں گے۔ حضرت ابو ثروان سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان کی تائید و تصدیق کی، تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہارا بہت انتظار کیا، مگر تم نہ آئے، اب مال غنیمت تقسیم ہو چکا ہے، اس میں سے جو میرا اور میرے خاندان کا حصہ ہے، وہ سب تمہارا ہے، لیکن جو حصہ مہاجرین و انصار کا ہے، اُس کے وہ مالک ہیں۔ تم یوں کرو کہ نمازِ ظہر کے بعد کھڑے ہو کر کہنا:

اِنَّا نَسْتَغْفِرُ بِرَسُولِ اللّٰهِ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اِلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَبِالْمُسْلِمِيْنَ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ فِيْ اَبْنَاءِنَا وَنِسَائِنَا۔  
 ”یعنی ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں سے اور مسلمانوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اپنی اولاد و زوجوں کی شفاعت (سفارش) کرتے ہیں۔“ تو اس وقت میں اپنا اور بنو عبد المطلب کا حصہ تم کو عطا فرما دوں گا، امید ہے کہ انصار و مہاجر صحابہ بھی راضی ہو جائیں گے۔“

ن جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا احسا علیہ وآلہ وسلم نمازِ ظہر ادا فرما چکے تو ہوازن نے حسب ہدایت عرض کیا: اِنَّا نَسْتَغْفِرُ بِرَسُولِ اللّٰهِ اِلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَبِالْمُسْلِمِيْنَ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ فِيْ اَبْنَاءِنَا وَنِسَائِنَا۔  
 تو حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَمَّا مَا كَانَ لِيْ وَلِبَنِي عَبْدِ الْمُطَّلَبِ فَهُوَ لَكُمْ۔ یعنی جو حصہ میرا اور بنی عبد المطلب کا ہے وہ سب تمہیں دے دیا۔“



اس پر انصار و مہاجر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ  
مَا كَانَ لَنَا فَهْمٌ لِرَسُولِ اللَّهِ - یعنی جو بہارا ہے، وہ بھی سب کے سب رسول اللہ  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ چنانچہ اس حکمت عملی سے ہوازن کے تمام قیدیوں  
کو رہائی مل گئی۔ مال غنیمت حاصل کرنے والوں میں بندہ تقسیم اور بنو فزارہ کو ان کی خواہش  
پر قیدیوں کی رہائی کے لئے معاوضہ ادا کر دیا گیا۔

دیجاری شریف، ابن خلدون، اصابہ فی معرفۃ الصحابہ، مدارج النبوة، سیرت حلبیہ،

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ اسی سال ۸ھ کو رسول اللہ  
کی شہزادی حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی۔ آپ کا اور آپ کی اولاد  
کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ تعالیٰ اولاد کرام کے تذکرہ میں آئے گا۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت اسی سال یعنی ۸ھ کو رسول اللہ  
حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدہ ام المومنین ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
کے شکم انور سے متولد ہوئے۔ حضور سرور عالم شفیع اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے  
اپنے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کا مفصل ذکر اولاد کرام کے ضمن  
میں آئے گا۔

اسی سال اور عند بعض ۸ھ کو منبر شریف بنایا گیا اس سے  
منبر شریف کی تعمیر قبل رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر  
خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اور دوران خطبہ کھجور کے تنے سے بنائے گئے ایک ستون  
سے ٹپک لگا لیا کرتے تھے۔ جب لکڑی کا منبر شریف بن گیا تو خواجہ کونین بنی رحمت  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے منبر شریف پر رونق افروز ہوئے تو



وہ ستون جس سے قبل ازیں ٹیک لگایا کرتے تھے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی میں یوں رونے لگا، جس طرح کسی بچے کو اس کی ماں سے جدا کر لیا جائے۔ اس کے رونے میں اس قدر سوز و گداز تھا کہ صحابہ کرام پر رقت طاری ہو گئی، وہ بھی رونے لگے۔ رسول رحمت شفیع امت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منبر شریف سے اتر کر کھجور کے اس ٹوکھے تنے کو اپنی آغوش محبت میں لے لیا اور فرمایا کہ اگر تم چاہو تو باغ میں لگا دیتا ہوں، تو سرسبز و شاداب ہو جائے گا اور اگر چاہو تو تجھے جنت میں لگا دیتا ہوں، تیرا پھل انبیاء و اولیاء کھائیں گے۔ پھر ارشاد فرمایا: نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ، نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ۔  
 ”ہاں میں نے کر دیا، ہاں میں نے کر دیا۔“ صحابہ کرام کے عرض کرنے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے جنت میں لگایا جانا پسند کیا اور میں نے ایسا کر دیا۔ (مدارج النبوة)

۳۱-۳۰۰ھ

## بھرت نبوی کا زواں سال ۳۰۰ھ بمطابق

بنو تمیم پر فوج کشی بھرت کے نویں سال ماہ محرم الحرام ۳۰۰ھ  
 حضرت عیینہ بن حصن فزازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پچاس سواروں کے ساتھ بنو تمیم پر حملہ آور ہوئے۔ سبب اس کا یہ تھا کہ حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنو کعب کے پاس زکوٰۃ کی وصولی کیلئے بھیجا۔ بنو کعب نے اپنا مال جس میں مویشی بھی تھے، حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا۔ بنو تمیم کو پتہ چلا تو انہوں نے بنو کعب کو مال زکوٰۃ دینے سے روکا، جب وہ منع نہ ہوئے تو بنو تمیم تنواریں لے کر آگئے اور بولے، اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم یہاں سے ایک اونٹ بھی نہیں جانے دیں گے۔“

حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ صورت حال دیکھ کر مدینہ طیبہ کی طرف چلے آگئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو صورت احوال سے مطلع کیا۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سرکش بنو تمیم کی سرکوبی کے لئے عیینہ بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرکمان فوجی دستہ روانہ فرمایا۔ جب فوجی دستہ بنو تمیم کی بستی میں پہنچا تو وہ لوگ بھاگ گئے، البتہ حضرت عیینہ بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے گیارہ مرد پندرہ یا گیارہ عورتیں اور تین سٹل بچے گرفتار کر لئے اور واپس مدینہ طیبہ آگئے۔

اس کے بعد بنو تمیم کی ایک جماعت قیدیوں کی رہائی کے لئے مدینہ منورہ آئی۔ جب یہ لوگ مسجد نبوی شریفہ میں پہنچے، تو دوپہر کا وقت تھا۔ رسول کریم نبی عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والے حجرہ مبارکہ میں آرام دہیلولہ، فرما رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی شور مچا یا شروع کر دیا کہ یا محمد! اخرج اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) باہر آئیے، صحابہ کرام نے ان کو شور مچانے سے منع کیا اور بتایا کہ بوقت ظہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئیں گے، تم اپنی گزارشات پیش کر لینا، مگر یہ نہ مانے اور شور مچاتے رہے، یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ النور سے باہر تشریف لے آئے۔ پُروردگار عالم نے ان ہی لوگوں کو تنبیہ فرماتے ہوئے سورۃ حجرات شریفہ کی آیت مبارکہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّآءِ الْحُجُرٰتِ... نازل فرمائی جس میں ان کے اس فعل کی مذمت فرمائی گئی اور بارگاہ رسالت کے اوج احترام کا قرینہ سکھایا گیا۔ دایلو ذوق کو چاہیے کہ وہ سورۃ حجرات کا ضرور مطالعہ فرمائیں، الغرض نماز ظہر کے بعد بنو تمیم کے ساتھ گفتگو ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شان کریمی سے کام لیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ان کے قیدیوں کو رہا فرمادیا، بلکہ ان کو انعام اکرام سے بھی نوازا۔ بنو تمیم والے ایک مدت تک مدینہ طیبہ میں ٹھہرے رہے۔ اس دوران انہوں نے قرآن کریم اور اسلامی احکام کی تعلیم حاصل اور اسلام پر ثابت قدم ہوئے۔

# غزوہ تبوک (رحیب بمطابق ستمبر اکتوبر ۶۳۰ء)

۹ھ کے واقعات میں غزوہ تبوک جسے غزوہ عسرت یعنی تنگی کا غزوہ

بھی کہا جاتا ہے، عظیم واقعہ ہے۔ غزوات نبوی میں یہ آخری غزوہ ہے۔

تبوک ایک جنگ کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے چودہ منزل کے فاصلہ پر

واقع ہے۔ اس معرکہ کا سبب یہ بنا کہ حضور نبی مکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی پیہم کامیابیوں پر شاہِ روم ہر قل خوفزدہ ہو گیا۔ اُس نے شام میں بہت بڑی فوج

اور سال بھر کا راشن جمع کر لیا۔ مزید برآں اس کے ہاتھ قبائلِ حِمْ، جذام، عاملہ اور غسان کے

جنگجو جو ان بھی شامل ہو گئے۔ ان سب نے مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کا پروگرام بنایا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اطلاع پا کر صحابہ کرام کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔

چونکہ یہ غزوہ خطہ عرب کے اعتبار سے

صحابہ کرام کا ایشار اور جذبہ جہاد سخت گرمی کے موسم میں وقوع پذیر ہوا۔

سفر بھی دشوار گزار اور بہت طویل تھا۔ خود مسلمانوں کی حالت بھی زیادہ اچھی نہ تھی۔

بائیں ہمد اہل ایمان نے جس قدر جذبہ ایشار و قربانی کا مظاہرہ کیا، وہ ان کی عظمت کا

مینارہ نور ہے۔ منافقین نے اہل ایمان کو اس غزوہ سے بہت ڈرایا اور ممکن

کوشش کی کہ اہل ایمان غزوہ کے لئے تیار نہ ہوں، مگر ان کی کوئی کوشش کامیاب نہ

ہوتی۔ اہل ایمان نے اس غزوہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اسی غزوہ میں حضرت سیدنا

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کا کل اثاثہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ

نے اپنے گھر کا آدھا سامان، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار

دینار، ایک ہزار اونٹ اور سات سو گھوڑے اور سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ

نے کثیر سرمایہ بارگاہِ اقدس میں پیش کیا۔ تقریباً تین سٹل ہزار صحابہ کرام نے جہاد پر کمر بستہ باندھی، ان میں اکثر ایسے تھے کہ جن کے پاس سواری کا جانور نہ تھا۔ بعض غریب صحابہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتے کہ ان کے لئے سواری کا انتظام کر دیا جائے۔ اس وقت بارگاہِ اقدس میں سواری کے لئے جانور موجود نہ تھے، اس لئے وہ بیچاے روتے ہوئے واپس کوٹے۔ اثنائے راہ میں حضرت یامین بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مل گئے۔ انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی، تو ان غریبوں نے کہا کہ ہماری غریبی نے ہم کو ثواب سے محروم کر دیا۔ نہ تو ہمارے پاس سواری کا جانور ہے، اور نہ ہی خریدنے کی ہمت ہے، ہماری بد نصیبی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد پر جانے سے محروم ہو گئے۔ یہ سن کر حضرت یامین بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جی بھر آیا اور انہوں نے اسی وقت ان کو اونٹ خرید کر دے دیے۔ اس قسم کے کئی واقعات ہیں جن سے صحابہ کرام کے جذبہ جہاد سے سرشار ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

تبوک کی طرف روانگی اور الکید کی اطاعت حضور نبی اکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل و عیال پر اپنا خلیفہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شنیۃ الوداع کے مقام پر جمع ہونے کا حکم دیا۔ بہت سے منافقین بھی شامل لشکر ہو کر یہاں تک آ گئے، لیکن جب لشکر اسلام مقام جرف پر پہنچا، تو اس منافقین عبداللہ بن ابی اپنے منافق ساتھیوں کو لے کر لشکر اسلام سے الگ ہو گیا۔

الغرض جذبہ جہاد سے سرشار مجاہدین اسلام کا یہ لشکر قطع منازل کرتا ہوا تبوک جا پہنچا۔ قیصر روم اور نصاریٰ نے اہل ایمان کے اس جوش و خروش اور

شان و شوکت کو دیکھا تو ہیبت زدہ ہو گئے اور کوئی ایسی حرکت نہ کی جو مسلمانوں کے حملہ کا سبب بنتی۔

مواہب لدنیہ میں صحیح ابن حبان کے حوالہ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں بھی ایک مکتوب گرامی ہر قتل کی طرف بھیجا جس میں اسے دعوت اسلام دی گئی تھی، قریب تھا کہ وہ مسلمان ہو جاتا، مگر (وہ اپنی فوج کے خوف سے) ایسا نہ کر سکا۔

مسند امام احمد میں ہے کہ ہر قتل نے لکھا کہ ”میں نے اسلام قبول کر لیا ہے“ مگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ”جھوٹ کہتا ہے، وہ دشمن خدا اپنی نصرانیت پر قائم ہے۔“ (روا اللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
**اکید کی گرفتاری**

کو چار سو سواروں پر امیر بنا کر دومتہ الجندل کے حاکم اکید بن عبد الملک کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، آپ مجھے بنی کلاب کے ملک میں بھیج رہے ہیں اور تھوڑی سی فوج میرے ساتھ روانہ فرما رہے ہیں؟ جو اباً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان معجز بیان سے ارشاد فرمایا، عنقریب تم اسے پہاڑوں میں اور جنگلوں میں شکار کھیلتا ہوا پاؤ گے اور اسے بغیر جنگ کے قابو کر لو گے۔“

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمطابق فرمان عالی شان روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ایک شب جبکہ چاندنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ اکید اپنے قلعہ میں تھا اس نے ایک جنگلی گائے کو قلعہ کی دیوار سے سرکراتے ہوئے دیکھا۔ یہ گائے کے شکار کا بڑا شوق تھا۔ قلعہ سے اُترا اور گھوڑے پر سوار ہو کر گائے کے تعاقب میں نکل گیا چند خدام بھی ہمراہ



تھے۔ گاتے تو معلوم نہیں کدھر چلی گئی، البتہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 پہنچ گئے اور شکار کھیلنے کا شوقین اکیڈ خود شکار ہو گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 نے حسب الحکم اکیڈ کو گرفتار کر کے بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم نے جزیہ کی شرط پر اکیڈ کو رہا کر دیا اور قلعہ پر اسی کی حکومت کو باقی رکھا  
 بعض اہل سیر کے نزدیک اکیڈ اور اس کا بھائی مصاد مدینہ طیبہ حاضر ہو کر شرف  
 اسلام سے مشرف ہو گئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم!)

(ابن خلدون۔ طبقات ابن سعد۔ ابن ہشام۔ مدارج النبوة۔ بخاری شریف۔ زرقانی)  
 منافق ہمیشہ اسی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ اسلام

**مسجد ضرار کا انہدام** کو نیا دکھا دیں، مگر ان کے نصیب میں ذلت و رسوائی  
 کے سوا کچھ نہ آیا۔ انصار مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو خزرج کے اکابر میں ابو عامر نامی  
 ایک شخص نہایت ہی عبادت گزار تھا، اُس نے آسمانی کتابوں کا مطالعہ کر کے دین  
 مسیحی اختیار کر لیا تھا۔ حضور نبی اکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ  
 سے قبل یہ لوگوں کو نبی آخر الزماں کی تشریف آوری کی خوش خبریاں سنایا کرتا تھا اور آپ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محاسن حمیدہ جو تورات و انجیل میں مذکور تھے بیان کیا کرتا تھا  
 اس بنا پر لوگ اسے ابو عامر راہب کہنے لگے۔ یہ حقیقت ہے کہ کہینے شخص کو عزت اس  
 نہیں آتی۔ یہ ہی حال اس کے ساتھ ہوا، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ  
 میں جلوہ گر ہوئے تو اہل مدینہ جمال جہاں آرا سے فیض یاب ہونے لگے اور ابو عامر کی طرف  
 سے لوگوں کی توجہ مبٹ گئی، تو اس کے خبیث باطن سے آتش حسد بھڑک اٹھی اور یہ لوگوں کے  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے روکنے لگا۔ غزوہ بدر کے بعد یہ مکہ مکرمہ  
 پہنچا اور کفار مکہ کا ہنوا بن کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگوں میں  
 حصہ لینے لگا۔ یہاں تک کہ غزوہ احد کے دن کفار مکہ کی طرف سے سب سے پہلا تیرا سی



نے چلایا تھا، جس کی بنا پر لوگ (اہل مدینہ) اسے ابو عامر فاسق کہنے لگے۔

غزوہ حنین کے بعد یہ فاسق روم میں چلا گیا اور ہر قل کے مقربین میں شامل ہو کر

اسے جنگ پر اکسانے لگا۔ مدینہ طیبہ میں جاسوسی کے لئے اُس نے منافقین کو پیغام بھیجا کہ

تم منجھد قبا کے قریب، مسجد کے نام سے ایک عمارت بنا لو اور اس عمارت کو اپنی سرگرمیوں

کا مرکز قرار دے دو، میں بھی وہیں آکر رہا کروں گا اور مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لوں گا۔

ہم قیصر روم کے ساتھ مل کر اہل اسلام کو مدینہ طیبہ سے باہر نکال دیں گے

ان مقاصدِ قبیحہ کی تکمیل کے لئے منافقین نے مسجد کے نام سے ایک عمارت تعمیر کی

اور بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عرض گزار ہوئے کہ ہم نے کمزور اور بوٹھے

لوگوں کے لئے اپنی بستی میں ایک مسجد تیار کی ہے۔ آپ برکت کے لئے اس میں دو رکعت

نماز ادا فرمادیں۔ رسول مکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب تو ہم

تبوک کی طرف جا رہے ہیں، واپسی پر دیکھیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہاں نماز پڑھیں گے

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپسی پر ”ذوادان“ پہنچے جو کہ

مدینہ منورہ کی ایک قریبی بستی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ التوبہ کی ان آیات کا

نزل ہو گیا، جس میں اس کو مسجدِ ضرار قرار دے دیا گیا۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ

الْمُؤْمِنِينَ وَارْتِصَادًا لِّمَنْ حَادَبَ اللّٰهُ وَسُؤْلُهُ مِنْ قَبْلُ وَلِيُخْلِفَنَّ

اِنْ اَرَادْنَا اِلَّا الْخُسْيَانُ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ لَا تَصْلُحُ

فِيْهِ اَبْدًا لِّمَسْجِدٍ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ

اَنْ تَقُومَ فِيْهِ فِىْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّتَظَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ

الْمُطَهَّرِيْنَ ۝ (التوبہ، دکوئہ ۱۳)

ترجمہ: یہ (منافقین) وہ لوگ ہیں جنہوں نے اہل ایمان کو نقصان پہنچانے اپنے کفر

کو پھیلانے اور مومنوں میں انتشار و تفریق پیدا کرنے کے لئے مسجد بنائی اور دُورِ اصل، اُس آدمی کے لئے کمین گاہ بنائی، جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے پہلے ہی جنگ کر رہا ہے (یعنی ابوفامر قاسق) اور البتہ ضرور وہ (منافق لوگ) قسمیں اٹھائیں گے کہ ہم نے تو دُکمزور و ناتواں مسلمانوں کی، بھلائی ہی چاہی تھی، اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں، آپ سرگز کبھی بھی اس مسجد میں تشریف نہ لے جائیں۔ ہاں البتہ وہ مسجد رقبہ کے جس کی بنیاد روزِ اول سے ہی پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں تشریف لے جائیں۔ اس میں ایسے مرد ہیں جو جسم و روح کی پاکیزگی کو پسند کرتے اور اللہ تعالیٰ پاک ہونے والوں سے محبت فرماتا ہے (التوبہ، آیات: ۱۰۴-۱۰۸)

ان آیات مبارکہ کے نزول پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مالک بن نوشم، معن بن عدی اور وحشی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دیا کہ جا کر اس مسجد کو گرا دیں اور آگ لگا دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کر دیا گیا۔ (وفاء الوفاء، در منشور۔ مدارک تاریخ مدینہ مدارج النبوة - ابن خلدون - ابن ہشام)

مختلف دُود کی آمد جس وقت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے فارغ ہوئے اور ثقیف مسلمان ہو گئے تو اُطراف و جوانب سے بکثرت دُود آنے شروع ہو گئے۔ اسی لئے مورخین ۹۷ھ کو سنۃ الدُود کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ اہل عرب اس بات کے منتظر تھے کہ عرب کا سب سے بڑا اور معتز قبیلہ قریش مسلمانوں سے کیا سلوک کیا کرتا ہے، لیکن جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، طائف کا جنگجو قبیلہ ثقیف مسلمان ہو گیا۔ قیصر روم مسلمان کی دھاک بیٹھ گئی، تو اسلام قبول کرنے والوں کے لئے آسانی ہو گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ ذی شان کہ یَدْخُلُونَ فِی دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (التقصیٰ کے مطابق

فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔ (فالحمد للہ علی ذالک،  
اسی سال ماہ ذیقعد ۹ھ  
سرخیل منافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی موت کو منافقوں کا سردار  
عبداللہ بن ابی بن سلول سینڈن تک بیمار رہنے کے بعد مر گیا۔

مرقوم ہے کہ جب عبداللہ بن ابی بیمار ہوا، حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم خود بنفس نفیس اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن ابی نے درخواست  
کی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھائیں اور بوقت دفن قبر کے  
قریب کھڑے ہوں۔ پھر اس نے قاصد بھیج کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کا  
کرتہ مبارک مانگنا کہ وہ اس کا کفن بنے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
نے اپنا حجتہ شریف عطا فرمادیا۔ عبداللہ بن ابی نے اسے واپس کر دیا اور عرض کیا کہ آپ  
وہ کرتہ مبارک عطا فرمائیں جو عجم انور سے مس رہتا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ  
بول اٹھے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ اپنا پیراہن مبارک اس غلیظ و  
ناپاک کو ہرگز نہ عطا فرمائیں؟ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا،  
اے عمر! میرا کرتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُسے نہیں بچا سکتا، لیکن امید ہے کہ اللہ تعالیٰ  
اس کے ذریعہ سے ایک ہزار منافقین کو حلقہ بگوش اسلام فرمادے گا۔

منافقوں کا یہ حال تھا کہ وہ ہر وقت اپنے سردار عبداللہ کے پاس موجود رہتے  
تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا سردار عبداللہ، حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم کا کرتہ شریف اس امید پر مانگ رہا ہے کہ یہ اسے فائدہ پہنچائے گا تو اسی دن  
عبداللہ بن ابی کے ایک ہزار ساتھیوں نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا۔

(مختلف کتب سیرت و احادیث مبارکہ)

فائدہ ۱۵: سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا  
... ... ...

جواب اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تبرک شریف (کرۃ وغیرہ) ضرور فائدہ پہنچاتا ہے ورنہ خود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی وضاحت فرما دیتے تاکہ آئندہ کوئی بھی ایسا عقیدہ نہ رکھے۔ جہاں تک کسی کافر کا تعلق ہے اسے فائدہ نہیں، جس طرح قرآن کریم کی تلاوت، نماز کی ادائیگی اور اسی طرح دیگر احکامات شریعت پر عمل کرنے والے کو ثواب ملتا ہے، بشرطیکہ مسلمان ہو نہ کہ کافر (واللہ تعالیٰ اعلم وعلّمہ اتم) اسی سال حضرت نجاشی شاہ حبشہ

### شاہ حبشہ حضرت نجاشی کا انتقال

بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس دن حضرت نجاشی نے وفات پائی، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج تمہارے بھائی مرد صالح نجاشی نے وفات پائی ہے۔ اٹھو اور اس کی نماز جنازہ پڑھو اور اپنے بھائی کے لئے کثرت سے استغفار کرو۔ اس کے بعد ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے عید گاہ میں صف باندھ کر کھڑے ہوئے اور نماز جنازہ پڑھی۔ (الحديث - مدارج النبوة) واقعی اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نجاشی کے جنازہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش فرما دیا تھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میت ملاحظہ فرما کر نماز جنازہ پڑھی (مدارج النبوة)

### حج اور اعلان برأت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین سو صحابہ کرام پر امیر الحاج بنا کر مکہ مکرمہ کی طرف ادائیگی حج کے لئے روانہ فرمایا۔ ان کے ساتھ اپنی طرف سے بیس جانور قربانی کے روانہ فرمائے اور ان کی گردنوں میں اپنے دست اقدس سے پٹکے باندھے اور قربانی کے نشان لگائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لئے بھی پانچ جانور ساتھ لے لئے۔ مشہور روایات کے مطابق جب حاج کرام کا یہ قافلہ ذوالحلیفہ پہنچا

تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو سورۃ برآۃ کی ابتدائی آیات مجھے کر وادہ فرمایا کہ روز منیٰ ان کا اعلان کر دیا جائے۔ حضرت صدیق اکبر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو میری جگہ امیر بنایا ہے؟ تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ امیر آپ ہی ہیں اور میں آپ کے تابع ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں لوگوں کے سامنے سورۃ برآۃ کی تلاوت کروں اور ہر معاہدے والے کو اس کے معاہدے کی تحریر واپس کر دوں۔ خیال ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکین کے درمیان معاہدہ تھا کہ حج بیت اللہ سے کسی کو بھی نہیں روکا جائے گا۔ اس کے سوا بھی کچھ معینہ مدت کے معاہدے تھے۔ عرب میں رواج تھا کہ جب کسی معاہدے کو ختم کرنا ہوتا تو صرف وہی شخص ختم کر سکتا تھا جس نے معاہدہ کیا ہو یا پھر اس کا بہت ہی قریبی رشتہ دار معاہدہ کی منسوخی کا اعلان کرتا، اسی لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی طور پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو بھیجا۔

الغرض حضرت علی المرتضیٰ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت فریضۃ حج سرانجام دیا اور قربانی کے دن میدان منیٰ میں جمرہ کے قریب کھڑے ہو کر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے سورۃ برآۃ کی آیات مبارکہ تلاوت فرمائیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اعلان کیا کہ اے لوگو! جنت میں کوئی کافر نہیں جائے گا۔ اس سال کے بعد مشرکین حج نہیں کر سکیں گے۔ کوئی بھی نہ لگا ہو کہ بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں سے مدت معینہ کے معاہدے فرمائے ہیں وہ اپنی مدت تک پورے کئے جائیں گے۔ پھر حضرت صدیق و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ منورہ کی طرف ایک ساتھ روانہ ہوئے۔ مدینہ طیبہ واپسی تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ (ابن اسحاق - ابن سعد - زاد المعادہ - محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری قاہرہ)



# ہجرت نبوی کا دسواں سال ۳۱-۳۲ھ بمطابق

ہجرت کے دسویں سال بھی بکثرت وفود حاضر خدمت ہو کر دامنِ عفو و رحمت میں پناہ گزیں ہوئے اور بہت سے واقعات بھی پیش آئے، جن میں سے بعض واقعات کا اس جگہ ذکر کیا جاتا ہے۔ (ردِ مآتوفیقی آلِ باللہ)

اسی سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
نجران کے عیسائیوں کو مباہلہ نے نجران کے نصاریٰ کی طرف مکتوب

گرامی ارسال فرمایا، جس کے جواب میں نجران کا ایک قد بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں نصاریٰ کے ستر سردار شامل تھے۔ (ابن خلدون، ان کا سوار عبا بن عبدالمسیح، ان کا خطیب اور مدرس اعظم ابوالحارث بن علقمہ اور دوسرا سردار ایہم تھا، جس کا لقب سید تھا۔ (روئے الاحباب تفسیر خازن تفسیر منطبری)

جب یہ لوگ مدینہ طیبہ کی طرف آرہے تھے تو راستے میں ابوالحارث  
اعترافِ حقیقت کے اونٹ کو ٹھوکر لگی تو ابوالحارث کے بھائی "کرز" نے دھوکہ

وفد میں شامل تھا، بدعا کے طور پر کہا، ٹھوکر لگے اس کو جو دور ہے۔" اس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس مراد تھی (معاذ اللہ تعالیٰ) اس پر اس کے استغفارِ اعظم ابوالحارث نے کہا، "ٹھوکر لگے تجھے، ان کو کیوں لگے؟" کرز نے حیرانی سے پوچھا، "بھائی یہ کیا؟" ابوالحارث نے کہا، اللہ تعالیٰ کی قسم، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ وہی ہیں، جن کے ہم منتظر تھے۔" کرز نے کہا، "پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہوتے؟" ابوالحارث نے کہا، "اگر میں ان کی اطاعت کروں تو میری قوم میرے خلاف ہو جائے گی اور جو مرتبہ و مقام اور قدر و منزلت حاصل ہے سب جاتی



ہے گی۔ علاوہ ازیں جو تحائف و ہدایا اب ہمیں ملتے ہیں وہ سب چھن جاتیں گے۔  
ابو الحارث کی ان باتوں سے کمرز کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو گئی اور وہ قافلہ  
سے جدا ہو کر پہلے ہی، بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو گئے اور شرف  
ایمان سے مشرف ہو گئے۔ (مدارج النبوة ۱)

نجران کے نصاریٰ کا یہ قدر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر  
آیہ مبارکہ کا نزول ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کج سمجھتی کرنے  
لگا۔ ہر چند رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ناقابل تردید دلائل سے اُن کو  
سمجھانے کی کوشش کی، مگر انہوں نے ہٹ دھرمی سے کام لیا اور کوئی بات نہ مانی  
تو اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ نے درج ذیل آیات مبارکہ نازل فرمائیں:

اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقْنٰهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ  
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۚ فَمِنْ  
حَاجَتِكَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اٰبْنَآءَنَا بِنَآءِكُمْ  
وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ  
اللّٰهِ عَلٰی الْكَٰذِبِيْنَ ۝ (آل عمران: ۵۹ تا ۶۱)

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام  
کی طرح ہے، ان کو مٹی سے بنالیا، پھر اُسے فرمایا (زندہ انسان) ہو جا اور وہ ہو گئے  
(اے سننے والے) یہ تیرے رب کی طرف سے بالکل حق ہے اور تو شک کریں گے کہ سچا ہونا،  
تو پھر اے محبوب علیک السلام، اگر تم سے یہ (عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں) بحث کریں،  
علم آجانے کے بعد تو ان سے فرماؤ کہ آؤ ہم بلاتے ہیں تمہارے بیٹوں یعنی اولاد کو اور  
اپنی اولاد، تمہاری عورتوں کو اور اپنی عورتوں کو ہم خود بھی آتے ہیں، تمہیں بھی بلاتے  
ہیں تاکہ، مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ڈالیں۔“

جب نجران والے اس ارشاد مبارک کے بعد بھی اپنے انکار پر قائم رہے تو  
 حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم آیہ مبارکہ مباہلہ پر بلایا۔  
 انہوں نے عرض کیا کہ ہم مشورہ کر کے کل آپ کو جواب دیں گے۔ جب وہ سب مشورہ کے لئے  
 جمع ہوئے تو انہوں نے اپنے سردار اور صاحب الرائے عالم عاقب عبدالمسیح سے کہا کہ فرمائیے  
 ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ تو اس نے کہا: ”میرے ساتھیو! اللہ تعالیٰ کی قسم! تم پہچان چکے  
 ہو کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، اگر تم نے ان سے  
 مباہلہ کیا تو سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر تم ان پر ایمان نہیں لانا چاہتے اور  
 اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو، تو ان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے صلح کر کے اپنے  
 وطن واپس لوٹ جاؤ۔“ دوسرے دن جب وہ صبح بارگاہ اقدس میں پہنچے تو حضور  
 نبی محترم رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مباہلہ کے لئے آمادہ پایا، اس وقت حضرت  
 سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گود مبارک میں تھے  
 آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تھاما ہوا تھا  
 سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا عقب میں اور ان کے عقب میں سیدنا علی المرتضیٰ  
 کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تھے اور رسول محترم اور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 ان سے فرما رہے تھے کہ ”جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔“

مگر وہ نصاریٰ نے جب ان حضرات ذی وقار کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا،  
 تو لرز گئے۔ ان کا صدر مدرس ابوالحارث کہنے لگا: اے لوگو! مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم!  
 میں ایسی پاکیزہ صورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اگر اللہ تعالیٰ کے حضور کسی پہاڑ کے اپنی جگہ سے  
 ٹل جانے کی دعا کریں، تو ان کی دعا سے وہ بھی ٹل جائے گا۔ خبردار! ان سے مباہلہ کرنا  
 ورنہ ہلاک کر دیتے جاؤ گے۔“

معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس

کی کہ جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو ان کی صورتیں مسخ کر کے بندروں اور خنزیروں کی سی کر دی جاتیں اور یہ وادی ان پر آگ برساتی اور تمام اہل بخران کو بیخ و بن سے اٹکھاڑ پھینکتی، یہاں تک کہ اُس وادی کے جانور بھی مرجاتے اور ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔“

الغرض نصاریٰ نے عرض کیا کہ ہم آپؐ مباہلہ نہیں کریں گے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پھر تم مسلمان ہو جاؤ۔“ انہوں نے عرض کیا: ”یہ بھی نہیں ہو سکتا“ فرمایا: ”پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔“ انہوں نے عرض کیا کہ ”ہم جنگ نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کی طاقت ہی نہیں، ہاں البتہ ہم جذبہ پر صلح کرتے ہیں۔“ چنانچہ اُن کی اس پیش کش پر صلح کر لی گئی اور مزید اُن پر یہ شرط عائد کی گئی کہ نہ تو وہ سُود کھائیں گے اور نہ ہی مسلمانوں پر حملہ کریں گے۔“ صلح کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے ساتھ کسی قوی اور امین شخص کو بھیج دیجئے جو جھگڑے کی صورت میں ہمارے درمیان انصاف کر دیا کرے، چنانچہ حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج دیا۔ اُس وقت تو یہ لوگ واپس چلے گئے، مگر تھوڑی ہی مدت بعد ان کے سردار عبدالمسیح عاقب اور سید ابراہیم آئے اور مسلمان ہو گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما، صحیح مسلم، ترمذی، دلائل النبوة، تفسیر خازن، روح المعانی، کبیر، مدارج النبوة) فائدہ: خیال رہے کہ کتب تواریخ و سیر کے مطابق اس وقت اولاد نبوی میں صرف سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی اولاد پاک، ہی حیات تھیں۔ باقی صاحبزادیاں اور شہزادے وصال فرما چکے تھے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی وصال ہو چکا تھا (جیسا کہ ابھی مذکور ہوگا) اسی لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سیدہ خاتون جنت، ان کے شہزادوں اور ان کے مشوہ نامدار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر مباہلہ کیلئے تشریف لاتے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلما، اتم)

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات حضور نبی اکرم رسول محتشم

کے شہزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور روایات کے مطابق اسی سال یعنی صرف سولہ ماہ کی عمر میں ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کو رحلت فرما گئے (اتنا اللہ وانا الیہ راجعون) تفصیلی واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ اولاد اطہار کے تذکرہ میں آتے گا۔

ماہ ذی الحجۃ سنہ ۱۱ھ بمطابق سنہ ۶۳۲ء میں حضور

## حَجَّةُ الْوَدَاعِ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ”حج وداع“ ادا فرمایا۔ اس کا نام ”حج وداع“ اس لئے رکھا گیا کہ اس میں حضور نبی کریم رسول عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اپنے سفر آخر کی اطلاع کے ساتھ رخصت فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: مجھ سے اپنے مناسک حج (یعنی مسائل حج) سیکھ لو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آئندہ سال میں تمہارے ساتھ حج نہ کروں اور رحلت کر جاؤں۔“

دسویں سن ہجرت کے عظیم ترین واقعات میں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار جہاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مصیبت میں حج فرمانے جس میں پوری تفصیل کے ساتھ مناسک حج و مسائل حج ارشاد فرماتے (دیادہ تفصیل کیلئے کتب ہدایت کی طرف رجوع فرمائیں) اسی سفر میں مقام ”غدير خم“ پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور اپنی ویکر اہل بیت اطہار کے فضائل بیان فرماتے اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ہاتھ پکڑ کر اعلان فرمایا: اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلَيْہِ مَوْلَاہُ۔ اے اللہ تعالیٰ! جس کا میں مولیٰ ہوں اُس کے یہ علی بھی مولیٰ ہیں۔“

اس واقعہ کے بعد حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے فرمایا: اے ابن ابی طالب! مبارک ہو اور خوشی ہو کہ تم صبح و شام اس حال میں کرتے ہو کہ ہر صاحب ایمان کے مولیٰ ہو۔ درواہ احمد عن برادر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مشکوٰۃ (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْهُمْ)

دوران حج میدان عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت ہی فصیح و بلیغ خطبہ حجۃ الوداع تعالیٰ علیہ آلم وسلم نے ایک نہایت ہی فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم کا معجزہ تھا کہ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام مرد و زن، ہمہ تن گوش خطبہ کو سن رہے تھے اور ہر روز نزدیک والے حتیٰ کہ خیموں والے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم کی آواز سن رہے تھے اور احکامات سمجھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا، اَيُّهَا النَّاسُ اسْمَعُوا قَوْلِي فَاِنِّي لَا اَدْرِي لَعَلِّي لَا اَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هَذَا اِبْهَذَا الْمَوْقِفِ بَكَ

..... الى آخره۔

ترجمہ: لوگو! میری باتیں غور سے سنو، ہو سکتا ہے کہ اس سال کے بعد اس مقام پر میں کبھی تم سے ملاقات نہ کر سکوں۔ لوگو! دیکھو تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن اور مہینہ حرمت والا ہے، تم عنقریب اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہو جائے گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال فرمائے گا میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اگر کسی کے پاس کسی کی امانت ہو تو وہ اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دے اور اگر سود ہو تو وہ ختم کر دیا گیا ہے۔ ہاں البتہ اصل تم تمہیں واپس ملے گی، نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سود ختم کر دیا گیا ہے۔ حضرت عباس بن عبد المطلب کے حصّہ کا تمام سود کا عدم کر دیا گیا ہے اور جاہلیت کے تمام خوں باطل قرار دے دیئے گئے ہیں۔ دیکھو سب پہلا خون باطل کیا جاتا ہے، وہ ربیعہ بن عارث بن عبد المطلب کا ہے۔ ربیعہ بنو لیث میں شیر خوار تھے اور ان کو بنو سہیل نے قتل کر دیا تھا، میں ان کا خون باطل کر کے یعنی بدلہ نہ لینے کا اعلان کر کے، زمانہ جاہلیت کے تمام خوں باطل کرنے کی ابتدا کرتا ہوں۔ لوگو! تمہاری



اس سرزمین پر شیطان اپنے پوجے جانے سے قطعی ناامید ہو گیا ہے، لیکن عبادت کے سوا دیگر گناہوں میں اس کی اطاعت کی گئی تو وہ اس پر بھی اصرار ہے گا، اس لئے تم اپنے دین کی اس سے حفاظت کرنا۔“

اُسے لوگو! ہنسی یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کرنا جس طرح زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کفر میں زیادتی کا سبب ہے، اس سے کافر مزید گمراہ ہوتے ہیں کہ ایک ہی مہینہ کو ایک سال حلال قرار دیتے ہیں اور دوسرے سال اسی کو حرام قرار دے دیتے ہیں تاکہ اس طرح حرمت والے مہینوں کی گنتی پوری کر لیں اور وہ اس طرح کر کے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا حلال بنا لیتے تھے اور جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا اسے حرام بنا لیتے تھے۔ دیکھو اب زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلی صورت پر آ گیا ہے جس صورت پر اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کئے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتاب اللہ میں مہینوں کی تعداد بارہ اسی دن سے ہے جس دن سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرمائے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین تو لگانا رہیں، یعنی ذی القعدہ، ذی الحجۃ اور محرم الحرام اور ایک جب ہے جو جمادی (الثانی) اور شعبان کے درمیان ہے۔ اما بعد! اے لوگو! تمہاری بیویوں پر تمہارے حقوق ہیں، اسی طرح تم پر ان کے بھی حقوق ہیں، تمہاری بیویوں پر فرض ہے کہ وہ کسی دغیر شخص کو اپنے پیٹر پر نہ لے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو (یعنی بیوی ایسے شخص کو گھر نہ آنے دے جس سے اس کا خاوند ناراض ہو) اور نہ ہی پوشیدہ نہ ہی کھلم کھلا بے حیائی کریں، اگر وہ ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی کہ تم انہیں ان کی خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور اس طرح مارو کہ جسم پر نشان نہ پڑے (یعنی شدید نہ مارو) پھر اگر وہ باز آجائیں تو حسب سابق باعزت طور پر ان کا ہاں و نفقہ، (روٹی کپڑا) تم پر واجب ہے۔ تم اپنی عورتوں سے بہترین سلوک کیا کرو، کیونکہ وہ تمہارے ساتھ معاون ہیں اور ذاتی طور پر کسی بھی چیز کی مالک نہیں ہیں، تم نے انہیں



اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر حاصل کیا اور انہیں اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے حلال کیا ہے۔“ (یعنی نکاح کیا ہے)

”تو اے لوگو! میری باتیں اچھی طرح سنو اور سمجھو، میں نے تمہیں شرعی احکامات سمجھاتے ہیں۔ اور میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس کے نبی کی سنت ہے۔“

”اے لوگو! میری بات غور سے سنو اور خوب اچھی سمجھ لو کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے سب نیا کے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس لئے کسی شخص کو اپنے بھائی کے مال سے صرف وہی حلال ہے جسے وہ خوشی خوشی سے دے دے۔ خبردار! تم اپنے اوپر ظلم نہ کرو دیکھو صحابہ کرام سے پوچھا بتاؤ کیا میں نے (اللہ تعالیٰ کا حکم تم تک پہنچا دیا؟ صحابہ کرام نے جواباً عرض کیا، اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ آپ نے پہنچا دیا؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا،

اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ - ”یعنی اے اللہ تعالیٰ تو گواہ رہنا۔“ (صحیح مسلم - مدارج النبوة)

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ جب نبی مکرم رسول محتشمِ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے، تو عزت و شرفِ مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر کئی تیرہ بخت اشقیار کے ذہن میں دعویٰ نبوت کا خطہ سما یا، جن میں مسلمہ بن ثمامہ اسود بن کعب عسلی، طلحہ بن خویلد اسدی اور ایک عورت سجاح بنت الحارث، دعویٰ ہائے نبوت میں مشہور ہوئے۔

ان بد بختوں میں مسلمہ کذاب سب سے زیادہ مشہور اور شقی تھا۔ علامہ ابن خلدون کے مطابق اس نے اسلام میں دعویٰ نبوت کیا، جبکہ صاحبِ مدارج النبوة رحمہ اللہ ہیں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ ملعون بوڑھا انتہائی مکار اور حیلہ ساز تھا۔ یہ اپنی قوم کے

ساتھ قبل ازیں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تھا، اس نے ایمان لانے کے لئے یہ شرط پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُسے خلیفہ چنا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (مدینہ منورہ میں) اس کی قیام پر تشریف لے گئے، اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ اقدس میں کھجور کی ایک شاخ تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے فرمایا (تو خلافت کا طالب ہے؟ تو غور سے سن) اگر ایمان لانے کے بدلے میں تو مجھ سے یہ شاخ ہی مانگے گا، تو میں یہ بھی تجھے نہ دوں گا۔

بعض روایات کے مطابق وہ ظاہراً ایمان لے بھی آیا تھا، مگر جب اپنے قبیلہ میں واپس پہنچا، تو اُس نے دعوتِ نبوت کر دیا، اس کے وفد میں شامل قبیلہ کے ایک سردار طلق بن علی نے اس امر کی جھوٹی شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنا شریکِ نبوت بنالیا ہے، جس سے اکثر لوگ اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔

اس کذاب نے بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ایک خط لکھا جس کا ترجمہ ہے: ”یہ خط مسلمانوں کی طرف سے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔ السلام علیک۔ دیکھتے! میں آپ کا شریکِ نبوت ہوں آدھی نہیں ہمارے لئے ہے اور آدھی قریش کے لئے، لیکن قریشی زیادتی کرتے ہیں۔“

حضور نبی اکرم رسول مہتمم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَنْ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ اِلٰی سِلْمَةِ الْکَذٰبِ سَلَامٌ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی - اَمَّا بَعْدُ

فَاِنَّ الدَّرَجَاتِ یُورَثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادَةٍ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔  
”یہ خط اللہ تعالیٰ کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے“

مسلمان کذاب کی طرف ہے، سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ واضح ہو کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے اس کا وارث بنائے اور حسن انجام پر سزا گاروں کے لئے ہے۔“

اس کے بعد مسلمہ کذاب اپنے کفر پر اصرار کرتا رہا اور قرآن کریم کے مقابلہ میں  
رافات و ہذلیات گھڑتا رہا تا آنکہ خلیفۃ الرسول حضرت سیدنا صدیق اکبر  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ اقدس میں اس کی سرکوبی کے لئے مجاہدین اسلام  
و روانہ فرمایا، جنہوں نے اس کی جھوٹی نبوت کا بھرم نکال کر اسے واصل جہنم کر دیا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں، طبری، ابن خلدون، مدارج النبوة،  
دوسرے مدعیان نبوت میں سے اسود بنی کذاب کو حضرت فیروز دہلی نے جہنم رسید کیا  
لیجہ بن خویلد (اس نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت مبارکہ کے بعد دعویٰ نبوت  
لیا تھا) دوبارہ مسلمان ہو گیا اور نہاد و ند کی جنگ میں مرتبہ شہادت پایا، جبکہ سیاح  
بنت الحارث کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ مسلمان ہوئی کہ نہیں بعض مورخین و سیر نگار  
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس کے دوبارہ ایمان لانے کا ذکر  
کرتے ہیں، جبکہ دوسری روایت کے مطابق وہ حالت کفر میں ہی بے نام و نشان ہو گئی۔

(واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم)

باب چہارم

ہجرت نبوی کا چارہواں سال ۳۳-۳۲ھ بمطابق

حضرت سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مقدس ۱۲ ربیع الاول

حضرت شاہد عرب و عجم شفیع امم فخر بنی آدم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
(فداہ امی و ابی روحی و جسدی) نے سورۃ النصر (اذا جاء نصر اللہ و الفتح)  
کے بعد ہی اپنے اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار کو اپنے انتقال مبارک کی خبر دے دی تھی۔  
حضرت نبی اکرم رسول محتشم نور مجتہم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ناسازی طبیعت کی ابتداء

اللہ صفر المظفر کے آخری ایام میں ہوتی۔ ایک روایت کے مطابق صفر کے آخری بڑھ (چہار شنبہ) کو مرض کی ابتداء ہوتی۔ کتاب الوقار میں ہے کہ صفر کی دو راتیں باقی تھیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کی مدت میں اختلاف ہے۔ اکثر کا مذہب ہے کہ تیرہ یوم بیمار رہے۔ بعض نے چودہ روز اور بعض نے سات روز تحریر کئے ہیں (واللہ اعلم)۔  
 آج کل عوام الناس میں آخری چہار شنبہ (صفر کا آخری بڑھ)

**ضروری تنبیہ** منانے کا رواج ہے اور اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے

کہ اس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرض مبارک میں کچھ تخفیف ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چیل قدمی فرمائی، جس پر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خوش ہو کر کچھ خیرات وغیرہ بھی کی، حالانکہ یہ واقعہ سرے سے ہی غلط ہے کیونکہ عند البعض صفر کا آخری بڑھ (چہار شنبہ) ہی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی مرض کا پہلا دن ہے، اس لئے کسی مسلمان کو قطعاً زیبا نہیں کہ وہ اس دن خوشی منائے

**القصد** حضور نبی اکرم شفیع معظم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باوجود سخت تکلیف کے باری باری اہل ایمان المومنین کے گھروں میں تشریف لے جاتے رہے،

لیکن جب مرض نے شدت اختیار کر لی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سب ازواج مطہرات کو اہل المومنین سیدہ مہینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں جمع ہونے کا حکم دیا، اور ان سے اجازت چاہی کہ ایام علالت حضرت سیدہ فاطمہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کے حجرہ مقدسہ میں بسر فرمائیں۔ سب ازواج مطہرات سے اجازت لینے کے بعد حضور

پیر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں جلوہ گر ہو گئے۔ اسی حجرہ کے ساتھ جنابہ سیدہ زابدہ طیبہ طاہرہ

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی حجرہ مبارک تھا، وہ بھی ہمیشہ حاضر خدمت رہتی تھیں۔ دیگر اہل ایمان المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی اسی جگہ حاضر خدمت ہوتیں۔

جب تک مرض نے زیادہ شدت اختیار نہ کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیگانہ نماز کی امامت کے لئے بنفس نفیس مسجد میں تشریف لے جاتے رہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات حضرات علی المرتضیٰ وفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر گھسٹتے ہوئے قدم ہاتے مبارک کے ساتھ بھی مسجد نبوی شریفہ میں جلوہ گر ہوئے۔ (اس عمل سے نماز باجماعت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ سوچیے! کیا یہ درست ہے کہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ بھی کرے اور نماز بھی چھوڑ دے؟ حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک کیا تھا؟)

**حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت کا حکم** رحلت مبارکہ سے چند یوم قبل جب مرض اپنی شدت کی انتہا کو پہنچ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عباس، حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء اور ائمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، غرض سب اہل بیت اطہار حاضر خدمت تھے اور سخت پریشان تھے۔ نماز عشاء کا وقت تھا، صحابہ کرام مسجد میں حاضر تھے، جب طبیعت شریفہ مجھ سنبھلی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا، کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا گیا کہ نہیں، لوگ آپ کے منتظر ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا مشکیزہ طلب فرمایا اور پانی کو خود پر بہایا، پھر اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو طبیعت شریفہ غیر ہو گئی، تھوڑی دیر بعد جب طبیعت قدرے درست ہوئی، تو ارشاد فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا کہ نہیں! آپ کے انتظار میں ہیں، فرمایا: پانی کا برتن لاؤ۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وضو یا غسل فرمایا (یعنی جسم انور پر پانی بہایا) اور اٹھنے کی کوشش کی، مگر پھر وہی حالت ہو گئی۔ الغرض تین مرتبہ ایسے ہی ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ”ابو بکر کو کہیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں“



اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد نبوی کو اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خالی پا کر  
 زار و قطار روئے لگے۔ جب یہ آواز سمع اقدس تک پہنچی تو ارشاد فرمایا: ”کیسی آواز ہے؟“  
 غم سے نڈھال شہزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ ”یہ آوازیں  
 صحابہ کرام کے رونے کی ہیں کہ وہ آپ کو مسجد میں نہیں دیکھتے۔“ یہ سن کر حضور نبی اکرم ﷺ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو  
 فرمایا کہ سہارا دے کر اٹھائیں۔ پھر آہستہ آہستہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم  
 اٹھے اور اس حال میں مسجد نبوی میں تشریف لائے کہ ایک ہاتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کے کندھے پر اور دوسرا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر جبکہ پاؤں مبارک  
 زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اس دوران آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم کے حکم کے مطابق  
 نماز شروع ہو چکی تھی۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا کہ حضور  
 نبی اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم بنفس نفیس تشریف لائے ہیں تو چاہا کہ فوراً  
 پیچھے ہٹ جائیں مگر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم نے اشارہ سے منع فرمایا اور  
 وہیں کھڑے رہنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم حضرت صدیق  
 اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بائیں جانب آگے تشریف فرما ہو گئے اور نماز ادا فرمانے لگے  
 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم کی اقتدا  
 میں نماز ادا کی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یلندا آواز سے تکبیر کہتے جاتے تھے تاکہ صحابہ  
 کے لئے آسانی ہو اور وہ حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم کی اقتدا  
 میں نماز ادا کر سکیں۔ گویا رسول کریم نبی روف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم  
 امام تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم  
 نائب اور خلیفہ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دوران کل سترہ نمازیں  
 پڑھائیں جن میں پہلی نماز شب جمعہ کی تھی اور آخری پیر کی صبح کی تھی۔



مَسْجِدِ نَبَوِی شَرِیفِ مِیْنِ اَخْرِی خطبہ جب تاجدارِ انبیاء محبوبِ کبریا رسولِ خدا

توصحابہ کرام خصوصاً انصار بہت پریشان ہو گئے، ان کو اپنے گھروں میں چین و سکون نہ آتا تھا، یہ حیران و پریشان مسجدِ نبوی شریف کے آس پاس گھومتے رہتے۔ اہل بیت اطہا کے لئے تو یک گونہ یہ سہولت تھی کہ وہ زیارتِ انور سے فیضیاب ہوتے رہتے اور ہر لمحہ حالتِ مبارکہ سے باخبر رہتے، لیکن صحابہ کرام کے لئے یہ بات ممکن نہ تھی تو جب صحابہ کرام کی بے چینی حد سے بڑھ گئی اور ان کی کیفیت سے حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مطلع ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سہارا لئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور منبر شریف کی پہلی سیڑھی پر ہی تشریف فرما ہو گئے۔ سرِ انور پر ٹپی بندھی ہوتی، کیونکہ سرِ انور درودِ کریم پڑھا، صحابہ کرام دیوانہ وار جمع ہونے لگے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا: «ترجمہ: اے لوگو! مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے نبی کی وفات سے خوفزدہ ہو»

کیا مجھ سے پہلے مبعوث شدہ کوئی نبی ہمیشہ اس دنیا میں رہا ہے کہ میں دائمی طور پر تم میں رہ سکوں؟ خوب آگاہ ہو جاؤ کہ میں اپنے رب سے جا ملوں گا اور تم سب مجھ سے آملو گے۔ پس میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے ساتھ بہتر سلوک کرنا اور اسی طرح مہاجرین کو بھی آپس میں حسن سلوک سے رہنا چاہیے اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ العصر تلاوت فرمائی، پھر فرمایا، بلاشبہ سب کام اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتے ہیں۔ اگر اُس کے حضور کسی کام میں دیر ہو تو تم جلدی کی خواہش نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی عجلت پسندی کی بنا پر جلد بازی نہیں فرماتا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مرضی پر غالب آنا چاہے وہ خود مغلوب رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ

کو دھوکا دینا چاہتا ہے، وہ خود دھوکے میں پوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے دھوکے کی سزا ضرور دیتا ہے۔ تمہاری کیا حالت ہے کہ اگر تمہیں حکومت و سلطنت ملے تو تم زمین پر فساد پھیلاتے پھرو اور قرابت کے تعلقات منقطع کر دو اور میں تمہیں انصار کے حق میں حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے تمہیں اپنے گھروں میں قیام کی جگہ دی اور تمہیں عزت سے رکھا، اس لئے تم پر واجب ہے کہ ان سے حسن سلوک کرو کیا انہوں نے (انصار نے) اپنے باغات اور پھلوں میں تمہارا حصہ مقرر نہیں کیا؟ کیا انہوں نے اپنے گھروں میں قیام کے لئے گنجائش نہ نکالی؟ کیا انہوں نے خود پر تنگی و ترشی برداشت کر کے تمہیں اپنی جانوں پر ترجیح نہ دی؟ خبردار! تم میں سے جو کوئی دو آدمیوں پر بھی حاکم مقرر ہو، اسے چاہیے کہ انصار کی اچھی باتوں کو پیش نظر رکھے اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ خبردار! تم اس برتری اور ترجیحی سلوک کی کوشش مت کرنا، خوب اچھی طرح سن لو! میں تم سے پہلے اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے والا ہوں، تم بعد کو مجھ سے آملو گے۔ خبردار! تم سے میری ملاقات حوض کوثر پر ہوگی۔ خوب اچھی طرح سن لو! جو شخص کل مجھ سے حوض کوثر پر ملنے کا خواہش ہو، اُسے چاہیے کہ وہ اپنی زبان اور ہاتھ کو (لوگوں کی ایذا رسانی سے) روکے رکھے رسول مکرم نبی معظم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ مبارک سننے کے لئے صحابہ اس قدر جوش و خروش سے آتے تھے کہ انہوں نے اپنے گھروں اور دکانوں کو بھی کھلا ہی چھوڑ دیا تھا اور مسجد نبوی شریفہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے:-

أَوْسِعُوا لِمَنْ وَرَاءَكُمْ یعنی اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے جگہ بناؤ۔  
پند و نصائح اور تعلیم آداب کے اس خطبہ کے بعد رسول مکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم سے میرے جدا ہونے کا وقت قریب آگیا ہے۔ سنو! اگر

کسی کا کوئی حق مجھ پر ہو تو اپنا حق وصول کر لے اور میری جان، مال اور سامان جس سے چاہے قصاص لے لے۔“ پھر فرمایا: اگر کسی کا کسی پر کوئی حق ہو تو وہ ادا کر دے۔ یاد رکھو! دنیا کی شرمندگی، آخرت کی شرمندگی سے آسان تر ہے۔“ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کی عادت میں کوئی خرابی ہو جو دُور نہ ہوتی ہو، وہ کھڑا ہو جاتے تاکہ میں اس کے لئے دُعا کروں۔“

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان ارشاداتِ عالیہ سے نوازا رہے تھے تو اس دوران کئی صحابہ کرام کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی گزارشات پیش خدمت کیں جن کو حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شرف قبولیت سے نوازا۔ (زیادہ تفصیل کیلئے معتبر کتب سیرت کی طرف رجوع فرمائیں) آخر میں ازواجِ مطہرات کے لئے نھوی نصیحت فرمائی۔ یہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مسجد نبوی شریف میں آنحضری خطبہ مبارکہ تھا۔ اس کے بعد نبی مکرم رسولِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے خانہ اطہر میں دنِ افروز ہو گئے۔

**مقابلِ فراموش** حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ پیر کے دن صبح کی نماز کے دوران جبکہ صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدار میں نماز ادا کر رہے تھے، اچانک رسولِ معظمؐ نبی مکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرہ مبارکہ کا پردہ اٹھایا اور نماز کی طرف نظر کریم فرمائی جو کہ نماز کی صفوں میں تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو دیکھ کر مسکرائے، ان لمحات کی منظر کشی فرماتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رخ انور گویا قرآنِ کریم کا ورق (معلوم ہوا) تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے گمان کیا کہ شاید ہمارے آقا و مولیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجد شریفہ میں تشریف لائے والے ہیں، قریب تھا کہ جوشِ محبت میں

وہ اپنی صفوں کو توڑ دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی چاہا کہ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ جائیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو اشارہ فرمایا کہ وہ اپنی نماز پوری کریں، پھر حجرہ النور کا پردہ گرادیا اور اسی دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (فداہ روحی و جسدی) کا انتقال مبارک ہو گیا اور اہل مدینہ پر قیامت صغریٰ پیا ہو گئی۔

## رحلت مبارکہ کا قیامت خیز منظر

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یوم وصال، حق تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم دیا کہ زمین پر میرے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہو۔ خبردار! بغیر اجازت داخل نہ ہونا اور نہ ہی بغیر اجازت کے روح حالی کو قبض کرنا، تو حضرت ملک الموت دروازہ اقدس پر اعرابی کی صورت میں حاضر ہوئے اور بلند آواز سے عرض کیا: **السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ الْبُيُوتَةِ وَمَعْدَنَ التَّوَسَّلَةِ وَمُخْتَلَفِ السَّلَاطَةِ**۔ (یہ اجازت لینے کا ایک انداز تھا) اس وقت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا بارگاہ اقدس میں موجود تھیں، انہوں نے جواب دیا: اس وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے حال میں مشغول ہیں، لہذا اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے۔ ملک الموت نے دوبارہ اجازت مانگی، تو پھر یہی جواب سنا۔ انہوں نے تیسری مرتبہ اجازت طلب کی، تو ان کی آواز کی ہیبت سے اہل خانہ لرز اٹھے۔ رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چشمان مبارک کھول کر پوچھا: کیا بات ہے؟ صورت حال عرض خدمت کی گئی تو فرمایا: فاطمہ! تم جانتی ہو، یہ کون ہیں؟ یہ لذتوں کا توڑنے والا، خواہشوں اور تمناؤں کا کچلنے والا، اجتماعی بندھنوں کو الگ الگ کر دینے والا، بیویوں کو بیوہ کرنے والا اور بچوں کو یتیم بنانے والا ملک الموت ہے۔ یہ سن کر جناب سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا زار و قطار رونے لگیں۔ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دلاسا دیا اور خود اپنے دستِ مقدس سے اُن کے رُخِ زیبا سے اشکوں کو صاف فرمایا۔ بعض روایتوں کے مطابق اس وقت حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سرگوشی کے انداز میں فرمایا کہ اے فاطمہ! تم میرے جانے کے بعد بہت جلد مجھ سے آملو گی۔

(یعنی جدائی کے دن طویل نہیں ہیں) اس وقت گھر میں موجود ہر شخص رورہا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہ! بچوں کو بلاؤ۔ اہل بیت نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلا کر حاضر خدمت کر دیا۔ جب شہزادگانِ ذی وقار نے اپنی امی اور اہل خانہ کو اس حال میں دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شہزادگانِ ذی وقار کو اپنی آغوشِ محبت میں لے لیا اور چومنے لگے، اس وقت خود رحمتِ عالم، شفیعِ عظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی رو رہے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کیوں رو رہے ہیں؟ (یعنی آپ تو نہ روتیں) تو حضور رحمۃ اللعالمین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”میرا رونا میری امت پر رحمت اور شفقت کے لئے ہے۔“ (اللہ اکبر، اللہ اکبر! اے میرے آقا رسولِ عربی (فداہِ روحی و جسدی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گناہگار اُمتی تو غور کر، تیرے آقا کتنے کریم و شفیق ہیں اور تو کس قدر ذلیل ہے) اس کے بعد اقہاتِ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن باری باری نگاہِ کرم کے سامنے حاضر ہوتی رہیں اور ولایتِ وصیتِ مالا مال ہوتی گئیں۔ پھر رسولِ کریم صاحبِ خلقِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو قریب بلایا اور ارشاد فرمایا، اے علی! فلاں یہودی کے اتنے درہم میرے ذمہ قرضہ ہے، تم کو تا کبیدہ ہے کہ میرا یہ قرض اتار دینا۔ پھر فرمایا، تم ان لوگوں میں پہلے جاؤ گے جو مجھے حوضِ کوثر پر ملو گے۔ پھر صبر و استقامت اور پابندی نماز کی نصیحت فرمائی۔



حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عابین مجھ پر پہنچ رہا تھا۔ اس کے بعد طبیعت شریفہ متغیر ہو گئی یہاں تک کہ میں بے طاقت ہو گیا اور عالم نزع کے یہ لمحات میرے لئے ناقابلِ برداشت تھے۔

مروی ہے کہ ملک الموت نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی: ”یا رسول اللہ، یا احمد صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ نے آپ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں، تو روح عالیہ کو قبض کر لوں، ورنہ نہیں جو آپ کی رضا ہے ارشاد فرمائیں“ اتنے میں جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ملال العالی کی طرف رجوع کا ارشاد فرماتا ہے۔ اس پر حضور اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو اجازت مرحمت فرمادی اور رفیقِ اعلیٰ کی طرف انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ

**آخری گفتگو** حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ زمانہ ملاقات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بکثرت وصیت و غلاموں سے حسن سلوک اور پابندی نماز کی تھی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک میں قوتِ کلام نہ رہی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بوقتِ سکراتِ آخری وصیت یہ تھی: اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ (یعنی نماز کی پابندی کرو اور غلاموں سے حسن سلوک کرو) اس کے ساتھ ہی رحلتِ مبارکہ ہو گئی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جو آخری کلمہ سنا وہ یہ تھا: اَدَّبْتُكُمْ بِاِحْسَنِ مَا لِيْ وَ اَلْحَقْنِيْ بِالْاَرْضِ فَيُقِيْ اِلَیَّ۔ (یعنی اے اللہ تعالیٰ! اے میرے پروردگار! مجھ سے درگزر فرما اور مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملائے)



مواہب لدنیہ میں بحوالہ سہیلی عن اقدی منقول ہے کہ سب سے پہلے جو کلمہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں ایام رضاعت میں فرمایا: "واللہ اکبر" تھا آخری کلمہ جو زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا وہ بِاللّٰهِ تَعَالٰی تھا۔  
**نکتہ:** یہ بندہ مسکین ثبوت اللہ تعالیٰ علی طریق الحق والیقین ناچیز و حقیر متوقف کتاب ہذا (محمد سعید الحسن) عرض گزار ہے کہ بشرط صحت روایت اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زبان وحی ترجمان سے ادا ہونے والا پہلا لفظ اللہ اور آخری لفظ الاعلیٰ ہے۔ جب اس اول و آخر کو جمع کیا جائے تو اللہ الاعلیٰ بنتا ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ

میرے آقا رسول عربی (فداہ روحی و جسدی امتی و ابی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے اسمائے گرامی ہیں: عبد اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ) آمنہ (یعنی امن و رحمت والی) ان مبارک ہستیوں کے توسط سے اللہ تعالیٰ کے جو برگزیدہ بندے پوری کائنات کے لئے امن اور رحمت للعالمین بن کر جلوہ گر ہوئے۔ ان کی پوری زندگی اسی اعلیٰ کلمۃ الحق میں گزری کہ اللہ الاعلیٰ۔  
 اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی رُوحِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِي الْاَرْوَاحِ وَعَلٰی جَسَدِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِي الْاَجْسَادِ وَعَلٰی قَبْرِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِي الْقُبُورِ وَآتِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدًا الْبُوسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَدَرَجَةَ الرَّفِيْعَةِ وَابْعَثْهُ مُقَامَ مُحَمَّدٍ الَّذِي وَعَدْتَهُ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ۔

جو نہی حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی رحلت مبارکہ ہوئی۔ اہل بیت و صحابہ کرام میں ایک عظیم پریشانی و بے چینی پھیل گئی۔ روتے روتے اُن کا بُرا حال ہو گیا، حتیٰ کہ بعض تو اپنے ہوش و حواس ہی کھو بیٹھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود جبری اور بہادر ہونے کے اس قدر حواس باختہ ہوئے کہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: اِنَّ رَبَّ جَالَا مِنَ الْمُنَافِقِينَ رَا عَمُوْا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَانْتَهَ لِمَمِيَّتٍ وَانْتَهَ ذَهَبَ اِلَى رَبِّهِ كَمَا ذَهَبَ مُوسٰی . . . . اِلَى آخِرِ

”بعض منافقین کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں، حالانکہ وہ فوت نہیں ہوئے، بلکہ اپنے رب کے پاس گئے ہیں جس طرح موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) (چند روز کے لئے توراۃ لینے کوہ طور پر) گئے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واپس آکر منافقوں کو سزا دیں گے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم جس نے کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) فوت ہو گئے ہیں، میں اُس کی گردن تلوار سے اڑا دوں گا۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوش غضب میں دار فتگی و بھودہ میں یہ کہے جا رہے تھے اور کسی کو مجال نہ تھی کہ اُن کو تلوار نیا م میں کرنے کا کہے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بڑے بڑے مصائب برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے زار و قطار رہے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت تھی کہ گویا اُن کی روح ہی نکال لی گئی ہو۔ امہات المومنین نے رور و کر بُرا حال کر لیا تھا۔ حسنین کرمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہلک ہلک کر رہے تھے۔ سب زیادہ غم مفارقت میرے آقا رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی لاڈلی شہزادی حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تھا۔ آپ بہت زیادہ رورہی تھیں۔ مرقوم ہے کہ جناب سیدہ خاتونِ جنت کو پھر کسی نے نہ سہتے نہ دیکھا یہاں تک کہ جناب سیدہ کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رحلت کے چھ ماہ بعد وصال ہو گیا۔

انصارِ صحابہ کا چین و سکون تو ایامِ مرض میں ہی برباد ہو گیا تھا، اب ہی کمر بھی جاتی رہی۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے کہ اُن کا بیٹا بے تحاشہ روتا ہوا آیا۔ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے سے اس قدر شدید گریہ کا سبب پوچھا تو بچے نے ہکلاتے ہوئے کہا: ”ابا جان! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں“ یہ بات حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بجلی بن کر گری۔ اُنہوں نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور رو کر کہا: ”اے اللہ تعالیٰ! تجھے معلوم ہے کہ میں آج تک اپنی ان آنکھوں سے صرف اس لئے محبت کرتا تھا کہ ان سے اپنے آقا و مولیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کروں، اب مجھے اُن کی ضرورت نہیں ہے، تو اُن کو لے لے۔“ یہ کہہ کر اتنا روئے کہ اُسی گھڑی نابینا ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی غم میں ایسے روئے کہ شدید بیمار ہو کر انتقال فرما گئے۔ یہ حالت پروالوں کی بعد میں بھی رہی۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت حاضر ہو کر اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ ”مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کروا دیجئے“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُس کے لئے حجرہ شریفہ کا دروازہ کھول دیا۔ وہ عورت قبر انور کے قریب کھڑی ہو کر اتنا روتی کہ روتے روتے گر گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جا کر اُسے اٹھانا چاہا تو دیکھا کہ وہ فوت ہو چکی تھی۔

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سرائے فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف انتقال فرمایا تو روزِ روشن شبِ دیجور کی طرح سیاہ ہو گیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ

کا کوئی دن اُس دن سے زیادہ روشن و تاباں نہ تھا کہ جس دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں جلوہ گری ہوئی اور اس دن سے زیادہ کوئی دن تاریک اور  
دردناک نہ تھا کہ جس دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس جہانِ پیرہ فرمایا۔  
**یہ چاہئے بھی بد نصیب نہ تھے** جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کے بعد  
سب سے زیادہ محبت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نہیں ہے، اس سے بڑھ کر بدتر اور بد نصیب اور کون ہو گا؟ اس سختوں  
جلے سے تو وہ حجر و شجر بھی، ہزار ہا درجہ افضل ہیں کہ جو محبوب کائنات فخر موجودات  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور سلام عرض کرتے تھے اور جذباتی میں روتے تھے۔  
وہ تیرہ بخت تو ان چوبالیوں کی گم در راہ کو بھی نہ پاسکا کہ جن کے دل میں حب محبوب خدا  
(علیہ التحیۃ والثناء) تھی۔ مرقوم ہے کہ وہ دراز گوش (گدھا) کہ جس پر بسا اوقات  
حضور امام الانبیاء حبیب کبریاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سواری فرمایا کرتے تھے،  
اُس نے مفارقت کا اتنا رنج و ملال کیا کہ بے چین ہو کر خود کو ایک کنوئیں میں گرالیا  
اور جان قربان کر دی۔ وہ مبارک اونٹنی کہ جس پر میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
اکثر سواری فرمایا کرتے تھے، تصویرِ غم بن گئی، اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ ہر وقت  
آنسو بہاتی رہتی اور اسی طرح اس نے بھی اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

**تجہیز و تکفین اور صلوة الجنائزہ** حضور سرور کائنات سرور انبیاء

یوم وصال دوشنبہ یعنی پیر کا دن ہے، یہ ہی میرے آقا رسول عربی، نبی مکرم  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت با سعادت کا دن ہے۔ (عند البعض) یہی  
دن اعلانِ نبوت کا ہے۔ یہی دن قبا شریف (یعنی مدینہ منورہ) میں تشریف آوری  
کا ہے اور یہی دن رحلتِ مبارکہ کا۔ البتہ تاریخ میں قدیمے اختلاف ہے۔

فقہائے حجاز ۲ ربیع الاول جبکہ واقفی اور دوسرے بہت سے سیرت نگار ۱۲ ربیع الاول بتاتے ہیں۔ تدفین مبارکہ عند البعض سہ شنبہ یا شب چہار شنبہ کو عمل میں آتی۔

مرقوم ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے اپنی رحلت مبارکہ سے قبل ہی فرمادیا تھا کہ مجھے غسل وہ دے جو حضرت میرے اہل بیت میں میرے سب سے زیادہ نزدیکی ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ خصوصاً حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو حکم دیا کہ تم مجھے غسل دو گے اور خیردار کوئی میرے ستر کو نہ دیکھے ورنہ اندھا ہو جائے گا۔

کفن کے بارے میں کوئی خاص پابندی نہ لگائی، بلکہ اجازت دی کہ جو میسر آئے کفن پہنا دیں۔ بہتر ہے کہ سفید کپڑے ہوں۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم یہ وصیت ارشاد فرماتے تھے تو حاضرین نار و قطار رونے لگے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے اُن کو تلقین صبر فرماتے ہوئے دُعا تے خیر دی اور فرمایا: جب مجھے غسل و کفن دے چکو تو مجھے اس حجرے میں تنہا چھوڑ کر سب باہر چلے جانا۔ سب سے پہلے جو محمد پر صلوٰۃ الجنائزہ

پڑھیں گے وہ جبریل امین ہوں گے۔ (ایک روایت میں پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ اور پھر جبریل امین علیہ السلام کا ذکر ہے) پھر میکائیل، پھر اسرافیل پھر عزرائیل علیہم السلام) گروہ ملائکہ کے ساتھ صلوٰۃ الجنائزہ پڑھیں گے۔ اس کے بعد تم پڑھو گے۔ خیردار!

مجھ پر فریاد و نوحہ نہ کرنا اور صلوٰۃ الجنائزہ کی ابتداء میرے اہل بیت سے ہو۔ پھر صحابہ کرام پڑھیں اور میری قبر میں مجھے میرے اہل بیت فرشتوں کے ساتھ مل کر تاریں گے۔ چونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے زمانہ

**غسل مبارک** علالت میں فرمادیا تھا کہ مجھے میرے اہل بیت خصوصاً علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، ہی غسل دیں، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حجرہ مبارکہ کا دروازہ غیر اہل بیت کے لئے بند کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ غسل دینے کے چاروں طرف یعنی چاروں طرف سے



پردہ کر لیا گیا۔ پھر اس کے اندر حضرت عباسؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت عباسؓ کے دو بیٹے  
 حضرت قثمؓ اور فضلؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) داخل ہوئے۔ ایک روایت میں بجائے  
 قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا  
 ذکر ہے (یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا کے بیٹے ہیں) ان کے علاوہ حضور نبی اکرم  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت اسامہ بن زید و شقران رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
 بھی حاضر ہوئے۔ یکا یک ایک آواز سی آئی کہ ”یہ اللہ تعالیٰ کے نبی پاکؐ مظهر ہیں  
 ان کو غسل نہ دو“ مگر کہنے والا نظر نہ آیا۔ پھر دوسری مرتبہ آواز آئی کہ ”ان کو  
 ضرور غسل دو“ پہلی آواز دینے والا ابلیس تھا اور میں حضرت (علیہ السلام) ہوں۔“ پھر  
 ایک اور آواز آئی کہ ”ان کو برہنہ نہ کرنا“ اسی طرح سیراہن میں ہی غسل دے دو۔“ چنانچہ  
 شقران اور اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما قمیض مبارک کے اوپر سے پانی ڈالتے تھے  
 حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، دستانے پہن کر ہاتھ بیلیم  
 مبارک میں داخل کر کے حسم النور کو نکلتے تھے۔ حضرات قثم و فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
 پہلو شریف بدلانے میں معاون تھے۔ ان سب حضرات کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی  
 تھیں (کیونکہ حکم مبارک کی خلاف ورزی پر عیناتی بھی جاسکتی تھی) معلوم ہوتا تھا کہ  
 غسل کے دوران کوئی غیبی قوت (ملائکہ) بھی معاون ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم کے حسم النور سے نہایت ہی پاکیزہ خوشبو آرہی تھی اور کسی قسم کی کوئی رطوبت  
 وغیرہ خارج نہ ہوتی۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا :-  
 ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ  
 صفائی اور کتنی بہترین خوشبو ہے آپ کے حسم النور کی حیات میں بھی اور بعد ممات بھی  
 حضور نبی اکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تین مرتبہ پاک و صاف پانی  
 میں سیری کے پتے ڈال کر اور کافور ملے پانی سے غسل دیا گیا۔ ابن ماجہ نے بسند جید



حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے نقل کیا۔ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ”مجھے ”بیر غرس“ کے پانی کے سات مشکیزوں سے غسل دینا۔“ (خیال رہے کہ ”بیر غرس“ ایک کنوئیں کا نام ہے۔)

مردی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک پلوں کے نیچے، آنکھوں کے قریب بوقت غسل جو پانی جمع تھا، اُسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہونٹوں سے چوس لیا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اُس سے میرے علم اور قوتِ حافظہ میں زبردست اضافہ ہو گیا۔

امام بیہقی علیہ الرحمہ بحوالہ حاکم نقل فرماتے ہیں کہ حضرت کفن مبارک علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، حضرت ابن عباس،

حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابن عمر، حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تین کپڑوں سے کفن دیا گیا، جس میں قمیض اور عمامہ شامل نہ تھا۔

حدیث مبارک میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تین سفید رنگ کے دھلے، مٹے سونی کپڑوں میں کفن پہنایا گیا۔

تکمیل غسل شریفہ کے بعد کفن پہنانے سے قبل حضور انور غل مرتضیٰ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقام ہائے سجدہ اور مفاصل شریفہ (جوڑوں) کو معطر کیا گیا، تو حقوڑا سا عطر اور کس قدر مشک پیچ گیا، جسے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے سنبھال کر رکھ لیا اور اپنے شہزادوں کو وصیت فرمائی کہ اس کو میرے کفن میں لگانا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کفن شریفہ سے بچی ہوئی خوشبو ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے اس طرزِ عمل سے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کس قدر عقیدت اور وابستگی ظاہر ہوتی ہے

**صلوٰۃ الجنائزہ** حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گئی، بلکہ حکم مبارکہ کے مطابق (جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے)، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسدِ انور چار پائی پر حجرۃ اقدس میں کھدایا گیا۔ پھر ملائکہ کے بعد سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے صلوٰۃ الجنائزہ پڑھی۔ پھر حضرت عباس اور دیگر اہل بیت نبوت (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے اس کے بعد مہاجرین صحابہ نے پھر انصاری صحابہ نے صلوٰۃ الجنائزہ پڑھی۔ حجرۃ مبارکہ میں مقوڑی جگہ ہونے کی وجہ سے تقریباً دس دس خاصا بہ کرام کی جماعت حجرۃ انور میں داخل ہوتی اور پھر حمال جہاں آرا کی زیارت کا شرف پا کر اور صلوٰۃ الجنائزہ (دروہ شریف) پڑھ کر باہر آ جاتی اسی طرح یہ عمل مسلسل جاری رہا اور آخری دیدار پُر انوار سے بہرہ ور ہوتے رہے۔

**رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم کی صلوٰۃ الجنائزہ کی دعا** جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ حضور نبی اکرم رسول محترم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درجہ طریقہ پر جامع نمازِ جنازہ ادا نہیں کی گئی۔ امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے (کبھی کے سوال کے جواب میں) فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ پر کسی نے امامت نہیں کرائی، اس لئے کہ حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں بھی اور رحلت شریفہ کے بعد بھی ہم سب کے امام ہیں۔ اور یہ اس طریقہ سے گروہ درگروہ صلوٰۃ الجنائزہ کا پڑھا جانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ چونکہ نمازِ جنازہ میں حمدِ خداوندی کے بعد درود شریف اور میت کے لئے دعا ہوتی ہے جبکہ درود شریف بجائے خود ایک دعا ہے کسی الگ دعا کی ضرورت نہیں، اس لئے حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بطور صلوٰۃ الجنائزہ درود شریف پڑھا گیا۔

مدارج النبوة میں ہے کہ جب اہل بیت اطہار نے صلوٰۃ الجنائزہ پڑھ لی تو لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کیا پڑھیں اور کیا دُعا کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس بارہ میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے پوچھنا چاہیے۔ پھر جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: یوں پڑھو، اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ صَلَوَاتُ اللَّهِ الْبُرِّ الرَّحِيمِ وَالْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبِينَ وَالنَّبِيُّونَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءُ وَالصَّالِحِينَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَرَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الشَّاهِدِ الْبَشِيرِ الدَّاعِي بِإِذْنِكَ السَّوَّاحِ الْمُنِيرِ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ

اس دُعا یعنی درود پاک کو شیخ زین الدین مراعی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ”تحقیق النضرہ“ میں بیان کیا۔

مدارج النبوة میں مذکورہ کتاب کے حوالہ سے مزید اجتماع دعا درج ہے کہ ”حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم“ حضور نبی اکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ شریفہ کے ایک جانب کھڑے ہوتے اور یوں دُعا کی، اے نبی مکرم رسول محترم! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا نزول ہو۔ اے اللہ تعالیٰ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہم کو، وہ سب کچھ پہنچایا جو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوا اور اپنی اُمت کو نصیحت کے تمام حقوق پورے فرمادیتے اور راہِ خدا میں جہاد کیا، یہاں تک کہ حق تعالیٰ اپنے دین کو غلبہ عطا فرمادیا۔ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان لوگوں میں بنا جو ہم اُس (سب کچھ)

کی پیروی کریں، جو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوا اور سہارا حشر قیامت کے دن رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی دعا پر لوگوں نے آمین کہی۔

**تدفین مبارک** حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دفن مبارک کے بارے میں مختلف آراء تھیں۔ قبر انور کس طرح اور کس جگہ

بنائی جاتے۔ بعض صحابہ کرام نے مشورہ دیا کہ حجرہ شریفہ میں، بعض نے فرمایا کہ مسجد نبوی شریفہ میں، کسی نے کہا کہ جنت البقیع میں، بعض کا خیال تھا کہ بیت المقدس میں کہ وہاں قبور انبیاء ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر نبی کو اُسی جگہ دفن کیا گیا جہاں اُس کی رُوح قبض ہوئی۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: ”رُوتے زمین پر اللہ تعالیٰ کے حضور اس سے بڑھ کر کوئی خطہ کُرامی قدر نہیں کہ جس میں نبی کی رُوح عالمیہ کو قبض کیا گیا ہو۔“ اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بستر مبارک کو اٹھایا گیا اور خاص اسی جگہ قبر کھودنا طے پایا۔

مدینہ طیبہ میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے۔ ایک حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ بطریق شوق ریعنی سیدھا کڑھا، قبر بناتے تھے اور دوسرے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ لحد والی قبر بناتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دعا مانگ کر کہ اے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وہ چیز اختیار فرما جو تجھے محبوب ہو۔ دو آدمیوں کو دونوں قبر کھودنے والوں کو بلانے بھیج دیا اور فرمایا: ”جو پہلے آجائے“ ہی اپنے طریقے پر قبر کھودے۔“ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ ملے اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے اور بطریق لحد قبر انور تیار کر لی گئی۔

بعد دوپہر شنبہ یعنی منگل اور بعض کے نزدیک بُدھ کی رات کو حضور نبی اکرم رسول محمد ﷺ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قدمِ اقدس کی جانب سے قبرِ انور میں داخل کیا گیا۔ حضرت عباس، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فضل بن عباس اور حضرت قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم، قبرِ انور میں داخل ہوئے اور حضور پر نور شافع الثشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چشم و قلبِ نالال کے ساتھ نہایت عقیدت و احترام اور محبت و نرمی کے ساتھ مقامِ کحد مثالِ عرش میں لٹا دیا۔ حضرت قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ آخری شخص ہیں جو قبرِ انور سے باہر نکلے۔ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں: میں وہ آخری شخص ہوں کہ جس نے قبرِ مقدس میں رُخِ انور و مطہر کی خوب زیارت کی۔

میرے آقا رسولِ عربی (فداہِ روحی و جسدی امی و ابی، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) دائماً ابداء کی قبرِ انور کھتی رہیں گے اس کے بعد لمحہ مبارک پر . . . . . (کس ہمت سے لکھوں کہ) . . . مٹی ڈال دی گئی . . . شکستہ دل حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی کا ایک مشکیزہ بھر لاتے اور سرھانے کی طرف سے شروع کر کے پانتنی تک پانی چھڑک دیا۔ قبرِ انور تقریباً ایک بالشت اُونچی بناتی۔ پھر اُس پر مَرخ و سفید سنگِ بزرے جمادیئے گئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں تشریف لائے دس سال اور اس جہانِ فانی میں جلوہ گزشتے تریسٹھ برس پورے ہو گئے تھے۔

دفن کے بعد اہل بیتِ عظام و صحابہ کرام زار و قطار روپے تھے، اُن کے دل اپنے آقا اور محبوبِ کون و مریاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آتشِ فراق میں جل رہے تھے۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا روتے ہوئے بار بار فرماتی تھیں کہ تمہارے دلوں نے یہ کس طرح گوارا کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر مٹی ڈالو؟ گویا ایک قیامتِ صغریٰ تھی جو (پورے عالمِ اسلام اور خصوصاً اہلِ مدینہ



پر گزر رہی تھی۔ رَجَزَى اللّٰهُ عَمَّا سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ  
وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کَمَا هُوَ اَهْلُہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَمَةِ۔

”وصال مقدس“ کے اس مضمون کے حوالہ کے لئے ملاحظہ ہوں صحیح بخاری، صحیح مسلم،  
ابن ماجہ، ترمذی، ابن خلدون، ابن مشام، طبری، واقدی، وفاء الوفا۔  
مواہب لدنیہ۔ مدارج النبوة،

## باب پنجم حلیہ مبارک

حقیقت تو یہ ہے کہ میرے آقا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دیر گاہاں آپ  
جسم و جان اُن پر قربان ہو، سے بڑھ کر کامل و اکمل کوئی انسان، خالق کائنات  
نے پیدا ہی نہیں فرمایا جس کی دلیل حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ  
مشہور زمانہ اشعار ہیں کہ

وَ اَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَوْطُ عَيْنِيْ  
وَ اَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ  
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ  
خُلِقْتَ مُبْرَأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ

”یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ سے بڑھ کر کوئی حسین،  
میری آنکھوں سے دیکھا ہی نہیں، اور آپ سے زیادہ جمیل کسی عورت نے جنم ہی نہیں  
اللہ تعالیٰ کی طرف سے، آپ کو ہر عیب اور نقص سے پاک و مبرا پیدا فرمایا گیا ہے  
یوں لگتا ہے، جس طرح آپ نے چاہا (اللہ تعالیٰ نے)، اسی طرح آپ کو تخلیق فرمادیا۔  
ان مبارک اشعار کو کسی شاعر کا جذبہ عقیدت سمجھ کر نظر انداز کر دینا بد بختی و محرومی  
کی دلیل ہے، کیونکہ یہ اشعار حدیث تقریری ہیں، یعنی وہ بات یا وہ عمل جو رسول اللہ



صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا جائے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُس کی نہ تو تردید فرمائیں اور نہ ہی منع فرمائیں حدیث تقریری ہے اور یہ حدیث قولی اور فعلی کی طرح قابل عمل ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا انکار نہ فرماتا ہی اُس بات یا اُس عمل کی تصدیق فرماتا ہے سر واللہ تعالیٰ اعلم،

کُتبِ احادیث و سیرت میں حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارکہ بڑی تفصیل کے ساتھ مرقوم ہے (جن میں بعض احادیث مبارکہ کو اس بندہ ناچیز مؤلف کتاب ہذا نے اپنی دوسری تالیف ”ہسبز زندگی مع طیبِ نبوی“ میں نقل کیا ہے) صاحبِ ذوق مطالعہ فرمائیں، اُن میں سے صرف دو احادیث مبارکہ یہاں نقل کی جاتی ہیں، اس پہلی حدیث مبارکہ کو امام ترمذی علیہ الرحمہ نے حضرت ہند بن ابی مالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی روایت فرمایا کہ:

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے بھی شاندار تھے اور دُوروں کی نظر میں بھی بلند مرتبہ والے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رُوسے انور چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن و تاباں تھا۔ قدم مبارک درمیانے قد والے سے کسی قدر لمبا اور طویل القامت سے ذرا چھوٹا تھا۔ سر انور قدرے بڑا تھا، بال مبارک ہلکے سے گھنگھریالے تھے۔ اگر سرِ قدس کے بالوں میں خود یا آسانی سے مانگ نکل آتی تو رہنے دیتے ورنہ خود تکلف نہ نکالتے۔ جس زمانہ میں بال مبارک زیادہ ہوتے (یعنی ترشٹوانے میں دیر ہو جاتی) تو کانوں کی کوہ سے بڑھ جاتے ورنہ نہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ مبارک نہایت درجہ صاف اور چمکدار تھا، پیشانی مبارک کشادہ، ابرو مبارک خمدار، باریک اور گنجان تھیں۔ دونوں ابرو جدا جدا تھیں، ایک دوسرے سے پیوستہ نہیں تھیں،

دونوں ابروؤں کے درمیان ایک لگ (ناٹم) تھی جو غصہ کے وقت اُبھرتی تھی۔ ناک شریفہ  
 بلندی مائل تھی، اس پر ایک چمکدار جھلک اور نور تھا۔ پہلی نظر دیکھنے والا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم کو بڑی ناک والا خیال کرتا مگر غور سے دیکھتا تو بہتہ چلتا کہ یہ بلندی اُن نورانی شعاعوں  
 کی وجہ سے جو رخِ زیبا سے پھوٹ رہی ہیں، ورنہ ناک مبارک معتدل ہے، ریش نور بھر پور  
 اور گنجان بالوں والی تھی۔ آنکھ مبارک کی پتلی نہایت سیاہ تھی، رخسار مبارک نرم اور ہموار تھے۔  
 دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔ دندان مبارک باریک اور (موتیوں کی طرح)  
 چمکدار تھے۔ سامنے کے دانتوں میں ذرا سا فاصلہ تھا۔ سینۂ انور سے ناف مبارک  
 تک بالوں کی ایک باریک سی لکیر تھی۔ گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک جیسے  
 مورتنی کی صاف تراشی ہوئی گردن، اور رنگ میں چاندی جیسی صاف تھی۔ آپ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اعضاء مبارک نہایت متناسب اور پُر گوشت تھے  
 جسم انور گٹھا ہوا، شکم انور اور سینۂ انور فراخ (چوڑا) تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم کے کندھوں کے درمیان قد سے زیادہ فاصلہ تھا۔ جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط  
 اور بڑی تھیں (عام لوگوں کے برعکس) کپڑوں سے باہر والا حصہ بدن بھی روشن و چمکدار  
 تھا (یعنی دھوپ کے اثر سے محفوظ تھا) سینۂ انور سے ناف مبارک بالوں کی ایک  
 باریک مہاری کے سوا باقی مشکم انور اور سینۂ مبارک بالوں سے خالی تھا، ہاں البتہ  
 سینۂ مبارک کے بالائی حصہ دونوں بازوؤں اور کندھوں پر کچھ بال تھے۔ حضور نبی اکرم  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کلاسیاں دراز اور پُر گوشت تھیں ایسے ہی پائے اقدس  
 بھی پُر گوشت اور نرم و گداز تھے۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسیب کے ساتھ لمبی، تلوے  
 گہرے اور قدم ہموار تھے، مبارک قدموں کے شتھرا اور ملائم ہونے کی وجہ سے پانی اُن پر  
 ٹھہرتا تھا، بلکہ فوراً ڈھل جاتا۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو قوت سے  
 قدم اٹھاتے اور آگے کو تھوڑا سا جھک کر چلتے (یعنی نظر مبارک نیچی تھکتے) قدم مبارک

زمین پر آہستہ رکھتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تیز رفتا رہتے، کشادہ قدم رکھتے، چھوٹے چھوٹے قدموں سے نہ چلتے تھے۔ جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا گویا بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے، تو پوری طرح توجہ فرماتے، نظر مبارک نیچی رکھتے، بہت کم اوپر آسمان کی طرف دیکھتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عموماً گوشہ چشم سے ملاحظہ فرماتے، چلنے میں (بعض اوقات صحابہ کرام کو آگے کر دیتے اور خود کمال شفقت کے پیچھے رہ جاتے، جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتدار فرماتے)۔ ”صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقدرِ حسنِ جمالہ“ (ترمذی باب ما جارفی خلق رسول اللہ) یہ سچ ہے کہ ایسا کوئی محبوب نہ ہوگا نہ کہیں ہے بیٹھا ہے چٹائی پہ مگر عرش نشین ہے۔

دوسری حدیث حضرت امّ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی سے مروی کہ جب سفرِ ہجرت کے دوران رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر بعد ان کے خیمہ میں ٹھہرے اور دودھ نوش جان فرمایا۔ ابو معبد اس وقت گھڑی پر نہیں تھے۔ جب وہ واپس آئے تو امّ معبد نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا علیہ مبارکہ بتاتے ہوئے اپنے خاوند سے کہا:

”وہ ایک چمکدار چہرے والے، روشن پیشانی والے، شاندار حسین اور خوش اخلاق آدمی تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہ تو بڑی ٹوند والے بدہیت تھے اور نہ ہی چھوٹے سروالے کہ حقیر معلوم ہوں۔ وہ سیاہ کشادہ چشم اور گھنی پلکوں والے تھے، ان کی آواز میں رعب و ہدہ نہ تھا۔ دارِ صحن گھنی، بھنوتیں پتلی، لمبی اور ملی ہوتی تھیں۔ خاموشی کے وقت، باوقار اور کلام فرماتے وقت پُر رونق۔ دُور سے رخِ نور بہت ہی حسین اور روشن نظر آتا تھا۔

لے پورا واقعہ کتاب ”ہمیر زندگی مع طیب نبوی“ میں ”حضور اکرم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے“  
”یعنی کی اشیاء“ دودھ کے تحت درج ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اور قریب نہایت شہیر اور خوش گفتار اُن کا کلام نہایت صریح و بلیغ اور ممتاز تھا نہ کم نہ ناقص نہ بیاہ کوئی  
 کہ سننے والا اگتا جائے گفتگو پر دئے ہوئے موتیوں کی طرح تھی، اُن کا قدم باک درمیان تھا  
 نہ تو اتنا طویل کہ برا معلوم ہو نہ اتنا چھوٹا کہ حقیر نظر آئے۔ قامت زیبا (گویا، دو ہینڈل  
 درمیان کی ٹہنی تھی۔ نہایت خوش منظر اور عالی قدر تھے، ان کے ساتھ اُن کو گھیرے  
 رکھتے۔ اگر وہ ارشاد فرماتے تو فوراً خاموشی سے کان لگا کر ان کی بات سنتے تھے  
 اور اگر وہ کسی کام کا حکم دیتے، تو تعمیل حکم میں ایک دوسرے پر پیش قدمی کرتے،  
 وہ مخدوم تھے، مطاع تھے، بکند اخلاق والے تھے (یہ سُن کر اُن کے شوہر ابو عبد  
 نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ تو وہی ہیں جن کے مکہ میں ظہور کا، ہم سے ذکر کیا گیا تھا۔  
 میرا ارادہ تو ان کی خدمت میں رہنے کا تھا، اگر ممکن ہو تو ضرور ایسا کروں گا۔  
 (تفسیر مظہری، جلد پنجم)

(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

## باب ششم اَقْبَاتِ الْمُؤْمِنِينَ اَزْوَاجِ مُطَهَّرَاتِ

صنوبر نبی اکرم رسول محترم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات  
 کی تعداد اور ترتیب میں علماءِ سیر و تواریخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے گیارہ بعض  
 نے تیرہ، پندرہ اور بعض نے اس سے بھی زائد کا ذکر فرمایا۔ ان میں بعض ایسی تھیں  
 جن سے محض نکاح کے بعد ہی علیحدگی ہو گئی۔ وہ صاحبِ شرف و کرامتِ خواتینِ فاضلہ  
 کہ جن کو اقباتِ المؤمنین ہونے کا شرف حاصل ہوا، ان میں گیارہ متفق علیہ ہیں۔  
 (یعنی ان میں کسی کو اختلاف نہیں، ان میں سے چھ قریش سے ہیں یعنی حضرت سیدہ  
 خدیجۃ الکبریٰ، سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدہ حفصہ، سیدہ اُمّ حبیبہ، سیدہ ام سلمہ  
 سیدہ سوڈہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)، جبکہ چار عربیہ غیر قریشیہ یعنی حضرت سیدہ

زینب بنت جحش، سیدہ زینب بنت خزیمہ، سیدہ مہموونہ، سیدہ جویزہ۔  
 (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور ایک غیر عربیہ بنی اسرائیل سے ہیں یعنی حضرت سیدہ  
 صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان ازواجِ مطہرات میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ  
 اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم کی رحلتِ مبارکہ سے قبل وفات پائی۔ باقی نو ازواجِ مطہرات حضور اکرم  
 رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلتِ مبارکہ کے وقت موجود تھیں۔

تعالیٰ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا  
 (۱) اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نسب شریفہ یوں ہے کہ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب۔ اس جگہ یعنی  
 قصی بن کلاب سے ان کا نسب مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسب  
 میں شامل ہو جاتا ہے۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت زاید بن الاصم،  
 بنی عامر بن لوی سے تھیں، یعنی اس جگہ یہ بھی نسبِ نبوی میں شامل ہو جاتی ہیں۔  
 حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت ام ہند تھی۔ اس کا سبب  
 یہ تھا کہ ان کی پہلی شادی ابو ہالہ بن نیاس بن زرارہ کے ساتھ ہوئی جس سے  
 ان کے دو فرزند ہند اور ہالہ پیدا ہوئے۔

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دوسرا نکاح عیتق بن عایذ سے  
 مخزومی کے ساتھ ہوا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام ہند تھا۔ (مواہب لبتیہ)  
 صاحبِ وضوۃ الاحباب کے نزدیک عیتق بن عایذ سے حضرت خدیجۃ رضی اللہ عنہا  
 کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)  
 حضرت ہند بنت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم کی ربیبہ تھیں۔



جب حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شرف اُمّ المؤمنین ملا۔ اُس وقت اُن کی عمر مبارکہ چالیس برس کی تھی، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (مشہور قول کے مطابق) پچیس برس کے تھے۔ یہ وہ پہلی خاتون ہیں کہ جن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا اور اُن کی حیات مبارکہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دوسری خاتون سے شادی نہ فرمائی۔ یہ نہایت ہی عاقلہ فاضلہ اور فرزانه خاتون تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اُن کو طاہرہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

عالی نسب اور مالدار ہونے کی وجہ سے ابو ہالہ اور عتیق کے بعد بہت سے سردارانِ قریش نے اُن سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا، مگر جناب سیدہ نے قبول نہ فرمایا۔ حضرت اُمّ المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذات سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ خود اپنی طرف سے نکاح کی پیش کش کر دی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ انتخاب بھی آپ کے کمالِ فہم و شعور اور فراست کی دلیل ہے۔ حضور نبی اکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدہ کی اس پیشکش کا تذکرہ اپنے چچاؤں سے فرمایا اور اُن کے مشورہ سے اس پیشکش کو شرف قبولیت سے نوازا۔ (جیسا کہ اسی کتاب میں "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کے پچیسویں سال" کے تحت تفصیل درج ہے۔)

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جناب سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے سوجان کے آنگن میں اُتر آیا ہے جس سے نہ صرف ان کا اپنا گھر بلکہ پورا شہر مکہ بقتہ نور بن گیا ہے۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو یہ خواب اپنے چچا کے بیٹے حضرت ورقہ بن نوفل سے بیان کیا۔ حضرت ورقہ بن نوفل سابقہ کتب سماوی کے عالم اور بہت دانا شخص تھے، انہوں نے اس خواب کی تعبیر دی کہ تم تاجدارِ دو جہاں نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہو گی۔ (مدارج النبوة)



حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ پہلی مبارک خاتون ہیں کہ جن پر حقیقت اسلام آشکارا ہوئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تائید کی اور اپنا تمام مال و زر و حضور نبی اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضا میں خرچ کر دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت مالدار تھیں اور اہل مکہ میں بہت سے لوگ آپ ہی کے مال سے تجارت کرتے اور نفع میں ان کے شریک ہوتے، ان کی زندگی امیرانہ ٹھاٹھ کے ساتھ بسر ہو رہی ہوتی، غلام اور باندیاں ہمہ وقت حاضر خدمت رہتے مگر رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ عقد میں آنے کے بعد رضا مصطفیٰ علیہ النخبة والثناء کی خاطر انہوں نے اپنے سب غلاموں کو آزاد اور مال و دولت کو مصطفیٰ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر قربان کر دیا۔ اس قدر صابرہ اور قانعہ تھیں کہ جو کی سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر تناول فرمالیتیں اور کبھی جو کے آلے کو پانی میں بھگو کر (یعنی ستو گھول کر) نوش جاں فرمالیتیں اور اسی پر گزارہ کر لیتیں۔ سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سب اولاد اطہار ان ہی کے بطن مبارک سے منولہ ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے اللہ تعالیٰ نے خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے بہتر کوئی زوجہ عطا نہ فرمائی، کیونکہ خدیجہ اس وقت مجھ پر ایمان لے کر آئیں، جب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے اور انہوں نے اس وقت اپنے مال سے میری امداد کی، جب لوگوں نے مجھے مجرم ٹھہراتا تھا۔

ارباب سیر بیان فرماتے ہیں کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فارحہ سے اپنے کاشانہ انور کی طرف تشریف لائے تو حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہی احترام و عقیدت کے ساتھ پیار بھرے انداز میں آپ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھارس بندھاتی تھی (جیسا کہ اسی کتاب میں اعلانِ نبوت کے تحت گزر چکا ہے) حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ تعاون و سلوک صرف پہلی وحی تک محدود نہ تھا، بلکہ ان کی پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر دل و جان قربان کرتے ہوئے ہی گزری۔ کفارِ مکہ کے ہاتھوں رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جوتھا لیف ہوتیں۔ ان نابکاروں کے تیز و تند طعنوں اور نازیبا کلمات سے قلبِ اقدس کو گھمبہ ہوتا، وہ سب سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھتے ہی جاتا رہتا، یعنی جب حضور اللہ رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، کافروں کے ستائے ہوئے کاشانہ منور میں جلوہ گر ہوتے، تو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قدر جاں نثاری، اور پاسِ خاطر کا اظہار فرمائیں کہ رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سکون میسر آجاتا۔ گویا تبلیغِ رسالت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اہم ترین معاون و مددگار تھیں۔

رب ذوالجلال کو حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ عمل مبارکہ کتنا محبوب و مقبول تھا۔ اس کا بخوبی اندازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، اس حدیث مبارکہ سے ہو جاتا ہے، جسے امام بخاری و امام مسلم علیہما الرحمۃ نے نقل فرمایا کہ ”ایک مرتبہ جبریل امین (علیہ السلام) نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے پاس (حضرت سیدہ) خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) دسترخوان لاری ہیں جس میں کھانا اور پیانی ہے۔ جبہ آئیں تو ان کو کہنا کہ ان کا رب ان کو سلام فرما رہا ہے اور میری طرف سے انہیں بشارت دینا کہ ان کے لئے جنت میں جتنی موتی کا ایک ایسا گھڑ جس میں نہ تو شور و غل ہو گا اور نہ ہی رنج و مشقت۔ (بخاری و مسلم)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنتی عورتوں میں سب سے افضل سیدہ خدیجہ بنت خویلد، سیدہ فاطمہ الزہراء بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ (زوجہ فرعون) رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہیں۔ (مسند امام احمد)

حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب فضائل حد شمار سے زیادہ ہیں، ان کے لئے تو یہی فضیلت کافی ہے۔ وہ شہزادی مصطفیٰ سیدہ فاطمہ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً پچیس برس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریک حیات رہیں۔ بالآخر حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت کے دسویں سال یعنی ہجرت مدینہ منورہ سے تقریباً تین سال قبل ماہ رمضان المبارک میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارکہ سنیسٹھ سال کی تھی۔ آپ مقبرہ حجوں رحمت المعلیٰ مکہ مکرمہ کا قبرستان، میں دفن ہوئیں۔ حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم خود ان کی قبر انور میں داخل ہوئے اور دُعا کرتے بغیر فرمائی، کیونکہ اُس وقت تک نماز جنازہ شروع نہ ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس جان نثار رفیقہ حیات کی وفات سے غایت درجہ ملول و محزون ہوئے اور اُن کی وفات کے سال کا نام عام الحزن یعنی غم کا سال رکھا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اُفار ب کے پہلے خاوند ابوالہ بن نیا س کے دوڑٹکے ہند اور ہالہ پیدا ہوئے اور عند البعض دوسرے خاوند عتیق بن عاید سے ایک لڑکے کا

طاہر اور ایک لڑکی ہند پیدا ہوئے۔ یہ سب صحابی ہوئے، ان میں سے۔  
 (۱) حضرت ہند بن ابوالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصاحت و بلاغت میں یگانہ روزگار  
 تھے۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارکہ نہایت خوبی اور صحت کے  
 ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصد شوق ان  
 سے حلیہ مبارکہ کا بیان سنا کرتے تھے۔ (تذکرہ نظر کتاب میں حلیہ کے تحت درج کی گئی  
 حدیث مبارکہ انہی سے مروی ہے) حضرات حسنین کرمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کو  
 خال یعنی ماموں جان کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ جنگ جمل میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ  
 وجہہ الکریم کی طرف سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرما گئے۔

(۲) حضرت ہالہ بن ابوالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 نے ان کے لئے خصوصی طور پر دُعا فرمائی تھی جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔  
 (۳) حضرت طاہر عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 نے ان کو حاکم یمن مقرر فرمایا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت مبارکہ  
 تک یہ حاکم یمن ہی رہے۔ رحلت مبارکہ کے بعد جب یمن کے لوگ مرتد ہو گئے، تو  
 خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر حضرت طاہر اور حضرت  
 مسروق بدال جدع رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اہل یمن کے خلاف جہاد فرمایا اور شاندار  
 فتح پائی۔ (فللہ الحمد علی ذالک)

(۴) ہند بنت عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال مبارکہ بصرہ میں طاعون کی وجہ  
 سے ہوا (واللہ تعالیٰ اعلم) حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد مبارکہ  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی، ان کا ذکر مبارکہ اولاد اطہار کے تذکرہ میں آئے گا۔  
 حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک ہمیشہ حضرت ہالہ  
 ہمیشہ گان رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحابیہ تھیں۔ ان کی شادی بیع بن عبد العزیٰ

کے ساتھ ہوئی، ان سے ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے جن کے ساتھ  
سیدہ زینب بنت رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی ہوئی۔

دوسری ہمیشہ کا نام رقیہ یار فیتہ تھا۔ ان کی بیٹی امیر بنت عبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
بھی صحابیہ ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائیوں کے نام  
برادران نوفل بن خویلد اور عوام بن خویلد ہیں۔

نوفل بن خویلد، ان کے بیٹے ورقہ بن نوفل تھے۔ یہ سابقہ کتب سماوی  
کے زبردست عالم اور بہت دانا شخص تھے۔ پہلی رجم کے نزول کے وقت حضرت  
خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کو ان ہی کے پاس لے گئی تھیں۔ یہ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔

عوام بن خویلد، ان کی شادی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کی بھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہوئی۔ ان کی حضرت  
زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، پیدا ہوئے۔ حضرت زبیر  
بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے فدا اور بہادر جوان تھے۔ حضور نبی اکرم رحمت عالم  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں ہمراہ رہے۔ غزوہ بدر  
میں ان کے سر پہ زرد رنگ کا عمامہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
نے دیکھ کر فرمایا: آج ملائکہ کا نزول حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علامت (یعنی  
زرد رنگ کے عماموں) کے ساتھ ہوا ہے۔ ان کی شہادت ۱۰ جمادی الاول ۳۶ھ بمصر  
چونسٹھ برس، وادی سفوان میں بحالت سجدہ ہوئی۔ ان کے قاتل کا نام عمرو بن جرمو تھا۔  
پہلے ان کو وادی سباع میں دفن کیا گیا پھر بصرہ کی طرف منتقل کر دیئے گئے اور وہاں پر ان کی قبر  
کا ہونا مشہور ہے۔ صاحب مشکوٰۃ کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ  
سب اہل جنس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار سونپی وہ آپ ہی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشکوٰۃ



## (۲) اُمّ المؤمنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب شریف یوں ہے: سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد الشمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔ اس جگہ یعنی لوی بن غالب پر ان کا نسب، نسب نبوی میں مل جاتا ہے۔ ان کی والدہ کا نام شمس بنت قیس ہے۔ یہ ابتداء اسلام میں ہی مشرف اسلام سے مشرف ہو گئی تھیں۔ یہ پہلے اپنے چچا زاد حضرت سکران بن عمرو بن عبد الشمس کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدیم الاسلام تھے۔ ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ واپسی پر مکہ مکرمہ میں حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لاتے ہیں اور ان کی گردن پر قدم رکھا ہے۔ انہوں نے دوسری مرتبہ خواب دیکھا کہ وہ ٹیک لگائے بیٹھی ہیں اور آسمان سے چاند اتر کر ان کی گود میں آ گیا۔ انہوں نے یہ دونوں خواب اپنے شوہر سے بیان کئے، تو انہوں نے کہا: اگر تم سچ کہتی ہو تو عنقریب میں فوت ہو جاؤں گا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تم سے شادی فرمالیں گے، چنانچہ ایسے ہی ہوا، چند دن بعد ہی سکران فوت ہو گئے اور سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تہی دامن ہو گئیں۔

جب اعلان نبوت کے دسویں سال سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پریشانی لاحق ہوئی، کیونکہ گھر بار بال بچوں کا انتظام ان ہی سے متعلق تھا، اس پر حضرت خولہ بنت حکیم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ نکاح فرمالیں۔ فرمایا: کس سے؟ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کچھ سوچ کر حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام لیا اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے



حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اجازت مرحمت فرمادی کہ اُن سے پوچھ لیں حضرت  
خولہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کی طرف سے پیغام نکاح دیا، تو حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بخوشی قبول فرما کر کہا  
میرے والد سے بھی بات کر لو۔ چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے باپ بمعہ  
کے پاس گئیں اور اظہارِ مدعا کیا تو زمعہ نے کہا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) بڑے  
عزت والے شخص ہیں، لیکن سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سے بھی پوچھ لو۔ حضرت خولہ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ ”وہ راضی ہیں۔“ اس پر زمعہ نے کہا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم) کو کہو کہ نکاح کے لئے آجائیں۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بارگاہِ اقدس  
میں ”زمعہ“ کا پیغام عرض کیا تو رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے،  
اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ نے ان کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم کے نکاح میں دے دیا۔ جب ان کا بھائی عبداللہ بن زمعہ گھر آیا، تو بہن کے  
نکاح کا سن کر اپنے سر میں خاک ڈالنے لگا، لیکن جب یہ عبداللہ بن زمعہ مسلمان  
ہو گئے، تو اپنے اس فعل پر اظہارِ ندامت کیا کرتے تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)  
حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا طبیعت کی بڑی فیاض تھیں۔ ایک مرتبہ سنیلا  
فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خدمت اقدس میں درہموں کی ایک تھیلی بھجی۔ آپ  
نے لانے والے سے پوچھا: ”یہ کیا ہے؟“ اُس نے عرض کیا: ”کہ درہم ہیں۔“ فرمایا: ”درہم  
کھجوروں کی طرح تھیلی میں لاتے ہو۔“ یہ کہا اور سارے کے سارے درہم اسی وقت  
غریبوں میں تقسیم فرما دیتے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت ان کی عمر سچاس برس  
تھی اور یہ ہی عمر مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔ ہجرت مدینہ کے بعد  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو یہ ایک شب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گزرگاہ میں بیٹھ گئیں۔ اس وقت رسول کائنات  
نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں جلوہ گر  
تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں  
میں اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سوچتی ہوں میری بس ایک ہی تمنا  
ہے کہ قیامت کے دن میرا حشر آپ کی ازواج مطہرات میں ہو۔ میری خواہش ہے کہ  
مجھے اپنے سے علیحدہ نہ فرمائیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے علیحدگی  
کا ارادہ ترک فرمادیا۔

ان کی رحلت مبارکہ میں اختلاف ہے بعض نے خلافت فاروقی کے  
رحلت مبارکہ آخری زمانہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ کا ذکر کیا  
اور بعض آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سن وصال ۵۴ھ یا ۵۵ھ بتاتے ہیں واللہ اعلم  
حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلے  
انتارب خاوند سکران سے عبدالرحمن نامی ایک بیٹا تھا،  
جو شرف ایمان سے مالا مال ہوئے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے  
زمانہ خلافت ۱۶ھ میں جلوس کے مقام پر ایرانیوں سے لڑتے ہوئے  
جام شہادت نوش فرما گئے۔

بہائی: مالک بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ حضرت  
سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے برادر ذمی قاری ہیں۔ یہ قدیم الاسلام ہیں  
انہوں نے اپنی زوجہ کی معیت میں ہجرت حبشہ کی تھی۔ علاوہ انہیں حضرت  
عبدالرحمن بن زمعہ اور عبید بن زمعہ حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
کے باپ کی طرف سے جبکہ قرظہ بن عبد عمرو ماں کی طرف سے ان کے بھائی  
ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

## (۳) اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شجرہ نسب یوں ہے :-

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، بنت حضرت ابو بکر صدیق بن ابو قحافہ عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ اس جگہ یعنی مرہ بن کعب سے یہ سلسلہ نسب نبوی میں شامل ہو جاتی ہیں۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ محترمہ حضرت اُمّ رومان زینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عامر بن عوف بن قبیلہ بن کنانہ سے تھیں۔

جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سانحہ ارتحال کے بعد خانگی معاملات سنبھالنے اور بچوں کی نگہداشت کے لئے حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول کریم نبی رؤوف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ اُمّ رومان (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس گئیں اور رسول اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے پیغام نکاح دیا۔ اُمّ رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رضا مندی ظاہر کر دی اور جب

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر آئے تو ان سے اس پیغام نکاح کا ذکر کیا گیا جسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بخوشی قبول کر لیا اور حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر عرض کرو کہ نکاح کے لئے تشریف لے آئیں۔ چنانچہ ماہ شوال سنہ نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح فرما دیا گیا۔ اس وقت

۱۲ کنانہ، چودھویں پشت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ ۱۲

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارکہ سچا پس برس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارکہ چھ برس کی تھی۔ ہجرت مدینہ کے دوسرے سال یا ہ شوال المکرم میں بعمر ۹ سال زفاف ہوا، یعنی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں۔

امہات المومنین میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک مخصوص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے کمال درجہ محبت فرماتے تھے اور یہ واحدات المومنین ہیں کہ جن کا نکاح کنوارے چن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا۔ ان کے سوا باقی تمام امہات المومنین مطلقہ یا بیوہ تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی بشارت حضرت جبریل امی علیہ السلام نے حکم خدا کے لم یزل قبل از نکاح بارگاہ اقدس میں پیش کی جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: میں تین شب تجھے اس طرح خواب میں دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ حریر (ریشم) کے سفید پارچے میں تیری تصویر مجھے دکھا کہ کہتا رہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں اور جب میں تصویر کو دیکھتا تو مجھے گویا تم نظر آتیں۔ میں یہ کہتا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو پھر ایسے ہو کر رہے گا۔“ (صحیح مسلم کتاب الفضائل و صحیح بخاری شریف)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کا انتہام خطیرۃ القدس میں کیا گیا تھا۔ اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس شادی کو منجانب اللہ قرار دیا۔

غزوۃ انمار جسے غزوۃ بنو مصطلق بھی کہتے ہیں، نزول قرآن در شان صدیقہ سے واپسی پر جب حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سواری کھیمپ میں دیر سے پہنچی۔ تفصیلی واقعہ قضیۃ افک سہمہ کے تحت مل خطہ فرماتیں، تو منافقین نے ان کی شان اقدس میں نہایت گستاخانہ الفاظ کہے۔ بعض

مخلص مومنین بھی اس مکروہ اور گھناؤنی سازش کا شکار ہو گئے، تو خالق کائنات جل شانہ نے قرآن مجید نازل فرما کر ان کی نصرت و امداد فرمائی اور ان کی بے قصوری کا اعلان فرماتے ہوئے ان کو طیبہ یعنی نہایت پاکیزہ قرار دیا اور خبر دی کہ مغفرت اور رزقِ کیم ان ہی کے لئے ہے۔ نیز یہ بھی بتایا کہ اس بہتان سے ان کی شان میں ذرا بھی فرق نہیں آیا، بلکہ رتبہ مزید بڑھ گیا اور ان کی پاکیزگی اور طہارت کی آواز سے زمین و آسمان گونج اٹھے، وہ وحی اتری کہ جس کی تار و زقیا مت نمازوں اور مساجد میں تلاوت کی جاتے گی، جب بھی سورۃ النور سے اَلطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ کو کوئی بھی صاحبِ ایمان پڑھے گا، تو اسے اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکیزگی و طہارت کا اندازہ، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزگی اور طہارت سے کم نہا ہوگا۔ اللہ اکبر!

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ (ایک سفر میں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مانگا ہوا تھا، راستہ میں گم ہو گیا، راستہ میں اسے تلاش کرنے میں صحابہ کرام کو دیر ہو گئی اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا، پانی نہ ہونے کی وجہ سے بے وضو نماز ادا کرنا پڑی۔ صحابہ کرام نے اس بات کا تذکرہ بڑے رنج و الم سے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت تیمم کی آیت مبارکہ نازل فرمائی (جس میں ایمان والوں کو اجازت دی گئی کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کر کے نماز ادا کر لیا کر د) اس پر حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب ہو کر کہا:

جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا۔ اللّٰهُ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔  
جب بھی آپ کو کوئی الجھن پیش آئی، تو اللہ تعالیٰ نے خود اُس کا حل پیش فرمادیا اور اُس کی وجہ سے مسلمانوں کو بھی برکت حاصل ہو گئی۔ (بخاری و مسلم)



اس میں شک نہیں کہ حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اصل الایمان ہے، مگر میاں بیوی کی حیثیت سے تاجدارِ عرب و عجم نورِ مجسمِ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان جو رشتہ محبت تھا، وہ بھی اسوۂ حسنہ کی ایک بہترین مثال ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں گھر میں بیٹھی پیر خدہ کات رہی تھی، میرے قریب ہی میرے آقا رسولِ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے نعلین مبارک کو گانٹھ رہے تھے۔

میں نے دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پسینے کے قطرات ہیں اور ان (موتیوں جیسے) قطرات کے اندر نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ یہ ایک ایسا حسین دل کش منظر تھا کہ میں سراپا حیرت بن کر اسی میں کھو گئی (اور پیر خدہ کاتا بند کر دیا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف نظرِ کرم اٹھائی اور اور پوچھا: "اے عائشہ! یوں حیرانی کے ساتھ تم (ٹٹکلی باندھے) میری طرف کیوں دیکھ رہی ہو؟" میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ کی جبینِ مقدس پر پسینے کے موتیوں میں چمکتا ہوا نور دیکھ رہی ہوں۔ (اسی پر کیفِ نظارہ نے مجھے سراپا چشمِ کر دیا) اللہ تبارک تعالیٰ کی قسم! اگر ابو کبیر ہڈی (زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر) اگر آپ کو دیکھ پاتا، تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اُس کے اشعار کے صحیح مصداق صرف آپ ہی ہو سکتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اُس کے اشعار کیا ہیں؟" تو میں نے یہ اشعار پڑھ کر سنا دیئے۔

اے خود کو مسلمان کہلانے والے امراء اور سنتِ نبوی پر عمل کے زبانی دعویٰ دار علماء کے لئے دعوتِ فکر ہے کہ محبوبِ خدا سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے نعلین مبارک کو تو خود گانٹھ رہے ہیں، جبکہ آج ہم معمولی معمولی کاموں کے لئے خادموں اور نوکروں کے محتاج ہیں۔ یا للجب۔



وَمُبَرَّجٌ مِنْ كُلِّ غَيْرِ خِيَصَةٍ فَسَادِ مَرْضَعَةٍ وَدَائِعِ مَعْضَلٍ  
وَإِذَا انْظُرْتَ إِلَى اسْتِرَاقَةِ وَجْهِهِ بِرُقَّتِ كِبْرُوقُ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ  
”یعنی وہ تو ولادت و رضاعت کی تمام آلودگیوں سے مُبرا ہیں۔ ان کے درخشاں  
رُخِ زیبا پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ نور کی شعاعیں اُن کے رخسار و جبین پر بجلی کی طرح  
جھلک جھلک کر رہی ہیں۔“

ان پر رسولِ رحمت شفیعِ اُمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نعلین مبارک ہاتھ سے  
زمین پر رکھے اور آگے بڑھ کر جنابِ سیدہ کی پیشانی مبارک کو چوما اور ارشاد فرمایا:-  
مَا سَرَّكَ مَتَّى كَسْرُ وُدِّي مِنْكَ - (اے عائشہ!) تجھے میرے (نطائے) سے  
اس قدر مُرور حاصل نہ ہوا ہوگا، جس قدر مُرور مجھے تیری اس گفتگو سے ہوا۔ (مدارج وغیرہ)  
اسی موضوع پر ایک اور درخشاں تاباں مثال ضبطِ تحریر میں لاتا ہوں کہ سہ ماہ میں  
جب قضیۃ ایلاہ وقوع پذیر ہو یعنی رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ تک  
اقرباتِ المؤمنین کے پاس تشریف نہ لے جانے کی قسم اٹھالی اور ایک ماہ بعد آیۃِ تخییر نازل ہوئی  
یعنی اقرباتِ المؤمنین کو حضورِ سید عالم شفیعِ عظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سہ ماہ  
طلاق حاصل کرنے کا اختیار ملا، تو رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اوجِ مطہرات میں  
سے سب سے اول حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے  
چونکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کم عمر تھیں، اس لئے اُن کو اختیار والی  
آیۃ مبارکہ سنانے سے پہلے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) ”اے عائشہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہا“ میں تم سے کچھ پوچھوں گا اور تم جلدی  
میں کوئی لفظ نہ کہہ دینا، بلکہ اپنے والدین سے پہلے پوچھ لینا، پھر خوب سوچ سمجھ کر جواب  
دینا۔ اس کے بعد آیۃِ تخییر یعنی سورۃ احزاب کی ۲۸ تا ۲۹ آیات مبارکہ تلاوت فرمائیں:  
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

وَنَزَيَّنَتْهَا فَتَعَالَيْنِ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا  
فَإِنْ كُنْتُمْ تُؤَدُّنَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا لَكُمْ أَلَّا تَخْشَوْا اللَّهَ

أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا (۲۹۰: ۲۸: ۳۳)

”یعنی اے نبی! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اپنی ازواج (مطہرات) سے فرمادے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت (مال و اسباب) چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال و اسباب دے کر احسن طریقہ سے تمہیں اپنے سے علیحدہ کر دیتا ہوں اور اگر تم اللہ تعالیٰ، اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ وسلم) اور آخرت کے گھر کی ہمتی ہو تو پھر سُنو، اللہ تعالیٰ نے تم میں جو بھی نیکی کرنے والیاں ہیں، اُن کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آیات مبارکہ سنتے ہی فوراً عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا میں اس معاملہ میں بھی والدین کے مشورہ کروں گی؟ (مجھے ضرورت نہیں بلکہ) میں تو اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ وسلم) کو اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔“ (بخاری شریف، کتاب التفسیر)

حضور سید عالم رحمت کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس جواب سے از حد درجہ خوش ہوئے، کیونکہ یہ جواب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عین رضا کے مطابق تھا، اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے ساتھ دوسری ازواج مطہرات کے لئے ایک بہترین اسوۂ مبارکہ بھی موجود تھا۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جنگِ ازالہ شبہات جمل میں شمولیت کو بعض لوگ بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں، چونکہ اس میں اُن کی خواہش سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شانِ رفیع میں تنقیص کا تلاش کرنا ہوتا ہے، اس لئے تاریخ ابن خلدون کے حوالہ سے اختصاراً چند باتیں

نقل کرتا ہوں تاکہ حق کے متلاشی کو سکون قلب میسر آئے۔

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جو آتش فتنہ بھڑک اٹھی تھی، اُس کے نتیجہ میں حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور حضرت اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دوسرے کے مقابل آگئے۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ یہ بات نہایت قابل غور ہے کہ ان حضرات میں سے کسی نے بھی امیر المومنین ہونے کا دعویٰ نہ کیا، بلکہ انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہی کو امیر المومنین تسلیم کیا۔ بات صرف یہ تھی فرقہ سبائیہ کے فتنہ پرداز کہ جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی فوج میں شامل ہو چکے تھے، جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کے ہمراہی خلافت نہیں، بلکہ قاتلین عثمان کو سزا دینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

چونکہ شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ میں موجود تھیں، وہاں آپ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کیا گیا کہ خدا نخواستہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم قاتلین عثمان غنی کی حمایت کر رہے ہیں۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے جب حضرت عائشہ صدیقہ، حضرات طلحہ و زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ساتھ خون عثمان غنی کے قصاص کے مطالبہ کے لئے مدینہ طیبہ کی طرف بڑھیں، تو آپ کے ساتھ کئی ہزار کا لشکرِ جرار تھا، جس کی راستہ (بصرہ) میں ٹڈ بھڑ بھی ہوئی اور بہت سا جانی نقصان بھی ہوا۔ القیصہ جب اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بصرہ پہنچیں، تو امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بڑی فوج لے کر مقابلہ کیلئے نکلے۔ جب مقام ”ذی قارہ“ میں پہنچے، تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی اجازت و مشورہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت قعقلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بصرہ میں ائمہ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موجودگی میں گفتگو شروع کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیقاع نے ان حضرات سے خروج کا سبب دریافت کیا، تو جواباً انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کا مطالبہ کیا، جس پر حضرت قیقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تقریر کی، ترجمہ: "اس امر کا علاج دشہادت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیدا ہونے والے فتنہ کو بالفعل فرو کرنا ہے اور صلح و صفائی سے کام لینا ہے تاکہ مسلمانوں کو عاقبت حاصل ہو۔ آپ لوگ خیر و برکت کی کنجی ہیں۔ براہ کرم آپ ہمیں بلا میں نہ ڈالیں، اسی طرح آپ بھی آزمائش میں مبتلا ہو جائیں گے اور اس سے ہم اور آپ دونوں کا نقصان ہوگا۔"

اس تقریر کا حضرت ائمہ المؤمنین اور حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے متفق ہو کر کہا: "بے شک تمہاری رائے بہت ہی بہتر ہے۔ تم امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاؤ، اگر وہ تمہاری اس رائے سے اتفاق کریں تو ابھی صلح ہو جاتی ہے۔" قیقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوٹ کر امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل حالات عرض کئے۔ اس سے حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعجب بھی ہوا اور بہت زیادہ خوشی بھی۔ اس وقت اہل بصرہ کے کچھ دُشمن بھی یہاں موجود تھے انہوں نے بھی اس صلح پر اتفاق کیا۔

**حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا عملی قدم**

ایسے بھی تھے کہ جن کو یہ صلح نہایت ناگوار گزر رہی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے تمام لشکر کو جمع کر کے اس صلح پر خطبہ دیا اور اگلے روز کوچ کا حکم صادر فرماتے ہوئے ان لوگوں کی نسبت جو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا محاصروں کے ہوتے تھے حکم دیا کہ "وہ ہمارے اس لشکر سے نکل جائیں، وہ ہمارے ساتھ نہ چلیں۔"

عبداللہ بن سبا کی پارٹی (اہل مصر) کو مصالحت  
**سبائیوں کی فتنہ انگیزی** ہمیز گفتگو نہایت ناگوار گزری۔ چنانچہ

ابن السوداء، خالد بن ولید، اشتر بنہ ان لوگوں کے کہ جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ  
 کی مخالفت پر کمر بستہ باندھ رکھی تھی اور ان کے خلاف اعلانِ بغاوت کی تھی، وہ سب ایک مقام  
 پر جمع ہوئے، ان میں علیا بن ابیہثم، عدی بن حاتم، سالم بن ثعلبہ اور شریح بن اوفی وغیرہم  
 شریکِ جلسہ ہوئے اور کہا کہ قبل ازیں تو صرف طلحہ و زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہی قتل عثمان کا بدلہ  
 لینے کی بات کرتے تھے، جبکہ اب علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی قصاص میں ان کے سمنا ہو گئے  
 ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ اگر یہ سب اکٹھے ہو گئے اور ان میں صلح ہو گئی تو ہمارے خون (قتل) پر  
 ہوگی۔ اشتر نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! ان سب کی رائے اب صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ  
 ہمیں قتل کر دیا جائے۔ اس لئے بہت صحیح بات یہ ہے کہ ہم علی اور طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہم)  
 پر حملہ کر کے ان کو بھی عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس پہنچا دیتے ہیں، اس کے بعد  
 خود بخود سکون ہو جائے گا۔ ابن السوداء نے مخالفت کرتے ہوئے کہا: تم نے ”ذی قار“  
 میں ہزاروں کی جمعیت دیکھی ہے اور طلحہ کے ساتھی بھی تقریباً پانچ ہزار ہیں، جبکہ  
 تمہاری تعداد صرف اڑھائی ہزار ہے اس لئے (دونوں فوجوں کے مقابلہ میں) تم اپنے  
 پروگرام کے مطابق کامیاب نہ ہو سکو گے۔ علیا بن ابیہثم بولا: ”بہتر یہ ہے کہ تم  
 دونوں کو چھوڑ دو، پھر دیکھو، ان میں سے کون حاکم بنتا ہے؟“ ابن السوداء نے کہا:  
 ”یہ بھی رائے غلط ہے۔ اگر تم الگ ہو گئے، تو یہ تم میں ایک ایک کو چن لیں گے۔“  
 عدی نے کہا: ہم اس صلح سے نہ تو راضی ہیں نہ ہی ناراض۔ اگر اتفاقاً لڑائی شروع  
 ہو گئی تو ہمارے پاس بھی ہتھیار اور کھوٹے ہیں۔ جو ہماری طرف بڑھے گا، ہم بھی اس  
 کی طرف بڑھیں گے، جو ہم پر حملہ کرے گا ہم اس پر حملہ کریں گے۔ سالم اور شریح نے  
 رائے دی کہ فیصلہ ہونے تک ہمیں انتظار کرنا چاہیے اور ایک طرف نکل جانا چاہیے۔“



مذکورہ بالا گفتگو کے بعد  
اہل اسلام کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا فیصلہ ابن السوداء نے شیطانی

مشورہ دیا کہ ”اے بھائیو! تمہاری عزت اسی میں ہے کہ یہ آپس میں لڑ پڑیں۔ میرے  
نزدیک بہترین بات یہ ہے کہ کل جب فریقین جمع ہوں، تو جس طرح ممکن ہو سکے حکمت عملی سے  
لڑائی چھیڑ دو، لڑائی شروع ہو جائے پر وہ لوگ تم سے فافل ہو جائیں گے اور جس بات سے  
تم ڈرتے ہو اُس سے محفوظ رہو گے۔“ الغرض حاضرین نے ابن السوداء کی اس تجویز کو  
پسند کیا اور اسی اتفاق پر مجلس برخاست ہو گئی۔

دوسرے دن صبح ہوتے ہی امیر المومنین سیدنا حضرت  
قریقین کا آمناسامتا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کوچ کا حکم دیا۔  
راستہ میں قبیلہ بنو عبد القیس بھی ہمراہ لشکر ہو گئے اور نصف ماہ جمادی الثانی ۲۶ھ  
کو بصرہ میں پہنچے۔ دوسری طرف ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرات طلحہ و زبیر  
رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی فرضہ سے روانہ ہوئے اور بصرہ پہنچ گئے۔ دونوں لشکرتین دن  
تک بغیر کسی قتال و جدال کے وہاں ٹھہرے رہے۔ اس دوران حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کے بعض ساتھیوں نے لڑائی کا مشورہ دیا جسے آپ نے سختی کے ساتھ رد فرما دیا اور  
فرمایا کہ قعقاع کی معرفت صلح کی گفتگو ہو رہی ہے جسے پسند کرتے ہوئے ہم غداری نہیں  
کریں گے۔ دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو بھی بعض لشکریوں  
نے جنگ کرنے کا مشورہ دیا، مگر آپ نے ویسا ہی جواب دیا۔ ابو سلامہ نے اس بارہ  
میں بحث شروع کر دی، تو امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ہمارے  
دلوں کو صاف فرما دیا ہے، امید ہے کہ لڑائی نہیں ہوگی۔“ ابو سلامہ نے پھر سوال کیا کہ  
”اگر بالفرض کل لڑائی شروع ہو گئی، تو پھر ہمارا کیا حال ہوگا؟ اور ان کا کیا انجام ہوگا؟  
آپ نے فرمایا: ہمارے اور ان کے مقتول جنت میں جائیں گے۔“



بعد ازاں امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر سے باہر نکلے، حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی باہر نکلے اور عینوں نے باہمی ملاقات کی حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: تم لوگوں نے اس قدر فوج اور ہتھیار جو میرے خلاف جمع کئے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی کوئی معقول وجہ ہے؟ کیا میں تمہارا دینی بھائی نہیں ہوں؟ میرا خون تم پر اور تمہارا خون مجھ پر حرام نہیں ہے؟ کیا تم لڑائی کا کوئی جواز پیش کر سکتے ہو؟ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: کیا تم نے قتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سازش میں شرکت نہیں کی؟ جو ابّا آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنے دین کو پورا کرے گا اور قاتلین عثمان پر لعنت بھیجے گا۔ اے طلحہ! کیا تم نے میری بیعت نہ کی تھی؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اقرار بیعت کیا۔ اس کے بعد حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: کیا تم کو وہ دن یاد ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تم سے فرمایا تھا کہ بے شک تم ایک ایسے شخص سے لڑائی کرو گے جس پر تم ہی زیادتی کرنے والے ہو گے۔ اس پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہاں مجھے یاد آگیا اے کاش کہ آپ مجھے اس سے پہلے یہ بات یاد دلادیتے، تو میں ہرگز آپ کے خلاف خروج نہ کرتا اور اب اللہ تعالیٰ کی قسم! میں آپ سے ہرگز لڑائی نہ کروں گا۔ اس قدر گفتگو کے بعد حضرت اپنی اپنی فروگاہ کی طرف واپس آ گئے۔

**فریقین میں مصالحت کی آخری گفتگو** اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کی تعداد تقریباً تیس ہزار اور حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے لشکر کی تعداد تقریباً بیس ہزار تھی اور دونوں لشکر آمنے سامنے اترے ہوئے تھے یعنی قبیلہ مضر والے اپنے ہی خاندان مضر کے مقابلہ میں اور بنو سبیعہ بنو سبیعہ کے مقابلہ میں۔ دونوں فریقوں کے آدمیوں کا آپس میں میل جول تھا اور صلح کے سوا کوئی گفتگو نہ کرتے تھے۔

حکیم و مالک جو حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس گئے تھے وہ یہ خبر لے کر واپس آئے کہ ہم صلح کے معاہدے پر اُسی طرح قائم ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ پھر شام کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس اور حضرت طلحہ کے بیٹے محمد (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، شرائط صلح طے ہو گئیں اور صبح کے وقت معاہدہ اور صلح نامہ لکھے جانے کی راتے قرار پائی۔

اس سے ان لوگوں کی پریشانی بڑھ گئی  
**مُنا بفسنِ صلح کی شیطانی کاروائی**  
 جنہوں نے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف خروج دبلوہ کیا تھا اور جو ان کو شہید کرنے والے تھے۔ یہ رات بھر مشورہ کرتے رہے کہ جس طرح ممکن ہو لڑائی چھیڑ دی جائے تاکہ صلح نامہ تحریر نہ ہو سکے، ورنہ ان فتنہ پردازوں کی گردن مار دی جائے، چنانچہ علی الصبح مُنہ اندھیرے جبکہ دونوں اطراف کے لشکر لوہے اطمینان کے ساتھ آرام کر رہے تھے، ان فتنہ پردازوں نے لڑائی کا رنگ جما دیا۔ بلوایانِ مُضرنے بنو مُضرنہ پر فتنہ پردازانِ ربیعہ نے ربیعہ پر باغیانِ مین نے اہل یمن پر، بصرہ والوں نے اہل بصرہ پر، غرض ہر قبیلہ نے اپنے قبیلہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما لڑائی کا شور سُن کر اپنے خیمے سے باہر آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے لشکر نے مُنہ اندھیرے دھوکے شبن خون مارا ہے۔ اس پر طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا، افسوس کہ علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ہمیں دھوکہ میں لکھا اور خون بہانے سے باز نہ آئے یہ کہہ کر اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ مدافعت کریں اور حملہ آور کو قتل کرنے کی بجائے اُس کے ہاتھ وغیرہ کاٹیں تاکہ اُس کے شر سے بچ سکیں۔ دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بھی شور سُن کر خیمہ سے باہر تشریف لائے اور حال دریافت فرمایا

و فرقہ سبائیہ کے ایک شخص نے کہ جس کو اُس کے ساتھی فتنہ پردازوں نے پہلے ہی  
 سکھار رکھا تھا، جواب دیا کہ اس کے سوا ہمیں کچھ خبر نہیں کہ ہم تو رات کو بے خوف  
 ہو کر سوئے ہوئے تھے کہ طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لشکر نے ہم پر شب خون  
 مارا، اس پر ہمارے ساتھی جان بچانے کے لئے اُن کا مقابلہ کرنے لگے۔ امیر المومنین  
 حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے یہ سُن کر فرمایا کہ افسوس صد افسوس!  
 طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، خون بہائے بغیر نہیں مانیں گے۔“

مختصر یہ کہ ان خبیث فتنہ پردازوں نے ایک سازش کے تحت بڑائی چھڑ دی  
 دراصل صورت حال کا کسی کو علم نہ ہو سکا۔ عجب بات ہے کہ ادھر حضرت علی المرتضیٰ  
 کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے بھی اپنے لشکر کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی مدافعت کریں، حملہ آور  
 و قتل کرنے کی بجائے اس کے ہاتھ وغیرہ کاٹیں تاکہ اُس کے شر سے محفوظ رہیں۔ کسی  
 بھاگنے والے کا تعاقب نہ کریں اور نہ ہی کسی کا مال و اسباب لوٹیں۔ چنانچہ اختتام جنگ  
 پر اس قدر ہاتھ کٹے ہوئے ملے کہ ایک الگ بڑی قبر کھود کر سب کے ہاتھ ایک جگہ  
 جمع کر کے دفن کر دیئے گئے۔

**جنگِ حمل** جمل عربی میں، اُونٹ کو کہتے ہیں اور اس جنگ کا نام جنگِ حمل  
 اس لئے پڑا کہ دونوں اطراف کے مخلص لوگ جنگ نہیں کرنا چاہتے  
 تھے اسی لئے حضرات علی المرتضیٰ و طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی اپنی فوج  
 میں یہ اعلان کروایا تھا کہ بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے، جو لڑائی کرنے والا نہ  
 ہو اُس سے نہ لڑیں نہ کسی زخمی کو قتل کریں اور نہ ہی کسی کا مال لوٹیں، جنگ شروع ہوتے  
 ہی حضرت کعب بن اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت تام المومنین سیدنا شہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
 کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہر دو لی نما ایک شے جو عورتوں کے بیٹھنے  
 کے لئے اُونٹ پر کستی جاتی ہے تاکہ پردہ برقرار رہے، میں بیٹھ کر میدانِ جنگ میں تشریف

لائیں۔ ہو سکتا ہے کہ لوگ اُم المؤمنین ہونے کے ناطے آپ کا جیا کریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ آتش جنگ کو سرد فرمادے۔ پینا پنچہ حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ پر سوار ہو کر مصالحت کی غرض سے میدان جنگ میں تشریف لائیں۔ آپ کے ہوج کو دیکھ کر آپ کے ہمراہیوں کے جوش و خروش میں اضافہ ہو گیا اور جنگ کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصالحت کے لئے حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی طرف آرہے تھے کہ ایک بد بخت کو پتہ چل گیا، اُس نے آپ پر تیر چلایا جو آپ کی رگ اکھل میں لگا۔ جس سے خون شدت کے ساتھ بہنے لگا۔ آپ میدان جنگ سے باہر نکل گئے اور اسی حالت میں ہی رحلت فرما گئے اور رحلت فرمانے سے قبل آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک سپاہی کے ہاتھ پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی بیعت کی تجدید کی۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت چونکہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی

شروع ہوتے ہی لشکر سے باہر نکل آئے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان پر نیزہ سے حملہ کر رہے تھے جبکہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف اپنا دفاع کر رہے تھے جو ابی حملہ نہیں کر رہے تھے، درہنہ آپ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہیں زیادہ طاقتور تھے۔ غرض حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لڑائی سے جان بچا کر ایک طرف نکل گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک لشکری ابن جرموز نے آپ کا تعاقب کیا۔ وادی سباع میں پہنچ کر جبکہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے، وہ صوٹے آپ کو شہید کر دیا۔ ابن جرموز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر انور لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمہ میں آیا اور دربان سے کہا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کرو کہ

زُبیر کا قاتل اُس کا سر لے کر آیا ہے، اور اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔“ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: اُسے اندر آنے کی اجازت دے دو اور جہنم کی بشارت بھی سُنادو۔“ اس پر ابن جرموز نے کہا: اے علی! تمہاری بھی حالت عجیب ہے جو تمہارے ساتھ لڑے وہ بھی جہنمی اور جو تمہارے دشمن کے ساتھ لڑے وہ بھی جہنمی۔“ اس پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: میں کچھ نہیں جانتا، میں نے تجھے وہی کچھ کہا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا تھا۔“

القِصۃ میدانِ جنگ میں مرکزی لڑائی اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ کے گرد اگر د لڑی جا رہی تھی۔ فتنہ پرور حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے، جبکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لشکری ہر ممکن طور پر آپ کو بچانا چاہتے تھے۔

**حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی شہادت** حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لڑائی روکنے کی غرض سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ

سے فرمایا کہ تم اونٹنی کی مہار چھوڑ دو اور قرآن کریم لے کر صفِ لشکر سے باہر میدان میں چلے جاؤ اور لوگوں کو قرآن کریم کے اسکامات کی طرف بلاؤ کہ مسلمانوں کا آپس میں لڑنا درست نہیں، حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً اس حکم پر عمل کیا اور قرآن کریم لے کر صفِ لشکر سے باہر میدان میں آگئے، لیکن سبائیوں نے اس دُور سے کہیں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا لشکر ان کی بات نہ مان جائے، ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور یہ شہید ہو گئے۔

آتشِ جنگ پورے عروج پر تھی، ہزاروں لوگوں کی ہلاکت کا شکار ہوئے، کٹ چکے تھے، قتل ہوئے والوں

کی بھی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ محض سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اونٹنی کی مہار تھا کہ قتل ہونے والوں کی تعداد ستر سے زیادہ تھی اور یہ سب کے سب قبیلہ قریش سے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے جنگ کا یہ حال دیکھا تو حکم دیا کہ ہر ممکن طور پر



امم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حفاظت کی جاتے اور اڈٹنی کو بٹھا دیا جاتے۔ اس پر حضرت قیقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ایک فوجی "بحیر بن دلجہ" سے کہا کہ اپنی قوم سے سازش کر کے اڈٹنی کو بٹھا دو کہیں ایسا نہ ہو کہ امم المؤمنین یا امیر المؤمنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو کوئی نقصان نہ پہنچ جاتے۔ بحیر بن دلجہ اپنی قوم سے کہے ان افراد سے کہ جو حضرت امم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لشکر میں شامل تھے امن طلب کر کے ناقہ کے قریب پہنچ گئے اور ناقہ کی اگلی ایک ٹانگ پر تلواریں اور دوسری سے خود لپٹ گئے اس ترکیب سے اڈٹنی بلبل کر بیٹھ گئی حضرت قیقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور آدمی کو ساتھ لے کر تیزی کے ساتھ عماری (ہودج) کی رستیاں کاٹیں اور بحفاظت تمام عماری کو ناقہ سے نیچے اتار لیا۔ ناقہ کے گرتے ہی اصحاب جبل کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگنے لگے حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منادی کر وادی کہ خبردار نہ تو کوئی کسی بھاگنے والے کا تعاقب کرے نہ کسی زخمی کو قتل کرے نہ کسی کا سامان چھینے اور نہ ہی کسی کے خیمے یا گھر میں گھسے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج میں تھے) کو حکم دیا کہ عماری کو بحفاظت تمام میدان جنگ سے ایک طرف لے جاؤ اور قبہ بنا کر پرے کا اہتمام کرو۔ بعد ازاں امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بنفس نفیس آئے اور خیریت دریافت کرتے ہوئے کہا "کَيْفَ اَنْتِ يَا اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ" اے امم المؤمنین! آپ کا کیا حال ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا: "بحمد اللہ خیریت سے ہوں" حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا "يَغْفِرُ اللهُ لَكَ" یعنی جو کچھ ہوا، اس پر اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے، جواباً حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "وَلَكَ اَيْضًا"۔ (یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو بھی معاف فرمائے) بعد ازاں حضرت قیقاع اور دیگر سرداران لشکر نے حضرت امم المؤمنین



رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور خیریت دریافت کی اور جب صحیح صورت حال واضح ہوئی کہ یہ جنگ چند فتنہ پرور لوگوں کی سازش کا نتیجہ تھی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت قعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ: ”مجھے یہ بات بہت ہی پسند تھی کہ اے کاش! میں آج سے بیس برس پہلے ہی دنیا سے انتقال کر گئی ہوتی۔“ حضرت قعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آکر عرض کی تو آپ نے بھی بڑی حسرت کے ساتھ وہی جملہ کہا جو کہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا۔

جب شام ہوئی تو حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

## جنگ کے بعد کا منظر

کے حکم کے مطابق اپنی ذی وقار مشیر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بصرہ میں صفیہ بنت الحارث بن ابی طلحہ کے پاس ٹھہرایا، ادھر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ارشاد پر دونوں اطراف کے تمام زخمیوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا گیا اور ان کا علاج و معالجہ خود امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر نگرانی ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جب مقتولوں کو مل جلطہ فرمانے کے لئے میدان جنگ میں تشریف لائے تو حضرت کعب بن جریج رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی لاشوں کو دیکھ کر سخت غمزدہ ہو گئے اور فرمایا افسوس صد افسوس لوگ سمجھتے تھے کہ ہماری محض عوام الناس کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے، حالانکہ ان میں ایسی عظیم الشان اور رفیع المرتبت شخصیات بھی موجود تھیں، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں اطراف کے مقتولین کو جمع کر کے سب پر نماز جنازہ پڑھی اور دفن کروایا، ہزاروں کی تعداد میں کٹے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں کو ایک بڑی قبر کھود کر الگ دفن کیا گیا جو کچھ مال و اسباب ملا، سب کا مسید میں جمع کر کے اعلان کر دیا کہ جو شخص چاہے اپنے مال و اسباب کی پہچان کر کے لے جائے، البتہ وہ اہل حق پر ہر کاری نشان بنا ہوا

تھا بیت المال میں جمع کر لیا گیا۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ دونوں فریقوں کے تقریباً دس ہزار آدمی اس جنگ میں کام آئے۔

ضروری کاموں سے فارغ ہو کر سیدنا  
**حضرت امیر المومنین کی دانائی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ**  
**حضرت ام المومنین کی ہلکے دم واپسی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا**  
 سے ملنے کے لئے ان کی رہائش پر پہنچے، تو راستے میں مقتول افراد کی عورتوں نے حضرت علی المرتضیٰ  
 کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو سخت مسست کہا، جس کی آپ نے کوئی پرواہ نہ فرمائی۔  
 آپ کے بعض ہمراہیوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُسبھارنا چاہا، تو آپ نے سختی کے  
 ساتھ اُن کو جھٹک دیا۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملاقات  
 کے بعد واپس آئے تو بیتہ چلا کہ بعض بوائے ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نازیبا  
 الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔ امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو گرفتار کر واکر کوٹھے  
 لگوائے۔ ازاں بعد غزوہ رجب المرجب ۳۶ھ کو امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ  
 کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے سامانِ دست فرما کر حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
 کو اُن کے بھائی محمد بن ابی بکر اور رؤسا بصرہ کی چالیس عورتوں کی معیت میں بصرہ سے روانہ  
 کیا اور خود بنفس نفیس اس قافلہ کو الوداع کرنے کے لئے کئی میل تک قافلہ کے ہمراہ چلے اور  
 پھر اپنے بڑے شہزادے حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ایک دن  
 کی مسافت تک قافلہ کے ساتھ رہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے مکہ مکرمہ  
 تشریف لے گئیں اور حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ طیبہ روانہ ہو گئیں۔ (ابن خلدون، تاریخ طبری)  
 محترم قارئین کرام! یہ طویل واقعہ صرف اس لئے نقل کیا ہے کہ انصاف پسند احباب کی  
 الجھنیں دُور ہو جائیں اور حقیقت حال اُن پر عیاں ہو جائے، جہاں تک نہ ماننے والوں کا تعلق  
 ہے تو اس بابے میں اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ چاند کو اپنی نگاہوں کے سامنے ٹکڑے

کھڑے ہوتا ہوا دیکھ کر بھی سارے لوگ ایمان نہ لاتے تھے اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔  
 ق تو یہ ہے کہ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

جود و سخا، عمل و علم، زہد و تقویٰ، فہم قرآن و سنت  
**وفات حسرت آیات** میں اپنی مثال آپ، حضرت ائمہ مومنین سید زائدہ،  
 یقینہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ جن کے فضائل و محامد سے کتب احادیث و  
 میرا مال ہیں، شب سہ شنبہ مورخہ سترہ رمضان المبارک ۱۰۵۷ھ کو بعمر تریسٹھ برس  
 نہر مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مدینہ منورہ میں رحلت فرما گئیں۔  
 تاملہ وانا الیہ راجعون مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جلدہ  
 رکعت اور حنت البقیع میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دفن کر دیا گیا۔

## تاریخ

آپ کے والد گرامی حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
**والد ذی وقار** ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح نام  
 عبد اللہ ہے اور سلسلہ نسب یوں ہے: عبد اللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمر۔  
 بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب۔ اس جگہ یعنی مرہ بن کعب پر آپ رضی اللہ تعالیٰ  
 کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسب عالی شان سے مل جاتا  
 ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب کا احاطہ کرنا کسی انسان کے بس کی  
 بات نہیں۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات مبارکہ خصوصاً سورۃ الیل کی آیت ۲۱  
 آپ کی شان میں نازل ہوئیں۔

لہ بعض نے تحریر فرمایا کہ ان کا زمانہ جاہلیت میں نام عبد الکعب تھا۔ ظہور اسلام کے بعد رسول اللہ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام عبد اللہ رکھا۔ ابو بکر کنیت تھی، جبکہ صدیق اور عتیق لقب تھے۔  
 (واللہ تعالیٰ اعلم) ۱۲ منہ

مشہور روایات کے مطابق: (۱) بالغ مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی اسلام قبول کیا (۲) آپ ہی کی انتھک کوششوں سے وہ نامور صحابہ کرام شرفِ ایمان سے مشرف ہوئے جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں (۳) آپ ہی نے سب سے پہلے حرمِ کعبہ میں کھڑے ہو کر کفارِ مکہ کے مجمع میں شانِ رسالت مآب پر ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس کے ردِ عمل کے طور پر آپ کو شدت سے پیٹا گیا (۴) آپ ہی نے مکہ مکرمہ میں اپنے گھر کے قریب سے پہلے مسجد تعمیر فرمائی۔ (۵) آپ ہی نے اپنے مال سے اسلامِ حنب سے پہلے مؤذن حضرت بلال اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان جیسے سات قدیم الاسلام صحابہ کرام کو کفار کی غلامی سے آزاد کرایا۔ (۶) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی شبِ ہجرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں روانہ ہوئے اور مسلسل تین شب روزِ قارِ ثور کے اندر تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیوضِ برکات سے مستفیض ہوتے رہے اور فریضہ خدمت سرانجام دیتے رہے (۷) آپ ہی صحابیت اور معیتِ خدا و رسول کا اعلان قرآن کریم نے واضح ترین لفظوں میں فرمایا۔ (۸) یوم بدر آپ ہی عریش مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ موجود رہے۔ (۹) سب سے بڑے فوجی اجتماع غزوہ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہی کو علمِ اسلام (جھنڈا) عطا فرمایا تھا۔ (۱۰) فرصتِ حج کے پہلے سال ان ہی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے امیرالحاج مقرر فرمایا (۱۱) ان ہی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حالِ مرض مبارکہ میں اپنی جگہ امامِ نماز مقرر فرمایا (۱۲) ان ہی کو خلیفۃ الرسول کے نام سے پکارا گیا، جبکہ باقی ہر سہ خلفائے راشدین کو امیر المؤمنین کے نام سے پکارا گیا۔ (۱۳) آپ ہی نے سب سے پہلے باغیانِ ختمِ نبوت، جھوٹے مدعیانِ نبوت کے خلاف باقاعدہ لشکر کشی کی اور ان کو تہس نہس کر دیا۔ (۱۴) آپ ہی

مانعین زکوٰۃ پر ایسی سختی فرمائی کہ آئندہ کسی کو کسی رکن اسلام سے سترابی کی مجال نہ رہی۔  
(۱۵) آپ ہی کی خواہش اور حکم پر قرآن کریم کو صحیفہ واحد میں لکھا گیا ہے اور اسے مصحف کا  
نام دیا گیا ہے۔ بعد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مصحف صدیقی کے  
مطابق نسخے تیار کروا کر پوری دُنیا کے اسلام میں روانہ فرمائے تھے۔

آپ کی رحلت مبارکہ ۲۲ جمادی الثانی ۳۱ھ میں تیرہ بیسٹھ برس کی عمر میں ہوئی  
اور ان کو روضۃ الرسول میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا  
گیا۔ زبے قسمت !

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ محترمہ کا نام اُمّ رومان  
والدہ محترمہ تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برگزیدہ صحابیہ تھیں۔  
۶ھ رمضان المبارک میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی قبر منور میں خود تاجدارِ انبیاء  
محبوب کبریاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اترے اور بارگاہِ رب العزت میں عرض گزار ہوئے  
اللہم لا تخف علیک ما لقیت اُمّ رومان فیک وفی رسولک۔  
”اے اللہ تبارک و تعالیٰ! تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اُمّ رومان نے تیری راہ میں اور تیرے رسول  
کے لئے کیا کچھ برداشت نہیں کیا،“ نیز آپ ہی کی شانِ اقدس میں رسولِ محترم، رحمتِ عالم  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰی امْرَاةٍ مِّنَ  
الْحَوْرِ الْعَيْنِ فَيَنْظُرَ اِلٰی اُمِّ رُومَانَ - (الاستیعاب ص ۹)  
”یعنی اگر کوئی شخص حورانِ حبت میں سے کسی عورت کی زیارت کرنا چاہتا ہو تو وہ  
اُمّ رومان کی زیارت کر لے،“ لے

لے ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی محرم عورت  
کی زیارت کی اجازت یا حکم دیں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ آپ کی خصوصیت ہے دوسرے کہ  
ابتداء اسلام میں عورتیں پردہ نہیں کیا کرتی تھیں۔ سب عورتیں اور مرد ایک دوسرے کے سامنے آتے جاتے تھے  
آیاتِ ہر وہ کے نازل ہونے کے بعد پردہ لازم ہوا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)



(۱) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یہ آپ کے بھائی حقیقی بھائی ہیں۔ یہ خود بھی صحابی تھے اور ان کا بیٹا بھی صحابی تھا۔

اس اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی چارشت صحابہ میں سے تھیں، یعنی آپ کے والد گرامی حضرت ابی قحافہ عثمان بھی صحابی آپ بھی صحابی، آپ کا بیٹا بھی صحابی۔ آپ کے تحت حذیفہ بن یمان کا بیٹا یعنی آپ کے پوتے ابن عبدالرحمن بھی صحابی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بہت بڑے بہادر اور عظیم حق گو مجاہد تھے۔ جنگ یمین کی فتح آپ کی بہادری ہی کا نتیجہ تھی۔ حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت معاویہ نے مروان کو لکھا کہ وہ اہل مدینہ کو یزید کی ولی عہدی پر آمادہ کرے تو مروان نے اہل مدینہ کو اکٹھا کیا اور حضرت معاویہ کے فرمان شاہی سے اہل مدینہ کو مطلع کیا تو حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر مروان کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی قسم! اے مروان! تو کبھی جھوٹا ہے اور تیرا معاویہ بھی جھوٹا ہے تم دونوں نے امت محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بہتری تلاش نہیں کی، بلکہ تم خلافت کو حکومت برقلیہ بنانا چاہتے ہو کہ جب ایک ہر قل مر جائے تو اُس کی جگہ دوسرا ہر قل قائم ہو جائے۔" حضرت سیدنا امام حسین بن علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے اس کلام کی تائید کی اور یوں جلسہ درہم برہم ہو گیا۔

گورنر مدینہ مروان نے تمام واقعات تحریر کر کے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی طرف ارسال کر دیئے۔ (ابن خلدون)

ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو براہِ رست بھی لکھا تھا، اہرقلیۃ اذا مات کسری قام کسوی مکادہ لانفعلی واللہ ابدا۔ "کیا یہ بھی دنیا کی سلطنت ہے کہ جب ایک کسری مر گیا تو دوسرا اس کی جگہ کسری بن بیٹھا، اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔"



حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ۳۳ھ میں داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۲) حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما: یہ سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاقائی بھائی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام قبیلہ بنت عامر بن لوی تھا۔ رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور نجران کے عیسائیوں کے درمیان جو معاہدہ طے پایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس معاہدہ کے آپ ہی کاتب تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ حنین میں زخمی ہوئے اور کچھ عرصہ سیما درہ کر انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۳) محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، یہ بھی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاقائی بھائی ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ مشہور صحابہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ یہ پہلے حضرت سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں تھیں، ان کی شہادت کے بعد یہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ان سے نکاح فرمایا۔ ان کے ساتھ ہی حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی زیر پرورش چلے گئے، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بکثرت جنگوں میں حصہ لیا۔ حضرت ام المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے آپ کو گورنر مصر بنایا تھا۔ ۳۸ھ کو معاویہ بن خدیج نے ایک جنگ میں آپ کو شہید کر دیا۔

(۱) حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

**ہمیشہ ان محترم** یہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علاقائی اور حضرت

عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حقیقی بہن ہیں، ان کی والدہ کا نام قبیلہ



## ۴) حضرت ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لخت جگر ہیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ماجدہ کا نام زینب بنت مطعون رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا اور یہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمیشہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے قبل یہ حضرت خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی لسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت تھیں۔ حضرت خنیس رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے، انہوں نے پہلے ہجرت حبشہ کی، پھر ہجرت مدینہ۔ بعض روایات کے مطابق حضرت خنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ بدر میں شمولیت کی اور بعد از غزوہ بدر انتقال فرما گئے، جبکہ بعض مؤرخین و ارباب سیرت کے نزدیک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ بدر و احد دونوں میں شرکت فرمائی۔ غزوہ احد میں زخمی ہوئے اور مدینہ طیبہ میں شہادت پائی۔ ان کے بھائی عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت مشہور و معروف صحابی ہیں۔

حضرت خنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد عدت گزرنے کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کی پیشکش کی جسے سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے اور کوئی بھی جواب نہ دیا، جس سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو از حد رنج ہوا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تو آپ نے جواب دیا کہ ابھی میرا شادی کا ارادہ نہیں ہے، کیونکہ ان دنوں سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کی وجہ سے آپ دل برداشتہ تھے شکستہ دل حضرت سیدنا فاروق اعظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور شکایت کئے انداز میں حضرت صدیق و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یتزوج حفصة من هو خیر من عثمان یتزوج عثمان من ہی خیر من حفصة۔ ”حفصہ کی شادی اُس شخص سے ہوگی جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان کی شادی اُس سے ہوگی جو حفصہ سے بہتر ہے۔“

بعد ازاں رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جناب حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خود نکاح فرمایا، جبکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی اپنی شہزادی سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمادی۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے عمر! حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بارے میں تم مجھ سے ناراض ہو گئے تھے کہ میں خاموش کیوں ہو گیا؟ دراصل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے اُمّ المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کر چکے تھے اور اُس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ راز ظاہر نہیں کر سکتا تھا ہاں البتہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ مبارک نہ ہوتا تو میں ضرور قبول کر لیتا۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے علیحدگی کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر ان کے بارے میں بتایا کہ: فَإِنَّهَا قَوَّامَةٌ صَوَّامَةٌ وَإِنَّهَا ذُو جَنَّتِكَ فِي الْجَنَّةِ۔ ”وہ بہت ہی عبادت گزار اور روئے رکھنے والی ہیں اور یہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہیں“ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے علیحدگی کا ارادہ ترک فرمادیا اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ گویا آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ۳۵ برس

چھوٹی تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً ساٹھ برس کی عمر میں اسلکھہ میں انتقال فرما گئیں۔ (مدارج۔ الاستیعاب) جبکہ صاحب مشکوٰۃ نے تاریخ وصال شعبان المعظم ۵۸ھ تحریر فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ الکمال فی اسماء الرجال)

## اتارب

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ہی والد ذی وقار مشہور اور معتبر صحابی ہیں۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات مبارکہ آپ کی خواہش و تائید میں نازل ہوئیں (تفصیلات کے لئے تاریخ الخلفاء للعلامة سیوطی کا مطالعہ فرمائیں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہم ترین مشیروں میں آپ کا اہم گرامی شامل ہے۔ تاریخ الخلفاء میں آپ کا نسب یوں درج ہے:

(حضرت) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب بن عبد العزیٰ بن باح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤیؑ اس جگہ یعنی کعب بن لؤی پر آپ کا سلسلہ نسب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسب عالمیہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

حافظ ابی نعیم علیہ الرحمۃ (ردالاکل میں) اور ابن عساکر نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

روایت کیا کہ ایک روز میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ کا لقب فاروق کیونکر ہوا؟ تو آپ نے اپنے اسلام قبول کرنے کا تفصیل سے ذکر فرماتے ہوئے فرمایا، دار ارقم میں میرے اسلام قبول کرنے پر صحابہ کرام نے خوشی سے اس زور کے ساتھ تکبیر کہی کہ پورے شہر مکہ میں اُس کی آواز سنائی دی۔ پھر میں نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیوں نہیں، ہم یقیناً حق پر ہیں۔“



اس پر میں نے عرض کیا، پھر یہ چھپ کر عبادت کیوں؟ چنانچہ ہم سب مسلمان دو صفیں بنا کر گھر سے باہر نکلے۔ ایک صف کے آگے میں تلوار لئے جا رہا تھا اور دوسری صف کے آگے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جا رہے تھے۔ ہم اسی طرح مسجد بیت الحرام میں داخل ہوئے۔ قریش مکہ نے جب مجھے اور حضرت حمزہ کو اہل ایمان کی حمایت میں دیکھا تو حد درجہ ملول و غمگین ہوئے، اُسی دن سے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام فاروق (یعنی حق و باطل میں فرق کر دینے والا) رکھ دیا۔

(تاریخ الخلفاء، نیز ملا خطہ ہونا نسخ التواریخ فارسی ص ۶۱۶)

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے عمر! مجھے اُس اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جس راہ سے تو آ رہا ہوتا ہے، شیطان وہ راہ ہی چھوڑ دیتا ہے۔ (یعنی شیطان تم سے اس قدر ڈرتا ہے کہ سامنا بھی نہیں کر سکتا)

(بخاری و مسلم، عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ابھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرف اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے حق میں اُعامانگے ہوئے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا: اَللّٰهُمَّ اَعِزِّاْ لِاسْلَامٍ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔  
”اے اللہ تعالیٰ! عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔“  
اس دُعائے نبوی کا صدقہ تھا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف یہ کہ شرف ایمان سے مشرف ہوئے، بلکہ امیر المومنین کے منصبِ عظیم پر بھی فائز ہوئے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اسلام کو جو عزت و عظمت ملی، اُس کا اندازہ کُتبِ تواریخ کے مطالعہ سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ کے مفتوحہ و مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ بائیس لاکھ اکیاون ہزار تیس مربع میل



(۲۲۵۱۰۳۰) تھا۔ یعنی مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶، مشرق کی طرف ۱۰۸۷، جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب یعنی جدہ کی جانب چونکہ سمندر (بحیرہ احمر) ہے، اس لئے وہ قابل ذکر نہیں ہے۔

اس میں شام، مصر، عراق عرب، عراق عجم، ہندوستان، خراسان، کرمان، فارس (ایران وغیرہ)، مکران اور کچھ حصہ بلوچستان بھی شامل تھا۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات کی مدت محض دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ (الفاروق)

اس جگہ ایک انگریز مؤرخ کا قول دہرانا باعث حیرت نہیں ہوگا کہ دنیا والوں کو خداوند کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اسلام میں کوئی دوسرا عمر پیدا نہیں ہوا اور اگر ایسے ہو جاتا تو پوری دنیا کا مذہب صرف اور صرف اسلام ہوتا۔ (اللہ اکبر! ایوان کفر پر کس قدر ہیبت ہے جناب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی)۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سچے غلام حضرت سیدنا **شہادت** فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر دُعا مانگا کرتے تھے کہ

اے کو درجہ شہادت نصیب ہو اور مدینہ طیبہ میں دفن ہونے کی سعادت بھی ملے (بخاری) خالق کائنات جل شانہ نے آپ کی دونوں دعاؤں کو زیور قبولیت سے کچھ اس طرح آراستہ فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک آتش پرست (پارسی) غلام ابو لوفیروز نے حضرت سیدنا امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنے آقا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کی کہ ”وہ اس سے زیادہ ٹھیکس و صول کرتے ہیں“۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت نہ کی کہ کہیں غلام اپنے آقا پر جبری نہ ہو جائے، اس لئے اسے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، یہ ٹھیکس زیادہ نہیں ہے، جبکہ دل میں یہ تھا

کہ مغیرہ کو ٹیکس کم کرنے کا کہہ دیا جائے گا۔ اس طرح غلام سمجھے گا کہ میرے آقا نے مجھ پر رحم کیا ہے اور یوں آقا و غلام کے تعلقات میں استحکام آجائے گا مگر بدبخت پارسی غلام کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب نہایت ناگوار گزرا اور وہ غصہ سے تلملاتا ہوا واپس چلا گیا۔ اُس نے حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا اور ایک دودھاری خنجر کو زہر آلود کر کے اپنے پاس سنبھال رکھا۔ ایک روز موقع پا کر یہ آتش پرست غلام منانہ صیبرے صبح کے وقت مسجد میں داخل ہوا اور جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز فجر پڑھانا شروع کی تو اس بدبخت لعین آتش پرست ابو لؤلؤ نے اچانک گھات سے نکل کر دوران نماز حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کر دیا اور یکے بعد دیگرے چھ زخم لگاتے جن میں سے ایک ناف کے نیچے لگا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجو آپ کے پیچھے کھڑے تھے، اس حال میں نماز فجر پڑھائی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب ہی پڑے تڑپ رہے تھے۔ لوگوں نے قاتل کو گرفتار کرنے کی کوشش کی، تو اُس نے کسی اور لوگوں کو بھی شدید زخمی کر دیا، جن میں سے بعض مرتبہ شہادت پا گئے۔ بالآخر ایک صحابی نے اُس کے اوپر چادر پھیل کر بھینکی تاکہ یہ نابکار اُس میں الجھ جائے۔ جب اس سیاہ بخت غلام نے دیکھا کہ اب وہ گرفتار ہو جائے گا، تو اُس نے اُسی خنجر سے خودکشی کر لی۔ بعد ازاں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اٹھا کر کھڑا کیا گیا۔ آپ نے پوچھا کہ ”میرا قاتل کون تھا؟“ لوگوں نے بتایا کہ ”ابو لؤلؤ فیروز نامی مجوسی غلام۔“ آپ نے لے اللہ اکبر! آج کا مسلمان نماز سے کس قدر غافل ہے جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نماز تو نماز جماعت کا بھی کس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ اس قدر عظیم المرتبت امیر المومنین موت و حیات کی کشمکش میں قریب ہی تڑپ رہے ہیں، مگر اس حال میں بھی نماز باجماعت ترک کرنا گوارا نہیں۔

کہا، الحمد للہ کہ مجھے ایسے آدمی نے قتل نہیں کیا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو ایک بھی سجدہ کیا ہو۔“  
 اس وقت آپ کے پاس حضرات ذی وقار علی المرتضیٰ، عثمان غنی، زبیر اور عبدالرحمن بن عوف  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا، تم تین دن تک طلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا انتظار  
 کرو، اگر وہ آجائیں تو ان کو شریک مشورہ کر لینا، ورنہ تم آپس میں مشورہ کر کے اپنے میں سے کسی ایک کو  
 امیر مقرر کر لینا۔ اس دوران طبیب حاضر خدمت ہو گیا، اُس نے آپ کو انگور کا شیرہ نکال کر  
 پلایا تو وہ زخم کے راستے سے باہر نکل گیا، پھر دودھ پلایا گیا تو وہ بھی یوں ہی نکل گیا۔ اہل مدینہ  
 اس صورت حال پر سخت بے چین تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسلسل  
 آپ کے سر ہانے موجود رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ ابن عمر  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت اقدس میں بھیج کر  
 حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت مانگی۔  
 جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بخوشی اجازت دے دی، اس پر حضرت فاروق اعظم  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ از حد مسرور ہوئے اور شکر الہی بجالائے۔ بالآخر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 مورخہ ۲ ذی الحجۃ ۳۳ھ شب چہار شنبہ کو اپنی خلافتِ حقہ کے دس سال چھ ماہ ۴ دن  
 پورے فرما کر جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا رَاجِعُونَ۔

حضرت صہیبؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علی المرتضیٰ،  
 حضرت عثمان غنی، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد اور حضرت  
 عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کو قبر النور میں اتارا۔ (طبری۔ ابن خلدون۔ فتح الباری)  
 چونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثیر الاولاد  
**ہمیشہ برادران** تھے، اس لئے حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
 کے برادران و ہمیشہ برادران کی تعداد کئی ایک ہے۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت حضرت عبداللہ  
 ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ملی۔ یہ مکہ مکرمہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

ساتھ ہی دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے اور اکثر غزوات میں سمر کا بڑا مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ آپ فقہ اور حدیث کے امام مانے جاتے ہیں۔ علامہ فہمی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن خلکان نے "وفعات الاعیان" میں ان کا بالتفصیل ذکر فرمایا۔ نیز اصابہ فی معرفۃ الصحابہ کے مطالعہ سے آپ کے فضل و کمال کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ حجاج بن یوسف حرم کعبہ میں خطبہ دے رہا تھا۔

**شہادت** عین اسی حالت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کھڑے ہو کر اُس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، "یہ دشمن خدا ہے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو شہید کیا ہے۔" چنانچہ اس کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا، جس نے زہر آلود آلے سے آپ کو زخمی کر دیا اور اسی صدمے سے آپ کی شہادت واقع ہو گئی۔ (طبری۔ الف ساریق)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے علاوہ حضرت عبید اللہ، حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی شہرت ملی، لیکن حضرات ابو شجرہ عبدالرحمن، زید، مجید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو زیادہ شہرت نہ ملی۔

## (۵) اُمّ المؤمنین سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمّ المؤمنین سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحیح نام رملہ یا ہند تھیں جبکہ اُمّ حبیبہ کنیت تھیں۔ آپ کا شجرہ نسب یوں ہے، حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابوسفیان بن حرب بن اُمّیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اس جگہ ان کا شجرہ نسب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ صفیہ بنت ابی العاص بن اُمّیہ بن عبد شمس بن عبد مناف تھیں جو کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھوٹی بھینس تھیں۔

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابتدائے اسلام میں ہی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گئیں۔ یہ پہلے حضرت عبداللہ بن حبش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی عبداللہ بن حبش کی زوجیت میں تھیں، یہ بھی صاحبِ ایمان تھے۔ اس کے ساتھ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ عبید اللہ نے حبشہ جا کر نصرا نیت کو قبول کر لیا اور مُرتد ہو گیا اور اسی حال میں مر گیا۔ عبید اللہ سے ان کے باں ایک بیٹی ہوئی تھی جس کا نام حبیبہ تھا، اسی بنا پر ان کی کنیت اُمّ حبیبہ ہو گئی۔

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص مجھے یا اُمّ المؤمنین کہہ کر پکار رہا ہے۔ میں نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ رسولِ محترم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے حوالہ عقد میں لائیں گے۔۔۔۔۔ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ حضور نبی اکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ایمان لانے والوں کا سخت اور بدترین دشمن تھا۔ نیز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شوہر عبید اللہ مرتد ہو کر مر گیا تھا۔ اس پرستزاد یہ کہ آبائی شہر مکہ مکرمہ سے کوسوں دور حبشہ کے غیر مانوس اجنبی ملک میں جہاں کوئی مادری یا پدری رشتہ دائر بھی موجود نہ ہو۔ یہ سب باتیں حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے مصائب کے وہ کوہِ گراں تھے کہ جن کا برداشت کرنا ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں، مگر خلاقِ عالم جل شانہ کی کمر و ڈاکر و رحمتوں کا نزول سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کہ ان کے پائے استقلال میں ذرا بھر بھی لغزش نہ آئی۔ تاجدارِ عرب و عجم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مصائبِ آلام کا پورا پورا احساس تھا۔ وہ کریمِ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اپنے کسی بھی اُمتی کی تکلیف پر بے چین ہو جاتے ہیں۔ سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دیگر گوں حالات سے بے خبر نہ تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کمالِ رحمت و شفقت سے کام لیتے ہوئے غموں کے



بوجھ تلے دبی سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکستہ دل پر یوں مرہم رکھا کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پیغام دیں اور نکاح کریں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا وکیل مقرر فرمایا۔ اس پر حضرت سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی طرف سے وکیل مقرر فرمایا اور حضرت سیدنا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت وہ تمام مسلمان جو کہ حبشہ میں موجود تھے اس

تقریب سعید میں شامل ہوئے۔ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خطبہ پڑھا

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقَدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهِمِّنِ الْعَزِيزِ

الْجَبَّارِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

أَرْسَلَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ

الْمُشْرِكُونَ ۚ أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ أُجِيبْتُ إِلَىٰ مَا دَعَىٰ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَصْدَقْتُمَا أَرْبَعِمِائَةٍ دِينَارًا ذَهَبًا

یہ کہتے ہوئے حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار سو دینار حاضرین کے سامنے رکھ دیے

پھر حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو کہ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وکیل تھے) نے

خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، الْحَمْدُ لِلّٰهِ أَحْمَدُهُ وَأَسْتَعِينُهُ وَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ

وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا

عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَى

الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۚ أَمَّا بَعْدُ ۚ فَقَدْ أُجِيبْتُ إِلَىٰ

مَا دَعَىٰ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَزَجْتُ أُمّ حَبِيبَةَ

بِنْتُ أَبِي سُفْيَانَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ



اس کے بعد حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دینار حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیئے اور انہوں نے دینار وصول کر کے چاہا کہ کھڑے ہو جائیں۔ نجاشی نے کہا کہ بیٹھو، اس لئے کہ مجلس نکاح میں کھانا کھلانا سنتِ انبیاء کرام علیہم السلام ہے۔ اس کے بعد نجاشی نے کھانا منگوایا اور سب حاضرین نے کھایا اور رخصت ہو گئے۔

(کذا فی المواہب لدقیہ و مدارج النبوة)

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ شاہِ نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے پیغامِ نکاح اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھیجا تھا تو اس وقت سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا تمام زیور اس پیامِ جاں فزا کی خوشی میں اس لونڈی ابرہہ کو عطا فرما دیا تھا۔ نکاح کے بعد حضرت شاہِ نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ تمام زیور مع مزید تحائف ہدایہ کے واپس سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کیا کہ چونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت فیضِ درجت میں حاضری دے رہی ہیں، اس لئے اس سارے مال کی صرف آپ ہی مستحق ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت نجاشی کی عورتوں نے بھی خوشبو، عطریات و تحائف پیش خدمت کئے۔ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہلوا بھیجا کہ ”جب آپ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت فیضِ درجت میں حاضر ہوں، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں میرا سلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ میں آپ کے صحابہ کے دین پر ہوں اور آپ پر ہمیشہ درود سلام بھیجتا رہتا ہوں۔“

حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت شہ جبل بن حنسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حبشہ کی طرف روانہ فرمایا تاکہ سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ طیبہ لائیں، چنانچہ غزوہ خیبر کے ایام میں حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حاضر خدمت

ہو گئیں۔ اس وقت ان کی عمر مبارکہ کچھ اوپر سیس برس کی تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتے ہی حضرت نجاشی کا سلام عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اظہار خوشی فرمایا اور حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے رحمت و برکت کی دعا فرمائی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریفہ تقریباً سٹاون برس تھی۔ سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سکنہ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔

وفات سے قبل حضرت سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سیدہ اُم سلمہ و سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ ”ایک خاوند کی چند عورتوں میں کچھ نوک جھونک ہو جایا کرتی ہے۔ جو کچھ میں نے کہا سنا ہو مجھے معاف کر دو۔“ دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے معاف کرتی ہیں۔ اس پر اُم المومنین سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ”تم نے مجھے خوش کر دیا اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں خوش رکھتے۔“

حضرت اُم المومنین سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضا کل میں یہ بات نہایت عظیم الشان ہے کہ جب فتح مکہ سے قبل ان کا باپ ابوسفیان تجدید عہد کے لئے مدینہ طیبہ آیا تو سیدھا اپنی بیٹی کے گھر آیا۔ یہ باپ اور بیٹی کی کئی سال کی جدائی کے بعد ملاقات تھی۔ ابوسفیان کا خیال تھا کہ میری بیٹی اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، والہانہ انداز میں میرا استقبال کرے گی، وہ میری راہوں میں آنکھیں کچھا دے گی اور پھر میں گا اپنی بیٹی کی وساطت سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منوالوں کا انہی خیالوں میں غلطان ابوسفیان جب حضرت سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پہنچا تو سر پر اقدس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بچھا ہوا تھا ابوسفیان نے چاہا کہ وہ بستر اقدس پر بیٹھے، مگر حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ”ابا! ذرا ٹھہرو، اس بستر پر نہ بیٹھنا۔“ ابوسفیان رک گیا۔ حضرت سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آگے بڑھ کر بستر پیٹ دیا، پھر بیٹھنے کی اجازت دی۔

تو ابوسفیان نے حیران ہو کر پوچھا کہ اے بیٹی! کیا تم اس بستر کو مجھ سے بچاتی ہو؟ تو حضرت سیدہ اُمّ المؤمنین اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ”یہ بستر مبارک حضور سید المرسلین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہے جبکہ تم مشرک اور ناپاک ہو، میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ تم اس پاکیزہ و مقدس بستر پر بیٹھو۔“ اس پر وہ خفا ہو کر واپس چلا آیا۔

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی ناراضگی کی ذرا برابر بھی پرواہ نہ کی۔ اللہ اکبر! دولتِ ایمان دراصل اسی عظمت کا نام ہے۔ میرے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (فداء رُوحی و جسدی) کا فرمانِ ذی شان ہے کہ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ ”تم میں سے کوئی بھی شخص اُس وقت تک مومن نہ ہوگا کہ جب تک وہ مجھے اپنی اولاد، اپنے والدین اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ جانے“

## اتارب

یہ سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ابو سفیان بن مخزوم بن حرب باپ تھا، جو ابتداء میں بدترین دشمنِ اسلام تھا۔ زمانہ جاہلیت میں مشہور سردارانِ قریش میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ قریش کا سب سے بڑا علم ”عقاب“ اسی کے خاندان اور اسی کے پاس تھا۔ جب وہ علمِ جنگ کا گھر سے باہر رکھا جاتا تو تمام قبائل کے لوگ اس کے نیچے جمع ہو جایا کرتے تھے۔ غزوہ اُحد اور خندق میں بھی کفار کی طرف سے یہی سپہ سالارِ اعظم تھا۔ سارے قریش مکہ اور ان کے حلیف اسی کے ماتحت تھے۔ غزوہ اُحد میں اسی کی بیوی ہندہ نے سید الشہداء اسد اللہ و رسولہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیٹ چاک کر کے جگر نکال کر چپایا تھا، گویا یہ گھرانہ ہر اعتبار سے بدترین دشمنِ اسلام

تھا، مگر رب ذوالجلال والاکرام کی قدرت کہ فتح مکہ کے وقت شروع میں قدمے  
تذبذب کے ساتھ، پھر حقیقتاً ابوسفیان اور اس کی بیوی ہندہ کو دولت اسلام  
مل گئی اور صاحب ایمان ہو گئے۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ  
طائف اور حنین میں ہمرکاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رہے۔  
غزوہ طائف میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی، تو انہوں نے کوئی پرداہ نہ  
کی۔ جنگ یرموک میں بھی حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی دلیری اور شجاعت  
کے ساتھ رومیوں کا مقابلہ کیا اور خوب جنگی جوہر دکھائے۔ مسلمانوں کو اہل روم  
کے مقابلہ میں برا ٹیگتہ کرتے تھے۔ اس جنگ میں ان کی دوسری آنکھ بھی ضائع  
ہو گئی۔ حضرت ابوسفیان ۳۳ھ میں بعمر تقریباً ۹۶ سال مدینہ طیبہ میں انتقال  
ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حضرت سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سگے بھائی یزید  
برادران بن ابی سفیان ہیں، ان کو یزید الخیر کہتے ہیں۔ یہ یزید لعین بن  
معاویہ کے چچا تھے۔ یہ بھی فتح مکہ کے دن شرفِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ سیدنا  
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن سرداروں کو فتح شام کے لئے مامور کیا،  
ان میں ایک یہ بھی تھے۔ ان کی وفات ۱۹ھ میں دمشق میں ہوئی۔ اس وقت یہ  
گورنر شام تھے۔ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دوسرے بھائی رجولہ  
دوسری ۷۱ھ سے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ انہوں نے تقریباً بیس سال  
تک شام کی گورنری کی اور پھر تقریباً ساڑھے اسی سال شام پر حکومت کی سلطنت  
بنو امیہ کے آپ ہی بانی ہیں۔ ۲۲ رجب ۶۰ھ کو تقریباً ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔  
حضرت سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی جُبَیْہ جو کہ پہلے خاوند عبد اللہ بن جہش  
سے تھیں، افسوس کہ تلاشِ بسیار کے باوجود ان کے حالاتِ زندگی نہ مل سکے۔

## (۶) اُمّ المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

اُمّ المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو دوسری کی پیکر تھیں۔ اس لئے لوگ انہیں امّ المساکین کہتے تھے، کیونکہ وہ نادار اور مسکینوں کو کھانا کھلاتیں اور کمال شفقت و مہربانی فرماتی تھیں۔ رسول خدا سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے قبل آپ صلی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں تھیں، وہ غزوہ اُحد میں مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

بعض کتب میں ہے کہ یہ پہلے عبید اللہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں تھیں، یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے تھے کہ جنہوں نے میدان بدر میں جام شہادت نوش فرمایا اور یہ بھی مرقوم ہے کہ ان کا پہلا نکاح تو طفیل بن حارث بن عبدالمطلب کے ساتھ ہوا، انہوں نے طلاق دے دی، تو دوسرا نکاح طفیل کے بھائی حضرت عبید اللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، جبکہ دوسرے قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا نکاح ہوا۔ (ملاحظہ ہو: مواہب لدنیہ، روضۃ الاحباب، مدارج النبوة) بہر حال سب کو غزوہ اُحد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو حیاۃ عقد میں لائے۔ اُمّ المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت ہی قلیل عرصہ خدمت اقدس میں رہیں، نکاح کے چند ماہ بعد یعنی باختلاف روایات دو، تین یا چھ ماہ بعد ان کا انتقال مبارک ہو گیا اور جنت البقیع میں مرقوم مقدس بنا۔ یہ والدہ کی طرف سے حضرت سیدہ مہمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمیشہ محترمہ تھیں۔



## (۷) اُمّ المؤمنین سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام ”ہند“ اور کنیت اُمّ سلمہ تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کا نام ابو امیہ سہل بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم تھا، جبکہ والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔  
دکنافی الجامع ومواہب دجوالہ مدارج النبوة

اُمّ المؤمنین حضرت سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے قبل حضرت ابوسلمہ عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبد اللہ بن ہلال بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم کے نکاح میں تھیں۔ گویا سیدہ اُمّ سلمہ اور ان کے شوہر ابوسلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) دونوں عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم کی اولاد سے ہیں۔  
حضرت سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت قدیم الاسلام ہیں، جبکہ آپ کے خاوند حضرت ابوسلمہ عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند بعض گیارہویں اسلام لائے والوں میں ہیں، یعنی آپ سے قبل صرف دس افراد ہی شرف اسلام سے مالا مال ہوئے تھے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی بھوپھی برہ بنت عبد المطلب کے بیٹے تھے۔ یہ رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بھوپھی زاد ہونے کے ساتھ ساتھ رضاعی بھائی بھی تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور آپ (حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دودھ نوش کیا فرمایا تھا۔

حضرت سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے خاوند کی معیت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ بعد ازاں مکہ مکرمہ میں واپس آگئے۔ پھر جب دوسری مرتبہ حضرت اُمّ سلمہ اپنے شوہر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور

بچوں کے ساتھ ہجرت کے لئے مدینہ طیبہ کی طرف نکلیں تو ان کے خاندان والے جمع ہو گئے اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زبردستی ان کی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو چھین لیا اور کہنے لگے کہ اے ابوسلمہ! تم جاسکتے ہو، مگر ہم اپنی لڑکی کو نہیں جانے دیں گے۔ اسی طرح حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان والے ان دونوں میاں بیوی سے ان کے بچے چھین کر لے گئے۔ گویا ان لوگوں نے پوری کوشش کی کہ ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت نہ کریں، مگر رب کریم جل شانہ کی بے شمار رحمتوں کا نزول ہو حضرت سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ ان کے پائے استقلال میں ذرا برابر بھی جنبش نہ آئی۔ یہ آنسو بہاتی ہوئی وفا شعار رفیقہ حیات اور یکتے ہوئے بچوں کو چھوڑ کر در رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر حاضری کے لئے مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔

سبحان اللہ تعالیٰ! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قلوب مقدس میں جانِ ایمان، رحمت کون و مکان، محبوب رب دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دریا کس طرح جوش زن تھا کہ دنیا جہان کی ہر شے حتیٰ کہ جان بھی قربان کی جاسکتی ہے، مگر دامنِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے علیحدگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اَللّٰهُمَّ اَرْزُقْنِیْ اَتِّبَاعَہُمْ بِحَرَمَةِ حَبِیْبِکَ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمُ۔

الغرض حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا پہنچے، مگر غموں کے بوجھ تلے وہی سسکتی سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ جن کے بچے بھی چھین گئے تھے اور شوہر جاتا رہا، روزانہ شام کو اس مقام پر آکر بیٹھ جاتیں جہاں ڈبڈباتی آنکھوں سے محبوب شوہر کو الوداع کیا تھا، جہاں ان کے جگر کے ٹکڑوں کو ظالموں نے زبردستی چھین لیا تھا۔ گزرتے ہوئے وقت کو یاد کر کے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہاں تا دیر روتی رہتیں۔ ایک سال برابر اسی طرح روتے اور رب العزت کی بارگاہ میں رعا کرتے

گزر گیا، تو خالق کائنات جل شانہ نے ظالموں کے دلوں میں احساسِ ندامت پیدا فرمادیا۔ چنانچہ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بچتے بھی واپس مل گئے اور مدینہ طیبہ روانگی کی اجازت بھی۔ عزم و استقلال کی پیکر مہر و وفا کی دیوی حضرت سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچوں کے ہمراہ تن تنہا پیدل ہی مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ عثمان بن ابی طلحہ کلید بردار کعبہ مکرمہ اگرچہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن کا دل جذبہٴ رحم سے لبریز فرمادیا۔ وہ اُونٹ لے کر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اور ان کو اُونٹ پر سوار کر دیا اور خود مہار پر کمر پیدل چلنے لگے، اور جب کسی منزل پر پہنچتے، تو عثمان اُونٹ بٹھا کر خود دُور فاصلے پر جا کر بیٹھ جاتے۔ جب اسی طرح منزل بہ منزل چلتے ہوئے مدینہ طیبہ کے قریب جا پہنچے اور نخلستانِ مدینہ متورہ نظر آنے لگے تو عثمان بن طلحہ نے کہا: ”اے اُم سلمہ! جس شہر میں تجھے جانا ہے، وہ سامنے نظر آ رہا ہے، تم آگے بڑھو، میں واپس جاتا ہوں“ یہ کہا اور عثمان بن ابی طلحہ واپس لوٹ گئے۔ لے

جب حضرت سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ طیبہ پہنچیں، تو اہل ایمان کو اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ حضرت ابوسلمہ عبداللہ اور حضرت اُم سلمہ ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا گھر پچھ سے خوشیوں کا گہوارہ بن گیا۔

**حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت** حضرت سیدنا ابوسلمہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدانِ بد

میں بھی اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ پھر غزوہٴ احد میں بھی شامل ہوئے اور کفار کا مقابلہ کرتے ہوئے شدید زخمی ہو گئے۔ بالآخر جہادِی الآخر سلسلہ کو لے حضرت عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے سال یا اس سے قبل خود بھی مسلمان ہو گئے۔ ربِّ کریم کی بیشمار رحمتوں کا نزول ہوا آپ پر کہ آپ نے کس قدر دیانتداری اور مشقت سے یہ فریضہ سر انجام دیا۔

زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ  
بوقتِ رحلتِ مبارکہ آپ کی زبان مبارک پر یہ دُعا تھی:-

اَللّٰهُمَّ اَخْلَقْنِیْ فِیْ اَہْلِیْ بِخَیْرٍ۔

”اے اللہ تعالیٰ! میرے بعد میرے اہلِ خانہ کی بہترین نگہداشت فرماتا۔“  
حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پسِ ماندگان میں (دیگر اہلِ ایمان کے علاوہ)  
ایک بیوی یعنی سیدہ ام سلمہ، دو خور و سال بیٹے حضرت سلمہ اور حضرت عمر اور دو  
نھٹی بچیاں حضرت زینب اور حضرت درہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) چھوڑے۔ حضرت  
ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ حمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
نے حکم دیا تھا کہ جب بھی کوئی اہم شے جاتی ہے اور مصیبت آجاتی تو یہ عا پرٹھا  
کرو: اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَخْلَفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْہَا۔  
اے اللہ تعالیٰ! میری مصیبت پر مجھے اجر عطا فرما اور مجھے اس سے بہتر

قائم مقام عطا فرما۔“ (مدارج النبوۃ)

دوسری روایت میں الفاظ یوں ہیں: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ  
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَسٰی مَیْتًا اَنْ یُّبَدِّلَنَا خَیْرًا مِّنْہَا اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا  
رَاغِبُونَ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَخْلَفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْہَا۔  
”بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں۔ اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے  
ہیں۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ عنقریب ہمارا پروردگار ہم کو (گزشتہ کا)  
بہترین بدل عطا فرمائے گا۔ بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رغبت رکھنے  
والے ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ! میری مصیبت پر مجھے اجر عطا فرما اور مجھے اس کا بہترین  
قائم مقام عطا فرما۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ تعلیمِ نبوی کے مطابق میں یہ ورد

کرتی ضرور تھی، مگر سوچتی تھی کہ کیا کوئی شخص بحیثیتِ خاوند ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اچھا ہو سکتا ہے؟ لیکن جوں ہی ایامِ عدت پورے ہوئے، خود تاجدارِ عرب و عجم، فخرِ بنی آدم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیغامِ نکاح بھیج دیا جو ہر اعتبار سے سب سے نہایت ارفع و اعلیٰ تھے۔

حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پوری زندگی تھی۔ اسلام کی خاطر اللہ تعالیٰ کی راہ میں حضرت اُم سلمہ اور ان کے خاوند ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو تکالیف و مصائب برداشت کئے تھے، وہ ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں جان دینے والے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ننھے ننھے بچوں کی پرورش کا بھی مسئلہ تھا کہ جن کی فکر ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بوقتِ رحلت بھی تھی۔ یہ وہ حالات و اسباب تھے کہ بیکیوں کے کس، بے سہاروں کے سہارے، بیواؤں کے آسرا، یتیموں کے والی، غریبوں، فقیروں کے ملجا و ماویٰ، اُمت کے غمخوار، سیدالابرار تاجدارِ عرب و عجم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس بے بس گھرانے کو اپنے زیرِ کفالت لینے کا پروگرام بنایا تاکہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قلبِ نازنین پر غم و اندوہ کے پے درپے لگنے والے زخموں پر مرہم رکھا جاسکے، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے پیغامِ نکاح بھیجا اس طرح پروہ پیغامِ مسرت کو سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مَرَحَبًا بِرَسُولِ اللَّهِ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہوئے دل و جان سے قبول کر لیا چنانچہ ۳۷ ماہ شوال المکرم میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اُم المؤمنین بننے کا عظیم اعزاز نصیب ہو گیا اور ان کے بچے بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیرِ تربیت پرورش پانے لگے۔



اقہات المؤمنین میں سے سب سے آخر آپ کی رحلت مبارکہ ہوئی۔ بعض کتب سیرت و تواریخ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سن و سال ۵۹ھ درج ہے اور بعض میں ۶۲ھ ہے، لیکن ۶۲ھ والا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی توثیق وہ حدیث پاک ہے جس کو حضرت امام ترمذی علیہ الرحمہ نے ایک انصاری صحابی کی زوجہ حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ سے نقل فرمایا کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو ام المؤمنین نے فرمایا: ”میں نے ابھی ابھی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا سر مبارک اور محاسن شریفہ گرد آلود ہیں (گویا آپ سفر کمر کے آتے ہیں) اور آنکھوں میں آنسو ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا بات ہے کہ آپ ویسے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”میں حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقتل گاہ سے آ رہا ہوں انہیں شہید کر دیا گیا ہے (ترمذی) اسی کی مثل ”خصائص کبریٰ“ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مٹی عطا فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ اسے سنبھال کر رکھنا۔ جب یہ مٹی خون بن جائے، تو سمجھ لینا کہ میرا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیا گیا ہے چنانچہ حادثہ کربلا کے روز وہ مٹی خون بن گئی اور اس وقت آپ حیات تھیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) کتب احادیث میں ان سے تین سو اٹھ ہتر احادیث مروی ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور حنت البقیع میں دفن بنا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارکہ تقریباً چوراسی برس کی تھی۔

حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت خالد بن ولید (سیف اللہ) اقارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چچا زاد ہمیشہ تھیں۔ حضرت خالد بن ولید کے دو سر بھائی ہشام بن ولید اور حضرت ولید بن ولید (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی مسلمان تھے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت (۱) حضرت سلمہ بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
 ان ہی کی وجہ سے آپ کی کنیت ام سلمہ ہوئی۔ ورنہ پہلے آپ کو اصل نام ہند  
 سے پکارا جاتا تھا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امامہ بنت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمادیا تھا  
 ان کی رحلت مبارکہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ہوئی۔

(۲) حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ سلمہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت  
 سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف سے فارس اور بحرین کے حاکم رہے۔  
 ۸۳ھ میں وفات پائی حضرت سعید ابن المسیب اور ابوامامہ بن سہل و عروہ بن زبیر  
 رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

(۳) حضرت زینب بنت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کی ولادت حبشہ میں ہوئی تھی۔  
 ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہ کی شہادت یزید پلیدی کے دور میں ہوئی، جبکہ حکم یزید اس کے ملعون سپاہی المسلم بن عقبہ  
 (مصرف) نے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تھا، اس کو واقعہ ثمرہ کہتے ہیں۔ (تاریخ مدینہ)  
 حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ یہ ابھی چھوٹی سی بچی تھیں اور  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زیر پرورش تھیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم غسل فرما رہے تھے و خیال رہے کہ رسول نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 ہمیشہ تہبند شریفہ باندھ کر غسل فرمایا کرتے تھے، حتیٰ کہ غسل خانہ میں بھی، یہ حضور نبی اکرم  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قریب چلی گئیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیار کے  
 ساتھ ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے پھینکے، جس کی برکت یہ ہوئی کہ ضعیف العمری میں بھی  
 ان کا چہرہ نوجوانوں کی طرح تروتازہ تھا، اس پر کبھی ٹھاپے کے آثار نمودار نہ ہوئے۔

علاوہ ازیں یہ اپنے زمانے کی غوثوں میں سب سے زیادہ فقیہ تھے۔ واقعہ حرہ میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو بیٹوں نے بھی مسلم بن عقبہ بے دین کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔

(۴۴) حضرت ام کلثوم بنت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کا ذکر تفصیل نہ مل سکا، البتہ کتب احادیث میں ان سے حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں شاہ نجاشی کی وفات کا ذکر ہے۔

(۴۵) درہ بنت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کے تفصیلی واقعات بھی مستتر آسکے۔ بخاری شریف میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث پاک میں ان کا ذکر ملتا ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ کیا آپ درہ سے شادی فرمانا چاہتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں، کیونکہ اگر وہ میری ربیبہ (یعنی بیوی کی بیٹی) نہ بھی ہوتی، تب بھی حلال نہ تھی، کیونکہ اس کا باپ ابوسلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میرا دودھ شریک بھاتی ہے۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائیوں کے نام زبیرؓ، عامرؓ، عبد اللہؓ اور مہاجرؓ تھے۔ ان میں زبیر غیر معروف ہیں۔ عامر مؤلفۃ القلوب میں سے تھے عبد اللہ پہلے دشمن اسلام تھا، پھر بتوفیق الہی فتح مکہ سے قبل دولت ایمان سے مال مال ہو گیا اور غزوہ فتح مکہ، غزوہ حنین اور طائف میں شریک جہاد ہوئے اور بہادری کے جوہر کھانے ہوئے طائف میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے، جبکہ حضرت مہاجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شاہ مین حارث بن عبد کلال کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مین کی حکومت پر بھیجا اور حضرت موت کا قلدہ حضرت مہاجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے، جبکہ عبد اللہ اور معبد بھتیجے تھے۔

(مدارج النبوة، بخاری شریف، ترمذی شریف، تاریخ مدینہ، الاستیعاب، اصابہ فی معرفة الصحابة)

## اُمّ المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمّ المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نام ”برہ“ اور کنیت اُمّ الحکم تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام بدل کر زینب رکھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ عنہا کا سلسلہ نسب یوں ہے: زینب بنت جحش بن ایاب بن یحییٰ بن صبیہ بن مرہ بن عنتم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی۔ ان کی والدہ ماجدہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چھوٹی امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا عقد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ خود حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے پیغام نکاح دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زمانہ جاہلیت کا یہ اثر بید زائل فرمانا چاہتے تھے کہ جو اہل عرب کے دل میں گھر کر چکا تھا۔ ان کے نزدیک غلام شرف انسانیت کا کچھ جتن نہیں رکھتے تھے جبکہ قرآن کریم نے واضح ترین الفاظوں میں اعلان فرمادیا کہ: **اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ** ”تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے“ چونکہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا عالی نسب تھیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چھوٹی بیٹی تھیں، صاحب جمال اور نہایت غیرت مند خاتون تھیں، جبکہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پہلی شادی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آزاد کردہ لونڈی سیدہ اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہو چکی تھی۔ اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمر میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہیں زیادہ بڑی تھیں اور ان کے شکم اطہر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بیٹا اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پیدا

چکا تھا۔ اندریں حالات حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پیغام نکاح کو قبول کرنے سے اعراض کرتا۔ ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس بارہ اپنی ہمشیرہ سے متفق تھے۔ چونکہ رسول محترم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت کے قبل ہی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد فرما کر اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا تھا، اور ان پر بے اندازہ لطف و کرم فرماتے تھے، اس لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”انکار کی گنجائش نہیں، ماننا ہی بہتر ہے۔“ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ ”مجھے سوچنے کا موقع دیا جائے۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت بریل امین یہ حکم لے کر حاضر خدمت ہو گئے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا (الاحزاب: ۳۶)

”اور کسی بھی صاحبِ ایمان مرد و عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کوئی فیصلہ فرمادے، تو ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی رہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر فیصلہ یا حکم کو ماننا فرض ہے، انکار کی کوئی گنجائش نہیں) اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی، بیشک وہ ٹھکی ٹھرا ہی میں پڑا۔“

اس آیہ مبارکہ کے نازل ہونے پر حضرت سیدہ زینب اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، دل و جان سے راضی ہو گئے اور کہا کہ ہماری کیا مجال ہے کہ ہم اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے درمیان میں لائیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرضی ہے ہماری بھی وہی رضا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔



حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حق مہر وغیرہ  
 امام محمدی السنۃ نقل فرماتے ہیں کہ  
 حضور نبی اکرم رحمت عالم  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حضرت سیدہ زینب  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دس دینار، ساٹھ درہم، ایک اور ٹھنی، ایک پاجامہ، یا تہبند ایک  
 چادر، تقریباً پچاس کلو غلہ اور تقریباً چار من چھوٹے عطا فرمائے۔ (تفسیر مظہری)  
 حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً ایک سال یا کچھ زیادہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 عنہ کے پاس رہیں۔ اس کے بعد رب ذوالجلال نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
 و اصحابہ وسلم کو مطلع فرمایا کہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی زوجیت میں داخل ہوں گی  
 چنانچہ اس مسبب الاسباب جل شانہ نے اس کا سبب یوں بنایا کہ حضرت زید سیدہ  
 زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان ناسازگاری پیدا ہوتی۔ بات یہاں تک پہنچی کہ  
 ایک دن حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں  
 حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو طلاق دے دوں

اے امام بغوی علیہ الرحمہ نے بروایت سفیان بن عیینہ بروایت علی بن زید بن جعدان، حضرت علی بن حسین  
 یعنی امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی نقل فرمایا کہ صحیح بات یہی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ  
 آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلے ہی اطلاع دے دی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور وہ آ  
 بیوی ہو جائیں گی (مظہری جلد ۹) اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
 نے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کے سامنے اپنا تسلیم  
 کر دیا اور ایک آزاد کردہ غلام کہ جسے بطور شوبہ قبول کرنا سخت ناگوار تھا، دلِ مہمان سے قبول کر لیا  
 رب ذوالجلال نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس فاشکاری اور فرمانبرداری کا کتنا عظیم  
 عطا فرمادیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دنیا و آخرت میں رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
 نہایت اعلیٰ درجہ کا قرب عطا فرمادیا، یعنی اُمّ المؤمنین بنتی کے شرفِ عظیم سے مشرف فرمایا۔ ۱۲  
 (سُبْحَانَ اللہ تعالیٰ و بحمدہ)

کیونکہ وہ میرے ساتھ نہایت تند خوئی سے پیش آتی ہیں اور زبان درازی کرتی ہیں اور میرے دل میں بھی اب ان کی محبت باقی نہیں رہی، اگرچہ میں نے خدا کی قسم ان میں نیکی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قبل ازیں بارگاہِ مبارک حضرت جل شانہ سے اس امر کی اطلاع مل چکی تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ بایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کمال حیا کی وجہ سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اصل بات کو ظاہر نہ فرمایا، بلکہ ارشاد فرمایا کہ ”اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔“

علاوہ ازیں خاطرِ اقدس میں اس خیال سے بھی پریشانی تھی کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے منہ بولے بیٹے یعنی متبنی کو اپنے سگے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے، وہ نہ صرف ان کی دولت کا پورا پورا حق دار ہوتا، بلکہ اس کی بیوی کو حقیقی بہو کی طرح اُس کا منہ بولا باپ ہمیشہ کے لئے حرام جانتا، ڈرتھا کہ نہ صرف کفار اس پر طعنہ زنی کریں گے، بلکہ نو مسلم افراد بھی تذبذب کا شکار ہو جائیں گے۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ دراصل حضرت زید رضی اللہ عنہ کو روکنے میں ان کا امتحان مقصود تھا تا کہ واضح ہو جائے کہ ان کے دل میں ان کی بیوی کی رغبت باقی ہے یا بالکل ہی متنفر ہو گئے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

القصة حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت توڑک گئے، مگر دوبارہ بارگاہِ قدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے زینب کو طلاق دے دی ہے۔“ اس وقت سورۃ احزاب کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ:

اِذْ تَقُولُ لِلَّذِي اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِي فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَخْبَرُ اَنْ تَخْشَا - (آیت : ۳۷)

”اور جب آپ اُس شخص (زید) سے فرما رہے تھے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے بھی نعمت عطا فرمائی اور آپ نے بھی جسے نعمت عطا فرمائی کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رہنے دو (یعنی طلاق نہ دو)

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا تھا۔ آپ کو لوگوں کی طعنہ زنی کا خوف تھا کہ لوگ کہیں گے اللہ تعالیٰ کے رسول نے زید کی بیوی کو اپنے نکاح میں لینے کے لئے طلاق دلوادی، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔“

امام مسلم، احمد، نسائی، ابویعلیٰ، ابن ابی حاتم، طبرانی اور بغوی (علیہم الرحمہ) نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت نقل فرمائی، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت سید زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہو گئی، تو رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی بھیجا کہ جاؤ اور میری طرف سے سیدہ زینب کو پیغام نکاح دو۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں اُن کے ہاں پہنچا تو وہ آٹا خمیر کر رہی تھیں، (واللہ) اُن کو دیکھتے ہی میرے دل میں اُن کی ایسی عظمت و بزرگی پیدا ہوئی کہ میں اُن کا سامنا کرنے کی تاب نہ لاسکا، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ اب اُمّ المؤمنین کے بلند وارفیع مقام پر فائز ہونے والی ہیں۔ چنانچہ میں نے فوراً ان کی طرف اپنی پشت کر لی اور ایڑیوں کے بل مڑ کر اُن سے کہا: اے زینب مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے پیام دوں۔“ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواباً کہا: میں اپنے اللہ تعالیٰ سے مشورہ کئے بغیر کچھ نہیں کروں گی۔ اس کے بعد وہ اُٹھیں اور نماز پڑھنے کی جگہ پر تشریف لے گئیں۔

مدارج النبوة میں ہے کہ ”بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دو رکعت نماز پڑھ کر سجدہ میں چلی گئیں اور عرض کیا: اے میرے مولیٰ تعالیٰ! تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری خواستگاری فرمائی ہے۔ اگر میں اس لائق ہوں تو مجھے ان کی زوجیت عطا فرما۔“ لے

لے شاید اس کا سبب یہ بھی ہو کہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا غیرت مند اور کچھ تیز مزاج (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

الغرض رب ذوالجلال نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی التجار کے جواب میں آیہ مبارکہ نازل فرمادی۔

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لَكَ لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ فَرْجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَائِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرٌ اِلٰلٰهُ مَفْعُوْلًا ۝ (سُورَةُ الْاَحْزَابِ، آیت: ۳۷)

”پھر جب زید کا دل اس سے بھر گیا (اور اُس نے طلاق دے دی)، تو ہم نے اُس کو، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو، آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے نکاح میں دے دیا تاکہ اہل ایمان پر (اُن کے لئے) پاک بیٹوں اور اُن کی مطلقہ بیوہ، بیویوں سے (نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہ رہے۔ جب اُن کی بیویوں سے ان کا کام ختم ہو چکا ہو (یعنی طلاق ہو چکی ہو) اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، جسے ناقد ہو کر ہی ہوتا ہے۔“

جب مذکورہ بالا آیہ کریمہ نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین کو اس کی اطلاع دی اور آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خادمہ حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوڑتی ہوئی گئیں اور سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ خوش خبری سنائی۔ اس بشارتِ عظمیٰ پر سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ تمام زیورات جو کہ آپ نے پہن رکھے تھے، حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عطا فرمادیں اور اللہ تبارک تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے بطور شکرِ نعمت دو ماہ کے روئے رکھنے کی منت مانی۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: خاتون تھیں (جیسا کہ قرآن سے عیاں ہے) وہ ڈر گئی ہوں کہ بحیثیت زوجہ بارگاہِ اقدس میں رہتے ہوئے خدا نخواستہ کوئی ایسا کلمہ زبان سے نہ نکل جائے جو خرمینِ ایمان کو جلا کر خاکستر بنا دے ورنہ اگر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں گنجائش از کار نہیں تو حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے باریکیں کیونکر سوجھتی تھیں؟ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری بیویوں پر فخر کرتی اور فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمہارے گھر والوں نے کرایا، جبکہ میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے کرایا۔

دوسری روایت کے مطابق سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ ”میرے نکاح کا ولی اللہ تعالیٰ ہوا اور تمہارے نکاح تمہارے اولیاء (باپ، دادا اور بھائی وغیرہ) نے کرائے۔“

امام محی السنۃ بحوالہ امام شعبی نقل فرماتے ہیں، حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کرتی تھیں کہ مجھے آپ کے سلسلہ میں (دوسری بیویوں پر) تین باتوں میں امتیاز حاصل ہے، جو کسی دوسری ام المومنین کو میسر نہیں یعنی میرا اور آپ کا دادا محترم ایک ہے۔ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ آسمان پر کیا۔ میرے نکاح کے سفیر جبریل امین (علیہ السلام) ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جیسا ولیمہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کیا ایسا ولیمہ کسی اور کا نہ فرمایا۔ آپ کے ولیمہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی ذبح فرمائی اور مسلمانوں کو بیٹ بھر کر گوشت اور روٹی کھلائی۔ (پورا مضمون بحوالہ: بخاری، مسلم، نسائی، احمد ابن ابی حاتم، طبری، دارقطنی، ابن جریر، منظرہ، مدارج النبوة، روضۃ الاحباب، ابن ہشام، شیخ محقق الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ پردہ کی مشروعیت بھی اسی قصہ میں وارد ہوئی یعنی قبل ازیں مسلمان عورتیں مردوں کے پردہ نہیں کیا کرتی تھیں، اور قصہ اسی طرح مذکور ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ محققین کے نزدیک یہی معتبر ثابت ہے۔ بعض اہل سیر و اہل تفسیر و تواریخ یہ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں جو



نہ تو واقعہ کے مطابق ہے اور نہ ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عالی قدر کے لائق ہے۔ محققین اس کو مفسرین کی غلطیوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قصہ حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے قصہ کا کچھ حصہ حضرت داؤد علیہ السلام کا اور یا کا قصہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتی کے گم ہو جانے کا قصہ۔ یہ سب قصے اہل تحقیق کے نزدیک متروک و مخطوط اور طریقہ صدق و صفا اور اعلیٰ ادب سے دور ہیں۔

اسرائیلی مشینری (یہود و نصاریٰ) نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قصہ نکاح میں خوب خوب رنگ بھرے اور یہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر شیدہ ہو گئے تھے اور اپنے منہ بولے بیٹے سے طلاق دلو کر خود شادی رچالی۔

نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ، سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ هَذَا بَعْثَانِ عَظِيم۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصوب پوری اس کا جواب دیتے ہوئے خوب فرماتے ہیں:-

”جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا اس وقت اُن کی عمر پچیس سال کی تھی اور اسلام میں حجاب کا حکم اُس وقت تک نازل نہ ہوا تھا، ان دونوں فقروں (یعنی باتوں) کو یاد رکھنے کے بعد کوئی بھی شخص اس لغو داستان کو باور نہ کر سکے گا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حسن کو یکا یک دیکھ کر اُن پر مائل ہو گئے تھے۔ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی ہیں، آنکھوں کے سامنے پلیں بڑھیں۔ اُن کی شکل و صورت کیونکر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوشیدہ رہ سکتی تھی جیسا جبکہ پردے کا حکم بھی جاری نہ ہوا تھا۔ پھر پچیس سالہ عورت کا حسن، اور وہ بھی عرب جیسے گرم ملک کی عورت کہ جہاں عورتوں کا شباب جلد ڈھل جاتا ہے، ایسا کیونکر نالجا سکتا ہے کہ زید (ایک آزاد کردہ غلام) کہ جو قبل ازیں اُمّ امین (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جیسی بیوی کے ساتھ

کہ جو عمر میں زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو چند بڑی تھیں، جو بیوہ اور حشری الاصل تھیں، ان کے ساتھ نفسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے، وہ تو اس (حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے بیزار ہو جائے اور سید الانبیاء، امام الاتقیاء (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس پر شیفگی کا اظہار کریں۔ عقل، عادت، تجربہ اور مشاہدہ ایسی ہی تباہی باتوں کے انکار کئے کافی ہے۔  
 (رحمۃ للعالمین جلد ثانی)

## نکاح زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسلامی تعلیمات پر اثر

(۱) غلامی کی ذلت: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پوری نوع انسانیت کے نجات دہندہ بن کر تشریف لاتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آدمیت کا بول بالا کر دیا، اولادِ آدم کو غلامی کی ذلت و پستی سے نکال کر عزت و عظمت کا تاج پہنا دیا دنیا والوں کو صاف صاف بتا دیا کہ انسان اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوتا ہے پھر لوگ اسے غلام بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور کسی عربی کو عجمی پر، گورے کو کالے پر کسی آزاد کو غلام پر یا کسی اوتھے خاندان والے کو ادنیٰ قبیلہ والے پر کوئی فضیلت نہیں، اُس کے حضور وہی زیادہ عزت و شرف والا ہے، جو زیادہ صاحب تقویٰ ہے۔ اس کا عملی مظاہرہ اس کائناتِ ہستی میں خدائے واحد القہار کے بعد یعنی پوری مخلوقات میں سب سے زیادہ عزت و اختیار رکھنے والے حضور سرور کائنات محمد موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سگی بھوپھی کی بیٹی کا نکاح بازارِ مکہ میں بیکنے والے ایک غلام کے ساتھ کر کے فرمایا۔ اللہ اکبر!

(۲) اطاعتِ رسول اور اس کا شہود: اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ارشادِ ذی شان کہ: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا يَطَاعُ بِإِذْنِ اللَّهِ (النساء ۶۴) ”اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا، مگر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے“

کی شاندار تصویر سامنے آئی کہ جب اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوئی حکم صادر فرمادیں گے، تو پوری مخلوق میں سے کسی کو نافرمانی کا حق حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم سب احکامات پر غالب و فائق۔ اور یہ وہ فیصلہ ہے جسے چیلنج نہیں کیا جاسکتا، اور پھر دل و جان سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو قبول کر لیتا ہے، رب تعالیٰ جل شانہ اُس کے اخلاص اور تقویٰ کے مطابق اسے دونوں جہانوں میں عزت و سربلندی عطا فرمادیتا ہے۔

(۳) مُتَبَنّٰی کی رسم کا بطلان: اسلام سے زمانہ جاہلیت میں متبنّی (یعنی منہ بولا بیٹا) بنانے کا رواج تھا۔ وہ بچہ اپنے منہ بولے باپ کا بیٹا کہلاتا اور اُس کی وراثت کا حقدار مانا جاتا۔ اسلام نے اس رسم بد کو خیر سے اکھاڑ پھینکا۔ قرآن کریم نے حکم دے دیا کہ اولاد کو ان کے اصلی والد کی طرف منسوب کرو کسی دوسرے کی طرف منسوب نہ کرو جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”مفہوم حدیث“ جو اپنے آپ کو اپنے والد حقیقی کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرے، وہ جہنمی ہے۔“

وراثت کے حقدار اصلی رشتہ دار ہیں نہ کہ بناوٹی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ نے اس رسم کے اختتام کی ابتداء اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرمائی، تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک پوری اُمت کے لئے اُسوۂ حسنہ بنے۔

(۴) احکام پورہ ان ہی کے دعوتِ ولیمہ کے موقع پر نازل ہوئے، جن کو اسلام میں بہت ہی اہمیت حاصل ہے۔ گویا بے راہ روی کا اعلیٰ انداز میں سد باب فرمایا۔

حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ

سیدہ زینب کی رحلت مبارکہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سہ ماہ میں ہوا، اس وقت ان کی عمر مبارکہ پچیس برس تھی، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریفہ ساڑھن برس کی تھی۔ حضرت

زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چھ سال خدمت نبوی میں گزارے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد دس سال زندہ رہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”اَلْوَلَدُ يَكُونُ بِكَذَا اَسْرَعُ عَيْنًا“۔

”یعنی تم میں سے جس کے ہاتھ لمبے ہیں، وہ تم سے پہلے سبقت کرنے والی ہے۔“ مطلب یہ کہ میرے اس دنیا سے جانے کے بعد تم سب سے پہلے وفات پا جائے گی۔ اس کے بعد ازواج مطہرات نے بانس کا ٹکڑا لے کر اپنے اپنے ہاتھوں کو ماینا شروع کر دیا تاکہ پتہ چلے کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہیلہ بنت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ دراز ہیں۔ اور جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت مبارک کے بعد ازواج مطہرات میں سے سب سے اول سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی تو تب پتہ چلا کہ دراصل لمبے ہاتھوں سے مراد کثرت نے ساتھ خیرات کرنے والی ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے ہاتھوں سے محنت کرتیں اور حاصل ہونے والی مزدوری صدقہ و خیرات فرمادیتیں۔

مروی ہے کہ جب ان کی وفات کی خبر حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچی تو آپ نے فرمایا، ذَهَبَتْ حَمِيْدَةٌ مُّفِيْدَةٌ مَّفْرُوْعَةٌ اَلْيَتَامَى وَالْاَدْوَالِ ”پسندیدہ خصلت والی، فائدہ دینے والی، یتیموں اور بیواؤں کی خبر کرنے والی دنیا سے چلی گئی۔“ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارک مشہور قول کے مطابق ۲۳ھ میں ہوئی۔ اس وقت عمر شریفہ تقریباً ۱۵ برس کی تھی۔ ان کی نماز جنازہ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور اعلان کروایا کہ اہل مدینہ اپنی ماں کی نماز جنازہ میں حاضر ہوں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مقدس جنت البقیع شریفہ میں ہے۔ ان سے مرویات کی تعداد گیارہ ہے۔

اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تین بھائی حضرت عبداللہ،  
**اتارب** حضرت ابواحمد عبداللہ اور عبید اللہ تھے، (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

جبکہ تین ہی بہنیں تھیں: سیدہ زینب، اُمّ حبیبہ اور حضرت حمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)  
 (۱) حضرت سیدنا عبداللہ بن حبش رضی اللہ تعالیٰ عنہ: نہایت قدیم الاسلام ہیں  
 ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ ان کو ۳۷ھ میں حضور نبی اکرم  
 رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لطنِ نخلہ کی جانب بارہ مہاجرین پر  
 کمانڈر بنا کر بھیجا اور امیر المؤمنین کے معزز لقب سے سرفراز فرمایا۔ بدر اور احد میں  
 شریک جنگ ہوئے اور اسی جنگ احد میں درجہ شہادت پر فائز ہو کر اسد اللہ و رسولہ سیدنا  
 حضرت امیر حمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے۔ مزار مقدس  
 جبل احد کے دامن میں آج بھی زیارت گاہِ خلافت ہے۔

حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میدان احد میں  
 جنگ شروع ہونے سے قبل حضرت عبداللہ بن حبش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا کہ آؤ ہم  
 اپنے اللہ تعالیٰ سے اپنی اپنی آرزوؤں کی دعا کریں۔ میں نے کہا اٹھیک ہے۔ ہم ایک کنارہ  
 کی طرف ہو گئے۔ پہلے میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ تعالیٰ! کل جب ہم دشمن کے مقابل ہوں  
 تو میرا مقابلہ ایسے شخص سے جو حملہ میں بھی سخت اور مدافعت میں بھی ماسر ہو۔ میں اور وہ  
 لڑ پڑیں، میرا لڑنا صرف اور صرف تیری رضا کے لئے ہو، پھر فتح پاؤں اور اس کافر کو قتل  
 کر کے مالِ غنیمت حاصل کروں۔ میری اس دعا پر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا  
 آمین! پھر انہوں نے اپنے لئے یہ دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ اِنْ قَتَلْتَنِيْ غَدًا رَّجُلًا شَدِيْدًا  
 بِاسْلَمٍ شَدِيْدًا اَوْ اَحَدًا اَوْ قَاتَلَهُ فَيَكُ وَيَقَاتِلْنِيْ فَيَقْتُلْنِيْ ثُمَّ يَأْخُذْنِيْ  
 فَيَجْعِدُ اَنْفِيْ وَادْفِنْنِيْ فَاِذَا الْقِيَتُكَ قُلْتُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ فَيُهْمِرُ جَدْعَ  
 اَنْفِكَ وَادْفِنْتَنِيْ فَاَقُوْلُ فَيَكُ وَفِي رَسُوْلِكَ فَيَقُوْلُ صَدَقْتَ۔



”اے میرے اللہ تعالیٰ! کل میرا مقابلہ ایسے آدمی کے ساتھ ہو جو سخت لڑائی کرنا والا اور دفاع کرنے والا ہو، ہم دونوں لڑیں، میرا لڑنا صرف تیری رضا کے لئے ہو، پھر وہ مجھے قتل کر ڈالے پھر وہ میری ناک اور کان کاٹ ڈالے پھر جب میں تیرے حضور حاضر ہوں تو تو فرمائے اے عبد اللہ تیری ناک اور کان کیوں کاٹے گئے، تب میں عرض کروں اے اللہ تعالیٰ! یہ تیری راہ میں اور تیرے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی راہ میں کاٹے گئے، تو پھر تو ارشاد فرمائے کہ ہاں تو نے سچ کہا ہے۔“  
حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اُن کی دُعا پر میں نے بھی آمین کہا، پھر دوسرے دن جب لڑائی شروع ہوئی، تو ہم دونوں کی دُعائیں اس طرح قبول ہوئیں کہ جس طرح مانگی تھیں۔ (خمیس)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: عبد اللہ بن حبش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دُعا میری دُعا سے بہتر تھی۔ شام کو میں نے دیکھا کہ کفار نے اُن کے کان اور ناک کاٹ کر ایک ڈھاگے میں پردے ہوئے ہیں۔ (اصابہ)

ع خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

(۲) حضرت ابوالاحمد عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ نابینا تھے اور بہترین شاعر تھے۔ نابینا ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو مرتبہ ہجرت کی۔ ایک مرتبہ تو حبشہ کی طرف، جبکہ دوسری مرتبہ مدینہ منورہ کی طرف۔ ان کے گھر میں ابوسفیان کی بیٹی فارعہ تھی۔ اس اعتبار سے یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہم زلف بنتے ہیں انہوں نے سلسلہ میں اپنی ہمیشہ محترمہ اُم المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد وفات پائی۔ ہجرت مدینہ طیبہ کے سلسلہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار بہت مشہور ہیں۔

(۳) عبید اللہ بن حبش، یہ بد نصیب بھی مسلمان ہو کر اپنے بھائیوں کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت کر گیا تھا، مگر شراب کی عادت بد اس کو لے ڈوبی۔ یہ عیسائی ہو کر شراب کے

نشتے میں دھکت رہتا تھا اور اسی حال میں مر گیا۔ اس کی زوجیت میں حضرت اُمّ حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو خاوند کے مُرتد ہو جانے کے باوجود دامنِ اسلام سے وابستہ رہیں، جن کو عبید اللہ بن جحش کے مرنے کے بعد اُمّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

(۱) حضرت حبیبہ المعروف اُمّ حبیب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا:-

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تھیں۔

(۲) حضرت حمہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا: یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ جب آپ میدانِ احد میں مرتزبہ شہادت پر فائز ہو گئے، تو ان کا نکاح حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، ان سے دو بیٹے محمد اور عمر پیدا ہوئے۔

## (۹) اُمّ المؤمنین حضرت سیدہ جویریہ بنت الحارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کا نام حارث بن ابی صرار بن حبیب بن عائد بن مالک بن خزیمہ تھا، جو بنو خزاعہ کی ایک شاخ بنو مصطلق سے متعلق ہیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نام ”برہ“ تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل فرما کر جویریہ رکھ دیا جیسا کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام ”برہ“ کی بجائے زینب رکھ دیا تھا۔ برہ کا لفظ معنی بھی ہے۔ حضرت برابر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس نام کو اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ کوئی یہ کہے کہ ہم ”برہ“ کے پاس سے نکل آئے ہیں یا یہ کوئی کہے کہ اس گھر میں ”برہ“ نہیں ہے۔

حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۳۵ھ میں غزوہ مریضیہ (بنو مصطلق)

میں گرفتار ہو کر آئیں اور تقسیم غنائم میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مکاتب بنادیا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بدل کتابت مانگنے کے لئے حضور رحمۃ اللعالمین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت انور میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، میں مسلمان ہو چکی ہوں، میں اپنے قوم کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں، مجھے ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکاتب بنایا ہے، میں اس لئے حاضر ہوتی ہوں کہ میں اس قدر رقم ادا نہیں کر سکتی۔ میں امید رکھتی ہوں کہ آپ اپنی شانِ کبریٰ کے لائق، تعاون فرمائیں گے۔“ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”کیا یہ ٹھیک نہیں کہ میں اس سے بھی بہتر سلوک کروں؟“ انہوں نے عرض کیا کہ ”وہ کیا؟“ تو ارشاد فرمایا: ”اگر تو چاہے تو تیری طرف سے بدل کتابت ادا کر کے تجھے آزاد کر دوں، پھر تجھے اپنی زوجیت میں لے لوں؟“ دراصل حضور رحمت عالم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی سے اُس کے شایانِ شان سلوک فرمانا چاہتے تھے، حالانکہ اُس زمانہ میں قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا اسی لئے اُن سے یہ ارشاد فرمایا تھا، حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ سنا تو بہت خوش ہوئیں اور اس پیشکش کو دل و جان سے قبول کر لیا۔ چنانچہ حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدل کتابت ادا فرما کر، حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے حوالہ عقد میں لے لیا۔ ایک روایت کے مطابق چار سو درہم حق مہر قرار دیا۔ مرقوم ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس صکوتِ حال سے لے مکاتب سے مراد یہ ہے کہ: - آقا اپنے کسی غلام کو یہ اختیار دیتا ہے کہ اگر وہ غلام اس قدر رقم کا کہ اپنے آقا کو دے دے تو وہ آزاد ہے۔ اس بات کو عموماً تحریر کر لیا جاتا۔ جو رقم مقرر ہوتی ہے، بدل کتابت یا زر کتابت کہا جاتا ہے۔ - ۱۲

باخبر ہوئے تو باہم کہنے لگے ہمیں یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی کہ جن کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حرم محترم میں داخل فرما کر اُمّ المؤمنین کے بلند مرتبہ پر فائز فرما دیا ہے، ہم اُن کے رشتہ داروں کو اپنی قید میں رکھیں، یہ سوچ کر صحابہ کرام نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ان کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ فَمَا سَأَيْنَا امْرَأَةً اَعْظَمُ بَرَكَهَةً عَلَى قَوْمِهَا مِنْهَا (ابوداؤد شریف) ”میں کسی عورت کو نہیں جانتی، جو اپنی قوم کے لئے ان (جویریہ) سے بڑھ کر برکت والی ہو“ سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پہلی شادی مسافح بن صفوان مصطلق کے ساتھ ہوئی جب یہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئیں تو اُن کی عمر بیس سال کی تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہونے سے قبل میں نے اپنے قبیلہ میں ایک خواب دیکھا تھا کہ مدینہ طیبہ کی طرف سے ایک چاند طلوع ہو کر میری طرف آ رہا ہے، یہاں تک کہ وہ میری آغوش میں آ گیا ہے۔ میں نے یہ خواب کسی کو نہ بتایا، بلکہ خود ہی اس کی تعبیر لی جو الحمد للہ پوری ہو گئی۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت درجہ عابدہ زاہدہ اور رکن النہا تھیں۔ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر سے صبح نماز فجر کے لئے تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ مصطفیٰ پر تھیں۔ بوقت چاشت جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے، تو یہ ابھی تک مصطفیٰ پر ہی بیٹھی تھیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تم اسی وقت سے یہاں بیٹھی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں! تو فرمایا جس وقت میں تمہارے پاس سے گیا ہوں، چار کلمات مقدسہ ایسے پڑھے ہیں کہ اگر ان کو تمہارے اس ورد سے موازنہ کیا جائے، تو وہ وزنی نکلیں اور وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَى نَفْسِهِ وَذِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ (بخاری) مقصود یہ تعلیم دینا تھا کہ دوسرے اوراد کے ساتھ ان کو بھی اپنے ذکر میں شامل کر لینا چاہیے۔ (مدارج النبوة)

حضرت سیدہ اُمّ المؤمنین جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ سترھ کو مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر شریفہ پینسٹھ برس کی تھی۔ ان کی نماز جنازہ مروان نے پڑھائی جو کہ اس وقت حاکم مدینہ تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرویات کی تعداد سات ہے، جن میں دو کو امام مسلم، دو کو امام بخاری اور تین دیگر محدثین نے نقل فرمائی ہیں۔

کتاب سیر سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو بھائیوں عبداللہ بن حارث و عمار بن حارث، جبکہ ایک بہن عمرہ بنت الحارث کا ذکر ملتا ہے۔  
**اترپ** یہ سارے صاحب ایمان ہوئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ مرلیس (ربو مصطلق) کے بعد اپنی قوم کے قیدیوں کی رہائی کے لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور گفتگو کرنے آئے تھے۔ ان کے ساتھ کچھ اونٹیاں (بادہ شتر) اور ایک ہبشی لونڈی تھی۔ یہ راستے میں آتے ہوئے ان سب کو پہاڑ کی گھاٹی میں چھپا آئے۔ جب انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اسیران جنگ کے بارے میں گفتگو کی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم فدیہ کے لئے کیا لے کر آئے ہو؟ عبداللہ نے کہا کچھ بھی نہیں، میں تو خالی ہاتھ آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ اوصیاں کیا ہوتیں؟ اور وہ لونڈی کدھر گئی؟ جسے تم پہاڑ کی گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو۔ اس پر حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت حیران ہوئے اور کہا: ”میرے ساتھ تو کوئی بھی شخص نہ تھا اور نہ ہی کوئی آنے والا مجھ سے قبل اس طرف سے آیا ہے۔ جس نے آپ کو بتایا ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ یہ کہتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجان و دل اسلام قبول کر لیا۔  
 (کتاب الاستیعاب)



# ۱۰ ام المؤمنین حضرت سیدہ صفیہ بنت الحنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام المؤمنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کا نام حنفی بن اخطب بن شعبہ تھا۔ یہ حضرت سیدنا ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ کا نام بڑہ بنت سموال یا سمال تھا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ حنفی بن اخطب قبیلہ بنو نضیر کا سردار اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمنوں میں سے ایک تھا۔ اللہ رب العزت جل شانہ کی شان بے نیازی ہے کہ جس طرح بدترین دشمنان اسلام ابو جہل اور ولید بن مغیرہ، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹوں حضرت عکرمہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اسلام کے نامور سپوت بنادیا۔ اسی طرح دشمن اسلام حنفی بن اخطب کی لخت جگر حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ام المؤمنین بننے کا شرف عظیم عطا فرمادیا۔ (ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء من عباده) سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پہلی شادی سلام بن مشکم کے ساتھ ہوئی، جبکہ دوسرا نکاح یہودیوں کے سردار کنانہ بن بیع بن الحقیق کے ساتھ ہوا۔ کنانہ غزوہ خیبر میں اہل ایمان کے ہاتھوں مارا گیا۔ فتح خیبر کے بعد قیدیوں اور مال غنیمت میں حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں، ان کی عمر ابھی صرف سترہ برس کی تھی اور نئی شادی ہوئی تھی۔

(یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی سلام بن مشکم سے بہت چھوٹی عمر میں ہوئی ہوگی) جب مال غنیمت اور قیدی تقسیم ہوئے تو سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت دحمہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آ گئیں۔ اس پر صحابہ کرام میں ایک بے چینی سی پھیل گئی کہ خیبر کے سردار کی بیٹی ایک صحابی کے حصہ میں آ گئی ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی قبیلہ کے سردار کا اکرام و لحاظ فرمایا کرتے تھے، اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو!

علاوہ ازیں حضرت صفیہ، حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں، اولاد نبیؐ کے اعتبار سے لائق ترین بات یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو اپنے لئے منتخب فرمائیں، لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو جو چاہیں سلوک فرمائیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ صفیہ کے علاوہ کسی اور قیدی کا انتخاب کرلو۔ بعض روایتوں کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سات باندیوں کے عوض جبکہ عند البعض حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا کی بیٹی کے عوض۔ (مدارج النبوة) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے لیا اور حکم دیا کہ ان کو خیمہ میں لے جاؤ۔ اس کے بعد خود رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیمہ میں تشریف لائے، تو سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہر تعظیم فوراً کھڑی ہو گئیں اور وہ بستر جو خیمہ میں لپیٹ کر رکھا ہوا تھا، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بچھا دیا اور خود نہایت ادب کے زمین پر بیٹھ گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے صفیہ! تمہارے والد نے میرے ساتھ ہمیشہ دشمنی اور عداوت رکھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا، انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کسی ایک بندے کے گناہ پر کسی دوسرے کی گرفت نہیں فرماتا،“ اس کے بعد حضور سید الکونین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے صفیہ! تم کو اختیار ہے کہ تم آزاد ہو کر اپنی قوم کے پاس چلی جاؤ اور اگر چاہو تو شرفِ اسلام سے مشرف ہو کر میری خدمت میں ہو۔“ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ غایت درجہ عاقلہ و فرزاندہ اور علیم الطبع تھیں، عرض گزار ہوئیں: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! میں اسلام کی آرزو مند تھی اور اب بھی ہوں، میں نے آپ کی تصدیق اُس وقت کی جب نہ تو ابھی حاضر خدمت ہوئی تھی اور نہ ہی آپ نے مجھے دعوتِ اسلام دی تھی، اب جبکہ حاضر خدمت اقدس ہو چکی ہوں تو مجھے کفر و اسلام کے درمیان اختیار دیا جا رہا ہے۔

مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میرے نزدیک اپنی آزادی اور قوم کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کہیں زیادہ محبوب ہیں۔“ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد فرمادیا اور ان کی رضا کے مطابق ان سے عقد فرمالیا۔

منقول ہے کہ حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے غزوہ خیبر کے وقت ایک خواب دیکھا تھا کہ چودھویں رات کا چاند میری آنکھوں میں آگیا ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ خواب اپنے (سابقہ) شوہر کنانہ کو سنایا تو اُس نے کہا: ”شاید تو یہ خواہش رکھتی ہے کہ تو اس بادشاہ (یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی بیوی بنے جو اس میدان میں فروکش ہے۔“ یہ کہتے ہوئے اُس لعین نے ایک طمانچہ اتنے زور سے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رخسار پر مارا کہ اُن کی آنکھ نیلی ہو گئی۔ یہی بات حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسلام لانے کا باعث بنی کہ وہ نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کو پہچان چکی تھیں۔ اس خواب کی مزید تصدیق اُس وقت ہو گئی، جب بارگاہ اقدس میں شرفِ حاضری نصیب ہو گیا، شبِ زفاف میں بھی کنانہ کے طمانچہ کا اثر سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رخسارہ اقدس پر نمایاں تھا۔ رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ساری حقیقت حال بیان کر دی۔ (مدارج النبوة)

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جب لشکر کی واپس مدینہ طیبہ روانگی کا وقت آیا تو بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سواری پیش کی گئی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پائے مبارکہ راحلہ پر رکھا تاکہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ران مبارک پر اپنا پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جائیں، مگر سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ادب کو ملحوظ خاطر رکھا اور پاؤں کی بجائے اپنا نالہ

ران مبارک بہر کھ کمر سوار ہو گئیں۔ حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے سوار کرایا اور پردہ باندھا۔

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حسیس (ایک قسم کا کھانا) تیار کروایا جو مقدار میں اگرچہ کم تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت اور اعجاز سے تمام لوگ شکم سیر ہو گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیکھ ہی عزت و شان والا تھا۔ حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ بہت ہی مشفقانہ سلوک فرماتے تھے۔

حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ منورہ پہنچیں تو انصار کی عورتیں ان کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گئیں، کیونکہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حسن و جمال کا شہرہ انہوں نے پہلے ہی سُن کر سنا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نقاب اوڑھے چادر لپیٹے تاکہ پہچانی نہ جاسکیں، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھنے آئیں۔ جب وہ واپس لوٹیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے پیچھے تشریف لے گئے اور فرمایا ”اے حمیرا! تم نے صفیہ کو کیسا پایا؟“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: ”ایک یہودیہ کو عورتوں کے درمیان بیٹھے ہوتے دیکھا ہے“ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! ایسے نہ کہو، کیونکہ وہ اسلام قبول کر چکی ہیں اور ان کا اسلام حسن قبول میں گیا ہے۔

حضرت اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت وفا شعار اور جان نثاری کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ زمانہ علالت میں جبکہ تمام ازواج مطہرات حاضر خدمت تھیں۔ حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہایت غمزدہ عالم میں عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم“

خدا کی قسم! میں محبوب رکھتی ہوں کہ آپ کا مرض مجھے لگ جاتے (اور میں آپ قربان ہو جاؤں)  
اس پر دیگر تمام ازواجِ مطہرات نے آپس میں ایک دوسری کے ساتھ ان کے پاس میں  
باتیں کیں۔ جب اس بات کا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا تو رسول کریم  
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر اظہارِ کراہت و ناراضگی فرمایا اور فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم!  
صفیہ اپنے دعوے میں سچی ہے۔“

منقول ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ صفیہ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے، تو وہ رو رہی تھیں حضور نبی کائنات  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رونے کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کی کہ  
فلاں فلاں ازواجِ مطہرات میرے پاس آئیں اور مجھے کہا کہ ہم تجھ سے بہت بہتر ہیں کیونکہ  
ہمارا نسب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے۔ ”حضور نبی محترم رسول اکرم  
رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:-  
”تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ تم مجھ سے کس طرح اعلیٰ ہو سکتی ہو، جبکہ میرے باپ حضرت ہارون  
علیہ السلام، میرے چچا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور میرے بھی شوبہ حضرت سیدنا  
محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔“

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ ۳۶ھ میں ہوئی  
بعض نے کہا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔  
اور ان کی نمازِ جنازہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی، جبکہ  
عند البعض سنِ رحلت ۵۳ھ یا ۵۵ھ بھی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلما اتم)  
حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں انتقال فرمایا،  
اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ان کی روایت سے صرف دس حدیثیں منقول ہیں جن  
میں صرف ایک متفق علیہ ہے۔



# (۱۱) اُمّ المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمّ المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کا نام حارث بن بحیر بن محرم بن روبیعہ عبد اللہ بن ہلال بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن تھا۔ ان کا نسب اٹھارہویں پشت میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام ہند بنت عوف تھا۔ یہ قبیلہ حمیر یا کنانہ سے تھیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نام بھی حضرت زینبؓ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح ترہ تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل فرما کر یمن بمعنی برکت سے مانوۃ میمونہ رکھا۔ زمانہ جاہلیت میں حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح مسعود بن عمر ثقفی سے ہوا، مگر نا اتفاقی کی وجہ سے علیحدگی ہو گئی۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حویط بن عبد العزیٰ سے ہوا۔ بعد ازاں ان کی شادی ابو رہم بن عبد العزیٰ سے ہوئی۔ کچھ عرصہ کو جب رسول محتشم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عمرہ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا کہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ ہو گئی ہیں۔ (خیال رہے کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہم شیرہ ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی خواہش کے مطابق ماہ ذی القعدہ ۳ھ میں مقام سرف میں ان سے نکاح فرمایا۔ اس وقت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارکہ ۳۶ برس تھی، جبکہ تاجدارِ انبیاء محبوب کبریاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارکہ ۵۹ سال تھی۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تقریباً سوائیں برس خدمت نبوی کا شرف حاصل ہوا۔

**وفات:** حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ مشہور تر قول کے مطابق ۱۵ھ ہے، البتہ بعض کتب میں ۶۲ھ یا ۶۳ھ بھی درج ہے۔ آخری قول پر اعتبار کیا جائے تو امہات المؤمنین میں سب سے آخر میں وفات پانے والی آپ ہی بنتی ہیں، حالانکہ نہایت مشہور قول یہ ہے کہ امہات المؤمنین میں سب سے آخر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال شریفہ بود (واللہ تعالیٰ اعلم وکلمہ اتم) یہ عجیب اتفاق ہے کہ ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا **مَرَقِدِ النُّور** کا نکاح، زفاف اور وفات سب مقام "نُور" میں ہوئے۔

"نُور" شہر مکہ مکرمہ سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے وہاں برب سڑک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار مقدس ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ آپ کے بھانجے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پڑھائی اور ان کے ساتھ مل کر دوسرے بھانجوں نے بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قبر میں اتارا۔ (ردارج النبوۃ) حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نکاح نہیں فرمایا۔ اس اعتبار سے یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آخری ونبہ ظہریں کتب احادیث میں ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۶۷ احادیث مبارکہ مرقی ہیں سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چار حقیقی ہم شیران گرامی قدر اور چار **اقارب** صرف ماں کی طرف سے ہیں۔ ان کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا؛ **حقیقی ہم شیران** یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا محترم

۱۔ یہ بندہ ناچیز مؤلف کتاب ہذا محمد سعید الحسن ۱۸۷۱ھ کو سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار مقدس کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہاں چار دیواری بنی ہوئی اور اندر جھاریاں لگی ہوئی ہیں، قبر النور کا معمولی نشان پتھروں کی بنی دیوار سے نظر آتا ہے۔ ۱۲ منہ

حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ ان کی اولاد میں سب سے زیادہ شہرت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ملی۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی حضرت لبابۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دودھ کی ماں تھیں۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی اور آپ کی نماز جنازہ بھی حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔

(۲) لبابۃ الصغریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، یہ مشہور سردارِ مکہ ولید بن مغیرہ کی زوجیت میں تھیں۔ ان کی اولاد میں سب سے زیادہ شہرت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی۔ انہیں سیف اللہ کا خطاب حاصل تھا، ارباب سیر کے مطابق لبابۃ الصغریٰ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے بیٹے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیہ تھیں۔

(۳) عصماء بنت الحارث، یہ ابی بن خلف کی زوجیت میں تھیں۔

(۴) عرزہ بنت الحارث، ان کے خاوند کا نام تھا، زیاد بن مالک۔

نوٹ: ان دونوں کے ایمان کے بارے میں پتہ نہ چل سکا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

**والدہ کی طرف سے بمشیران** (۱) اُم المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان کی شادی ماہ ذیقعد ۳ھ

میں بعمر تیس برس ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چند ماہ ہی

رفاقت رہی۔ یہ جلد ہی خالق حقیقی سے جا ملیں۔

(۲) حضرت سلمیٰ بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان کا پہلا نکاح اسد اللہ و رسول

سید الشہداء حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا جن سے ایک صاحبزادی

اُمۃ اللہ عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، پیدا ہوئیں۔ غزوہ احد میں حضرت امیر حمزہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے، تو ان کا دوسرا نکاح شداد بن اُسامہ سے ہوا ان سے دو صاحبزادے عبداللہ اور عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔

(۳) حضرت سلامہ بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن کعب بن منبہ خثمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔

(۴) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا، یہ نہات درجہ عقلمند، دانا اور صاحبہ حسن و جمال مشہور عورت تھیں۔ ان کی سب سے پہلی شادی حضرت سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی، جن سے تین صاحبزادے عون بن جعفر، محمد بن جعفر اور عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پیدا ہوئے۔ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ موتہ میں درجہ شہادت پا گئے، تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری شادی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی، جن سے ایک صاحبزادے حضرت محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ کے بعد ان کی تیسری شادی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوئی۔ ان سے دو صاحبزادے حضرت عون اور حضرت یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ایک صاحبزادی سیدہ رقیہ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔

## مُطْلَقَاتُ النِّبِیِّ

اس باب میں اُن عورتوں کا تذکرہ ہو گا کہ جو بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوئیں، مگر کسی نہ کسی سبب سے علیحدگی ہو گئی، اگرچہ اس موضوع پر تحریر کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی، مگر اس بندہ ناچیز (مؤلف کتاب) کے خیال میں چونکہ پُروردگار عالم جل شانہ نے اپنے محبوب اور ہمارے آقا رسول محتشم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پوری کائنات کے لئے ایک کامل ترین نمونہ بنا کر بھیجا اور تمام حق دانس کو حکم دیا کہ

كَفَدَ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ - (الاحزاب ۲۱)

اور بحمد اللہ تعالیٰ ادیانِ عالم میں شرف صرف اور صرف دینِ فطرت یعنی دینِ اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں کو زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی بہم پہنچائی۔ جس سے تعصب بالائترسوخ دینِ اسلام کا مطالعہ کرنے والا ہر دانشور خواہی نہ خواہی یہ اقرار کئے بغیر نہیں ہو سکتا کہ پوری دنیا میں انسانیت کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے دینِ اسلام سے بڑھ کر کامل ترین دین کوئی بھی نہیں ہے۔

زندگی کے اہم ترین خانگی معاملات میں جہاں بحیثیت شوہر تاجدارِ انبیاء سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم کا اعلیٰ ترین کردار سامنے آتا ہے وہاں ضرورت اس امر کی بھی تھی کہ اگر خدا نخواستہ میاں بیوی کی راہیں جدا ہو جاتی ہیں اور وہ ایک دوسرے کا ساتھ نہیں نبھاسکتے، تو وہاں سنتِ نبوی کے مطابق طلاق کی کیا صورت ہوگی؟

خالق کائنات جل شانہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بعض ایسے مواقع فراہم فرمائے کہ امتِ مرحومہ کے سامنے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا۔ ذیل میں مدارج النبوۃ جز ثانی کے حوالہ سے اس بارہ میں اختصاراً درج کیا جاتا ہے:

مواہب لدنیہ کے مطابق اس کا نام اسماء بنت نعمان بن ابی النضر (۱) اسماء کنذریہ الکندیہ جو نہیہ ہے، جبکہ صاحب جامع الاصول نے اس کو "اسماء کنذریہ" تحریر کیا۔

اسماء بنت نعمان جو نہیہ کا باپ نعمان بن ابی الحون کنذہ کاریس تھا، اور بہت خوبصورت اور حسین و جمیل عورت تھی۔ مرقوم ہے کہ بعض ازواج مطہرات نے اس پر رشک کیا اور سکھلایا کہ تو رئیسِ زادی ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیرے پاس خلوت میں تشریف لائیں تو تو ان سے کہنا: اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ۔ اس طرح وہ تم سے بہت ہی اچھا سلوک فرماتیں گے۔ چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم



”جوئیہ“ کے پاس تشریف لائے، تو اُس نے کہا: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ۔ یہ سنتے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوراً اُس کے پاس سے دُور ہو گئے اور فرمایا: ”تُو نے بہت عظیم ہستی کی پناہ مانگی ہے، اُسٹھ اور اپنے خاندان میں چلی جا۔“

بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے رئیس زادی ہونے کی وجہ سے بارگاہ رسالت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں کلمات تکبر و غرور کہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند فرمایا اور اسے طلاق دے دی اور حضرت اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے اُسید! اس کو دو جا مے دے کہ اس کے اہل میں پہنچا دو۔“ اور حضرت اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم نبوی کے مطابق عمل کر دیا۔

مرقوم ہے کہ بعد ازاں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا گیا کہ اس کے ساتھ دوسری ازواجِ مطہرات نے مکروہِ قریب کیا اور اسے ایسے کلمات (یعنی کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ) کہنے پر برا بیگختہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ هُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ وَاِنَّ كَيْدَ هُنَّ عَظِيْمٌ ط

”بے شک یہ عورتیں یوسف علیہ السلام والی ہیں اور بیشک ان کا مکر بہت بڑا ہے“

عند البعض یہ قبیلہ بنو لیت کی ایک لڑکی تھی اور اسی نے

(۲) ملکہ بنت کعب جملہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ کہا تھا، جبکہ مذکورہ الذکر

اسماء کندیہ جوئیہ نے صرف کلماتِ غرور کہے تھے۔ یہ تکبر و غرور کے الفاظ طبعِ اقدس کو ناگوار گزرتے تھے، جو اُس کی حیا کی کاسب بنے۔ بہر کیف اس عورت کے بارے میں بھی رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ انور میں کراہت پیدا ہو گئی۔ (خواہ اس کا سبب کوئی بھی کیوں نہ ہو) اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے طلاق دے دی۔

فائدہ: ان دونوں واقعات میں بہت سے مسائل و نکات درمکملہ و

غیر منجولہ کی طلاق اور اس کو دیئے جانے والے مال و متاع کے مسائل کے علاوہ اُسوۂ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی جو چیز نمایاں طور پر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر خاوند کے دل میں عورت کے بارے میں نفرت و کراہت ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں اس عورت کو سچی محبت نہیں دے سکتا، تو منافقت کی زندگی بسر کرنے کی بجائے اُس عورت کو داغدار کئے بغیر اس سے علیحدگی اختیار کرے تاکہ کسی اور خاوند کے ساتھ وہ ہنسی خوشی ایام زیست پورے کر سکے۔ بلا وجہ اس بے چاری کو قید نکاح میں رکھنا اور ادائیگی حقوق میں کوتاہی برتنا، کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔

دوسرے یہ کہ اگر خاوند بیوی کو کسی وجہ سے طلاق دینا چاہتا ہے، تو اس بے چاری پر کوئی الزام لگا کر طلاق نہ دے کہ اس کی آئندہ زندگی ہی اجیرن ہو جائے، بلکہ حتی الامکان (اگر نقصان دینے والے نہ ہوں تو) اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مطلقات نبوی کی اصل وجہ طلاق کا پتہ نہ چل سکا، بلکہ اختلاف ہے کہ شاید یہ بات ہونی تھی یا وہ بات تعلیمات نبوی ہی کا سبب تھا کہ بزرگان دین نے اس بارے میں نہایت احتیاط فرمائی۔

”کیمیائے سعادت میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک گنہگار شخصیت نے کسی وجہ سے اپنی زوجہ کو طلاق دینا چاہی۔ اُن کے شاگرد کو پتہ چلا تو اُس نے پوچھا کہ اے اُستاد محترم! آپ کی اہلیہ میں کیا نقص ہے جو باعث طلاق بنا؟ تو آپ نے سختی کے ساتھ شاگرد کو ڈانٹ دیا اور فرمایا، کیا میں کوئی بے غیرت ہوں کہ اپنی بیوی کی باتیں تجھ کو بتاؤں؟ پھر جب طلاق دے چکے، تو وہی شاگرد پھر دوبارہ حاضر ہوا اور کہا ”اب تو آپ طلاق دے چکے ہیں اور وہ عورت اب آپ کے لئے اجنبی ہے، اب آپ اس کا عیب بتادیں؟“ تو انہوں نے جواباً فرمایا: ”میں کوئی بے حیاء یا فحش گو ہوں کہ اجنبی عورتوں کی باتیں تجھ سے کروں؟“ الغرض انہوں نے اپنی سابقہ بیوی کا عیب نہ بتایا۔

(۳) لیلۃ بنت الخطیم اس نے خود بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام

”میں اس لئے حاضر ہوئی ہوں کہ اپنا نفس آپ پر ہیہہ کر دوں“ حضور نبی کریم رسول عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے اس سے نکاح فرمایا۔  
تو جب یہ عورت اپنے خاندان میں واپس گئی اور اُن کو اس بات سے مطلع کیا تو قبیلہ کے لوگوں نے اُسے کہا: ”تو نے بُرا کیا ہے، کیونکہ تو ایک غیور عورت ہے، جبکہ اُن کی کئی بیویاں ہیں اور تو غیرت میں جلتی رہے گی اور اگر غصے میں کوئی ایسی بات تیرے مُنہ سے نکل گئی جو حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار گزری تو وہ تجھے دُعا سے بد دیں گے، اُن کی دُعا بھی رد نہیں جاتی، اس طرح تو برباد ہو جائے گی، جا اور فسخ نکاح کی درخواست کر، وہ عورت اُن کے سہکاوے میں آکر واپس آئی اور فسخ نکاح کا مطالبہ کیا جسے منظور فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو طلاق دے دی۔

اس عورت نے کسی اور سے شادی کر لی جس سے کئی بچے پیدا ہوئے۔ ایک من یہ مدینہ طیبہ کے ایک باغ میں غسل کر رہی تھی کہ ایک بھیڑیا ادھر آنکلا، اس نے اس عورت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) (مدارج النبوة)

**فائدہ:** شرفِ انسانیت کے اعتبار سے یہ کتنا عظیم الشان عمل ہے کہ ایک عورت نکاح کے فوراً بعد طلاق کا مطالبہ کرے اور شوہر کو بھی ہر اعتبار سے بے عیب مگر پھر بھی شوہر نہ تو غصہ میں انکار کرے، نہ ہی بہانہ بازی کرے، نہ ہی عورت کو طعنہ دے اور نہ ہی اُس کو لٹکائے رکھتے بلکہ بغیر کسی جھیل و حجت کے محض یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے کہ یہ بھی میری ہی طرح ایک انسان ہے، اس کی بھی کچھ خواہشات ہیں۔ اگر اس کا جی کسی بھی سبب سے میرے ساتھ نباہ کرنے کو نہیں چاہتا، میں بلا وجہ اس کو قیدِ نکاح میں کیوں رکھوں؟ شرفِ انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اس کو آزاد کر دوں اور اس پر

ناراض بھی نہ ہوں۔ اللہ اکبر! اخلاقِ کریمہ کا عظیم الشان کارنامہ پوری دنیا کے لئے مینارِ نور ہے اور تبارِ ہاسے کہ پیغمبرِ اسلام حضور تاجدارِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کس قدر کریم النفس، حلیم الطبع اور درگزر والے ہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهِ کَمَا هُوَ اَهْلُهُ وَبَارَکَ وَسَلَّم۔

**واضح دیکھو کہ** ان کے علاوہ بعض ایسی عورتوں کا ذکر کتبِ سیرِ احادیث میں ملتا ہے کہ جن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خواستگاری فرمائی مثلاً: سیدہ اقم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا بعض نے خود نکاح کے لئے پیش کش کی یا بعض کے اقرباء نے پیش کش کی مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح نہ فرمایا۔ مثلاً امامہ بنتِ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، عروہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ قبیلہ بنو سعد بن عوف کی ایک عورت اور بنو سلیم کی ایک عورت وغیرہ، مگر ان سب کا یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی صاحبِ مطالعہ کا شوق رکھتا ہو تو ملا خطہ فرماتے طبری، مواہب لدنیہ، روضۃ الاحباب، مدارج النبوة وغیرہ۔

## رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بانڈیاں

مدارج النبوة میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بانڈیوں کی تعداد چالیس تھی، سیدہ ماریہ بنت شمعون قبیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: آپ کو مقوقس حاکم مصر نے بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھیجا تھا۔ یہ نہایت ہی حسین و جمیل اور صاحبِ اخلاقِ کریمہ تھیں۔ تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لختِ جگر حضرت سیدنا ابی بکر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لختِ جگر حضرت سیدنا ابی بکر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لختِ جگر تھے۔ ان کی دوسری بہن حضرت سمریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تھیں، ان سے حضرت عبدالرحمن بن حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔

(۲) حضرت ریحانہ بنت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہا :- عنہا البعض ان کے باپ کا نام بھی شمعون تھا۔ یہ بنو نضیر میں سے تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور باندی حاضر رہیں۔ بعض ارباب پیغمبر کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمایا تھا۔ واقعی اس قول کو ترجیح دیتے ہیں، جبکہ ابن عبدالبر وغیرہ کے نزدیک قول اول صحیح ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

ان کی رحلت مبارکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر ہوئی اور جنت البقیع میں ان کا مرقہ منور بنا۔

(۳) جمیلہ : یہ کسی ایسا میں دربار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئیں، ان کے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(۴) حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بارگاہ اقدس میں ایک باندی پیش کی تھی۔ ان کے مفصل حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)





## بعض اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت حفصہ	حضرت عائشہ	حضرت خدیجہ	حضرت ام جحیمہ	حضرت اوسہ	حضرت زینب	حضرت میمونہ
عم بن لوی	ابوہامد بن سہیل	خولید	ابو سفیان	(۱) حضرت عبداللہ	حضرت زینب	حضرت میمونہ
خطاب	ابوہامد بن سہیل	اسد	حرب	(۲) عبدالمطلب	حجرت	حارث
نیل	عامر	نبیہ العزی	امیہ	(۳) ہاشم	باب	بکیر
عبدالعزی	عمرو	جید الشمس	جید الشمس	(۴) عبدالمنان	معیہ	محرم
رین	کعب			(۵) قس	منا	دور غازیہ
عبداللہ	سعد			(۶) کلاب	کثیر	ہلال
قہر	تیم			(۷) مرہ	غفر	عامر
زواج				(۸) کعب	دودان	صعد
عذی				(۹) لوی	اسد	معاویہ
				(۱۰) غالب		بکر
				(۱۱) قہر یعنی قریش		ہوزلی
				(۱۲) مالک		منصور
				(۱۳) نضر		عکرمہ
				(۱۴) کنان		حفصہ
				(۱۵) خزیمہ		قیس
				(۱۶) مدرکہ		عیلالی
				(۱۷) الیاس		
				(۱۸) مظفر		
				(۱۹) نزار		
				(۲۰) معد		
				(۲۱) عنان		

(رحمۃ اللہ علیہم جلد دوم)

## باب ہفتم:

# حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم کی اولادِ اطہار کا بیان

صاحب مدارج النبوة الشیخ المحقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کرام صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے متفق علیہ اولادِ اطہار کی کل تعداد چھ عدد ہے۔ یعنی پچار صاحبزادیاں اور دو رسول زادے ان کے اسماء ذی شان یہ ہیں: حضرت قاسم۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ اُم کلثوم، سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ ان کے سوا باقی میں اختلاف ہے۔ عند البعض طیبہ طاہرہ اور حضرت عبداللہ بھی صاحبزادگان والا شان کے اسماء گرامی ہیں، اس طرح کل تعداد صاحبزادگان کی پانچ ہو جاتی ہے، جبکہ اکثر علمائے نسب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو رسول زادے کا اسم گرامی تھا، جبکہ طیبہ طاہرہ القصاب تھے۔ یہ اصحاب سیر و تواریخ کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح قول ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم)

(اختصاراً از مدارج النبوة)

ہم اس اجمالی گفتگو کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آلِ اطہار کے قدر مفضل حالاتِ قدس نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ جل شانہ اپنی شانِ کریمی کے لائق شرف قبولیت سے نوازے۔ (آمین!)

حضرت سیدنا قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور قول کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے فرزند ذی شان ہیں جو کہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ اطہر سے قبل از اعلان

نبوت پیدا ہوئے۔ ان ہی فرزند ذی وقار کی وجہ سے رسول محترم نبی مکرم  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالقاسم کنیت اختیار فرمائی۔ یہ پاؤں چلنے  
کی عمر تک رونق افروز عالم رہے پھر ان کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جنت میں بلالیا۔  
اولاد نبوی میں سب سے پہلے پیدا بھی یہی ہوتے اور رحلت مبارکہ بھی ان ہی کی ہوتی۔  
کتب سیر و تواریخ میں ان کی عمر سترہ ماہ سے دو سال تک رج ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)  
**حضرت سیدنا عبدالملک بن طیب رضی اللہ عنہ** حضرت سیدنا عبداللہ  
**رضی اللہ تعالیٰ عنہ** رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
کے بطن اطہر سے ہی اس جہان رنگ و بو میں جلوہ گر ہوئے۔ عہد طفولیت ہی میں جنت کو سدا گئے۔  
جب ان کی رحلت مبارکہ کی خبر شہر مکہ میں مشہور ہو گئی تو خوش قسمت بیٹے حضرت عمر بن العاص  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بد بخت ترین باپ عاص بن وائل بھی نے کہا: محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم کے دونوں بیٹے چھوٹی عمر میں وفات پا گئے ہیں اب یہ (معاذ اللہ تعالیٰ)  
ابتر ہو گئے ہیں، یعنی نہ ان کی نسل باقی ہے گی اور نہ ہی کوئی اُن کا نام لے گا، کیونکہ  
ابتر کے معنی، اپنی نسل باقی نہ رکھنے والا، دم کٹا، بے فرزند اور بے نام کے ہیں۔  
عاص بن وائل کی اس گستاخی کے جواب میں رب ذوالجلال نے سورۃ الکونین کا نزول فرمادیا  
جس میں واضح طور پر اعلان فرمادیا گیا کہ (اے محبوب صلیک الصلوٰۃ والسلام) آپؐ کو صاحبِ کونین  
ہیں جبکہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنی یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ آپؐ کا  
ہر دشمن دشمنِ خواہ وہ عاص بن وائل ہو یا کوئی اور، وہی ابتر ہے، یعنی عزت و عظمت سے  
تہی دامن اور دم کٹا ہے، کوئی اُس کا نام عزت و احترام سے نہ لے گا، اگر کوئی نام  
لے گا بھی تو اُس کی تازیلا کرتا ہوا گویا وہ بد نصیب و نون جہان میں برباد ہو گیا جبکہ  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان یوں بیان فرمائی گئی: اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكُوْنُوْنَ

علماء کرام فرماتے ہیں کہ کوشش و زور فَوْعَلٌ مبالغے کا صیغہ ہے جو بہت کثرت کو چاہتا ہے۔ اس اعتبار سے معنی یوں بنے گا کہ ”دونوں جہان کی ساری بھلائیاں جو کثرت میں اتنی عظیم ہیں کہ مخلوق کے علم کی وہاں تک سائی ہی ممکن نہیں اور مخلوق میں جو بھی کوئی بیان کرتا ہے، وہ شانِ سالت مآبِ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس بحرِ عظیم کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں۔“ ظاہر ہے کہ جس کی شانِ خود خالق کائنات اپنی زبانِ قدرت سے بیان فرما رہا ہے اُس کی شانِ بے پایان کما حقہ بیان کرنا کسی انسان اور دیگر مخلوق کے بس کا روگ نہیں اور جہاں تک جنت کی نہرِ حوضِ کوثر کا تعلق ہے، وہ میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ملنے والی اس خیرِ کثیر کا ایک قطرہ ہے۔

باقی رہ گئی بات اس اعلیٰ عزت و شرافت کے تاجدارِ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولادِ نرینہ کی، تو یاد رکھنا چاہیے کہ ربِّ ذوالجلال نے اپنے کلامِ بے مثال میں ارشاد فرمایا: النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأُولَٰئُكُمْ أَرْشَادٌ لِّیَ بَیِّنٌ ”یعنی یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایمان والوں کے لئے اُن کی جانوں کے بھی زیادہ قریب یا مالک یا محبوب تر ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ان (ایمان والوں کی) روحانی مائیں ہیں۔“

سُبْحَانَ اللہ تعالیٰ! بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ اقباتِ المؤمنین کے زوجِ نامدارِ سید ابرار اللہ تعالیٰ کے محبوبِ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب ایمان والوں کے روحانی باپ ہیں۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِكَ۔

عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ  
حضرت سید ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
میرے آقا مولا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آخری صلیبی اولاد ہیں۔ ان کی  
ولادت باسعادت ۱۲ ماہ مقدس ذی الحجۃ المکرمہ میں ہوئی۔ ان کی والدہ



کا اسم گرامی حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ ان کو بادشاہ اسکندریہ مقوقس نے دیگر تحائف کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھیجا تھا جیسا کہ سہ کے واقعات میں سلاطین زمانہ کے نام رسول اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

ان کی قابلہ (یعنی بوقت ولادت دایہ) حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت پر حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے خاوند کو مطلع کیا اور وہ پیغام مسرت لے کر بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اس مشرودہ جائفراہ کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلامی سے آزاد فرمادیا۔ اتنے میں حضرت جبریل امین حاضر خدمت ہوئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یا ابا ابراہیم کہہ کر مخاطب کیا حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کنیت پر بہت خوش ہوئے اور نحت جگر کا نام اپنے جد بزرگوار حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کہ آج رات (میرے ہاں) ایک فرزند پیدا ہوا ہے، میں نے اس کا نام اپنے جد امجد کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔ (بخاری) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو بھیڑوں جبکہ دوسری رات کے مطابق بکری کو ذبح فرما کر حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیقہ فرمایا اور ان کے سر کے بالوں کو منڈوا کر ان بالوں کے برابر وزن کی چاندی صدقہ فرمائی اور بالوں کو زمین میں دفن کر دیا۔

اے حضرت سیدۃ النساء خاتونِ جنت طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سب اولاد کی قابلہ دایہ، حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی ہیں۔ ۱۲ منہ

حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دودھ پلانے کی خدمات حضرت ابوسیف (لویار) کی بیوی حضرت ام سیف (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے سپرد کر دی گئیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دودھ کی دوسری دایہ حضرت برابین اوس کی زوجہ حضرت ام بردہ بنت المنذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس خدمت کے صلہ میں کھجوروں کا ایک باغ عطا فرمایا۔ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے لخت جگر کو دیکھنے کے لئے حضرت ابوسیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت پیار فرماتے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کسی شخص کو اپنے اہل و عیال پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر شفقت و مہربانی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ چونکہ حضرت ابوسیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ لویار کا کام کرتے تھے، اس لئے ان کے گھر عموماً بھٹی کا دھواں ہوتا، کبھی ایسے بھی ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جانا چاہتے تو میں پہلے جا کر ان کو مطلع کر دیتا تاکہ وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنا کام بند کر دیں۔

حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارکہ مشہور وفاتِ حسرات آیات قول کے مطابق ابھی صرف سترہ یا اٹھارہ ماہ ہی تھی کہ یہ بہشت بریں کی طرف تشریف لے گئے۔ (صحیح بخاری، مسند امام احمد)

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بارگاہِ اقدس میں عرض کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابراہیم عالم نزع میں ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس وقت بارگاہِ عالیہ میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حاضر تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی معیت میں لکر ان کا ہاتھ پکڑا اور جماعت کے ہمراہ حضرت ابوسیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے اور جب حضرت سیدنا

ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرھانے پہنچے تو دیکھا کہ وہ عالم نزع میں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو اپنی مغوش رحمت و محبت میں اٹھالیا۔ اُس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے اور زبان وحی ترجمان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ لَوْلَا اَنْتَ اَمْوَحِقُّ وَوَعْدُ صِدْقٍ وَاَنْ اَخْرَجَا سَيُّحَقُّ اَوْ لَنَا لَعَنَّا عَلَيْكَ هُوَ اَشَدُّ مِنْ هَذَا وَاَنَا بِكَ يَا اِبْرَاهِيمَ كَمَحْزُونُونَ تَبْكِي الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا تَقُولُ مَا يَسْخَطُ الرَّبَّ -

”ہم جانتے ہیں کہ موت تو امر حق ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی سچا ہے اور ہم بھی جو پیچھے رہ جانے والے ہیں، پہلے جانے والوں سے جا ملیں گے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اسے ابراہیم! ہمیں تیرا غم اس سے بہت شدید ہوتا (اے ابراہیم) میری آنکھیں رو رہی ہیں، دل نہایت غمزدہ ہے (اس کے باوجود) ہم کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جو ہمارے لب کو ناپسند ہو۔“

اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لخت جبکہ حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام کی طرف سدھار گئے۔ حضور رحمت عالم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو روتے ہوئے دیکھ کر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ بھی رو رہے ہیں؟ آپ نے تو میت پر رونے سے منع فرمایا ہے۔“ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اے ابن عوف! یہ جو تم دیکھ رہے ہو یہ میت پر رحمت و شفقت کی وجہ سے ہے جو اس کی حالت دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور جو میں نے منع کیا ہے تو وہ دو قسم کی آوازیں ہیں، ایک تودہ جو گانا گانے، لہو و لعب، اور شیطانی مزامیر (سازوں) سے، امید و سری آواز دہ جو مصیبت کے وقت آہ و بکا اور بین کرنا ہے۔ خبردار! میں تم کو مُنہ نوچنے، چہرہ پیٹنے سے، کپڑے پھاڑنے سے اور بین کرنے سے منع کرتا ہوں، لیکن

آنکھوں سے آنسوؤں کا جاری ہونا رحمت اور شفقت کی وجہ سے ہے (یاد رکھو) جو کسی پر شفقت و رحم نہیں کرتا (قیامت کو) اُس پر بھی رحم نہ ہوگا۔“

حضرت حسان بن ثابت کے بیٹے حضرت عبدالرحمن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اپنی والدہ حضرت سرین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمیشہ تھیں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں حضرت ابراہیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے سر ملنے (بوقت رحلت) موجود تھی۔ پھر یکایک میں اور میری ہمیشہ ماریہ منیرہ نے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں منع نہ فرمایا، جب روح قبض ہو گئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فریاد (آہ و بکا) کرنے سے منع فرمادیا۔ (رونے سے منع نہ فرمایا)

راوی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت پر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلا چلا کر رونے لگے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:

اَلْبَكَاءُ مِنَ السَّحْمَةِ وَالصَّوْاحِجِ مِنَ الشَّيْطَانِ -

آنکھوں سے رونا رحمت ہے، جبکہ چیخنا چلانا شیطان کا عمل ہے۔“

اہل سیر نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُن کی دایہ نے غسل دیا جبکہ دوسرے قول کے مطابق ان کو غسل حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیا۔ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی ڈالتے تھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی قریب ہی تشریف فرما تھے۔ نماز جنازہ کے بعد ان کو جنت البقیع شریفہ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے قریب دفن کر دیا گیا اور قبر انور پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا گیا اور قبر انور پر نشان لگا دیا۔ نشان لگانے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس خود چھڑکا کر لائے اور ان کی قبر اظہر پر رکھ دیا۔“

اتفاق کی بات ہے کہ جس دن حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 سُورج گرہن کا انتقال ہوا، اُسی دن سُورج گرہن لگا۔ قدیم اہل عرب کا  
 اعتقاد تھا کہ سُورج یا چاند کا گرہن کسی بڑے آدمی کی وفات یا عظیم حادثہ کی وجہ سے  
 لگتا ہے۔ اس وجہ سے بعض مسلمان بھی کہنے لگے کہ سُورج کو گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ  
 کی وفات کی وجہ سے لگا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیتے  
 ہوئے ارشاد فرمایا: اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ  
 مِنَ النَّاسِ وَلَكِنَّهُمَا آيَاتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَصَلُّوا۔  
 ”بے شک یہ سُورج اور چاند کسی انسان کی موت کی وجہ سے گرہن زدہ نہیں ہوتے“  
 یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جب تم ان کو گرہن لگا ہوا دیکھو تو نماز پڑھا کر“  
 رپورٹ نمون بحوالہ بخاری مسلم۔ (ابوداؤد، مسند امام احمد، ابن ماجہ، مواہب لدنیہ، مدارج النبوة)  
 اس بندہ ناچیز (مؤلف کتاب ہذا) نے رسول اللہ  
**اُسوۂ نبوی کا ایک نمایاں پہلو** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشہ حضرت سیدنا  
 ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ کا واقعہ قدرے تفصیل سے اس لئے نقل کیا کہ ہر شیعو  
 پر یہ بات عیاں ہو جائے کہ سخت ترین بیخ و دالم میں اُسوۂ نبوی تعلیم امت کے لئے مینارِ نور ہے  
 ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم کو اس جہانِ رنگ و بو میں تشریف لائے تقریباً اکسٹھ برس ہو گئے تھے اور  
 حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کے تقریباً ۲ سال بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 اس جہانِ قافی سے عالمِ بالا کی طرف انتقال فرما گئے۔ اس عمر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
 اولادِ نرینہ کا ملنا ایک عظیم نعمت تصور کیا جاتا ہے۔ پھر اس نعمت کا ظاہر اچھن جانا، جبکہ پہلے  
 بھی کوئی اولادِ نرینہ موجود نہ ہو کس قدر تکلیف و صدمہ کا باعث بنتا ہے۔ عام طور پر اس حالت میں  
 انسان آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور اس کے قول و فعل سے ایسی باتیں سرزد ہوتی ہیں کہ جو اس



کی بے بسی و بے صبری کی غماز ہوتی ہیں، مگر پروردگارِ عالم کی بے انتہا رحمتوں کا نزول ہو بہو  
 آقا و مولیٰ رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ آئمہ و سلم (قداد روحی و جسدی) پر کہ اس  
 سانحہ عظیمہ پر بھی صبر و استقامت کے اس کوہِ گراں کی زبان حق ترجمان سے کوئی ایسا  
 جملہ نہیں نکلتا جو ربِّ ذوالجلال جل شانہ کے شایانِ شان نہ ہو، بلکہ حضرت امام بخاری  
 رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو الفاظ نقل فرمائے وہ یہ ہیں  
 فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْكَ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ  
 يَحْزَنُ وَلَا خَقُولُ إِلَّا مَا يُرْضَى رَبَّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا أَبَوَاهِیْمُ  
 لَمَحْزُونُونَ۔ (بخاری کتاب الجنائز، مخطوطے سے اختلاف سے ابی داؤد)

(حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلتِ مبارکہ کے وقت، رسولِ کائنات  
 فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ آئمہ و سلم نے ارشاد فرمایا، اس میں شک نہیں کہ آنکھیں  
 آنسوؤں سے ابل رہی ہیں اور دل غم سے بھرا ہوا ہے، لیکن ہم کوئی بات نہ کہیں گے  
 سوائے اس بات کے کہ جس سے ہمارا رب راضی ہو جائے اور بے شک اے ابراہیم  
 تیری جدائی میں ہم نہایت غمگین ہیں۔“

علاوہ ازیں سورج گرہن کے سلسلہ میں غیر مسلم مدبرین کی آنکھیں کھول دینے  
 کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اقتدار و عزت کا جھوٹا خواہشمند ہریم و غیر اہم واقعہ  
 کو اپنی عزت و سچائی کی دلیل بنانے کی کوشش کرتا ہے، مگر بمصدق اس بات کے  
 کہ ”سچائی دلیل یا حسن بناوٹ کا محتاج نہیں۔“

رسولِ محترم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آئمہ و سلم نے صاف صاف اعلان فرمادیا کہ  
 سُبُوحٌ کُوکُرُہِیْنِ میرے تحت جگہ نورِ نظر کی وفات کی وجہ سے نہیں لگا، بلکہ یہ تو اللہ  
 تبارک تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔

علیہ علیہن جمعین

(صلوات اللہ تعالیٰ)

# دُخترانِ فی شانِ حضورِ سیدِ الانس و الجن

حضورِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کو خالق کائنات جل شانہ نے چار صاحبزادیاں عطا فرمائیں اور یہ چاروں حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ اطہر سے تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کی ساری اولاد پاک سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکمِ اطہر سے تھیں ان میں سے حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کے اعلانِ نبوت فرمانے سے قبل پیدا ہوئے، جبکہ سیدہ فاطمہ الزہراء، حضرت سیدنا عبد اللہ الملقب طیبہ طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اعلانِ نبوت فرمانے کے بعد ولقہ افروزِ عالم ہوئے۔

۱۔ اصول کافی از ابی جعفر محمد بن یعقوب الکلمینی مطبوعہ کراچی ص ۵۵۵ حیات القلوب جلد دوم مؤلف ملا باقر مجلسی ایرانی مطبوعہ لاہور کے صفحات نمبر ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴ پر بھی یہی ثابت موجود ہے۔  
ملا باقر مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ ”یہ قول زیادہ مشہور اور صحیح ہے۔ (حیات القلوب ص ۵۵۵) ان کو ربیبہ ماننا غلط ہے، کیونکہ قرآن کریم میں ہے: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَ بَنَاتِكَ وَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ** (۵۹: ۳۲) اس آیت مبارکہ میں ایمان والی عورتوں کی تین اقسام بیان فرمائی گئی ہیں یعنی ۱۔ ازواج النبی ۲۔ بنات النبی ۳۔ نساء المؤمنین۔  
یہ سارے جمع کے صیغے ہیں۔ عربی میں جمع دو سے زیادہ کے لئے ہے اور یہ بات ناقابل تردید ہے لفظ بنات ”بنت“ کی جمع ہے جو کم از کم تین کے لئے ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے ایمان والی عورتیں مراد ہیں تو یہ تحصیل حاصل ہے، کیونکہ نساء المؤمنین کا ذکر تو الگ فرما دیا گیا، جبکہ قرآن کریم میں کسی زانیہ یا لغو کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی قرآن کریم میں تعارض ہے۔ لوگوں نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زید بن محمد رضی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کہنا شروع کیا، تو رب کریم نے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ:۔۔۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

علمائے انساب کے نزدیک رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہزادیوں میں سب سے بڑی سیدہ زینبؓ ان سے چھوٹی سیدہ رقیہؓ پھر سیدہ ام کلثومؓ پھر سیدہ فاطمہؓ الزہراءؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) ہیں۔ اسی ترتیب سے ان رسول زادیوں کا ذکر خیر نقل کیا جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اَدْعُوا لِآبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (الاحزاب)  
 ”ان کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح انصاف کی بات ہے۔“  
 پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے قانون کو توڑے کہ نبی کی بیوی کے پہلے خاوند کی بیٹیوں کو نبی کی بیٹی قرار دے دے۔ پھر تاریخی اعتبار سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری زوجہ محترمہ حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک بیٹے کا نام عمر بن ابوسلمہ اور دوسرے بیٹے کا نام عمر بن ابوسلمہ تھا۔ علاوہ انہیں ان کی ابوسلمہ سے تین بیٹیاں زینبؓ، ام کلثومؓ، درہؓ تھیں۔ ان سب کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کیوں نہیں کہا جاتا۔ پھر خود حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے خاوند ابوبالہ سے تین بیٹے پیدا ہوئے یعنی ہالہؓ طاہرہؓ اور ہندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تینوں صحابی ہیں، اگر ان کو اپنے نبی جیسے تو ایہ مبارکہ ماکان محمدؐ ابا احدٍ من رِجَالِکُمْ کی حقیقت کیا ہوگی؟ لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چاروں شہزادیاں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلیبی بیٹیاں ہیں اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت سیدہ الشہداء کے سوا کوئی دوسری شہزادی ہوتی تو اس کی شان بھی سیدہ فاطمہ الزہراءؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح ہونی چاہیے تھی، ان کی اولاد بھی سادات ہوتی وغیرہ وغیرہ اس قسم کے خیالات و سوالات منافی سوچ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک باپ کی اولاد میں سے کسی ایک کا باقی تمام اولاد سے ممتاز ہونا باعث تعجب نہیں۔ بحمد اللہ ہم ساری انسان اولاد آدم علیہ السلام ہیں مگر مراتب برابر نہیں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کئی بیٹے تھے، مگر ذی شان اسماعیل و اسحاق علیہما السلام ہی ہوئے، اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بارہ فرزند عطا فرمائے، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کو جو محبت و پیار حضرت یوسف علیہ السلام سے تھا، باقی فرزندوں کے لئے نہ تھا۔ تو کیا باقی فرزندوں کا انکار کر دیا جائے گا؟۔ (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

(۱) سید لا ذینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جہو کے نزدیک شہزادہ حضرت سیدنا قاسم بن رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چھوٹی اور باقی سب اولاد سے بڑی رسول زادہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ شادی کے پانچویں سال ہوئی۔ اس وقت چھوٹی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریفہ نینیس برس کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شادی کھسبی میں قبل از اعلان نبوت ابوالعاص بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد الشمس بن عبد مناف کے ساتھ حضرت ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خواہش پر کی۔ ابوالعاص بن ربیع کے اصل نام میں اختلاف ہے۔ عند البعض ان کا نام قاسم یا تقسم یا پھر یاسر تھا۔ اکثر اصحاب سیر نے ان کا نام لفیظ تحریر کیا ہے۔ ابن عبد البر علیہ الرحمہ کے نزدیک یہی قول زیادہ معتبر ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) یہ اپنے اصل نام کی بجائے اپنی کنیت ”ابوالعاص“ سے زیادہ پہچانے جاتے ہیں۔ ابوالعاص حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حقیقی بہن ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے۔ ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے بہت پیار فرماتی تھیں اور ان کو اپنا فرزند فرمایا کرتی تھیں، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کرمیہ تھی کہ وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت کم اختلاف فرماتے تھے اس لیے ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خواہش پر اپنی سب سے بڑی شہزادی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) حضرت عقیل بن ابی طالب، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت علی المرتضیٰ

بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب بھائی ہی تو تھے، مگر شان میں کوئی بھی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ہم پلہ نہیں ہے۔ خود حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے اٹھارہ انیس صاحبزادے تھے، جن میں سے چھ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے، مگر ان میں سے کسی کا بھی مرتبہ حسنین کریمین کے برابر نہ ہو سکا۔ تو کیا ان سب کا انکار کر دیا جائے گا؟ ذرا سوچیں، اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے آمین!

ابوالعاص سے کر دی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ سیدہ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا بھی شرف ایمان سے مشرف ہو گئی تھیں، مگر ابوالعاص اُس وقت دولت ایمان سے محروم ہے۔

طبقات ابن سعد۔ سیرت ابن ہشام۔ زرقانی۔ مدارج النبوة  
اشاعت اسلام کے ساتھ ہی اکثر قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سخت ترین مخالف ہو گئے تھے اور ایذا رسانی کا کوئی ایسا طریقہ نہ تھا جو اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر آزمایا نہ ہو۔ بایں ہمہ چند معتدل قسم کے لوگ ایسے بھی تھے، جو اگرچہ اُس وقت ایمان تو نہ لائے تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے والوں کی مخالفت کرتے تھے اور اپنے دل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا جذبہ رکھتے تھے لہٰذا ابوالعاص بھی انہی میں سے ایک تھے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے قبل حضور پرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری دو شہزادیوں سیدہ رقیہ و ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نکاح خمسنی میں ہی ابولہب کے بیٹوں سے ہو چکا تھا جیسا کہ تفصیل ذکر آئے گا، محض اور محض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے کے لئے ابولہب کے دونوں بیٹوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی، مگر کفار مکہ کی ترغیب کے باوجود حضرت ابوالعاص نے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

لے مثلاً ابولہب لعین کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قبیلہ بنو ہاشم کے تقریباً سارے افراد کو جب کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاشی بائیکاٹ کیا تو ابولہب کے سوا باقی تمام بنو ہاشم نے خواہ وہ مسلم تھے یا غیر مسلم خود کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی شعبان طالبین محصور کر لیا تھا اور تمام تر تکالیف کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر برداشت کیا۔ ۱۲ منہ



کو طلاق نہ دی، حالانکہ کفار مکہ نے ان کو پیشکش کی اور اصرار کیا کہ تم قریش مکہ کی کسی بھی لڑکی کی طرف اشارہ کرو، ہم تمہارا نکاح اُس سے کروادیں گے، بشرطیکہ تم حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی کو طلاق دے دو۔ مگر حضرت ابوالعاص نے کفار مکہ کی اس خواہش اور اصرار کو سختی کے ساتھ رد کر دیا۔ چونکہ یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا، کوئی عورت مسلمان تھی اور کوئی مرد، اس لئے اس زمانہ میں مشرک مرد و عورت کا مسلمان عورت و مرد سے نکاح حرام ہونے کا ابھی حکم نہیں آیا تھا، اس لئے رسول اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اس نکاح کو باقی رکھا، بلکہ ابوالعاص کے کفار مکہ کے مقابلہ میں، کردار کی اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸، ۱۲، ۱، ندقانی جلد ۲، البدایہ و البدایہ طبری جلد اول ابن ہشام، اعلان نبوت کے تیرھویں سال جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے سسرال میں تھیں۔ سسرال میں غزوہ بدر کے موقع پر کفار مکہ نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محترم چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ابوالعاص بھی میدان بدر میں آئے اور حضرت عبداللہ بن جبیر بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں گرفتار ہو کر بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پہنچے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قیدیوں کو حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ سے زبردیہ منگوائیں اور ادا کر کے رہا ہو جائیں، تو ابوالعاص نے بھی مکہ مکرمہ میں پیغام بھیجا۔ اس کے جواب میں سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے گاہ کا وہ ہار جو کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بوقت شادی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عطا فرما دیا تھا، اپنے دیور عمرو بن ربیع کے ہاتھ بھیجا تاکہ اس کو بطور ہدیہ قبول کیا جائے۔

جب یہ کہانی بار بار گاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پیش کیا گیا تو ملا خطہ فرماتے ہی رسول اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام

پر رقت طاری ہو گئی۔ اُمّ المؤمنین حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یاد پھر سے تازہ ہو گئی۔ شفیع اُمت نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: اِنْ سَأَيْتُمْ اَنْ تَطْلِقُوْا لَهَا اَسْيُرَهَا وَتَرْوُوْا عَلَيْهَا مَا لَهَا فَاَفْعَلُوْا۔  
 ”اگر تم لوگ مناسب خیال کرو تو میری بیٹی زینب کا قیدی رہا کرو اور اس کا ہار بھی ایس کر دو (ابن ہشام)  
 لوگوں نے عرض کیا کہ ہم بسر و چشم تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں چنانچہ وہ (ابو العاص) رہا کر دیتے گئے اور وہ ہار بھی واپس کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابو العاص بن ربیع کو رہا کرتے وقت اُن سے یہ وعدہ لیا کہ وہ مکہ مکرمہ جا کر حضرت سیدہ زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دیں اور اسی بات کو ان کا فدیہ قرار دے دیا گیا۔ (ابن سعد)  
**سیدہ زینب کا سفر مدینہ اور مشکل روانہ ہو جانے کے بعد**

حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید چارٹہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک اور انصاری صحابی کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ تم بطن یا جج (ایک جگہ کا نام) میں جا کر ٹھہرو جب سیدہ زینب وہاں آجائیں تو ان کو ہمراہ لے کر تم مدینہ چلے آنا۔ چنانچہ وہ دونوں صحابی اُسی وقت چلے اور مکہ مکرمہ سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر بطن یا جج میں جا کر ٹھہرے۔ یہ واقعہ غزوہ بدر سے تقریباً ایک ماہ بعد کا ہے۔  
 مکہ مکرمہ پہنچ کر ابو العاص نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے اور وہ جانے کی تیاری فرماتے لگیں۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت بیان کی کہ جب میں اپنے والد بزرگوار درخشاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کی تیاری کر رہی تھی،

میرے پاس عتبہ کی بیٹی ٹہندہ آئی اور کہا: اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بیٹی! مجھے خبر ملی ہے کہ تم اپنے والد کے پاس مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ رکھتی ہو؟ میں نے (چھپانے کے انداز میں) کہا: ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ ہندہ نے کہا: اے میرے چچا کی بیٹی! یوں نہ کہو (یعنی بات نہ چھپاؤ) اگر تمہیں کسی سامان کی ضرورت ہے جو تمہارے سفر میں تمہارے کام آسکے یا والد تک پہنچنے کے لئے رقم کی ضرورت ہو تو تم بلا جھجک مجھ سے لے سکتی ہو، اس لئے مجھے بتانے میں بخل سے کام نہ لو، کیونکہ عورتوں کے تعلقات میں وہ چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی جو مردوں کے درمیان پیدا ہو چکی ہے۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے تو یہی سمجھا کہ وہ جو کچھ کہتی ہے وہی کرے گی، لیکن مجھے اس سے خوف ہوا اور میں نے اپنا ارادہ اس پر ظاہر نہ کیا اور خفیہ تیاری کر لی۔ (سیرت ابن ہشام)

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی سفر کی تیاری مکمل فرما چکیں تو ابوالعاص کے کہنے پر اُس کا بھائی کنانہ بن ربیع اُونٹ لایا، سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس پر سوار ہو گئیں اور کنانہ بن ربیع دن کے وقت اُونٹ کی نکیل پکڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُونٹ پر سوار ہوج در ایک قسم کی ڈولی نما شے جو عورتوں کے پردے اور حفاظت کے لئے بنائی جاتی تھی، میں بیٹھی تھیں، جبکہ کنانہ بن ربیع پیدل چل رہا تھا۔ جو یہی اس بات کا چرچا لوگوں میں ہوا قریش ان کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے، حتیٰ کہ ان کو ذی طوی میں جا گھیرا۔ سب سے پہلا جو شخص ان تک پہنچا وہ ہبار بن اسود (بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن الفہری) تھا، اُس نے نیزے

لے "ذی طوی" ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ مدینہ منورہ کی طرف جانے والے راستہ پر نعیم کے برابر ہے۔

مکہ مکرمہ سے تقریباً سات سو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہوگا۔

۱۲ ہبار حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا زاد بھائی کا بیٹا تھا۔

سے اُونٹ کو ڈرایا، تو اُونٹ اُچھلا، جس کی وجہ سے ہودج زمین پر گر گیا۔ اس طرح حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نہ صرف چوٹے آئی، بلکہ ان کا حمل بھی ضائع ہو گیا۔ ہمارے اسود کی اس بے جا حرکت شنیع پر کنا نہ بن ربيع غصہ میں آگیا۔ اُس نے اپنے ترکش کو زمین پر الٹ دیا اور کھان تھام لی اور جلا کر بولا، مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! جو بھی میرے قریب (برائی نیت سے) آئے گا، میں اسے اپنے تیر کا نشانہ بناؤں گا۔ یہ حالت دیکھ کر لوگ دُور ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر ابوسفیان اپنی قوم کے بڑے بڑے بھائیوں کو لیکر آگے بڑھا اور کہا: اے نوجوان! اپنے تیروں کو روک لے، ہم تیرے ساتھ کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔“ یہ سُن کر کنا نہ نے کھان زمین پر رکھ دی۔

## ابی سفیان کا اعتراف شکستِ ذلت

ابوسفیان آگے بڑھا اور کنا نہ بن ربيع سے کہا: اے جوان!

تُو نے صحیح طریقہ اختیار نہیں کیا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی کو اس طرح دن دباڑے سب لوگوں کے سامنے (مدینہ کی طرف) لے جا رہا ہے، تجھے ہماری اُس مصیبت اور ذلت کا بھی علم ہے (جو ہمیں میدانِ بدر میں نصیب ہوئی) اور (اس لڑکی کے باپ) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھوں جیسی بربادی اور تباہی ہم پر آئی، وہ بھی تم پر پوشیدہ نہیں ہے اور اب اگر تو اس طرح اعلانیہ طور پر (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی کو لے کر جائے گا تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ واقعہ بھی ہماری ذلت و رسوائی کی وجہ سے ہوا ہے اور ہم (میدانِ بدر میں) مار کھا کر اتنے ضعیف اور کمزور ہو گئے ہیں (کہ مسلمان اعلانیہ طور پر ہجرت کرنے لگے ہیں) مجھے میری عمر کی قسم! ہمیں اس لڑکی کو اپنے والد سے ملنے پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی ہم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ اس وقت تو اس کو لے کر واپس لوٹ جا۔ جب آوازیں خاموش ہو جائیں اور لوگ کہنے لگیں کہ ہم نے اسے واپس لوٹا دیا ہے تو پھر چپے سے کسی شب لے کر نکل جا اور اسے اس کے باپ تک پہنچا دے۔“

راوی نے کہا، کنانہ نے ایسے ہی کیا۔ چند روز تک سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو روکے رکھا، جب ماحول سازگار ہوا تو رات کے وقت کنانہ بن بین ان کو لے کر روانہ ہوا اور لطن یا جج کے مقام پر انہیں حضرت زید بن حارثہ اور ان کے ساتھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے سپرد کر دیا اور وہ دونوں حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پورے احترام و اکرام سے لے کر بارگاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام)

**کنانہ کے اشعار** علامہ عبد الملک بن ہشام نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "سیرت النبی" میں اس واقعہ کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو حثیمہ کے اشعار نقل فرماتے ہیں، جن کا ترجمہ نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، البتہ ابوالعاص بن ربیع کے بھائی کنانہ بن ربیع کے دو اشعار نقل کئے جاتے ہیں تاکہ پتہ چلے کہ بعض لوگ اگرچہ مشرکین تھے، مگر اپنے وعدہ کو نبھانے میں کتنی استقامت سے کام لیتے تھے۔

جب کنانہ بن ربیع حضرت سیدہ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی کے سپرد کر چکا تو کہا،

عَجَبْتُ لِهَبَّارٍ وَأَوْبَاشٍ قَوْمِهِ      يُؤَيِّدُونَ اخْفَارِي بِنْتِ مُحَمَّدٍ  
وَكَسْتُ أَبَايَ مَا حَيَّيْتُ عَدِيَّهُمْ      وَمَا اسْتَجَمَعْتُ قَبِيضًا يَدِي بِالْمُهَذَّبِ

”مجھے بہت حیرانی بہار اور اُس کی قوم کے اوباشوں (غندور) پر کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی کے بارے میں جو وعدہ کر چکا ہوں، اُس کو توڑ دوں، اور وہ یاد رکھیں کہ جب تک میں زندہ ہوں اور میرے ہاتھ مضبوطی سے یہ تیغ بندی تھامے ہوئے ہیں، مجھے ان کی عددی کثرت کی کوئی پرواہ نہیں۔“ (یعنی میں اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے ان کا آخری سانس تک مقابلہ کروں گا)



ہسکے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا

اپنے والد بزرگوار حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت فیض رحمت میں حاضر ہونا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حد درجہ مسترت و شادمانی کا باعث تھا، لیکن ہبار بن اسود اور اس کے ساتھی کی سفاکانہ حرکت حضور رحمت عالم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قلب نازک پر نہایت گراں گزری۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہبار بن الاسود اور اس کے ساتھی کی تلاش میں ایک جماعت روانہ فرمائی۔ اس جماعت میں میں (ابو ہریرہ) بھی شامل تھا۔ ہمیں یہ حکم ہوا:

اگر تم ہبار بن الاسود یا اس شخص پر جو اس کے ساتھ  
دینب کی جانب بڑھتا تھا، قابو پاؤ تو ان  
دونوں کو آگ میں جلا دینا۔

ابن ہشام فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق نے اس دوسرے شخص کا نام نافع بن عبد قیس بتایا۔ ابن اسحاق حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب وہ اس دن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم بھیجا کہ:

اِنِّیْ کُنْتُ اَمْرُکُمْ بِتَحْرِیْقِ  
هَذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ اَنْ اَخَذْتُمُوْهُمَا  
ثُمَّ رَاَیْتُ اِنَّهُ لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ  
اَنْ یُعَذِّبَ النَّارَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِنْ  
ظَفَرْتُمْ بِهِمَا فَاقْتُلُوْهُمَا۔

بے شک میں نے تمہیں ان دونوں آدمیوں کے  
بارے میں حکم دیا تھا کہ اگر تم ان کو گرفتار کرو  
تو جلا دینا، پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ  
کے سوا کسی کو یہ بات سزاوار نہیں کہ وہ آگ  
کی سزا دے اس لئے اگر تم ان پر قابو پاؤ تو  
انہیں قتل کر دینا۔ (زررقانی جلد ۳، سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، طبقات ابن سعد)

## حضورِ رحمتِ عالم ﷺ کی شانِ کریمی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

علیہ آلم وسلم کو بہت ایذا تین دیں مگر اس کی یہ حرکت شنیعہ اس قدر خبیث تھی کہ غیرت کا یہی تقاضا تھا کہ ہتیار اور اس کے ساتھی کے ناپاک وجود کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا، اسی لئے فتح مکہ کے موقع پر امن عام کا اعلان فرماتے وقت جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا، ان میں ایک ہتیار بن الاسود بھی تھا، مگر یہ اس وقت کہیں چھپ گیا اور صحابہ کرام اس کو تلاش نہ کر سکے۔ جب رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ میں جلوہ گر ہو گئے، تو ایک دن جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جماعتِ صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ہتیار بن الاسود نمودار ہوا اور چلا چلا کر کہنے لگا: ”اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اسلام کا اقرار کرتا ہوں حاضر ہوا ہوں، اس میں کوئی شک نہیں کہ میں قبل ازیں ذلیل اور گمراہ تھا۔ اب اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اُس کے بندے اور رسول ہیں، میں آپ کی نظر میں بہت شرمسار اور گنہ گار ہوں۔“

ہتیار کی گفتگو سن کر حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا سر انور جھکا لیا اور اس بات پر حیا فرمائی کہ اس پر عتاب کیا جائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہتیار بن الاسود کے اسلام کو قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”اے ہتیار! جا میں تجھے معاف کر دیا۔ یقیناً اسلام مانہ جاہلیت کے تمام جرموں کو ختم کر دیتا ہے اور گزشتہ گناہوں کی بنیادوں کو فنا کر دیتا ہے۔“ (مدارج النبوة جلد ثانی)

ابوالعاص بن الربیع کا قبولِ اسلام چونکہ ابوالعاص تجارتی تجربہ اور دیانتداری قریش مکہ عموماً اپنا مال تجارت ان کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے بھیج دیا کرتے تھے

جمادی الاولیٰ ۶ھ میں ابوالعاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ ملک شام کی طرف تجارت کے لئے روانہ ہوئے۔ حسب سابق بہت سے دوسرے افراد نے بھی تجارت کی غرض سے ان کو اپنا مال دے دیا۔ شام پہنچ کر انہوں نے مال تجارت سے خوب نفع حاصل کیا جب یہ واپس لوٹ رہے تھے، تو مقام عیص پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ستر صحابہ کرام پر مشتمل ایک فوجی دستہ کہ جس کی قیادت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کر رہے تھے، ٹھہر چکے ہو گئی (چونکہ مسلمانوں کو حضرت ابوالعاص سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا علم تھا، اس لئے) لشکر اسلام نے ابوالعاص کو تو کچھ نہ کہا، البتہ سارا مال تجارت بھی لوٹ لیا اور دیگر مشرکین کو بھی گرفتار کر لیا اور مدینہ طیبہ آگئے۔ ابوالعاص نے جب یہ حالت دیکھی تو یہ بھی مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پناہ مانگنے کیلئے اُس وقت پہنچے، جبکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے مسجد نبوی شریف

میں تشریف لے جا چکے تھے۔

حضرت سیدہ زینب کی پناہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) یزید بن زومان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے اور آپ نے تکبیر فرما کر نماز شروع فرمادی اور تمام صحابہ باجماعت نماز میں مشغول ہو گئے، تو اچانک حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آواز عورتوں کے چوہڑے کی جانب سے سنائی دی کہ ”اِنِّیْ قَدْ اَجَوْتُ اَبَا الْعَاصِ“

”یعنی میں نے ابوالعاص کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔“

جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام سے فرمایا کیا تم نے بھی مجھ سنا ہے جو میں نے سنا ہے؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: جی ہاں! ہم نے بھی سنا ہے۔ تو رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اَمَّا وَالَّذِي نَفْسٌ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ  
مَا عَلِمْتُ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ  
حَتَّى سَمِعْتُ مَا سَمِعْتُمْ اِنَّهُ  
يُجَيَّرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ اَدْنَاهُمْ  
(سیرت ابن ہشام)

سنو: مجھے اُس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ  
قدرت میں (مجھ) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم) کی جان ہے مجھے کسی بات کا  
علم نہیں تھا یہاں تک کہ میں نے وہ آواز سنی  
جو تم نے بھی سنی، وہ بات یہ کہ مسلمانوں کی  
طرف سے ایک دنی شخص بھی پناہ دینے کا حق رکھتا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانہ مقدس میں  
مال کی ایسی اپنی صاحبزادی کے پاس تشریف لاتے اور اپنی لخت جگر کو حکم دیا کہ  
اٰی بُنَّیَّةَ اَكْرَمَنِیْ مَثْوَاكَ وَلَا يُخْلِصَنِیْ الْیَاكَ فَاِنَّكَ لَا تَحْلِقُ لَكَ  
”اے میری بیٹی! اس مہمان کی خاطر و مدارت خوب کرنا، لیکن اس کو اپنے سے الگ  
رکھنا، اس لئے کہ تم اس کے لئے (اب) حلال نہیں ہو۔“

حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کی اُس جماعت کی طرف کہ جنہوں نے ابوالعاص کا مال حاصل کیا تھا  
پیغام بھیجا کہ ”یہ شخص ابوالعاص، جو ہمارے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور جو اس کا میرے ساتھ  
رشتہ ہے، تم اس سے بخوبی واقف ہو، اس لئے اگر تم اس پر احسان کرو گے اور اس کا  
مال اس کو واپس لوٹا دو گے، تو یہ میرے لئے خوشی کا باعث ہوگا، لیکن اگر تم اس بات کا انکار  
کرو تو تمہیں اس کا زیادہ حق، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تم نے اسے مال غنیمت کے طور پر حاصل  
کیا ہے۔“

یہ پیغام پاکر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: ”ہم وہی کریں گے  
جو آپ کی رضا کے عین مطابق ہو۔ چنانچہ ابوالعاص کا سارا مال ان کو واپس لوٹا دیا گیا  
یہاں تک کہ کوئی شخص ڈول، کوئی مشک، کوئی ٹوٹا لانا اور کوئی ٹیڑھے سر والی وہ لکڑی

لا رہا تھا، جو گھڑیوں کو اٹھانے کے لئے اُن میں ریل پور رکھ، لگائی جاتی تھی۔ اس طرح اُن کا سارا مال بلا کم و کاست اُن کو واپس لوٹا دیا۔ پورے مال میں کوئی معمولی سی شے بھی کم نہ ہوئی۔ اس کے بعد ابوالعاص اس تمام سامان کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچے اور قریش کے ہر سامان والے کو اُس کا سامان اور تجارت کے نفع کی ایک ایک پائی ادا کر دی۔

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جب سارا مال اُس کے اصل مالکوں کے قبضہ میں چلا گیا تو ابوالعاص نے

## ابوالعاص کا اعلان اسلام

اہل مکہ سے کہا: اے گروہ قریش! کیا کوئی ایک بھی ایسا فرد موجود ہے جس کا حساب میرے ذمے باقی رہ گیا ہو۔“ سب نے کہا: اے ابوالعاص! اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے کوئی حق باقی نہیں رہا۔ ہم نے تجھے اعلیٰ درجہ کا دیانت دار حق کا ادا کرنے والا اور شریف النفس پایا ہے۔ اس پر ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش کو مخاطب ہو کر فرمایا: ”تو پھر غور سے سن لو، میں اعلان کرتا ہوں کہ:

”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“

اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہونے کے بعد اسلام قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں تھا سوائے اس کے کہ کہیں تم یہ خیال کر لو کہ تمہارا مال غصب کرنے کے لئے میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و ہمت سے میں تمہارا مال تم تک پہنچا چکا ہوں اور اس کام سے فارغ ہو گیا ہوں، تو میں اپنے اسلام کا اعلان کر دیا ہے۔“ یہ کہا اور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو گئے۔ یہ واقعہ محترم الحرام مکہ صغریٰ کا ہے۔

علامہ ابن ہشام نے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبدالوارث بن سعید الثنوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ جب ابوالعاص مال تجارت لے کر ملک شام سے واپس لوٹے، تو اُن کو کہا گیا کہ چونکہ تمہیں اسلام کی طرف رغبت ہے چاہو تو اسلام



قبول کر لو، یہ سارا مال تمہیں بطور مالِ غنیمت مل جائے گا۔ ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اپنے اسلام کی ابتداء امانت میں خیانت کر کے نہیں کرنا چاہتا اس لئے پہلے مشرکین کا مال اُن کی طرف لوٹا دوں گا،

چونکہ اُس وقت ابھی سورۃ برأت نازل نہ ہوئی تھی، اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بعقدِ اول ہی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں دے دیا۔

(طبقات ابن سعد۔ سیرت ابن ہشام۔ زرقانی۔ اصابہ کتاب النساء۔ استیعاب، درمنثور) حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صلب سے جنابہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ اولاد عنہا کے ہاں دو اولادیں ہوئیں۔ ایک فرزند کہ جس کا اسم گرامی علی تھا اور دوسری دختر نیک اختر کہ جس کا مبارک نام امامہ تھا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

۱۔ حضرت علی بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا، یہ سحرتِ مدینہ طیبہ سے قبل پیدا ہوئے۔ ان کو تاجدارِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زیرِ کفالت لے لیا اور یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ عاطفت میں نحر و تربیت حاصل کرتے رہے۔ فتح مکہ کے دن جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو یہ صاحبزادے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایامِ سَنِ بلوغ میں اپنے والد حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں ہی انتقال فرمایا، لیکن ابن عساکر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگِ یرموک میں موجود تھے اور اسی جنگ میں لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما گئے (اصابہ) اللہ عنہا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک عرصہ تک زندہ رہیں۔

**امامہ بنت العاص رضی اللہ تعالیٰ** رسولِ اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس نواسی سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ اُن کو اپنی آغوشِ محبت

میں لے کر نماز ادا فرمائی جیسا کہ صحیح مسلم، نسائی اور ابوداؤد میں ہے۔

حضرت سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی بھانجی سے کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے کہ بوقت رحلت مبارکہ جنابہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو وصیت کی تھی کہ وہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت و تربیت کے لئے امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے شادی کر لیں۔ چنانچہ اس وصیت کے مطابق حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ہوا اور ان کے بطن اطہر سے حضرت محمد اوسط بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم مجروح ہوئے تو مرتبہ شہادت پر فائز ہونے سے قبل حضرت سیدہ امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو مغیرہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کریں۔ حضرت مغیرہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حارث بن عبدالمطلب کے پوتے تھے، چنانچہ امیر المومنین حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت و حکم سے اس وصیت پر عمل کیا گیا اور مغیرہ بن نوفل کی صلب سے جنابہ سیدہ امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا، جس کا نام بھیجی تھا۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ

رحلت مبارکہ میں واقع ہوئی۔ حضرت سیدہ سودہ بنت زمعہ، حضرت سیدہ

ام سلمہ، حضرت اُمّ ایمن اور حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے اُن کو غسل دیا۔ حضرت امہ خیال رہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی اولاد میں ایک محمد اکبر ہیں ان کو محمد بن حنفیہ یا امام حنیف کہا جاتا ہے۔ دوسرے محمد صغیر ہیں۔ ان کی والدہ ام ولد ہیں یہ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ تیسرے یہ محمد اوسط ہیں جن کی والدہ سیدہ امامہ تھیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

سیدہ اُمّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ سے امام بخاری علیہ الرحمہ نے کتاب الجنائز میں صاحبزادی صاحبہ کے غسل میت کے بارے میں وئیل حدیث مبارکہ نقل فرماتی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اُمّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ ہم آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی صاحبہ کو غسل دے رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کو تین مرتبہ پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ جیسے مناسب ہو غسل دو۔ غسل کی ابتداء دایہنی جانب اور اعضا وضو سے کرو۔ بہتر ہے کہ بیری کے پتے پانی میں ملا لو اور آخری مرتبہ جو پانی بہاؤ اس میں کافور ملا ہو یا کافور والی کوئی شے ہو (ایک روایت میں مشک بھی آیا ہے) نیز فرمایا: جب تم غسل دے کر فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔ حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب ہم فارغ ہوئیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع عرض کی گئی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تہبند شریف ہمیں عطا فرمایا اور حکم دیا اسے اس میں پیٹ دو۔ حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بالوں کے کنکھی کے ساتھ تین چھتے کئے اور ان کو پس پشت ڈال دیا۔

(بخاری شریف کتاب الجنائز)

تجہیز و تکفین کے بعد نماز جنازہ ہوئی اور ان کو دفن کر دیا گیا۔ اسد الغابہ میں ہے حضور نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود ان کی قبر انور میں اترے اور اپنی لے صحیح مسلم شریف کی روایت کے مطابق حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ہے، جبکہ امام ابن ماجہ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نقل فرمائی۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں صاحبزادیوں کو حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہی غسل دیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ ۱۷ صاحب مدارج النبوة فرماتے ہیں: اس حدیث سے صالحین کے تبرکات سے برکت لینا مستحب ہو تا ثابت ہوتا ہے (مدارج)

صاحبزادی کو سپردِ خاک فرمایا۔ اس وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کُرخِ انور پر رنج و ملال کے آثارِ بیت نمایاں تھے۔ بوقتِ دفنِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے ضعف کو یاد فرما کر بارگاہِ رب العزت میں یہ دُعا فرما رہے تھے: اے اللہ تعالیٰ! تو زینب کی مشکلات کو آسان فرما دے اور اس کی قبر کی تنگی کو کشادگی میں بدل دے۔ (اسد الغابہ ص ۶۸)

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے  
**ت و در رضی اللہ تعالیٰ عنہ**  
**حضرت ابوالعاص کا انتقال** سانچہ ارتحال کے چند روز بعد حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ (اسد الغابہ - دُرّ منثور)

## حضرت سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ تعالیٰ عنہا

حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری صاحبزادی حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی عمر شریفہ کے تینتیسویں سال یعنی اعلانِ نبوت فرمانے سے قبل حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ اطہر سے پیدا ہوئیں۔ جمہور کے نزدیک یہ اپنی بڑی ہمیشہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تین سال چھوٹی تھیں۔ اعلانِ نبوت فرمانے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اپنے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کر دیا تھا، جبکہ دوسری صاحبزادی سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے، عتیبہ کے ساتھ کر دیا تھا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو کفارِ مکہ نے لے اکثر کتبِ سیر و تواریخ میں اسی طرح درج ہے، البتہ روضۃ الاحباب میں اس کے برعکس مروی ہے۔ یعنی عتبہ کی جگہ عتیبہ اور عتیبہ کی جگہ عتبہ۔ خیال رہے کہ عتیبہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ۱۲ منبہ

ابوالعاص بن ربیع، عتبہ بن ابولہب، اور عتیبہ بن ابولہب کو ترغیب دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادیوں کو طلاق دے دیں۔ ابوالعاص نے انکار کر دیا، لیکن ابولہب کے دونوں بد بخت بیٹے طلاق دینے پر آمادہ ہو گئے۔ (طبری ج ۳، ۱۱۱)۔  
صحیح روایت میں آیا ہے کہ جب سورۃ تبت یذ انازل ہوئی، تو ابولہب اور اس کی بیوی حتماتہ الخطباء ام جمیل نے کبیدہ خاطر ہو کر عتبہ سے کہا: ”او عتبہ! تیرا سر مجھ پر حرام ہے اگر رقیہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو طلاق نہ دے تو تیرا ہمارے ساتھ رہنا، اٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔ اس وقت تک حضرت سیدہ رقیہ و سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چونکہ ابھی بچپنا تھا، اس لئے رخصتی بھی نہ ہوئی، محض زبانی عقد ہوا تھا۔

(طبقات ابن سعد۔ اصابہ کتاب النساء)

بد بخت عتبہ اپنے والدین کو ماضی کرنے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور گستاخانہ لہجے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دی۔ اہل سیر کے نزدیک اس بد بخت نے نہ صرف بد کلامی کی، بلکہ حضور سید عالم رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گرتہ مبارک چاک کر دیا اور اپنا ناپاک سھوک امام اظہارین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب پھینکا اور کہا کہ میں نے رقیہ کو طلاق دے دی ہے۔ اس کی اس خبیث حرکت پر اس محبہ صادق رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے اللہ تعالیٰ نے یہ جملہ نکلوا دیا،  
اللَّهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِنْ كِلَابِكَ -

”اے اللہ تعالیٰ! اس ملعون، پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرما دے“  
اہل سیر فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت ابوطالب مجلس شریف میں حاضر تھے انہوں نے فرمایا:  
”میں نہیں جانتا کہ اب کونسی چیز تجھے اس دُعا کے تیرے بچا سکے گی؟“  
الغرض یہ سیاد باطن اپنے بد بخت باپ کے ساتھ ملک شام کی طرف تجارت کی غرض سے روانہ ہوا۔



تو راستہ میں ایک جنگل میں حسب سابق پڑاؤ کیا۔ ابوہب نے اہل قافلہ سے کہا کہ آج رات تم سب میری مدد کرو کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ میں آج (حضرت) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دُعا میرے بیٹے کے حق میں اثر نہ کر جاتے۔ اس پر سب اہل قافلہ نے اپنے اونٹوں پر لادھوا مال تجارت ایک جگہ جمع کر کے ایک بلند چوترہ بنایا، پھر اُس کے اوپر پوری حفاظت کے ساتھ عتبہ کے لئے سونے کی جگہ بنادی اور خود اس کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ جب یہ اپنا انتظام کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند کو مسلط فرما دیا۔ اس کے بعد ایک شیر آیا اُس نے ان میں سے ایک ایک کے منہ کو سونگھا (اس وقت اگرچہ ان سب کو اس چیز کا احساس تو ہوا، مگر نیند کا غلبہ ایسا تھا کہ حرکت نہ کر سکے) شیر نے ان میں سے کسی کو کچھ نہ کہا پھر اُس نے جست لگائی اور مال تجارت کے اس ڈھیر پر چڑھ گیا جہاں عتبہ سویا ہوا تھا شیر نے اُسے گردن سے جاد بوجھا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (مدارج النبوة)

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے  
**سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قبول اسلام** بھی اپنی والدہ محترمہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہی اعلان اسلام کیا اور اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ اپنے ذی شان والدِ گرامی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے شرفِ بیعت حاصل کیا و طبقات حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک دن حرمِ کعبہ کے صحن سے  
**حضرت عثمان غنی کا قبول اسلام** اور سیدہ رقیہ سے عقد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے گھر گیا، تو اتفاق سے میری خالہ سعدہ شریف فرما تھیں، ان کو کتبِ سابقہ اور کہانت میں بہت مہارت حاصل تھی، انہوں نے مجھے دیکھتے ہی فی البدیہہ اشعار پڑھے۔

لے اصابہ فی معرفۃ الصحابہ ص ۲۸۸ پر اشعار درج ہیں۔ اس جگہ صرف ان کا ترجمہ نقل کیا جا رہا ہے۔ شائقینِ اصابہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ منہ

ترجمہ: اے عثمان! تجھے مبارک ہو، تجھے خوشخبری ہو اور تم پر سلام ہو، تین مرتبہ پھر تین مرتبہ، پھر ایک مرتبہ، لوں پورے دس سلام ہوں تمہیں بھلائی نصیب ہو اور برائی سے محفوظ رکھے جاؤ، اللہ تعالیٰ کی قسم! تم نے ایک نہایت ہی پاکیزہ کردار عفت مآب حسینہ جمیلہ خاتون سے نکاح کیا۔ تم بھی ناکتخدا (یعنی کنوئے) ہو، وہ بھی ناکتخدا ہی تجھے عطا ہوئی۔ تم نے ایک بہت بڑے جلیل القدر عظیم المرتبہ شخص کی بیٹی سے نکاح کیا۔“

حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں: ”مجھے ایسی گفتگو سے سخت تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا: اے خالہ! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ انہوں نے فرمایا:

ترجمہ اشعار: اے عثمان! اے عثمان! تم صاحب جمال ہو اور صاحب شان وہ نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) صاحب حق ہیں اور صاحب برہان، وہ رسولِ برحق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں اور ان پر فرقان (حق و باطل کو جدا کر دینے والا یعنی قرآن کریم) نازل ہوا ہے، اُن کی اتباع کرو اور اذنان (یعنی متوں) کے قریب بھی نہ جاؤ۔“

میں اس مرتبہ بھی پوری طرح نہ سمجھ سکا اور کہا: خالہ! اشارات میں نہیں بلکہ واضح طور پر فرماتیں۔“ تو انہوں نے فرمایا:

بے شک محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم لے کر آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلا تے ہیں۔ اس کا چراغ ہی دراصل چراغ ہے۔ اس کا دین ذریعہ فلاح ہے۔ اس وقت شیعہ غل کوئی نفع نہ دے گا جب تک کہ شیعہ شریعت ہو جلتے گا اور تلواریں سونٹ رہیں۔ یہ سب جھپٹیاں تن جائیں گی

اِنَّ مُحَمَّدًا بِنِ عَبْدِ اللّٰهِ  
رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ بِتَنْزِيْلٍ  
اللّٰهُ يَدْعُوْا بِهٖ اِلَى اللّٰهِ مُصْبِحًا  
مِّصْبَاحٌ وَدِيْنَهُ فَلَاحٌ مَا يَنْفَعُ  
الصَّبَاحُ وَلَوْ وَقَعَ الدِّيَاحُ وَ  
سَبَبُ الصِّفَاحِ وَمَرَدَتِ  
الرِّمَاحُ - (اصابہ)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”ان کی اس خاص گفتگو سے میرے دل کی کیفیت بدل گئی اور میں انجام ہار پر غور کرنے لگا۔ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اکثر بیٹھا کرتا تھا۔ اس واقعہ کے دو روز بعد میں ان کو ملنے کے لئے گیا۔ اس وقت یہ تنہا بیٹھے تھے۔ مجھے پریشان دیکھ کر سبب پوچھا، تو میں نے خلاصہ عرض کر دیا، وہ چونکہ میرے گہرے دوست تھے، اس لئے مجھے سمجھانے کے انداز میں انہوں نے فرمایا: ”عثمان! تم سمجھدار آدمی ہو، اگر تم بھی حق و باطل میں تمیز نہ کر سکو تو بے حد تعجب ہے۔ تمہاری قوم جن بتوں کی پرستش کرتی ہے، کیا وہ پتھر کے بنے ہوئے نہیں ہیں نہ وہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں اور نہ تو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان میں نے کہا: ”بے شک ایسے ہی ہے، آپ نے جو کچھ فرمایا ہے صحیح ہے۔“ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”اے عثمان! بے شک اللہ تعالیٰ کی قسم جو کچھ تم کو تمہاری خالہ نے کہا ہے، بالکل صحیح کہا ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے بھیجا ہے۔ اب اس میں کیا ہرج ہے کہ تم ان کی خدمت میں جاؤ، اور جو کچھ وہ فرمائیں، بڑے غور سے سنو۔“

چنانچہ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے عثمان! اللہ تعالیٰ تم کو جنت کی طرف بلاتا ہے، تم اس کو قبول کرو، میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں جو تمہاری اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔“ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان جملوں میں کیا اثر تھا کہ میں بے قابو ہو گیا اور بے اختیار اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کہا اور مسلمان ہو گیا۔ (اصحابہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شرف اسلام سے مشرف ہونے کے بعد)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی زوجیت میں دے دیا۔ (طبقات ابن سعد - در المنثور)

۵۔ ہجرت میں جب اہل مکہ کا ظلم و ستم عروج پر تھا تو رسول اللہ ہجرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جان نثار صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم صادر فرمایا۔ جس مہستی نے سب سے پہلے اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت حبشہ کی۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو اپنی زوجہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق حبشہ کی طرف تشریف لے گئے۔ جب سلامتی کے ساتھ حبشہ پہنچنے کی اطلاع ملنے میں دیر ہو گئی تو حضور نبی کا نشانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فکر دامن گیر ہوئی۔ پھر جب ایک عورت نے آکر خبر دی کہ میں نے حضرت عثمان کو حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دراز گوش پر سوار ہوتے دیکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اظہارِ اطمینان فرمایا اور ارشاد فرمایا: عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وہ پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے حضرت ابراہیم حضرت لوط (علیہما السلام) کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ اس کے بعد دوسرے صحابہ بھی حبشہ پہنچ گئے (جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے۔ (طبقات اصابہ مدارج) حبشہ میں ایک عرصہ تک قیام کرنے کے بعد حضرت عثمان غنی، حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف واپس آ گئے، پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بمعہ اہل و عیال بحکم نبوی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

۶۔ میں سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار ہو گئیں۔ آپ علالت و حلت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چپک نکل آنے کی وجہ سے کمزوری اس قدر بڑھ گئی کہ آپ صاحب فراش ہو گئیں۔ یہی زمانہ جنگ بدر کی تیاری کا تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کو صا جزادی صاحبہ کی تیمارداری کئے لئے مدینہ طیبہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود جماعت صحابہ کے ساتھ جنگ بدر میں تشریف لے گئے۔

یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ہجرت کو ایک سال اور سات ماہ گزر چکے تھے کہ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال پیر ملال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ عین اُس وقت جبکہ سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر انور پر مٹی ڈالی جا رہی تھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح بدر کی خوشخبری لے کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ (طبقات اصحابہ مدینہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کا حال عرض کیا گیا تو رسول اکرم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کمال صبر و استقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: الْحَقْنِیْ بِسَلْفِنَا عُمَیْمَانِ بْنِ مَطْعُوْنٍ۔ (طبقات ابن سعد) ”ہمارے پہلے گئے ہوتے صحابی عثمان بن مظعون کے پاس (عالم برزخ میں) یہ بھی رہا ہے کہ گئیں۔“ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جلیل القدر اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب صحابی تھے، مہاجرین میں سے سب سے پہلے آپ ہی کا انتقال ہوا، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد مبارک پر وہاں پر موجود تمام عورتیں رونے لگیں، اتنے میں حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آگئے اور عورتوں کو دیکھ کر ڈانٹ ڈپٹ فرمانے لگے۔ رسول محترم نبی مکرم پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا اے عمر! ان کو چھوڑ دو، مجھ نہ کہو، کیونکہ جب رونے کا تعلق قلب اور آنکھ سے ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر مبنی ہوتا ہے اور اگر ہاتھ اور زبان کہو، یعنی میں اور ماتم، ہو تو اُسے شیطان کی تحریک سمجھنا چاہیے۔ (اسد الغابہ۔ طبقات اصحابہ) اے ثواب کا اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو غازیانِ بدر میں شمار فرمایا کیونکہ یہ حکم نبوی کے مطابق ہی مدینہ طیبہ میں رکھے تھے، اس لئے ان کو مالِ منیت سے بھی حصہ دیا گیا!



صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تعزیت کرتے ہوئے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے کلمات تعریف ذکر کئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دُفِنَ الْبَنَاتُ مِنَ الْمَكْرُوْهَاتِ - (مدارج النبوة)

یعنی سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ دنیا کے تمام عیوب و امین بچا کر بیٹیاں عالم برزخ میں چلی گئیں۔ لیکن "استیعاب" میں یہ عبارت یوں ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دُفِنَ الْبَنَاتُ الْمَكْرُوْمَاتِ - (الاستیعاب ص ۴۹)

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ عزت و کرامت والی بیٹیاں دفن کی گئیں۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارکہ کے کنارے حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں میٹھ کر (اپنی بڑی ہمشیرہ کی جدائی پر) رونے لگیں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی چادر شریفہ کے گوشوں سے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ (طبقات ابن سعد - اصابہ)

حبشہ میں قیام کے دوران حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لڑکھٹا اولاد سے ایک صاحبزادہ تولد ہوئے، اُن کا اسم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا اور ان ہی کی وجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر شریفہ ابھی چھ برس کی تھی کہ ایک مَرُغ نے اُن کی آنکھ میں چوچ مار دی جس پر تمام چہرے پر دم آگیا اور یہ ہی صدرہ بالا خراپ کی وفات کا سبب بنا۔ چنانچہ جمادی الاول ۳۷ھ کو مدینہ طیبہ میں انتقال فرما گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لحد میں اتارا، اس کے بعد سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ (اسد الغابہ - طبقات ابن سعد)

# حضرت سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضور سید عالم نبی محتشم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تیسری شہزادی حضرت سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ ان کے اصل نام میں اختلاف ہے۔ مدارج النبوة میں ہے کہ ان کا اسم گرامی آمنہ تھا، جبکہ اُمّ کلثوم کنیت تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ اُمّ کلثوم، سیدہ رقیہ اور سیدہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) سے بڑی تھیں، لیکن ارباب سیر اس کے برعکس کرتے ہیں اور یہی زیادہ مشہور ہے۔

جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ حضرت سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اول تعالیٰ عنہا کا نکاح بھی ابو لہب کے بیٹے سے ہو چکا تھا۔ ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ اور یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا مخصوص انعام و اکرام تھا کہ رب دو جہاں نے دونوں شہزادیوں (سیدہ رقیہ و سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو دشمن حق ابو لہب کے گھر میں جانے سے محفوظ رکھا اور قبل از رخصتی علیحدگی ہو گئی۔ جب سلسلہ ہجری میں حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نکاح ثانی انتقال پر ملال ہو گیا، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان نکاح صدمہ سے بہت زیادہ منغموم و محزون ہونے لگے۔ حضور نبی اکرم، رحمت علیہا رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جاں نثار صحابی اور محبوبہ اماد کی یہ حالت دیکھ کر تورا شاد فرمایا، عثمان! کیا وجہ ہے کہ میں تم کو ہرقت رنج و الم میں ڈوبا ہوا پاتا ہوں؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پریشان نہ ہوں تو اور کیا کروں؟ کہ مجھ پر تو وہ مصیبت پڑی ہے جو کسی پر نہ پڑی ہو۔ آہ! کاش کہ اس کے سانچہ ارتحال نے میری کمر کو توڑ کر رکھ دیا ہے، کیونکہ جو رشتہ قرار

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستہ تھا، اب منقطع ہو گیا ہے اور میں اس شرف سے محروم ہو گیا ہوں۔ ابھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ پُر ملال گفتگو مکمل نہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عثمان! یہ دیکھو جبریل امین مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ عہم پہنچا رہے ہیں کہ میں اپنی بیٹی اُمّ کلثوم کو اُسی مہر پر جو میری بیٹی رقیہ کا تھا، تمہارے عقد میں دے دوں۔“ (ابن ماجہ عن ابی ہریرہ و نورالابصار، اسد الغابہ ص ۶۱۲-۶۱۳)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ ربیع الاول شریف ۳ھ کو جناب سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقد میں دے دیا اور نکاح کے دو ماہ بعد جمادی الآخر ۳ھ کو رخصتی عمل میں آئی۔ (طبقات ابن سعد)

عنہ جب حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال پُر ملال

ہو گیا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میری بیٹی سیدہ حفصہ سے شادی کر لو تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تامل سے کام لیا، کیونکہ وہ سُن چکے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُن سے نکاح فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، اے عمر! کیا حفصہ کے لئے عثمان سے بہتر شوہر اور عثمان کے لئے حفصہ سے بہتر زوجہ نہ بتا دوں؟“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ضرور یا رسول اللہ! ارشاد فرمائیے! چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اُمّ المؤمنین بنالیا اور سیدہ اُمّ کلثوم کا عقد حضرت عثمان غنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے کر دیا۔ (طبقات ابن سعد)

اور یوں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ شرف ملا کہ پوری نسل انسانی میں جو کسی کو نہ ملا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دو شہزادیوں کا (بیکے بعد بیکے) شوہر بننا۔

اسی بنا پر آپ کا لقب ذوالنورین ہے۔ (یعنی دونوں والے)

علامہ سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "سوائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور کسی شخص کو یہ شرف حاصل نہیں کہ یکے بعد دیگرے کسی نبی کی دو بیٹیاں اُس کے عقد میں آئی ہوں۔ (تاریخ الخلفاء)

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب

بن ابوالعاص بن اُمیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف۔ اس جگہ یہ شجرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں شامل ہو جاتے ہیں۔

والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یوں ہے: اُروی بنت کربہ بن ربیعہ بن حبیب بن عبد الشمس بن عبد مناف۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نانی کا نام اُمّ حکیم البیضاء بنت عبد المطلب بن ہاشم تھا۔ اُمّ حکیم البیضاء اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ اس رشتہ کے اعتبار سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سگی چھوٹی زاد بہن تھیں۔ (تاریخ الخلفاء)

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہجرت والدہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو اپنے اہل و عیال کو مکہ مکرمہ میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ جب حالات مکہ زیادہ نازک اور خطرناک ہو گئے، تو اُمّ المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی معیت میں حضرت ام کلثوم اور حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئیں۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی  
اولاد (طبقات ابن سعد)

سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شادی کے پانچ سال  
وفات گزرنے کے بعد ماہ شعبان المعظم ۹۷ھ کو انتقال فرمایا۔  
حضرت اسماء بنت عمیس، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے  
انصار کی عورتوں کے جن میں حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں مل کر  
اُن کو غسل دیا۔ نماز جنازہ سرور کون و مکان، محبوبِ بیت دو جہاں، رحمتِ عالمیاں  
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود پڑھائی۔ حضرت ابو طلحہ،  
حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فضل بن عباس اور حضرت سامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے  
ان کو قبر انور میں اتارا۔ (طبقات ابن سعد۔ اسد الغابہ۔ نور الایصار)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سیدہ اُمّ کلثوم  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ سے حضور نبی مکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کو سخت صدمہ پہنچا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی قبر انور کے قریب ہی  
تشریف فرما تھے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے مسلسل  
آنسو بہہ رہے تھے۔ (الاستیعاب)

حضرت سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ کے بعد حضور رحمتِ عالم  
نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری دس لڑکیاں بھی  
(غیر شادی شدہ) بنتیں تو میں اُن کو یکے بعد دیگرے (اگر وہ اسی طرح فوت ہوتی رہتیں تو)  
عثمان کے نکاح میں دے دیتا۔ (طبقات ابن سعد)





# حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادیوں میں سے چھوٹی اور سب سے بڑھ کر محبوب شہزادی کا اسم گرامی حضرت فاطمہ اور کنیت ام محمد ہے۔ میرے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ وہ شہزادی ہیں کہ جن پر تمام مکارم اخلاق اور اوصاف و فضائل ختم تھیں۔ گویا تاجدار انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ایک بہترین نمونہ کا دوسرا نام فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے القابات میں سیدۃ النساء، زہراء، طیبہ، طاہرہ، مطہرہ، زاکیہ، راضیہ مرضیہ، عابدہ، زاہدہ، اور بتول مشہور اور نہایت مقبول القابات ہیں۔ علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ شرح قصیدہ ہمزہ کی شرح میں فاطمہ، بتول، زہراء کی وجہ تسمیہ یوں تحریر فرماتے ہیں کہ ”فاطمہ“ اس وجہ سے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے محبت رکھنے والے کو آتش دوزخ سے محفوظ فرمایا۔ ”بتول“ اس لئے کہ آپ زمانہ بھر کی عورتوں میں ممتاز اور صاحب فضیلت تھیں۔ ”زہراء“ اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو حیض سے محفوظ و مامون رکھا۔ صاحب اخبار الدول ”زہراء“ کی وجہ تسمیہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ولادت باسعادت عصر و مغرب کے درمیان ہوئی۔ آپ اسی وقت نفاس سے پاک ہوئیں اور نماز مغرب ادا فرمائی۔ علامہ قسطلانی علیہ الرحمہ ”مواہب لدنیہ“ میں تحریر فرماتے ہیں: ”فطم“ کا لفظی معنی بچے کو دودھ پینے سے روکنے کے ہیں، تو گویا فاطمہ ”سیدۃ عالم لوگوں کو آتش دوزخ سے روکنے والی ہیں“ جبکہ ”بتول“ مشتق ہے بتل سے، جس کے معنی ہیں قطع کرنے کے ”مغنی الدب“ میں لکھا ہے کہ بتول بروزن صبور اس عورت دوشیزہ کو کہتے

ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا ہر شے سے الگ ہو، اسی لئے حضرت مریم والدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب بھی بتول تھا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت کی تاریخ ولادت باسعادت میں قدرے اختلاف ہے۔ امام ابو بکر رازی حنفی بنی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اکتالیسویں سال ولادت باسعادت تحریر فرماتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اعلان نبوت سے پانچ سال قبل سن ولادت تحریر فرمایا اور یہی مشہور ہے۔ (مدارج النبوة)

حضرت ابن سعد فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت اعلان نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے (طبقات) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت مروی ہے۔ نیز یہ کہ اس وقت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریفہ ۳۵ برس کی تھی اور آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عمر میں پانچ سال بڑی تھیں۔ (اصابہ فی معرفۃ صحابہ) حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ ستیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ہمیشہ ان ذی وقار کے ساتھ ہی رسول اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت اسلام کا شرف حاصل کیا۔

جب رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں جلوہ گرہ نکاح مبارکہ ہوئے تو کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان نے رسول کریم نبی عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے شرف نسبت حاصل کرنے کے لئے جنابہ ستیدہ کی خواستگاری کی مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ ہی جواب دیا کہ ابھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار ہے۔ (طبقات ابن سعد)

”جلال العیون“ میں ہے کہ حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس تشریف لے گئے، جبکہ آپ ایک باغ کو پانی دے رہے تھے۔ ان دونوں حضرات نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خواستگاری کی ترغیب دی۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنی بے وسامانی کا ذکر کیا، تو ان دونوں دوستوں نے اصرار کیا کہ اے علی! تم ضرور جاؤ، معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ کے لئے خاص کر رکھا ہے۔ چنانچہ اس ترغیب پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے، مگر شرم کی وجہ سے کچھ عرض نہ کر سکے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نگاہ نبوت سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے منشأ کو سمجھ گئے اور فرمایا کہ اے علی! کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اصل مدعا عرض کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت مسرور ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے علی! اللہ تعالیٰ نے تمہارا نکاح آسمانوں پر فاطمہ سے فرمایا ہے۔ پھر فرمایا: تمہارے پاس حق مہر کے لئے کیا ہے؟ تو شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کیا: ایک اونٹ، ایک تلوار اور ایک زرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زرہ کو فروخت کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے زرہ فروخت کر کے رقم بارگاہ اقدس میں پیش کر دی۔ رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس رقم میں سے ایک مٹھی بھر کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی اور حکم دیا کہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے عطر و خوشبو لے آؤ۔ دو مٹھیاں بھر کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ گھریلو سامان خرید لاؤ۔ پھر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور جماعت صحابہ کو بازار بھیجا۔ حکم رسول خدا علیہ السلام و الشاہ جو کوئی جو شے بھی خریدتا تھا حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے خریدتا تھا۔ چنانچہ ایک بیڑا ہن سات درہم میں ایک مقنعہ چار درہم میں ایک چادر سیاہ مصری، ایک کرسی جس کے دونوں پاٹ خرمے کی چھال سے جڑے ہوتے تھے، دو عدد تو شک جامہ ہاتے مصری، ایک خرما کی چھال سے بھرا، دوسرا بھیر کی اون سے، چار تکیے کہ جن میں اذخر گھاس بھرا ہوا تھا۔ ایک پردہ پشم اور بوریاتے سحری، چکی اور باد میسی، ایک ڈول چمڑے کا، ایک پیالہ لکڑی کا، ایک مشکیزہ پانی کے لئے، ایک آفتابہ روغنی، ایک سیبوتے سبز اور مٹی کے پیالے خریدے گئے۔ جب صحابہ کرام نے یہ سامان بارگاہ اقدس میں پیش کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک چیز کو دست مبارک میں لے کر ملاحظہ فرمایا اور پسند بھی فرمایا اور اپنے اہل بیت کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ بروایت دیگر آنسو چشمہائے مبارک سے جاری ہوتے اور آسمان کی طرف اٹھا کر دعا فرمائی کہ اے اللہ تعالیٰ اس گروہ کو برکت عطا فرما کہ جن کے برتن زیادہ تر مٹی کے ہوں۔“ (خلاصہ روایات جلال العیون اردو، جلد اول مطبوعہ:

شیعہ جنرل عکب ایجنسی، لاہور، ص ۱۶۱ تا ۱۷۴ء)

دیگے، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جب میں نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے پیغام نکاح دینے کا ارادہ کیا، تو میرے پاس حق مہر ادا کرنے کے لئے کوئی شے نہ تھی۔ میں اسی شش و پنج میں تھا تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ تم مہر کیا دو گے؟ میں نے عرض کیا: ”میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔“ فرمایا: ”وہ زرہ حطمی کہاں ہے؟ جو میں نے تمہیں جنگ بدر کے بعد دی تھی؟“ میں نے عرض کیا: ”وہ تو میرے پاس ہے۔“ فرمایا: ”وہی مہر میں دے دو۔“ چنانچہ وہی زرہ (یعنی اُس کی رقم) حضرت سیدہ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حق مہر بنی۔ (طبقات ابن سعد)

حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
سامانِ جہیز کی دیگر روایت

الزہر ابن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو درج ذیل جہیز عطا فرمایا۔ ”ایک نقشِ تخت، ایک تکیہ،  
(کہ جس میں کھجور کی چیمال بھری ہوتی تھی)، ایک پیالہ، ایک جوڑا لباس، ایک مشکیزہ دو چکیاں  
اور دو گھڑے۔ (طبقات ابن سعد)

مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ  
ولیمہ میں نے ایک یہودی سے قرض لے کر چند صاع کھجوریں اور جو خرید کر ولیمہ کیا۔  
(مدارج النبوۃ، بحوالہ احمد۔ مواہب لدنیہ)

طبقات ابن سعد میں ہے: ”جب نکاح سے فراغت ہو گئی تو حضور اکرم سید عالم  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شادی کے لئے ولیمہ بھی ضروری ہے۔ حضرت سعد  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک بھڑ ہے اس سے ولیمہ کر دیا جاتے  
اور اسی طرح انصار کے ایک قبیلہ نے حسب استطاعت انتظام ولیمہ کیا۔ (طبقات،  
مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء

بوقت شادی عمر شریفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح بدر سے واپسی پر ماہ

رمضان المبارک ۳ھ میں ہوا اور ماہ ذوالحجہ میں نکھتی ہوئی۔ تقریب نکاح کے بارے  
میں ایک قول ماہ رجب اور دوسرا قول ماہ صفر المتظفر کا بھی ہے۔ عمر شریفہ پندرہ سال  
ساڑھے پانچ ماہ تحریر ہے، جبکہ دوسری روایت کے مطابق عمر مبارکہ اٹھارہ سال تھی،  
اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی عمر شریفہ اکیس سال پانچ ماہ تھی (مدارج،  
جلال العیون میں ہے: شیخ مفید اور ابن طاووس اور اکثر اعظم علماء نے لکھا ہے

کہ یہ مزاجت و شادی ۱۱ ماہ محرم ۳ھ کو واقع ہوئی اور  
شیخ طوسی نے امالی میں روایت کی کہ زفاف جناب امیر و جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ



سولہ روز بعد از وفات سیدہ رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بعد مراجعت جنگ بدر ہوئی  
اور چند روز شوال کے گزر گئے تھے۔ کشف الغمہ میں جناب صادق علیہ السلام سے  
روایت ہے تزویج جناب امیر ماہ مبارک رمضان میں اور زفاف ماہ  
ذوالحجہ ۲ھ میں ہوا۔ (جلال العیون جلد ۱)

اُصول کافی میں جناب سیدہ کی ولادت باسعادت ۱۵ھ نبوت تھریہ ہے  
اور عمر شریفہ بوقت رحلت ۸۱ سال ۵۷ یوم بتائی گئی، جن میں سے ۵۷ یوم بعد از  
وفات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھے اور ولادت امام حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)  
۲۳ھ یا ۲۴ھ درج ہے۔ (اصول کافی از شیخ محمد یعقوب کلینی)  
اس اعتبار سے ولادت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت جناب سیدہ رضی اللہ  
تعالیٰ عنہا کی عمر شریفہ دس سال یا گیارہ سال بنتی ہے۔ البتہ الاستیعاب میں ہے کہ  
ولادت سیدہ حکیم سن نبوت کو ہوئی۔ گویا بوقت نکاح عمر شریفہ تقریباً ۱۵ سال تھی (وللہ اعلم)

**مخصوصی بطرف نہایت مضموی** یہ ایک فطرتی بات ہے کہ لڑکی کو اپنے والدین کا  
ہاتھوں گھر چھوڑ کر ایک نئے گھر کو آباد کرنا ہونا  
ہے۔ اپنے والدین کے گھر کے در و دیوار اس کے لیے یک بیک بیگانے بن جاتے ہیں  
وہ شفیق والدین کہ جن کا سایہ رحمت حرز جاں تھا، ان سے مفارقت اختیار کرنا پڑتی ہے  
یہ وہ لمحات ہیں کہ ایک باوقار بیٹی تفاضاتے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر زار و قطار  
روتی رہتی ہے۔

جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کچھ ایسے ہی ہوا۔  
جب بخیاں مفارقت آپ رو رہی تھیں تو رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
تشریف لائے اور اپنی لخت جگر کو دلاسا دیتے ہوئے فرمایا: بیٹی! کیوں رو رہی ہو تمہاری  
شادی ایک ایسے شخص سے ہو رہی ہے جو علم و حلم میں سب سے افضل اور اسلام لانے میں  
سب سے اول ہے۔ (راشد الغابہ)

حضور سرور کائنات فخر وجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے، تو سعادت قیام حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو ملی جب جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو حکم دیا کہ تم کوئی مکان کرایہ پر لے لو چنانچہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کاشانہ نبوی سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیا۔ حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مکان میں سیدہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی رخصتی فرمائی اور جناب شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ارشاد فرمایا: اے علی! تم میرا انتظار کرو، جب تک کہ میں آؤں تھوڑی دیر بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کے گھر تشریف لائے اس وقت اس گھر میں جناب سیدہ کی خدمت و تعظیم کے لئے حضرت اُمّ ایمن اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پانی طلب فرمایا جو کسی پیالہ وغیرہ میں پیش کیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی سے اس میں وضو فرمایا اور وہ پانی حضرت علی المرتضیٰ کے دونوں شانوں، بازوؤں اور سینہ پر چھڑکا، پھر جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلب فرمایا جو شرم و حیا سے جھجکتی ہوئی حاضر ہوئیں، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن پر بھی پانی چھڑکا اور دُعا فرمائی:

اللَّهُمَّ بَارِكْ فِيهَا وَبَارِكْ عَلَيْهَا وَبَارِكْ لَهَا فِي نَسْلِهَا.

(خلاصہ روایات طبقات، اسد الغابہ، اصابہ)

رخصتی کے کچھ عرصہ بعد ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں جلوہ افروز تھے اور جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حاضر خدمت تھیں، اثنائے گفتگو میں ارشاد فرمایا، بیٹی! میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو اپنے قریب بلالوں؟ جناب سیدہ نے عرض کیا، آپ حارث بن نعمان سے فرمائیے

ن کے مکانات آپ کے قریب ہیں، وہ کوئی مکان ہمیں دے دیں۔“ رسول محترم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیٹی! حارث بن نعمان سے یہ بات کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔“ اتفاق سے اس بات کی خبر حضرت حارث بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہو گئی، وہ بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنی صاحبزادی صاحبہ کو اپنے قریب کے مکان میں منتقل کرانا چاہتے ہیں، لہذا میرے مکانات موجود ہیں، آپ پسند فرمائیں اور فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلالیں۔“ بری جان اور میرا مال، اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر قربان ہے اور اللہ تعالیٰ کی قسم جو چیز آپ مجھ سے قبول فرمائیں گے، مجھے اُس کا آپ کے پاس ہونا میرے پاس پہنچنے سے زیادہ محبوب ہو گا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا: اے حارث! تم نے سچ کہا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں تم پر نازل ہوں۔“ پھر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت حارث بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں منتقل کروالیا۔ (طبقات، اصابہ)

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل و مناقب و مناقب بے شمار ہیں اور آپ فضل و کرامت کی اس بلند پرفائز ہیں کہ اُس کی گردِ راہ کو پانا بھی ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں۔ اس اعترافِ حقیقت کے ساتھ یہ بندۂ ناچیز (مؤلف کتاب ہذا) جنابہ سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کچھ فضائل و مناقب کتب سیر و احادیث سے نقل کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ ربِّ کریم غفور الرحیم کی بے پایاں رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ اس ناچیز کا یہی عمل اس کی بخشش کا بہانہ بن جائے۔ آمین، اس لئے بھی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کوئی شخص اُس وقت تک کامل مومن نہیں ہوتا، جب تک میں اُس کو اُس کی جان سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں“

اور میری اولاد اُس کو جان سے پیاری نہ ہو جائے اور میرے اہل اُس کو اپنے اہل سے پیارے نہ ہو جائیں اور میری ذات (سب مخلوق) سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہو جائے اور فرمایا: ”جو مجھ سے تو تسل کی تمنا رکھتا ہو اور وہ چاہتا ہو کہ قیامت کے دن اسے میری شفاعت نصیب ہو، اسے چاہیے کہ وہ میرے اہل بیت کی نیاز مندی کرے اور ان کو خوش رکھتے۔ (بیہقی - دہلی)

نیز فرمایا: ”جو (میرے) اہل بیت سے لڑائی کرے گا، میں اس سے لڑوں گا اور جو اُن سے صلح کرے گا، میں اُس سے صلح کروں گا۔“ (ترمذی - ابن ماجہ، حبان - حاکم) نیز ارشاد فرمایا: ”فاطمہ میرا جزو ہیں جو انہیں ناگوار ہوگا، وہ مجھے بھی ناگوار ہے، جو اُنہیں پسند ہوگا، وہ مجھے بھی ناپسند ہے۔ (یاد رکھو) قیامت کے دن میرے نسب سبب، اور رشتہ داری کے سوا باقی تمام لوگوں کے نسب منقطع (یعنی بے فائدہ) ہو جائیں گے۔ (رواہ احمد، حاکم)

اللہ رب العزت جل شانہ نے حضور سید عالم رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی کو جو عزت و رفعت عطا فرمائی ہے، وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بے شک میرے پاس ایک فرشتہ آیا جو آج رات کے سوا پہلے کبھی بھی زمین کی طرف نہیں اترے گا، اُس نے اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی کہ وہ مجھ کو سلام کرے اور خوشخبری دے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین جو انان جنت کے سردار ہیں۔“ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) (رواہ الترمذی)

ابن عمیر بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنی چھوٹی صاحبہ کے ساتھ حضرت ستیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے ام المومنین سے عرض کیا کہ فرمائیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب انسانوں میں سے زیادہ

کس سے محبت فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ”فاطمہ سے“۔ میں نے عرض کیا کہ  
مردوں میں محبوب کون تھا؟ فرمایا: ”ان کے شوہر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، (تریزی)  
مردی ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر چار خط  
کھینچے اور فرمایا: تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ سب نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول  
زیادہ واقف ہے۔“ تو فرمایا: فاطمہ بنت محمد۔ خدیجہ بنت خویلد۔ مریم بنت عمران۔  
اسیہ بنت مزاحم (زوجہ فرعون)، ان عورتوں کو جنت کی سب عورتوں پر فضیلت  
حاصل ہے۔ (الاستیعاب)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مردی ہے کہ ایک دن حضور نبی اکرم  
نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسم انور پر ایک اونی سیاہ منقش چادر اوڑھے  
تشریف فرما تھے، اتنے میں حضرت حسن بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) آئے۔ آپ صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس میں داخل کر لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
آئے ان کو بھی چادر میں داخل فرمایا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں ان کو  
بھی اس چادر میں داخل کر لیا۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم آئے  
ان کو بھی چادر مبارکہ میں داخل فرمایا اور کہا (یعنی یہ آیہ کریمہ پڑھی،  
إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ  
يُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا) اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے  
پلیدی دور فرمادے (اے میرے) اہل بیت اور تم کو خوب خوب پاک اور ستھرا  
بنادے۔“ (صحیح مسلم)

جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر یا جنگ واپس تشریف لاتے  
تو سب سے اول مسجد میں جا کر (اگر وقت ممانعت نہ ہو تو) دو رکعت نماز ادا فرماتے  
پھر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے۔ پھر



اتہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حجرات مبارکہ میں جلوہ افروز ہوتے (الاستیعاب)  
 حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے ہر انداز مثلاً کھانے پینے، بول چال،  
 غرض کہ ہر کام میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری تقلید فرماتی تھیں  
 حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ  
 (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے زیادہ نشست و برخاست، عادات و خصائل طرز گفتگو اور  
 لب لہجہ میں حضور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا  
 جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد ذی وقار کی خدمت میں حاضر ہوتیں، تو  
 اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کھڑے ہو جاتے اور اپنی لخت جگر  
 کی پیشانی کو چومتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھا لیتے۔ یہی طریقہ اور عمل حضرت فاطمہ الزہراء  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا۔ (الاستیعاب - ابوداؤد)  
 دوسری روایت میں ہے کہ جناب سید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے  
 مبارک ہاتھوں کو بوسہ دیتی تھیں۔

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت متقی، پرہیزگار، دیندار  
 خاتون تھیں۔ آپ کی مبارک زندگی کا تمام تر حصہ زہد و قناعت پر بسر ہوا۔ صبر و تحمل،  
 زہد و برباری، دیاوی تکالیف و مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لینا، درگزر  
 اور عفو و کرم سے کام لینا، ایثار و سخاوت، یہ تو سب کچھ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے  
 والد گرامی قدر سے وراثت میں ملا تھا۔ اپنے گھر کا سارا کام کاج خود اپنے ہاتھوں سے  
 سرانجام دیتیں۔ چکی پیسنا، کپڑے دھونا، گھر میں جھاڑو دینا، بچوں کو سنبھالنا  
 کھانا تیار کرنا، پانی بھرنے، یہ سب فرائض خانگی میں شامل تھا۔  
 فتوحات کی کثرت تھی، خالق کائنات جل شانہ کی عطا سے رسول رحمت  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مال و زر کے خزانے لٹا رہے تھے، مگر اس میں اہل بیت نبوی

کے لئے کوئی حصہ نہ تھا۔ اگر کبھی اس بارہ میں عرض کیا بھی جاتا تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی دوسرے طریقہ سے تسکین و تشفی فرما دیتے۔ کبھی وعظ و نصیحت فرماتے ہوئے دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کر کے کوئی وظیفہ ارشاد فرما دیتے۔

ائمہ حدیث فرماتے ہیں کہ چکی پیس پیس کر جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نرم و نازک ہاتھوں پر چپالے اور گھٹے سے بن گئے تھے۔ چوہا پھونکتے پھونکتے رُخِ زیبا متغیر ہو جاتا دھوئیں سے آنکھیں سُرخ ہو جاتیں لیکن قدرت نہ تھی کہ ایک کنیز ہی رکھ لیں۔

ایک دن حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا ملے فاطمہ! اب تو پانی بھرتے بھرتے سینہ بھی درد کرنے لگا ہے، آج کل دربارِ نبوت میں بہت سے قیدی آئے ہوئے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غلام اور کنیزیں تقسیم فرما رہے ہیں تم بھی جاؤ اور ایک خادم یا خادمہ مانگ لاؤ۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حکم پر جناب سیدہ خیر النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا دربارِ اقدس میں حاضر خدمت ہوئیں۔

حنور نبی رحمت، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لختِ جگر سے آنے کا مقصد پوچھا تو عرض کیا کہ بس زیارت اور سلام کرنے کے لئے حاضر ہوتی ہوں، شرم و حیا کی وجہ سے اصل مدعا عرض نہ کر سکیں، ایسے ہی خالی ہاتھ واپس تشریف لے آئیں۔ حضرت

علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تو صاف صاف بتا دیا کہ بس سلام کر کے آپس آگئی ہوں، میری شرم و حیا نے مجھے سوال کرنے کی اجازت نہ دی۔ پھر دونوں میاں بیوی ہنسنا دسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! رستی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، پانی بھرتے بھرتے سینہ درد کرنے لگا ہے“ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی

لے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہمارے گھروں میں بعض اوقات ایک ایک ماہ تک کچھ نہ پکاتا۔ اس دوران ہمارا کھانا محض کھجوریں اور ستوتہ ہوتا۔ (اللہ اکبر)

عرض کیا ”جی، پیستے پیستے ہاتھوں پر گھٹے پڑ گئے ہیں، حضور کی بارگاہ میں بہت سے قیدی آئے ہوئے ہیں، کرم فرمائیے، ان میں سے کوئی ہمیں بھی عطا کر دیجئے۔“ حضور نبی اکرم ﷺ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تم کو کوئی خادم نہیں دوں گا۔ کیا میں اہل صفہ کے حق کو چھوڑ دوں اور ان کو بھول جاؤں؟ جو فقر و فاقہ کی وجہ سے ایک ایک روٹی کے محتاج ہیں۔ میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ جو ان پر صرف کروں اور ان کی امداد کروں۔ سوائے ان قیدیوں کے، میں ان غلاموں کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے اصحاب صفہ کی ضروریات پوری کروں گا۔“

جب یہ دونوں میاں بیوی یہ جواب سن کر صبر و شکر کرتے ہوئے گھر واپس آ گئے، تو خود رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے کاشانہ مقدس میں تشریف لائے۔ اس وقت دونوں اپنے فقیرانہ بستروں پر لیٹ چکے تھے، لیکن جوں نبی رحمت شفیع امت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو تعظیم و تکریم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: ”تم دونوں میرے پاس جو کچھ لینے کے لئے گئے تھے اور جس خواہش کا اظہار کیا تھا، کیا میں تم کو اس سے اعلیٰ چیز نہ دے دوں؟“ انہوں نے عرض کیا: ”ضرور ارشاد فرمائیے!“ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر پڑھا کرو اور سوتے وقت سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار، اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو۔ یہی تمہارے لئے بہترین خادمہ ہے۔ (طبقات - اصحابہ) سبحان اللہ تعالیٰ! کیا پورے زمانے میں (یعنی از ابتدا تا انتہا) کوئی ایسی کریم شخصیت مل سکتی ہے کہ جو اپنی محبوب ترین اولاد پر دوسرے مسکینوں کو ترجیح دے دے؟ نہیں یقیناً میرے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ بھر میں کوئی ثانی ہی نہیں۔ ایسی ہی اعلیٰ تربیت کا نتیجہ تھا کہ سیدہ فاطمہ الزہراء و سیدنا علی المرتضیٰ

ارضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ وظیفہ پاکر غایت درجہ خوش ہو گئے اور شکر بجالائے۔

سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ محترمہ کو دیکھا کہ وہ گھر کی مسجد میں ساری رات مشغول نماز رہتیں، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ میں نے انہیں ہمیشہ مسلمانوں کے حق میں بہت زیادہ دعائیں کرتے ہوئے سنا۔ انہوں نے اپنی ذات کے لئے کوئی دُعا نہ مانگی۔ میں نے عرض کیا کہ اے مادرِ مہربان! کیا دُعا ہے کہ آپ اپنے لئے کوئی دُعا نہیں مانگتیں، تو ارشاد فرمایا: یا بُنَّیْ اَوَّلَ الْجَوَارِثَةِ الذَّار۔

”اے میرے لاڈلے بیٹے! پہلے ہمسایہ پھر اپنا، گھر“ (مدارج النبوة) اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ خدا انخواستہ خدا انخواستہ یہ گھرانہ کوئی غریب گھرانہ تھا۔ معاذ اللہ تعالیٰ ثم معاذ اللہ تعالیٰ! بات یہ نہیں، بلکہ حق یہ ہے اس گھرانے سے بڑھ کر کوئی سخی گھرانہ ہے ہی نہیں۔ جو کچھ ہوتا وہ راہِ خدا میں تقسیم کر دیا جاتا۔ ذیل میں دو واقعات اسی موضوع پر نقل کئے جلتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے تو وہ اپنے گلے سے سونے کا ہار اتار کر ہند بنت مہرہ کو دکھا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ یہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے لا کر دیا ہے۔ رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کھینچ کر دیکھا، تو واپس تشریف لے آئے۔ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سمجھ گئیں۔ انہوں نے وہ ہار فوراً فروخت کر دیا اور اُس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، تو بہت خوش ہوئے اور الحمد للہ فرمایا (نسائی) مروی ہے کہ شہزادگانِ گرامی تھے حضرت امام حسن مجتبیٰ و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ سیار ہوئے، تو رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

جناب شہیر خدا علی المرتضیٰ و سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا کہ روزہ رکھنے کی مشیت ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کو شفا عطا فرمائے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ، مخدومہ عالم سیدہ النساہ اور حضرت فتنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے منت مانی کہ شہزادے صحت یاب ہو گئے تو تینوں حضرات تین روزے رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سبطین کریمین کو صحت عجلہ کاملہ عطا فرمادی تو ان تینوں نے روزہ رکھ لیا۔ پہلے روز افطاری سے قبل جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو بیس کر روٹی تیار کی، ابھی افطاری نہ فرمائی تھی کہ دروازے پر کسی فقیر نے روٹی کا سوال کیا، بن بزرگوں نے تمام کھانا اٹھایا اور سائل کو عطا فرمادیا خود پانی پی کر گزارا کر لیا۔ دوسرا دن ہوا روزہ رکھتا، بوقت افطاری جو بیس کر روٹی تیار کی، تو آج پھر ایک سائل آگیا اور کہا کہ میں ایک یتیم ہوں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ کھلنے کو دو۔ حضرت علی المرتضیٰ و فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آج بھی سائل کو سارا کھانا فقیر کو عطا کر دیا پانی پر افطار کر کے تیسرے روزے کی نیت کر لی۔ تیسرے دن افطاری کے وقت حسب سابق کھانا جو تیار ہوا تو آج ایک قیدی کی آواز سنائی دی کہ میں کسی کی قید سے آزاد ہوا ہوں، ہے کوئی جو مجھے اللہ تعالیٰ کے نام پر کھانا دے، چنانچہ تیسرے دن کا کھانا بھی اسے عطا فرمادیا گیا۔ ادھر یہ ہندوگان خدا ایشار و قربانی کا یہ مظاہرہ کر رہے تھے۔ ادھر حضرت جبریل امین یہ آیہ مبارکہ لے کر بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں آئے تھے کہ یُوقُونَ بِالْتَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (سودۃ الدهر، ۸)

”وہ اپنی مانی ہوتی نذر کو پورا کرتے ہیں، اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جس کی بُرائی پھیل جاتی ہے، اور کھانا کھلاتے ہیں اُس کی محبت پر، مسکینوں کو، یتیموں کو اور اسیروں کو“

خاندان مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سخاوت کے واقعات سے کتب احادیث و سیرت و تاریخ بھری پڑی ہیں جس کا جی چاہے مطالعہ کرے یہاں صرف حصول برکت کے لئے یہ دو واقعات نقل کئے گئے ہیں۔



# والدین کے لئے ایک روشن مثال

جیسا کہ قبل ازیں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی لاڈلی لختِ جگر تھیں۔ ان کی تھوڑی سی رنجیدگی بھی گوارا نہ تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صاف صاف اعلان فرمادیا تھا کہ:

”فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو اسے دکھ پہنچے گا، وہ مجھے پہنچے گا اور جس نے اسے اذیت دی (یعنی ستایا) اُس نے مجھے اذیت دی (ستایا) (صحیح بخاری شریف)

کسی بھی لاڈلی بیٹی کا سسرال والوں کی شکایات کا والدین سے ذکر کرنا حیران کن نہیں، والدین کا بھڑک اٹھنا بھی ترنِ قیاس، مگر دُنیا بھر میں بیٹیوں کے والدین کے لئے رسول محترم نبی مختتم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل مینارۃِ نور ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان کچھ ناراضگی سی ہو گئی۔ اس میں کوتاہی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی تھی۔ حضرت سیدہ کبیدہ خاطر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت فیضِ رحمت میں حاضر ہو گئیں اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شدتِ مزاج اور غصہ کی شکایت کی (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے پیچھے روانہ ہو گئے اور ایسی جگہ چھپ کر کھڑے ہو گئے جہاں گفتگو سن سکیں) جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات سن کر آقائے دو عالم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے میری بیٹی! میں جو کچھ کہوں، اس کو پوسے غور سے سنو اور اس پر عمل کرو۔ وہ مرد و عورت ہی کیا ہیں کہ جن کے درمیان کبھی کوئی امر واقع نہ ہو نہ ہو (یعنی ایسی معمولی معمولی باتیں تو عموماً ہو ہی جایا کرتی ہیں) اور کیا یہ ضروری ہے کہ مرد ہر کام عورت کی مرضی کے مطابق ہی کرے اور شوہر اپنی بیوی کو کچھ نہ کہے۔ (یعنی مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کام اپنی مرضی کے موافق کرے اور عند الضرورت عورت کو ڈانٹ بھی سکتا ہے) (طبقات ابن سعد)

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر اس حکیمانہ اور مصلحانہ جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ آئندہ کبھی کوئی ایسی بات نہ کی کہ جس سے مخدومہ کائنات سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رنج و ملال ہو۔ بایں ہمہ اگر کبھی کبھار کو معمولی رنجش ہو بھی جاتی تو رسولِ کبریا، محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان میں صلح کر دیتے۔ ان دونوں کی مصالحت سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بہت مسرت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہی اتفاق پیش آیا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ہاں تشریف لے گئے اُس وقت رنجِ زیبا پر رنج و ملال تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں میں صلح کر ددی۔ پھر جو آپ باہر تشریف لائے، تو روتے مبارک ہشاش بشاش تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، آپ جب گھر کے اندر تشریف لے گئے تھے تو غمزدہ تھے اور جب باہر تشریف لائے تو نہایت مسرور شادماں ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ رسولِ رحمت شفیعِ امت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں نے ایسے دو شخصوں میں صلح کر دائی ہے، جو مجھے از حد محبوب ہیں۔“ (طبقات - اصحاب)

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا کی زیب و زینت سخت ناپسند تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور ارشاد گرامی ہے کہ:-  
 اَلدُّنْيَا جِيفَةٌ وَطَالِبُهَا كِلَابٌ۔ ”دنیا مُردار (کی مانند) ہے اور اس کے چاہنے والے (یعنی اسی میں غرق ہونے والے) کتے ہیں۔“

دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینا ابنِ آدم کو کسی صورت بھی زیبا نہیں، لیکن وہ مالِ دولت کہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جمع ہو اور اُس کی رضا میں صرف ہو، وہ دنیا نہیں بلکہ نوشہٴ آخرت بن جاتا ہے۔ بایں ہمہ رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی اہل بیت کو اس سے کلی طور پر محفوظ دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے، تو حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

بطور خیر مقدم گھر کے دروازوں پر پردے لٹکائیے اور صاحبزادوں امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنا دیے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حسب معمول جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے تو اس ساز و سامان کو دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب وہی کام پتہ چلا، تو سمجھ گئیں کہ میرا یہ کام مزاج اقدس کے خلاف ہو گیا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً پردوں کو پھاڑ ڈالا اور شہزادوں کے ہاتھوں سے کنگن اتار دیے۔ دونوں شہزادے روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے (اور کنگن چھین جانے کی شکایت کی) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اگرچہ یہ میرے اہل بیت ہیں (میں ان کو رونا نہیں چاہتا) مگر مجھے پسند نہیں کہ یہ دنیا کے زخرفات سے آلودہ ہوں (اور کنگن سونے یا چاندی کے نہیں) پھر صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان کے لئے ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاؤ۔“ (ابوداؤد۔ نسائی شریف)

### مشہور روایت کے مطابق حضرت سیدہ رازدار مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر شریفہ تقریباً

چوبیس سال کی تھی۔ (عند بعض ۲۸ یا ۲۹ سال کی) کہ والد بزرگوار محبوب کردگار، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم داغ مفارقت دے گئے۔ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں۔ علاوہ ازیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سارے بہن بھائی اور والدہ محترمہ تو پہلے ہی فردوسِ اعلیٰ کی طرف تشریف لے جا چکے تھے۔ ماں، باپ، بہن بھائیوں سب کا پیار، رسول خدا محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات گرامی تھی۔ اس لئے یہ صدمہ نہایت ہی جانکاه تھا۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (وفات سے قبل) ایک روز ہم ازواجِ البقی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھیں، سیدہ فاطمہ الزہراء

رحمٰن اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لے آئیں۔ اُن کے چلنے کا انداز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم سے تو، مخفی نہ تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو دیکھا تو فرمایا  
 مَوْحِبًا بِابْنَتِي۔ پھر اپنے قریب ہی بیٹھا لیا اور ان کے کان میں چپکے سے کوئی بات  
 کی جسے سنتے ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ عنہا زار و قطار رونے لگیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم نے اُن کا یہ حزن و ملال ملاحظہ فرمایا، تو دوبارہ اُن کے کان میں چپکے سے کوئی بات  
 کہی جس پر وہ ہنس پڑیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے تو میں  
 نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم نے تمہارے کان میں کیا کہا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم کے راز کو ظاہر نہیں کروں گی۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی  
 رحلت مبارکہ ہو گئی، تو پھر ایک دن یہ واقعہ مجھے یاد آیا اور میں نے فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہا سے کہا کہ میں نہیں اُس حق کا واسطہ دیتی ہوں، جو آپ پر میرا ہے، بتائیے کہ وہ کیا بات تھی؟  
 تو انہوں نے فرمایا: اب جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت شریفہ ہو گئی ہے،  
 تو چھپانے کی بات باقی نہ رہی (اس لئے بتا دیتی ہوں) پہلی مرتبہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا، وہ یہ تھا کہ فرمایا: ہر سال جبریل امین میرے ساتھ قرآن پاک کا  
 ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے، لیکن اس مرتبہ دو مرتبہ دور کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ میری فائز  
 کا زمانہ قریب آچکا ہے، تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تم تقویٰ و صبر کا دامن نہ چھوڑنا، بے شک  
 میں تیرے لئے بہترین پیش رو ہوں۔ یہ سن کر میں رو پڑی۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 نے میرا غم دیکھا تو دوسری مرتبہ ارشاد فرمایا: لے فاطمہ! تم اس بات پر راضی نہیں کہ تو جنتی  
 عورتوں (یا فرمایا) مومن عورتوں کی سردار ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خبر دی کہ میں اس بیماری میں فوت ہو جاؤں گا، میں رو پڑی، پھر میرے کان  
 میں سرگوشی کی کہ میرے اہل بیت میں سے کبھی تم ہی مجھے ملو گی، اس پر میں ہنس پڑی۔  
 (بخاری - مسلم - طبقات - اسد الغابہ - اصحابہ - مدارج النبوة)

سیدۃ عالم مخدومہ کائنات حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ  
**وفات حسرت آیات** تعالیٰ عنہا کی جس طرح ہمیشہ ان گرامی قدر عین عالم شباب  
 میں فردوسِ اعلیٰ کی طرف سدھاریں۔ اسی طرح سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
 بھی بعمر شریفہ ۲۹ برس، بروایت دیگر ۴۲ برس مطابق ۳ رمضان المبارک ۱۱ سالہ یعنی رسول کریم  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت مبارکہ کے تقریباً چھ ماہ بعد رفیقِ اعلیٰ کی طرف انتقال  
 فرمائیں۔ (طبقات ابن سعد - اسد الغابہ - مدارج النبوة)

حضرت سیدہ خیر النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ کا اصل  
 سبب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سانحہ ارتحال ہے۔ یوں تو حضرت سیدہ عالم  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد  
 پر وہ فرمایا، مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا دکھ  
 آپ پر کواہ گراں بن کر اور آپ کی زندگی اُسی دن ختم ہو گئی جس دن یہ صدمہ جانکاہ دیکھنا  
 نصیب ہوا۔ اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت مبارکہ  
 کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت غمزدہ رہا کرتی تھیں۔ چنانچہ یقیناً آیامِ حیات  
 میں کسی نے آپ کو ہنستا ہوا نہ دیکھا۔ (اسد الغابہ - در المنثور - مدارج النبوة)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ  
 وصحبہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر صحابہ کرام جناب سیدہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کو  
 تسلی و تشفی دینے لگے، تو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا تم  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کرتے ہو؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں دفن کر

اے جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر شریفہ اور رحلت مبارکہ میں بہت اختلاف ہے۔  
 جمہور علماء و محققین کے نزدیک جو صحیح ہے، وہ یہی ہے جو درج کی گئی ہے۔ باقی علم

اللہ تعالیٰ کو ہے، وہی خوب جانتا ہے۔ ۱۲



آتے ہیں۔ تو جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آہ بھر کر کہا: تمہارے دلوں نے  
یہ کیسے گوارا کر لیا کہ تم نے منوں خاک کے نیچے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دفن  
کر دیا۔ (اسد الغابہ)

۱۔ اس کے بعد جناب سیدہ خیر النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبر انور پر حاضر ہوئی  
اور ایک مشت خاک قبر انور سے لے کر اُسے سونگھا اور آنکھوں سے لگایا اور پھر فی البتہ  
یہ اشعار پڑھے۔

مَا ذَا عَلٰی مَنْ شَقَّ تَرْجِيَةً اَحَدٌ      اِنْ لَا يَشَقُّ مَوِيَّ الزَّمَانِ غَوَالِيَا  
صَبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوَانِهَا      صَبَّتْ عَلَيَّ الْاَيَّامُ صَوْنُ لِيَالِيَا  
” اس شخص کو اور کیا چاہتے کہ جسے احمد مجتبیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تربت انور  
کی خوشبو سونگھنے کو مل جائے (اُسے تو لازم ہے کہ) وہ تمام عمر کوئی دوسری خوشبو نہ سونگھے۔  
(کہ اس سے اعلیٰ خوشبو نہ ملے گی) مجھ پر جو مصیبتیں پڑی ہیں، اگر وہ (روشن، دنوں پر پڑتیں تو  
وہ (سیاہ، راتیں بن جاتے۔“ (در المنثور۔ مدارج النبوة)

سیدہ اقم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب وفات سیدہ کا وقت قریب ہوا تو  
سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم گھر پر نہیں تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
نے مجھے حکم فرمایا کہ بانی کا انتظام کرو، میں غسل کروں گی۔ میں نے حسب الحکم انتظام کر دیا  
تو سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خوب اچھی طرح غسل کیا اور پھر صاف ستھرے (یعنی دھلے ہوئے)  
کپڑے زیب تن فرما کر تیار ہو کر بستر پر قبلہ رو ہو کر لیٹ گئیں اور مجھے فرمایا: اب مفارقت کا  
وقت قریب ہے، میں غسل کر چکی ہوں، اس لئے دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی میرا بدن  
کھولا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ یعنی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ  
کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تشریف لائے تو میں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ انہوں نے اس غسل پر اکتفا کیا  
اور نماز جنازہ کے بعد ان کو دفن کر دیا۔ اصابع میں بھی یہی وایت اقم رافع سے مروی ہے۔  
(طبقات۔ اصابع)

جبکہ دوسری روایت کے موافق جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی وصیت کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت اسماء بنت عمیس (زوجہ حضرت ابوبکر صدیق) رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے غسل دیا۔ (الاستیعاب)

حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزاج اقدس میں انتہا درجہ شرم و حیا تھی۔ رحلت مبارکہ سے قبل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: عورتوں کا جنازہ جس طرح قبرستان کی طرف لے جایا جاتا ہے مجھے پسند نہیں، اس میں نہ تو مرد و عورت کے جنازہ میں کوئی تفریق ہے، اور نہ ہی پردہ۔ یوں ہی کھلا جنازہ لے کر جانا مجھے سخت ناپسند ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ میں نے حبشہ میں ایک بہترین طریقہ دیکھا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں وہ طریقہ عرض کروں؟ فرمایا: بتاؤ۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھجور کی چند شاخیں منگوائیں، ان کو چار پاتی کے دونوں بازوؤں سے باندھ کر اوپر کپڑا تان دیا۔ (یوں پردے کی ایک بہترین صورت نکل آئی، جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا تو بہت پسند فرمایا اور حکم دیا کہ میرا جنازہ اسی طرح لے جایا جائے اور جب میں رحلت کر جاؤں تو مجھے غسل بھی تم او سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہی دیں، کسی دوسرے کو شامل نہ کریں۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ اسلام میں پہلی خاتون ہیں کہ حین کا جنازہ اس انداز سے باپڑہ لے جایا گیا۔ (اسد الغابہ - الاستیعاب)

واقعی تحریر کرتے ہیں کہ جناب سیدہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی، جبکہ قبر انور میں حضرت علی المرتضیٰ حضرت عباس اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم نے اتارا۔ (اسد الغابہ - الاستیعاب)

لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ خود علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ تجہیز و تکفین تدفین کے مراحل سے فارغ ہو کر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ

وجہ الکرم گھر آتے تو نہایت غمزدہ تھے۔ شدید پریشانی اور حالتِ غم و الم میں اپنے یہ اشعار کہے:

لہ اذی علی الدنیا علی کثیرۃ  
لہ لکل اجتماع من خلیلین فرقة  
لہ وان افتقادی فاطمة بعد احد  
دلیل علی ان لا یدوم خلیل

۱) ”میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا کی بکثرت بیماریوں (یعنی مصیبتوں) نے مجھ پر حملہ کر دیا

ہے اور یہ بیماریاں (مصیبتیں) چمپی ہی رہتی ہیں۔ جب تک بیمار موت کے منہ میں نہ چلا

(۲) ہر وہ جاں نثار دوستوں میں بالآخر جدا ہی تو ہو جایا ہی کرتی ہے اور وہ زمانہ جو

کے بغیر (یعنی قرب و صل کا زمانہ) ہوتا ہے، بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔

(۳) اور اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سیدہ

فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا داغ مفارقت سے جانا اس بات کی دلیل

ہے کہ جاں نثار دوست ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہا کرتے۔“ (در المنثور)

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ایک عرصہ تک وزانہ جناب سیدہ

خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر انور پر تشریف لے جاتے، اُن کو سلام کرتے

اور فراق اشعار پڑھتے۔ (در المنثور میں کئی اشعار بھی نقل کئے گئے ہیں)

حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے محل مدفون

مزار مقدس میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ اپنے گھر کے اندر

ہی دفن فرمائی گئیں۔ جب مسجد نبوی کو وسعت دی گئی تو اس جگہ کو شامل مسجد کر لیا گیا

اصول کافی میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے۔ اکثر کا خیال ہے کہ بقیع شریفہ میں حضرت

امام حسن، حضرت امام زین العابدین اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور مقدس کے

پاس پہلویہ پہاڑ ہے، اسے قبة عباس کہا جاتا ہے۔ اس بیت اطہار اسی جگہ آسودہ لحد ہیں

مسعودی نے "مروج الذهب" میں بیان کیا کہ ۳۰۴ھ میں بقیع شریفہ میں،  
حضرت امام حسن، امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)  
کی قبور مقدس کی جگہ پر ایک پتھر پایا گیا جس پر لکھا ہوا تھا، هَذَا قَبْرُ فَاطِمَةَ بِنْتِ  
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدَةِ النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ وَقَبْرِ  
الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَجَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ  
وَالسَّلَامُ۔ (مدارج النبوة)

واقعی کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمن بن ابی لعلی سے پوچھا کہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ سیدہ  
فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت البقیع میں آسودہ خاک ہیں، اس بارہ میں آپ کا کیا  
خیال ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کو بقیع میں نہیں، دار عقیل میں دفن کیا گیا۔  
ان کی قبر انور اور راستہ کے درمیان تقریباً سات ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ (اصابہ)  
ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
نے بوقت شہادت فرمایا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو  
میں دفن کرنا، لیکن اگر لوگ (مردان اور اس کے ساتھی) مزاحمت کریں تو جھگڑا نہ کرنا  
مجھے میری والدہ مکرمہ کے پہلو میں جنت البقیع کے اندر دفن کر دینا۔ نیز اگر گھر  
میں دفن کرنا ہوتا اور جنازہ باہر نہ لے جانا ہوتا تو کھجور کی شاخوں سے چار پائی پر  
پرے کی صورت بنانے کی حاجت نہ تھی، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ  
عنہا کا مزار پر انوار جنت البقیع شریفہ میں دیگر اہل بیت اطہار کے مزارات مقدسہ  
کے پاس ہی موجود ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلماۃ اتہم)

**سَيِّدَةُ الزَّهْرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا كِيْ وَلَدِ الطَّهْرَاءِ**

حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لطفِ اطہر سے دو صاحبزادے

حضرت امام حسنؑ امام حسینؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دو صاحبزادیاں حضرت سیدہ زینبؑ  
سیدہ اُمّ کلثومؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئیں۔ (الاستیعاب)

دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے سوا ایک شہزادہ حضرت محسنؑ اور شہزادی  
سیدہ رقیہؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی لطن زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئے مگر عہد  
طفولیت میں ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۳۳)

مؤخر الذکر اولادِ اطہار کا چونکہ چھوٹی عمر میں ہی انتقال ہو گیا تھا، اس لئے کتب تاریخ  
و سیر میں ان کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم، جبکہ مقدم الذکر اولادِ پاک  
ایسے عظیم الشان فرزندانِ توحید ہیں کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ اُن کے بلند کردار اور انمظاہر اعمال  
پر اُن کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے اور اُن کا ممنون احسان ہے۔ کتب لحادث  
ان کے فضائل و محامد سے مالا مال ہیں۔ ذیل میں قدرے اختصار سے اُن کا تذکرہ کیا جاتا  
ہے۔ مولیٰ تعالیٰ جل شانہ، شرف قبول سے نوازے۔ (آمین ثم آمین)

## حضرت سیدنا امام حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

آپ کا اسم گرامی حسن کنیت ابو محمد اور القاب سید شباب اہل الجنة، سبط  
وریحان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ عمران بن سلیمان سے مروی ہے کہ حسنؑ اور  
حسینؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، دونوں نام اہل جنت کے ہیں۔ عہدِ جاہلیت میں یہ نام  
کبھی نہیں رکھے گئے۔ (طبقات ابن سعد)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ۵ ارمضان  
ولادت باسعادت المبارک ۳۰ھ میں ہوئی۔ جب یہ مبارک خبر بارگاہِ نبوی  
میں عرض کی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شاداں و فرحاں خانہ میں تشریف لائے  
اور فرمایا: میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شہزادہ



دایک زرد رنگ کے کپڑے میں لپیٹ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آغوشِ محبت میں دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زرد رنگ کا کپڑا دیکھ کر فرمایا: میرے بیٹے کو زرد رنگ کے کپڑے میں نہ لپیٹا کرو۔ چنانچہ اسی وقت سفید کپڑے میں لپیٹ لیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیارے شہزادہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں قامت ارشاد فرمائی۔ پھر حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے پوچھا کہ اس بچے کا کیا نام تجویز کیا جائے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس کا اختیار تو آپ کو ہے اگرچاہیں تو نو مولود کا نام "عرب" رکھ لیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں وحی کا منتظر ہوں۔ اتنے میں حضرت جبریل امین علیہ السلام سبز کپڑے یعنی پارچہ جنتی پر آپ کا نقش مبارک نام لے کر حاضر خدمت ہو گئے۔ رسولِ محترم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو خبر دی کہ حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کے بڑے بیٹے کا نام شہر تھا، اس کا عربی میں ترجمہ "حسن" بنتا ہے، میرے بیٹے کا نام بھی ہوگا۔

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں دن عقیقہ دو مینڈھے ذبح کر کے پیارے شہزادہ کا عقیقہ فرمایا اور رکھے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ دیا۔ (نسائی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عقیقہ میں ایک مینڈھا ذبح کیا گیا۔ (ابوداؤد)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے فضائل و مناقب کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر سے لے کر سینہ تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ (ترمذی شریف، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں کہ میں نے اُن سے بڑھ کر کسی کو حضور نبی اکرم ﷺ کی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہم شکل نہ دیکھا۔“ (صحیح بخاری)

حضرت برابر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے دوش مبارک پر اٹھا رکھا ہے اور کہہ رہے ہیں: ”اے الہی! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔“ (بخاری مسلم) . . . حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا یہاں ایک بچہ ہے، یہاں ایک بچہ ہے (یعنی پیار سے آوازیں دے رہے تھے) اس بچے سے مراد حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اتنے میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو اپنے گلے لگا لیا اور وہ بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لپٹ گئے پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوں گویا ہوئے ”اے اللہ تعالیٰ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما اور جو شخص اس سے محبت کرے تو اُس سے بھی محبت فرما۔“ (بخاری مسلم)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف پر رونق افروز تھے۔ آپ کے پہلو میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے تھے۔ حضور والا کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے، اور کبھی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف۔ پھر فرمایا: ”میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کروائے گا۔“ (بخاری شریف)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ السلام نے فرمایا: "حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) دنیا میں میرے پھول ہیں۔" (بخاری شریف)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔" (ترمذی - حاکم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ کسی شخص نے دیکھ کر کہا: "واہ صاحبزادے! تمہاری سواری کتنی اچھی ہے۔" یہ سن کر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "دیکھو! سواری کتنا اچھا ہے؟" (حاکم)

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تمام لوگوں کے مقابلہ میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت مشابہہ تھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ میں نے پچھتم خود دیکھا کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں پڑتے اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی گردن یا پیٹھ پر سوار ہو جاتے اور جب تک وہ خود نہ اترتے حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو نہ اترتے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حالت رکوع میں تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آتے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کے درمیان سے ہوتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت زہیر بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت امام حسن

لے ایسی ہی احادیث مبارکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارگاہ میں بھی گویا دونوں شہزادے

ہی شبیر مصطفیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تھے۔ ۱۲ منہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو قبیلہ ازد شلو کا ایک شخص کھڑا ہوا اور اُس نے کہا کہ لوگو! میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گود میں لے کر لے ہوئے فرما رہے تھے جو مجھ سے محبت کرتا ہے کہ اُسے چاہیے کہ وہ ان سے بھی محبت کرے۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ میری یہ بات ان لوگوں کو پہنچا دیں، جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ اُس شخص نے مزید کہا: ”اگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ ذیشان کی اطاعت منظور نہ ہوتی، تو میں یہ بات اپنی زبان پر نہ لاتا۔“ (رواہ حاکم)

حضرت امام حسن علیہ السلام بڑے ہی جُرد بار، حلیم الطبع، عزت و شان والے، پُر وقار اور صاحبِ جاہ و حشم تھے۔ آپ فتنہ و فساد اور خوں ریزی کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ سخاوت میں بے بدل تھے۔ بسا اوقات ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ درہم عطا فرما دیتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی)

حاکم نے عبداللہ بن عبید بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچیس حج پیدل چل کر ادا فرماتے۔ حالت یہ ہوتی تھی کہ اعلیٰ قسم کے اونٹ ہمراہ ہوتے، مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن پر سوار نہ ہوتے دھولِ ثواب کی خاطر، یا پیادہ راستہ طے فرماتے۔ ابن سعد یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ ”آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شیریں کلامی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کسی سے گفتگو فرماتے تو جی چاہتا کہ بس اسی طرح سلسلہ کلام جاری رکھیں اور خاموش نہ ہوں، میں نے آپ کی زبان مبارک سے کبھی کوئی بددعا نہ سنی، سوائے ایک بار کے کہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمرو بن عثمان کے درمیان زمین کے سلسلہ میں کچھ تنازعہ تھا۔ آپ نے ان سے تصفیہ کے بارے میں کوئی بات کہی، جسے انہوں نے منظور نہ کیا تو آپ نے فرمایا: ”تمہاری ہناک خاک آلودہ ہو۔“ بس یہی ایک سخت جملہ میں نے آپ کی زبان سے سنا۔“ (تاریخ الخلفاء)

حضرت امام عالی مقام علیہ السلام از حد زیادہ حلیم الطبع اور مہربان  
 حلم و بردباری تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک اعرابی  
 حاضر خدمت ہوا، اور اُس نے آتے ہی آپ کے آباؤ اجداد کی شان میں گستاخیاں  
 بکنا شروع کر دیں۔ جب وہ خوب گستاخیاں کر چکا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدام کو طلب  
 فرما کر اسے بہت کچھ اُس کے طلب کرتے پر عطا فرما دیا۔ پھر معذرت کرتے ہوئے ارشاد  
 فرمایا اس وقت مجبور ہوں، یہی کچھ موجود تھا جو دے دیا ہے، ورنہ اور عطا فرمانا۔ وہ اعرابی  
 یہ علم اور شان سخاوت دیکھ کر رو پڑا اور قدموں میں گر کر کہنے لگا: "أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ"  
 حضور! میں نے جو گستاخیاں کی ہیں، وہ بنام خدام معاف فرما دیجئے، میں نے یہ سب کچھ  
 بطور امتحان کیا تھا۔

ابن سعد، عمر بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں: مروان جب حاکم مدینہ تھا، تو وہ منبر پر  
 علی الاعلان حضرت سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو گالیاں بکاتا تھا  
 حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کمال تحمل و بردباری کے ساتھ) اُس کی ان گستاخیاں  
 کو سنا کرتے تھے اور صبر و ضبط سے کام لیا کرتے تھے۔ ایک دن مروان (غیث) نے  
 ایک شخص کو امیر المومنین حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کہلا بھیجا کہ "علی پر  
 .... علی پر .... اور تجھ پر .... تجھ پر .... تجھ پر .... اور تمہاری  
 مثال تو بس خچر جیسی ہے کہ اس سے پوچھا جائے کہ تمہارا باپ کون تھا تو جواب  
 دیتا ہے کہ میری ماں گھوڑی تھی" (بد بخت) مروان کے فرستادہ کی باتیں سن کر  
 (شہزادہ کونین) حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: "جاؤ مروان، سکھو  
 تمہاری یہ باتیں بخدا مجھے یاد رہیں گی۔ تم کو یقین تھا کہ میں تمہاری گالیوں کے بدلہ  
 میں تم کو بھی گالیاں دوں گا، لیکن میں صبر کرتا ہوں، بے شک قیامت آنے والی ہے  
 اگر تم سچے ہوئے تو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے گا اور اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تبارک تعالیٰ کی



گرفت اور انتقام بہت شدید ہے۔“ (تاریخ الخلفاء)

ابن سعد، زبیر بن سوار سے روایت کرتے ہیں کہ مردان اور حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مابین کسی معاملہ میں گفتگو ہو رہی تھی کہ معاؤس زبختہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلیظ گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہے (اور کوئی جواب نہ دیا) اسی دوران مردان نے اپنے دائیں ہاتھ سے ناک صاف کی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے فرمایا: افسوس! تجھے اتنا بھی معلوم نہیں کہ دایاں ہاتھ، منہ دھونے کے لئے اور بایاں ہاتھ مقامات بول و براز کے لیے ہے۔“ (یعنی تجھے بائیں ہاتھ سے ناک کرنا چاہیے تھی) یہ سن کر مردان خاموش ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

ابن عساکر نے جویریہ بن اسماء کے حوالہ سے لکھا،  
**بذکرین دشمن کا اعتراف** حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ پر

جب مردان نے گریہ و زاری کی، تو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا: ”اب تو روتا ہے؟“ (یعنی مگر کچھ کے آنسو بہاتا ہے)، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں تو نے ان کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا اور انہیں کیا کچھ نہ کہا؟“ یہ سن کر مردان بولا: ”آپ کو معلوم ہے کہ میں یہ سب کچھ ایک ایسے شخص کے ساتھ کیا کرتا تھا، جو اس پہاڑ سے بھی زیادہ حلیم اور بردبار تھا۔“ (مذکورہ)

ابن عساکر علیہ الرحمہ نے مبرد کے حوالہ سے نقل کیا کہ کسی شخص نے  
**توکل علی اللہ تعالیٰ** حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ حضرت ابوذر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں غریبی کو امیری سے اور بیماری کو تندرستی سے بہتر سمجھتا ہوں۔“ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے، میں تو کسی بھی چیز کی تمنا نہیں کرتا“ اپنے تمام معاملات اپنے اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں، جس طرح وہ راضی ہے، میں بھی اُسی پر راضی ہوں، یہ حالت برضائے الہی کے کمال کو ظاہر کرتی ہے۔ (مذکورہ)

حق یہ ہے کہ سبط درجہ ان رسول حضرت -  
**مَنْصِبِ خَلِيفَتِ بِرْ وَنَقِ افروزى** سیدنا امیر المومنین حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک کے مطابق آخری خلیفہ راشد ہیں (مذکورہ)  
 امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد لوگوں (اس  
 کوفہ) نے بالاتفاق حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ واقعہ  
 منکھ کا ہے۔ (ابن اثیر)

سب سے اول قیس ابن سعد نے بیعت کئے ہاتھ بڑھا کر کہا: اَبْسَطُ يَدَكَ  
 عَلَى كِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ وَقِتَالِ الْمُلْحِدِينَ - » اپنا ہاتھ بڑھائیے  
 (اور بیعت قبول فرمائیے)، قرآن و سنت کے نفاذ اور ملحدوں سے قتال کے لئے۔  
 آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: علی کتاب اللہ و سنتہ و باتیان علی کل شرط۔  
 اس کے بعد اور لوگ بھی بیعت کرنے لگے۔ آپ فرماتے جاتے تھے کہ تم لوگ میرے کہنے کو  
 سنتے رہنا، میری اطاعت کرنا، جس سے میں صلح کروں تم بھی اس سے صلح کرو، جس سے  
 میں جنگ کروں تم بھی اس سے لڑنا۔ ان فقروں سے لوگوں کو شبہ پیدا ہو گیا اور اہل  
 کوفہ، آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ تمہارا امیر نہیں ہے اور نہ ہی یہ جنگ کا  
 ارادہ رکھتا ہے۔ (ابن خلدون)

امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ  
**عراقی فوج کی غدارى** وجہہ الکریم نے مرتبہ شہادت پر فائز ہونے سے  
 محض چند روز پیشتر ملک شام پر حملہ کرنے کے لئے دعوتی محبت کرنے والے اقبیوں کا لشکر  
 ترتیب دیا تھا اور چالیس ہزار آدمیوں سے امیر شام کے خلاف جنگ اور موت پر بیعت لی تھی  
 لیکن ابھی یہ لشکر اپنی منزل کی طرف روانہ نہ ہوا تھا کہ حضرت امیر المومنین شہید کر دیئے گئے۔  
 پھر جب لوگوں نے امیر المومنین حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی تو امیر شام ایک لشکر جرار لے کر حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کرنے کے لئے کوفہ کی طرف بڑھا۔  
یہ واقعہ ۴۰ھ کا ہے۔ (کامل ابن اثیر)

حضرت امام عالی مقام علیہ السلام بھی اپنے ہمراہیوں کا لشکر لیکر مقابلہ کے لئے کوفہ سے باہر آئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدمۃ الجیش (یعنی آگے چلنے والے فوجی دستہ) پر بارہ ہزار کا لشکر تھا، جس کی کمان قیس بن سعد یا بروایت دیگر حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے ہاتھ میں تھی، جبکہ قیس ساقہ پر (لشکر کے ایک حصے پر کمانڈر) تھے۔ جب یہ لشکر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں مدائن پہنچا، تو قیام کے ساتھ ہی مشہور ہو گیا کہ قیس بن سعد کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس خبر کے پھیلنے ہی لشکر میں بھیجانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ لوگ ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ کچھ (ناعاقبت اندیش) حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمے پر حملہ آور ہو گئے۔ جو کچھ پایا لوٹ لیا، اندر داخل ہوئے تو نہ صرف یہ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نیچے جانا دیکھ کر بے ہوش ہو گئے، بلکہ وہ چادر بھی چھین لی، جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک بد بخت نے مزید ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ران مبارکہ پر نیزہ مار دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر خاندان ربیعہ و سہدان آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ یوں اوباشوں کے مجمع کو منتشر کر دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی حالت میں ایک تخت پر اٹھا کر مدائن لایا گیا اور قصر ابیض میں ٹھہرایا گیا۔ (ابن خلدون)

۱۔ اللہ اکبر! یہ وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے چند روز پہلے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور وفاداری کا حلف دیا، جنہوں نے قبل ازیں امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حلف اٹھایا تھا کہ وہ یا تو امیر شام اور لشکر شام کو تہ تیغ کر دیں گے یا خود قتل ہو جائیں گے، مگر کردار سب کے سامنے ہے۔ ۱۲ منہ

اس بے ہنگم شور و غل کے ختم ہونے کے بعد حضرت  
**خلافت و ستبراری** امیر المومنین امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ  
 کی بے وفائی اور غداری دیکھ کر امیر شام کی طرف سے خط تحریر کیا کہ میں خلافت سے دست کش  
 ہونا چاہتا ہوں بشرطیکہ مجھ کو جو کوفہ کے بیت المال میں ہے دے دیا جائے (اس وقت  
 وہاں تقریباً پانچ لاکھ دینار تھے) اور دار الجبر (مضافات فارس) کا خراج مجھے  
 دیا جائے اور میرے والد بزرگوار کو میرے سامنے گالیاں نہ دی جائیں اور نہ ہی ان کو  
 میرے سامنے سخت و ناملائم کلمات سے یاد کیا جائے۔ خط روانہ کرنے کے بعد حضرت  
 امیر المومنین سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ذکر حضرت امام حسین و حضرت عبداللہ  
 بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا۔ انہوں نے آپ کو بیت سمجھایا بجھایا، مگر آپ اپنی  
 رائے پر قائم رہے۔ دربار شام میں اس خط کے پہنچنے سے قبل امیر شام حسنت معاویہ  
 ایک سادہ کاغذ پر دستخط اور لگا کر عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن سمر کی معرفت  
 حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیج چکے تھے۔ ساتھ ہی دوسرے کاغذ  
 پر لکھا تھا کہ صلح کے لئے جو شرائط آپ چاہیں تحریر فرمادیں ہمیں منظور ہے۔  
 حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کاغذ پر کہ جس کے نیچے حضرت معاویہ  
 کی مبرا اور دستخط تھے۔ پہلی شرائط کے علاوہ چند شرائط اور بھی تحریر فرمادیں جسے حضرت  
 معاویہ بن ابی سفیان نے ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ صرف وہی شرطیں کافی ہیں  
 جن کا تم پہلے ذکر کر چکے ہو۔ (تاریخ ابن خلدون)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت

۱۔ اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ سمیوں کا یہ مال و دولت کا بھوکا تھا، نہیں نہیں بلکہ

حق یہ ہے کہ آپ بیت المال کی امانت کو اپنے ہاتھوں سے اہل حاجت میں تقسیم فرمانا چاہتے

تھے تاکہ عند اللہ سرخرو ہوں۔ ۱۲۰

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ کے درمیان ان شرائط پر صلح ہوئی کہ فی الوقت، حضرت معاویہ خلیفہ بنائے جاتے ہیں لیکن ان کے انتقال کے بعد خلیفہ المسلمین حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے۔ عراق اور حجاز کے باشندوں پر زید کوئی ٹیکس عائد نہیں کیا جائیگا بلکہ صرف یہ ٹیکس وصول کیا جائے گا جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے وصول کیا جا رہا ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمے جو قرض ہے اُس کی ادائیگی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کریں گے۔ ان شرائط کو دونوں فریقوں نے قبول کیا اور انہی پر یا بھی صلح ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ظاہر ہو گیا کہ جو آپ نے فرمایا تھا کہ ”میرا یہ بیٹا مسلمانوں کی جماعتوں کے درمیان صلح کروائے گا۔“ (تاریخ الخلفاء)

بعد تفویض امارت، آپ کے شکریوں

بے وفا دعویٰ دارانِ محبت نے خراجِ دارِ الجبر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ تو ہمارا مالِ غنیمت ہے ہم اسے نہیں دے سکتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل عراق کو جمع کر کے خطبہ دیا۔ بعد حمد و ثناء کے ارشاد فرمایا: ”اے اہل عراق! میں نے تین مرتبہ تم سے درگزر کیا، تم نے میرے والدِ گرامی قدر کو شہید کیا میرے گھر کو لوٹا (میں نے ہر مرتبہ صبر کیا، پھر فرمایا: تم پر یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ تم نے دو مقتولوں کے درمیان صلح کی ایک مقتول تو صفین کے ہیں کہ جن کو تم روہے ہو اور دوسرے مقتول نہروان کے کہ جن کے معاوضہ کا مطالبہ کر رہے ہو اور جو باقی ہیں وہ خاذل ہے اور رونے والے بدلہ لینے والے ہیں۔ جناب معاویہ نے مجھے ایک امر پیش کیا ہے جس میں نہ تو عزت ہے اور نہ ہی انصاف۔ پس اگر تم موت پر راضی ہو (یعنی جنگ کر سکتے ہو) تو ہم اس امر کو قبول نہ کریں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے بھرپور تلواروں سے فیصلہ کریں (شکرِ شام کا مقابلہ میدانِ جنگ میں کریں، لیکن اگر زندگی کو محبوب رکھتے ہو (یعنی جنگ کرنے سے احتراز کرتے ہو) تو ہم (معاویہ کے) اُس امر کو قبول کر لیں



ور نہیں راضی کر دیں۔“ لوگوں نے ہر طرف سے چلا چلا کر کہا: صلح قائم رکھیے، صلح قائم رکھیے۔“ چنانچہ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے اپنی خلافت کے چھٹے مہینے حضرت

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر لی۔ (ابن خلدون)

علامہ سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماہ ربیع الاول ۴۰ھ یا بقول دیگر ماہ ربیع الثانی ۴۱ھ میں خلافت سے دستبردار ہوئے۔  
(تاریخ الخلفاء)

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے

زمانہ خلافت میں امیر المؤمنین حضرت شیعہ خدا

مدینہ طیبہ کی طرف واپسی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ میں منتقل ہو گئے تھے اور شہر کوفہ کو دار الخلافہ قرار سے دیا تھا۔  
مذکورہ الذکر واقعات اور اہل کوفہ کی مسلسل بے وفائی کی وجہ سے آپ نے خلافت سے دستبرداری کے بعد کوفہ کو چھوڑ دیا اور مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ابن خلدون میں ہے: حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع اپنے اہل بیت اور متعلقین کے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو اہل کوفہ آپ کو الوداع کرنے کیلئے کوفے کے باہر دڑتک روتے ہوئے آئے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں ہی مقیم رہے۔

لے بیوفایان کوفہ کا بھی عجب حال ہے کہ جب تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں موجود تھے ان کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہے اور ان کو خوب ستاتے رہے، لیکن جب آپ کی شہادت ہو گئی، تو ان کی یاد میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اسی طرح امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو انہوں نے سلوک کیا، اس کا ایک حصہ ابھی پھیلی سطور میں گزرا و کتب تواریخ میں اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے میں نے قصداً اسے نقل نہیں کیا، لیکن جب آپ نے کوفہ سے ہجرت کی تو یہ زار و قطار رونے لگے اور یہی سلوک انہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کیا کہ خود ہی شہید کیا اور خود ہی رو کر پاگل ہو گئے۔  
بلا العیون جاثانی میں ملا باقر مجلسی نقل فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ نے ایسا ماتم کیا کہ دیدہ روزگار نے ایسا ماتم نہ دیکھا۔“

یہاں تک کہ سکہ بروایت ابوالفرح اصفہانی شہ میں فردوسِ اعلیٰ کی طرف  
تشریف لے گئے۔ (ابن خلدون)

اللہ تعالیٰ سے طلب کا نتیجہ بہت ہی اور ابن عساکر نے ابوہشام کے حوالہ سے

بیان کیا کہ ایک مرتبہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت تنگ دست ہو گئے، اس لئے کہ امیرِ شام جو ایک لاکھ درہم سالانہ اُن کی خدمت  
پیش کیا کرتے تھے، وہ انہوں نے روک لیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملکِ شام کی  
طرف خط لکھنے کا پروگرام بنایا۔ اس مقصد کے لئے قلم و دوات بھی منگوا لیا۔ پھر کچھ  
سوچ کر باز رہے اور خط نہ لکھا۔ اسی شب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں حضور  
سرور کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔  
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اے بیٹے! کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا  
”حمد اللہ صبح ہوں، البتہ تنگ دست ہوں۔“ فرمایا: ”کیا اسی لئے قلم و دوات منگوائی تھی کہ  
اپنی حاجت کسی مخلوق سے کہو؟“ عرض کیا: ”ارادہ تو یہی تھا“ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
نے ارشاد فرمایا: ”نہیں، بلکہ تم یہ دعا پڑھو۔“

اللَّهُمَّ اَقْضِ فِي قَلْبِي رِجَاءَكَ وَقَطِّعْ رِجَائِي عَنْ سِوَاكَ  
حَتَّى لَا اَرْجُوَ اَحَدًا غَيْرَكَ اللَّهُمَّ وَمَا ضَعُفْتُ عَنْهُ قُوَّتِي  
وَمَا قَصُرَ عَنْهُ عَمَلِي وَلَمْ تَنْتَهِ إِلَيْهِ رَغْبَتِي وَلَمْ تَبْلُغْهُ  
مَسْأَلَتِي وَلَمْ يَجِبْ عَلَيَّ لِسَانِي مِمَّا أَعْطَيْتَ أَحَدًا مِّنَ الْوَالِدَيْنِ  
وَالْآخَرَيْنِ مِنَ الْيَقِينِ فَخُصَّنِي بِهِ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ۔

”اے اللہ تعالیٰ! میرے دل میں تو اپنی آرزو پیدا فرما دے اور دوسروں کی میری  
تمنائیں اس طرح ختم فرما دے کہ میں تیرے سوا کسی سے کوئی امید ہی نہ رکھوں  
اے اللہ تعالیٰ! میری قوتوں کو کمزور نہ بنا، میرے نیک اعمال کو کوتاہ نہ فرما مجھے اپنی رحمت

سے دوڑ فرما، تو مجھے اپنے فضل و کرم سے توکل و توفیق کی ایسی قوت عطا فرما کہ میں کسی مخلوق کے پاس اپنی حاجت نہ لے جاؤں، تو ہی میرے مسائل کو حل فرما اور مجھے وہ سب کچھ دے دے جو اب تک پچھلے یا آنے والے شخص کو نہیں دیا۔ اے رب العالمین! مجھے یقین کی دولت سے مالا مال فرما دے۔“ (آمین)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قسم! میں نے یہ سچا ایک ہفتہ بھی نہ ٹپھی ہوگی کہ امیر شام نے مجھے پانچ لاکھ درہم بھیج دیئے جس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ تمام تعریفیں اُس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ جو اپنے یاد کرنے والوں کو بھی فراموش نہیں فرماتا اور مانگنے والوں کو بھی محروم و ناامید نہیں رکھتا۔ اسی شب میں نے خواب میں پھر (نانا محترم) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ جو مجھ سے میرا حال دریافت رہے تھے کہ کیسے ہو؟ میں نے عرض کیا: الحمد للہ اور تمام واقعہ کہہ سنایا۔ یہ سن کر آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے میرے بیٹے! اللہ تبارک و تعالیٰ سے امیدیں وابستہ رکھنے اور مخلوق سے التجانہ کرنے کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔“ (تاریخ الخلفاء)

ابن سعد نے عمران بن عبد اللہ کے حوالہ سے تحریر فرمایا کہ  
**شہادت** حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خواب دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ لکھا ہوا ہے۔ اہل بیت نے یہ خواب سنا، تو بہت خوش ہوئے، لیکن جب حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خواب سنا تو عرض کیا کہ حضور! اگر یہ خواب پورا ہو گیا تو آپ کی زندگی مبارک قریب الاختتام ہے (یعنی اشارہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی باقی رہنے والا ہے)، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد ہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دے دیا گیا (تاریخ الخلفاء)، حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت زہر خورانی سے ۵ ربیع الاول

شہدہ کو واقع ہوئی۔ بعض کے نزدیک یہ حادثہ عظیمہ ۶۹ھ اور عند البعض ۷۵ھ کو پیش آیا۔ (تاریخ الخلفاء، طبری۔ ابن خلدون)

جب سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دیا گیا، تو آپ کی طبیعت شریفہ سخت بے چینی ہو گئی۔ آپ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا۔ جب حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا: بھائی! مجھ کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا، مگر ہر بار اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا، لیکن اس مرتبہ اتنا سخت زہر دیا گیا ہے کہ اس نے میرا کلیجہ ٹھکڑے ٹھکڑے کر دیا ہے۔ اسی دوران سخت کرب اور تکلیف کے ساتھ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خون کی قے آئی، جس میں احشارا اور جگہ کے کئی ٹھکڑے تھے۔ جب چند مرتبہ ایسے ہی خون کی قے آئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم انور کا رنگ بدل گیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سخت بے تابی کے عالم میں روتے ہوئے پوچھا کہ بھائی جان بتائیے؟ آپ کے ساتھ یہ ظلم کس نے کیا ہے؟ یہ زہر کس نے دیا ہے؟ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”کیس لئے پوچھ رہے ہو؟ کیا تم اس کو قتل کر دو گے؟“ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ”یقیناً ایسے ہی کروں گا۔“ تو شہسوار میدانِ رضا سیدالاکبر کیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”بھائی جان! اگر وہ وہی ہے کہ جس کے بارہ میں میرا گمان ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے زبردست انتقام لینے والا ہے اور اگر وہ نہیں تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کسی بھی بے گناہ کو میری وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے۔“

زہر دہندہ کے بارے میں مختلف کتب سیر و تاریخ میں

**انصاف کی بات** کہی نام آتے ہیں۔ بندہ ناچیز (مؤلف کتاب، ہذا) کے

نزدیک قرنِ انصاف بات یہ ہے کہ جس بھی کسی نے نوجوانانِ جنت کے سردار حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لاڈلے نواسہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دیا، یا مشورہ دیا، یا معاون بنا، یا راضی ہوا، وہ بحکمِ قرآن و حدیث جہنمی ہے،

خبیث ہے ملعون ہے، خواہ کوئی بھی کیونہ ہو۔ جب صاحب حق نے نام لینے سے گریز کیا تو پھر ہمیں کسی کو نامزد کرنے کا حق نہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلماہم)

حضرت امام حسن علیہ السلام نے رحلت مبارکہ سے قبل حضرت  
آخری وصیت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: میں نے ام المومنین سیدہ

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک بار ذکر کیا تھا کہ وہ مجھے اپنے گھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت دے دیں۔ انہوں نے میری اس بات سے اتفاق کیا تھا، ہو سکتا ہے کہ اُس وقت انہوں نے میری شرم کی وجہ سے ہاں کر دی ہو۔ اب تم میری وفات کے بعد اُن کے پاس جانا اور یہی درخواست کرنا۔ اگر وہ بخوشی اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا، لیکن ہاں: میرا خیال ہے کہ شاید اہل حکومت مجھے وہاں دفن نہ ہونے دیں۔ اگر ایسا ہوا تو لڑائی نہ کرنا، مجھے میری امتی جان کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ اس کے بعد حضرت امام عالی مقام امیر المومنین حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رُوح مبارکہ جنت الفردوس کی طرف پہنچا کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ رحلتِ مبارکہ کے بعد وصیت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مَدْفِنِ مَقْدَسِ حضرت ام المومنین منی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دفن کی اجازت مانگی تو انہوں نے جواب دیا

فَعَمَّ وَكَوَا مَكَّةَ ہاں ہاں! اور میں اسے عزت سمجھتی ہوں۔

حاکم مدینہ مروان دحبیث، لعین نے یہ بات سنی تو وہ بولا: ”وہ بھی جھوٹا ہے اور وہ بھی جھوٹی ہے۔ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں کبھی دفن نہ ہوگا۔ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں دفن کرنے کی اجازت میں ہرگز نہ دوں گا۔“ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے ہتھیار سنبھال لئے مگر سردار شہید حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت اڑے آگئی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو



والدہ ماجدہ سیدۃ النساء العالمین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں جنت البقیع شریف میں دفن  
کر دیا گیا۔ عمر مبارکہ تقریباً ۶۶ برس تھی۔ (مختلف کتب تواریخ و سیرت)

## حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام کی ازواج اولاد اطہرا

- حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی شایان فرمایاں جن میں بعض ازواج مطہرات کے  
اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) حضرت فاطمہ بنت ابوسعود غنثیہ بن عمر بن ثعلبہ الخزرجی انصاری  
ان کے شہم اطہر سے حضرت زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پیدا ہوئے۔  
(۲) حضرت خولہ بنت منظور بن ریان بن عمر بن جابر بن عتیل۔  
ان کے بطن اطہر حضرت حسن مشقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔  
(۳) حضرت سلمیٰ بنت امر القیس۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)  
(۴) حضرت امّ اسحاق بن طلحہ بن عبید اللہ۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کے بعد ان کے ساتھ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح فرمایا۔  
(۵) حضرت حبہ بنت ہبیرہ مخزومی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)  
(۶) حضرت عائشہ بنت حضرت عثمان غنی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)  
(۷) حضرت امّ کلثوم بنت فضل بن عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)  
ان کے بطن اقدس سے حضرت ابوبکر، عبداللہ اور عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)  
بہید ہوئے۔ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ صاحبزادے تھے  
یعنی، حضرت زید، حسن مشقی، طلحہ، اسمعیل، عبداللہ، حمزہ، یعقوب، عبد الرحمن،  
ابوبکر، حسین، قاسم، عمر۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)  
پانچ صاحبزادیاں یعنی فاطمہ، امّ سلمہ، امّ عبداللہ، امّ الحسین، امّ الحسنیہ  
(رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل پاک ان کے چاروں فرزندوں حضرت زید، حسن، مشنی، حسین الاثرم اور عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے جاری ہوتی۔ مگر حضرات، حسین الاثرم و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سلسلہ نسل ختم ہو گیا اور اب دنیا میں حضرت زید اور حضرت حسن مشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد باقی ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عمر، حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی رفاقت میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

## حضرت زید بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان سے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل پاک چلی۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت ابوسعود عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ الخزرجی الانصاری تھا۔ ان کے صاحبزادے حضرت ابو محمد حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلطنت منصور میں گورنر مدینہ بن گئے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ ۲۰ سالہ میں ہوئی۔

## حضرت حسن مشنی بن امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ان کی والدہ محترمہ حضرت خولہ بنت منظور بن ریان بن عمرو بن جابر بن عقیل بن ستمی بن یازن بن قراہہ ہیں۔ حضرت حسن مشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی سببہ فاطمہ صغریٰ تھیں۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تو یہی فاطمہ صغریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں کہ جن کو ان کے خاوند حضرت حسن مشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تیمارداری کے لئے مدینہ طیبہ چھوڑ گئے تھے۔ ان کے بطنِ اطہر سے حضرت ابراہیم الغمر، حضرت حسن مثلث اور حضرت عبداللہ المحض (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پیدا ہوئے۔

ان صاحبزادوں کو زمانہ بھری یہ شرف حاصل ہے کہ یہ طرفین سے فاطمی بن حسینی اور حسینی بن یحییٰ ان کے والد حضرت امام حسن علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور والدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی لخت جگر ہیں۔ ان میں سے :- (۱) حضرت ابراہیم الغمر کہ ان کا نام ابراہیم بن حسن مشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھا، بہت زیادہ سخی تھے، اسی جو دوسری کی وجہ سے ان کا لقب الغمر مشہور ہو گیا۔ ان کی کنیت ابو اسماعیل تھی۔ ان کا چونسٹھ سال کی عمر میں ۵۴۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۲) حضرت حسن المثلث بن حضرت حسن المشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما: ان کی کنیت مبارکہ ابو علی تھی۔ ان کی رحلت مبارکہ بھی ۵۴۷ھ میں ہوئی۔

(۳) حضرت عبداللہ المحض بن حضرت حسن مشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما: ان کا لقب شیخ بنو ہاشم تھا۔ ان کے پانچ صاحبزادے تھے۔ محمد ذی النفس الزکیہ۔ ابراہیم۔ موسیٰ الجون۔ سلیمان اور ادریس۔ محمد ذی النفس الزکیہ نے دعویٰ خلافت کیا تھا اور حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی رفاقت و حمایت کا اعلان اور فتویٰ دیا تھا۔ ان کے دوسرے بھائی حضرت ابراہیم بن عبداللہ محض نے بھی دعویٰ خلافت کیا تھا۔ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ اور حسن کو کافی شہرت ملی۔ دنیا میں ان کی نسل باقی ہے۔

حضرت موسیٰ الجون بن عبداللہ محض رضی اللہ عنہ کی نسل بھی خوب پھیلی۔ امام الاولیاء سید الاتقیاء حضرت سیدنا غوث اعظم عبد القادر حیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ ہی کی نسل پاک سے ہیں۔

**سیدنا عبد القادر حیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب** محبوب سبحانی قطب ثانی  
موسیٰ بن عبداللہ بن یحییٰ الزاہد بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن مشنی بن امام حسن بن علی بن ابی طالب۔ یعنی ان کے والد گرامی حضرت امام حسن کے بیٹے ہیں اور والدہ ماجدہ حضرت امام حسین کی لخت جگر ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اس طرح سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نسباً حسینی حسینی ہوتے۔

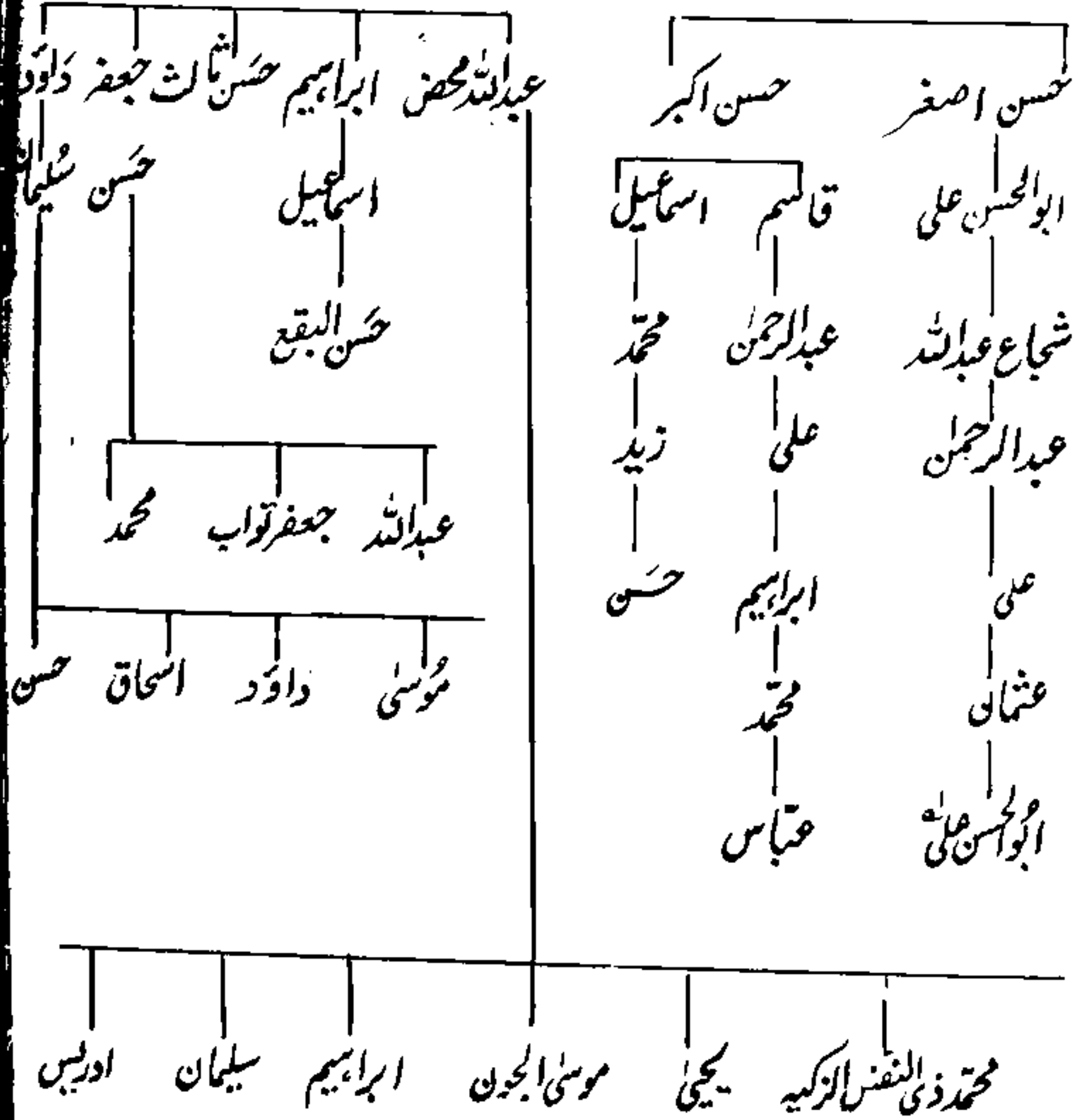
حضرت سیدنا حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اومیہ عورت سے بھی  
شادی کی، جس کے لطن اطہر سے دو فرزند حضرت داؤد اور جعفر پیدا ہوئے۔ ان  
میں حضرت داؤد بن حسن مثنیٰ، حضرت امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے افسانے  
بھائی تھے۔ ان کی نسل پاک ان کے بیٹے حضرت سلیمان سے چلی۔ سلیمان کی والدہ  
سیدہ ام کلثوم بنت امام زین العابدین علی اوسط (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہیں۔ سید سلیمان  
کے چار بیٹے ہیں: موسیٰ - داؤد - اسحاق اور حسن۔ ان ہی چاروں سے ان کی نسل مبارک چلی۔  
ان کے دوسرے بھائی حضرت جعفر بن حسن مثنیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی کنیت ابی الحسن  
تھی۔ ان کا ایک بیٹا حسن تھا۔ جن کی نسل ان کے بیٹوں حضرت عبداللہ، جعفر اور  
محمد الشلیق سے آگے چلی۔ (بحوالہ رحمۃ اللعالمین)

# شجرہ مبارکہ اولادِ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام

حضرت حسن مشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ



لے یہ حضرت داتا گنج بخش ابو الحسن علی بکری ثم لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔



# حضرت سیدنا امام حسین بن علی المرتضیٰ علیہما السلام

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ہارون علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے، شبیر کے نام پر رکھا۔ اس کا عربی میں ترجمہ حسین بنتا ہے۔ آپ علیہ السلام کی کنیت ابو عبد اللہ اور القابات زکی، شہید اعظم، سید شباب اہل الجنتہ، سبط الرسول، ریحان الرسول مشہور ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ۴ یا ۵ ولادت باسعادت شعبان المعظم ۴ھ بروز شنبہ مدینہ منورہ میں ہوئی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بڑے بھائی شہزادہ حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گیارہ ماہ دس دن بعد زینت بخش عالم ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے کو دیکھنے کے لئے تشریف لائے، محبت و شفقت سے گود میں اٹھایا، کانوں میں اذان و اقامت کہی، تحنیک فرمائی۔ پھر ساتویں دن دو مینڈھے ذبح کر کے عقیقہ کیا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت پر روح الامین علیہ السلام بحکم رب العالمین جل شانہ پیام مبارک کے ساتھ ساتھ تعزیت بھی لائے کہ شہزادہ صاحب کا وہ گلوئے ناز کہ جسے آپ پیار سے بوسے دے رہے ہیں، میدانِ کربلا میں تیغِ خفا سے کاٹا جائے گا۔ اس خبر وحشت اثر سے رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہایت غمزدہ ہوئے، پھر فرمایا: ”صَبْرًا وَجَرًا“ ہم اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی تقدیر پر راضی ہیں۔“ پھر یوں دُعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اَعْطِ الْحُسَيْنَ صَبْرًا وَاجْرًا۔

”اے میرے مولیٰ تعالیٰ! (میرے) حسین (علیہ السلام) کو صبر اور اجر عطا فرما۔“ حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حتیٰ محترمہ خواب کی تعبیر حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔

امام الفضل بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دن بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں نے ایک نہایت ہی پریشان کن خواب دیکھا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا خواب دیکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ بہت شدید ہے جس کے بیان کی جرات نہیں ہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکرر دریافت فرمایا، تو انہوں نے عرض کیا: میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم الود کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کان بیٹا پیدا ہوگا، جو تمہاری گود میں کھیلے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے اور حضرت ام الفضل کی گود میں بیٹے گئے۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئی، تو دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں شہزادہ حسین علیہ السلام ہیں اور آپ رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا ہوا؟ تو فرمایا: جبریل امین علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ بتایا کہ میری اُمت میرے اس فرزند کو شہید کر دے گی۔ میں نے عرض کیا کہ کیا اس (حسین) کو؟ فرمایا: ہاں! اور میرے پاس ان کے مقتل کی سُرخی مٹی بھی لاتے ہیں۔

(رواہ بیہقی فی دلائل النبوة)

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کی اطلاع ولادت باسعادت کے ساتھ

ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہو گئی تھی۔ پھر یہ خبر صحابہ کرام و اہل بیت عظام میں بھی پھیل گئی۔ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مجھے جبریل امین نے خبر دی کہ میرے بعد میرا فرزند حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سرزمینِ طُف میں شہید کر دیا جائے گا اور جبریل امین میرے پاس

یہ مٹی لاتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ کیا یہ اُن (حسین علیہ السلام) کی خواب گاہ (مقتل) کی مٹی ہے؟ فرمایا: ہاں! طف کو فہ کے قریب اس جگہ کا نام ہے جسے کربلا کہتے

ہیں۔ (ابن سعد۔ طبرانی)

امام احمد نے روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”میرے پاس وہ فرشتہ آیا جو اس سے قبل کبھی میرے پاس نہ آیا تھا۔ اُس نے عرض کیا کہ آپ کا فرزند (حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شہید کیا جائے گا۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان کے مقتل گاہ کی مٹی پیش کر دوں۔ پھر اُس نے تھوڑی سی سُرخ مٹی پیش کی (امام حضرت یحییٰ حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ سفر حنین میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ تھے، جب نینوی کے قریب پہنچے، جہاں حضرت یونس علیہ السلام کا مزارِ انور ہے تو آپ نے فرمایا: اے ابوعبداللہ! فرات کے کنارے ٹھہرو“ میں نے عرض کیا: کس لئے؟ فرمایا: ”حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (مجھے) فرمایا کہ جبریل امین نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرات کے کنارے شہید کیا جائے گا۔“ (رواہ ابوالنعیم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں اس میں کوئی شک نہ تھا، اور سب اہل بیت بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت، امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کربلا میں شہید ہوں گے۔“ (رواہ حاکم)

اس موضوع پر بکثرت روایات پائی جاتی ہیں حتیٰ کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل بیت اطہار کے اُترنے کی جگہ، مقام شہادت، اُونٹوں کے باندھنے، کجاوے کھنسنے کی جگہ تک بتا دیا گیا تھا۔ حضرت اُمّ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مطابق تو اُن کو وہ مٹی بھی عطا فرمادی گئی تھی جسے بوقت شہادت خون بن جاتا تھا۔ بایں ہمہ یہ کہیں نہ ملے گا کہ خود رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا اہل بیت اطہار کے کسی

بھی فرد نے بارگاہِ رب العزت میں یہ دعا کی جو کہ اے مولیٰ تعالیٰ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حادثہ عظیم سے محفوظ فرما لے۔ نہیں، ہرگز نہیں اور اگر کوئی دعا ملے گی تو یہ کہ:

اللَّهُمَّ اَعْطِ الْحُسَيْنَ اَجْرًا وَصِيْرًا۔

”اے اللہ تعالیٰ! حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجر اور صبر عطا فرما۔“

یعنی اس امتحان میں کامیابی کی دعا مانگی اور بس رضائے مولیٰ پر راضی ہے۔ کوئی بھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے۔ اس قدر صبر و استقامت، شوقِ شہادت، جذبہ جان نثاری، استقلال، رضائے مولیٰ پر راضی ہونا، دین سے محبت، یہ سب اس خاندانِ ذی وقار کے ہی مردانِ کامل کا حصہ ہو سکتا ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہم)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و شمائل بے حد و بے حساب ہیں۔ حصولِ برکت کے لئے چند احادیث مبارکہ نقل کی جاتی ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب

**فضائل** آیہ کریمہ تَعَالَوْا نَدْعُوا ابْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ نَازِل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا اور بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا: اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي۔

”اے اللہ تعالیٰ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔“ (صحیح مسلم شریف)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بڑھ کر کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ نہیں تھا۔ (بخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ (ترمذی شریف)

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ جو حسین سے محبت کرے، اللہ تعالیٰ اُس سے محبت فرمائے۔ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو میرے جگر

کے ٹھٹھوں میں سے ایک ٹھٹھا ہے۔" (ترمذی)  
 دوسری روایت میں ہے کہ جس سے حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے لڑائی کی اس نے میرے ساتھ جنگ کی اور جس نے حسین کے ساتھ صلح کی، اس نے میرے ساتھ صلح کی۔" (ترمذی عن اسامہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (حضرت) حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ ایک آدمی نے دیکھ کر کہا: "اے صاحبزادے! (مبارک ہو کہ) تم کتنی اعلیٰ سواری پر سوار ہوئے ہو؟" تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اور سوار بھی تو بہت اعلیٰ ہے۔" (ترمذی شریف)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے اہل بیت کی مثال تم میں اس طرح ہے جیسے سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی تھی کہ جو اس میں سوار ہو گیا، نجات پا گیا جو بچھے رہ گیا، ہلاک ہو گیا۔ (رواہ احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں اور میرے کانوں نے سنا کہ سیدنا حسین علیہ السلام، ابھی بچہ ہی تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دونوں کلاسیوں سے پکڑا، اس وقت سیدنا حسین (علیہ السلام) کے قدم مبارک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قدموں کی پشت پر تھے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اوپر، چڑھو چڑھو، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو چڑھتے جاتے تھے جیسی کہ ان کے پاؤں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم



کے سینہ انور پر رکھتے گئے۔ اس وقت اُن کا منہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے منہ کے برابر تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا: منہ کھولو، انہوں نے منہ کھول دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے منہ (میں زبان مبارک ڈال کر) چوم لیا۔ پھر یوں دہکا، فرمائی: ”اے اللہ تعالیٰ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔“

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچیس حج پیادہ چل کر کئے۔ (الاستیعاب) سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعہ المبارک اپنے اہل بیت اطہار اور ۷۲ جاں نثاروں کے ساتھ میدان کربلا میں مرتبہ شہادت پر فائز ہو کر سید الشہداء کے لقب سے ملقب ہوئے۔ (اتما للہ وانا الیہ راجعون)

ذیل میں اس سانحہ عظیمہ کو قدرے اختصار کے ساتھ تاریخ ابن خلدون تاریخ کامل ابن اثیر، عقد الفرید، طبری، تاریخ الخلفاء کے حوالہ سے سپرد قلم کرتا ہوں۔

تفصیل اس لئے نقل کرنے سے معذور ہوں کہ نہ تو دل کو اتنا حوصلہ مند پاتا ہوں اور نہ ہی نوکِ قلم میں اتنی سکت ہے۔

ایں سخن چسیت کہ دل ہا ہمسگی خون گردد

دیدہ ہا از غمِ دل دجلہ و جیحول گردد

۶۰ھ کو جب یزید بن معاویہ تختِ حکومت پر بیٹھا تو اس وقت مدینہ طیبہ میں ولید بن عتبہ بن ابی سفیان، مکہ مکرمہ میں عمر بن سعید بن عاص۔ بصرہ میں عبید اللہ بن زیاد اور کوفہ میں نعمان بن بشیر گورنر تھے۔

یزید نے حکومت سنبھالتے ہی گورنر مدینہ ولید بن عتبہ کو خط تحریر کیا کہ بلاتا خیر حسین ابن علی، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے میری خلافت کی بیعت لے لو۔ ولید نے مروان کی ترغیب پر ان حضرات کو پیغام بھیجا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولید کے پاس تشریف لے گئے۔ ولید نے مروان کی موجودگی میں یزید

کا خطاب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے خط پڑھ کر جواب دیا کہ یہ بات مناسب نہیں کہ میں کوئی خفیہ بات کروں۔ دوسرے لوگوں کو طلب کر دو جب وہ آئیں گے تو ان میں سے بھی ہوں گا یہ کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ مروان چلا یا کہ ان کو جانے نہ دینا ورنہ پھر یہ ہاتھ نہ آئیں گے۔ اگر بیعت کریں تو ٹھیک، ورنہ قتل کر دے۔ حضرت امام عالی مقام نے سختی کے ساتھ مروان کو ڈانٹ دیا اور گھر تشریف لے گئے۔ مروان ولید کو ملامت کرنے لگا، تو ولید نے کہا: اے مروان! مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یزید کی بیعت نہ بھی کریں اور مجھے پوری دنیا جہان کے مال و دولت کا مالک بنا کر کہا جائے کہ حضرت حسین (علیہ السلام) کو قتل کر دو، تو میں سارا مال و دولت ٹھکرا دوں گا مگر قتل حسین کا جرم نہیں کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یزید کی تخت نشینی اور طلب بیعت کا علم ہوا تو دانائی سے کام لیتے ہوئے رات کے وقت مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ صبح کو ولید کو معلوم ہوا، تو اُس نے تعاقب میں آدمی روانہ کئے، لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جا چکے تھے۔

اس واقعہ کے دوسرے دن یعنی ہم شعبان المعظم ۶۱ھ کو امام حسین علیہ السلام اپنے اعزاء و اقارب کے ساتھ رات کے وقت مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ منثورہ محمد بن حنفیہ نے دیا تھا۔ اب مدینہ طیبہ میں محمد بن حنفیہ (حضرت حسن مثنیٰ اور ان کی زوجہ سیدہ فاطمہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا، باقی رہ گئے تھے اے مروان نے یہ تمام واقعات یزید کو لکھ بھیجے۔ اُس نے ولید بن عتبہ کو معزول کر کے عمر بن سعید الاشقر کو گورنر مدینہ بنا دیا۔

مکہ مکرمہ کی طرف آتے ہوئے راستہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات

اے حضرت فاطمہ صغریٰ بنت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت امام حسن علیہ السلام کے بیٹے حضرت حسن مثنیٰ سے ہوئی تھی چونکہ یہ بیمار تھے، اس لیے حضرت امام علیہ السلام نے اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ صغریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے خاوند کی تیمارداری کے لئے مدینہ طیبہ چھوڑ دیا۔ ۶۱ھ

حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ صورتِ حال سے مطلع ہو کر عبداللہ نے عرض کیا کہ حضور آپ مکہ مکرمہ میں ہی قیام کریں نہ آپ کوفہ کا ہرگز ہرگز قصد نہ فرمائیں، یہ بڑے بد عہد لوگ ہیں، کسی سے وفا نہیں کرتے، انہوں نے آپ کے والد ماجد کو شہید آپ کے بھائی جان سے نازیبا سلوک کیا، وہ آپ کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکریہ ادا کیا اور مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔

**اہل کوفہ کی حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوتِ شیعہ کا علم اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے مکہ مکرمہ چلے جانے کا حال معلوم ہوا تو اہلیان کوفہ سلیمان بن صرد کے مکان پر جمع ہوئے اور اس مضمون کا خط لکھا کہ آپ یہاں تشریف لے لیتے۔**

۱۔ ابن خلدون میں یہاں شیعانِ امیر المومنین علی (علیہ السلام) درج ہے - ۱۲  
 ۲۔ جلال العیون میں یوں درج ہے، جب یہ خبریں اہل کوفہ کو پہنچیں، شیعان کوفہ سلیمان بن صرد کے گھر میں جمع ہوئے۔ حمد و ثنائے الہی لائے اور دربارہ قوتِ معاویہ و بیعتِ یزید گفتگو کی۔ سلیمان نے کہا جبکہ معاویہ مر گیا اور امام حسین (علیہ السلام) بیعتِ یزید سے انکار کر کے مکہ منتقل ہو گئے ہیں اور تم اُن کے شیعہ اور اُن کے والدِ بزرگوار کے شیعہ ہو۔ اگر جانتے ہو کہ نصرت اُن کی کر سکو گے اور بجا مال اُن کی نصرت میں کوشش کر سکو گے۔ ایک عریضہ ان کی خدمت میں لکھ کر یہاں بٹلاوا اور اگر اُن کی نصرت میں سستی و کالی کر دو گے، یہ جانی لو کہ شرط نیک خواہی اور متابعت کی بجا آوری نہ کرو گے، ان کو قسب اور ہلاکت میں نہ ڈالو۔ شیعوں نے کہا جب اس شہر کو اپنے نورِ قدم سے منور کریں گے، ہم سب بقدمِ اخلاص ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت کریں گے اور ان کی نصرت میں جانفشانی اور دشمنوں سے حفاظت میں کوشش کریں گے پھر ایک عریضہ اس مضمون کا خدمتِ امام عالی مقام علیہ السلام میں لکھا: (جلال العیون اردو جلد ۱۱ مطبوعہ شیعہ حوزہ اہل بیت، لاہور)

ہم لوگوں نے نعمان بن بشیر کو زکوفہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے نہ ہی ہم اس کے ساتھ شریک جمعہ ہوتے ہیں نہ عید۔ اگر آپ تشریف لے آئیں تو ہم اس کو ایسا نکالیں گے کہ وہ ملک شام میں جا کر ہی دم لے گا۔“ لے

یہ خط عبداللہ بن سبع مہدانی، عبداللہ بن وال کی معرفت مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کیا۔ پھر دو راتوں کے بعد دوسرا خط تقریباً ڈیڑھ سو آدمیوں کی جانب سے اسی مضمون کا ارسال کیا گیا۔ پھر تیسری مرتبہ بھی بہت سے آدمیوں کی طرف سے ایسا ہی خط ارسال کیا گیا۔ اس خط کو مثبت بن لعی، حجاز بن جبر، یزید بن حرث، یزید بن روم، عروہ بن قیس، عمرو بن الحاج زبیری، محمد بن عمر التمیمی وغیرہ رؤسائے کوفہ نے بڑے شد و مد کے ساتھ لکھا۔ ادھر بصرہ میں دعوی داران محبت قبیلہ عبدالقیس کی ماریہ بنت سعد کے مکان پر جمع ہونے والوں کی طرف سے خط لکھنے کی نوبت تو نہ آئی، البتہ ان میں یزید بن نبیط اور عبداللہ و عبید اللہ مکہ مکرمہ حاضر خدمت عالیہ ہوتے (پھر یہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ گئے اور مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم) الغرض جب وفود و خطوط کی کثرت ہو گئی اور اصرار حد سے بڑھ گیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نیابت اور تحقیق حال کے لئے کوفہ بھیجا، جفا کاران کوفہ نے گو پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، مگر عین موقع پر ان سیاہ باطن بے وفاؤں نے دھوکہ دیا اور ابن زیاد بنہاد نے حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔ (تفصیلی واقعہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کے حالات میں درج ہے)

لے علامہ ابن خلدون کے علاوہ باقی بعض مؤرخین اور صاحب جلال العیون نے خط کا متن بھی نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ وہی ہے جو اوپر درج کیا گیا ہے، البتہ مضمون خط طویل ہے۔

## حضرت امام حسین علیہ السلام کی کوفہ روانگی شہادت سے قبل حضرت مسلم بن عقیل

علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عریضہ ارسال کر چکے تھے کہ اٹھارہ ہزار درویش دیگر عیالیں ہزار آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، دن بدن ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جتنی جلدی ہو سکے آپ تشریف لے آئیے۔" خط ملنے پر امام عالی مقام نے کوفہ جانے کا عزم صمیم کر لیا۔ جب اس بات کی شہرت ہوئی، تو عمر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام آئے اور حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کو کوفہ جانے سے روکا، مگر آپ نے مکہ مکرمہ میں رہنے سے انکار کر دیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حاضر ہوئے اور کوفہ جانے سے روکا، اور کہا کہ اگر اہل کوفہ اپنے حاکم کو قتل کر دیں یا اس کے مال و اسباب کو لوٹ کر کوفہ نکال باہر کریں تو جدا بات ہے، ورنہ محض اُن کی دعوت پر وہاں نہ جاؤ، ان کا امیر اُن میں موجود ہے، وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے اور آپ کو دھوکا دیں گے اور سب سے زیادہ آپ کے وہی دشمن ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ آج شب استخارہ کروں گا۔ پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما چلے گئے۔ پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حاضر ہوئے کوفہ جانے سے باصرار منع کیا اور رو پڑے۔ یہ دیکھ کر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوبارہ آئے اور کہا کہ اگر مکہ مکرمہ سے جی اکتا گیا ہے، تو آپ یمن میں چلے جائیں۔ اہل عراق صدر حبیبیہ قاف عہد شکن اور متکار ہیں۔ اُن کے فریب میں نہ آئیے۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں، تو ان کو لکھ بھیجو کہ پہلے تم اپنے گورنر کو شہر بدر کرو، میں پھر آؤں گا، مگر تقدیر کا لکھا غالب آیا اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مامور ذی الحجۃ کے پہلے عشرہ میں، (ابن خلدون کے مطابق ۱۰ ذوالحجہ کو) مکہ کو



بمع اہل بیت اطہار کہ جن میں عورتیں بچے شامل تھے، مکہ مکرمہ سے جانب کوفہ روانہ ہوئے  
گورنر مکہ عمرو بن سعید بن عاص کے آدمیوں نے بالجبر روکنے کی کوشش کی جس کے  
نتیجہ میں ہلکی سی جھڑپ بھی ہوئی، لیکن امام عالی مقام علیہ السلام اور آپ کے ہمراہیوں  
نے سفر جاری رکھا۔

مقام صفاح تک پہنچے ہوں گے کہ فرزوق شاعر  
فرزوق شاعر سے ملاقات سے ملاقات ہوئی۔ امام عالی مقام علیہ السلام  
نے ان سے اہل کوفہ کا حال پوچھا۔ تو انہوں نے عرض کی "ھنور! اُن کے دل تو آپ  
کے ساتھ ہیں، مگر تلواریں بنوامیہ کے ساتھ۔"

اسی مقام پر یا کچھ آگے حضرت سید زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
عبداللہ بن جعفر کا خط کے شوہر عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط،  
اُن کے دو بیٹے عون و محمد لے کر آئے جس میں لکھا تھا کہ "اے برادرِ من! خدا کے واسطے  
خط کے دیکھتے ہی واپس آ جاؤ، میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ خدا نخواستہ تمہارا خون  
بہایا جائے گا اور اہل بیت اطہار کی بے حرمتی ہوگی۔ اگر ایسا ہوا تو زمین کی روشنی  
جاتی رہے گی۔ تم مسلمانوں کے مرجع، ہادی، ملجا و ماویٰ اور رہنما ہو، عجلت نہ کرو،  
عنقریب میں بھی حاضر ہو رہا ہوں۔ والسلام لیسے بغیر حضرت عون و محمد رضی اللہ  
امام عالی مقام علیہ السلام نے اس خط کی پرواہ بغیر حضرت عون و محمد رضی اللہ  
تعالیٰ عنہما کو ساتھ لیا اور آگے روانہ ہو گئے۔"

مقام حاجر پر پہنچ کر حضرت امام عالی مقام  
قیس بن مسہر کی وانگی اور شہاد علیہ السلام نے قیس بن مسہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کو مصلحتاً ایک خط لے کر کوفہ کی طرف روانہ کیا، جس میں حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کے خط ملنے اور اپنی تشریف آوری کا ذکر کیا اور ابن زیاد نے اپنی پولیس کے افسرِ اعلیٰ

حسین بن نمیر کو تجربہ کار سپاہیوں کے ساتھ قادسیہ کی طرف روانہ کر دیا تاکہ امام عالی مقام علیہ السلام کا راستہ روکا جاسکے۔ حضرت قیس بن مسہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا کہ سیدہ زینبؓ تو حسین بن نمیر نے آپ کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس کو فز بھیج دیا۔ ابن زیاد نے قاصد امام حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ صرف اسی صورت میں تمہاری جال بخشی ہو سکتی ہے کہ تم قصر امارت پر چڑھ کر (العیاذ باللہ) کذاب بن کذاب حسین ابن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کہہ کر گالیاں دو۔ حضرت قیس فوراً قصر امارت پر چڑھ گئے۔ حمد و صلوة کے بعد فرمایا: اے لوگو! قصر امارت سے سنو! حسین ابن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بہترین خلائق فاطمہ بنت رسول اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لخت جگر ہیں۔ میں آپ کو قاصد ہوں وہ شاید اللہ حاجر سے آگے بڑھ آتے ہوں، تم پر ان کی اطاعت فرض ہے۔ اس کے بعد ابن زیاد پر خوب خوب لعن طعن کیا اور اس کے باپ کو سخت و سست کہتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے لئے نہایت کلمات خیر ادا کئے۔ ابن زیاد بد نہاد نے غصہ میں جھلا کر حکم دیا کہ اس کو قصر امارت سے نیچے پھینک دو۔ نیچے گرتے ہی حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے، دماغ پھٹ گیا اور آپ مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

**زہیر بن القین سے ملاقات** حضرت امام عالی مقام علیہ السلام اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے راستے میں زہیر بن القین بجلی سے ملاقات ہوئی۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرفداروں میں سے ایک تھے حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کوفہ کی طرف جا رہے تھے۔ امام عالی مقام نے ان کو اپنے خیمے میں بلایا، کچھ باتیں ہوئیں۔ پھر یہ اٹھے اور اپنی فریاد پر جا کر اپنے ہمراہیوں کو کہا: "جس کو میرے ساتھ چلنا ہو چلے" میں حسین ابن علی

لے بعض نے ان کا نام زہیر بن قیس بجلی لکھا ہے۔ ۱۲ منہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ جا رہا ہوں، یہ میرا آخری عہد ہے، میں تم لوگوں سے رخصت ہو رہا ہوں۔ یہ کہہ کر اپنی بیوی کو طلاق دی اور کہا کہ تم اپنے والدین کے پاس چلی جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ تم گرفتار کی جاؤ۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دیے بغیر مال دے کر رخصت کرنا چاہا تو اس نیک بندی نے اہل بیت اطہار کی مدد میں رہنے کو پسند کیا۔ زہیر بن القین میں سے امام عالی مقام کے ساتھ ہو گئے اور میدانِ کربلا میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

**اطلاع شہاد امام مسلم رضی اللہ عنہ** جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام کی شہادت کی جان کاہ خیر ملی۔ بعض احباب کی رائے ہوئی کہ اسی جگہ سے واپس پلٹ چلو، کوفہ میں کوئی تمہارا یار و مددگار نہیں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ بجائے مدد کرنے کے مخالف بن جائیں اور یوں شدید نقصان اٹھانا پڑے۔ جو عقیل نے کہا: اللہ کی قسم ہم اُس وقت تک کوفہ نہ چھوڑیں گے، جب تک کہ خونِ مسلم کا بدلہ نہ لے لیں یا پھر ان کی طرح مرتبہ شہادت نہ پا جائیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے بغیر سنا کیا لطف؟ ہم بھی چلتے ہیں۔ ہمراہیوں میں سے بعض نے عرض کیا کہ واللہ! آپ مسلم بن عقیل چھینیں، جو نہیں آپ کوفہ پہنچیں گے، سب لوگ مطیع و فرمانبردار ہو جائیں گے۔ الغرض حضرت امام عالی مقام علیہ السلام آگے روانہ ہو گئے۔

**خبر شہاد عبد اللہ بن قطر** مقامِ دہلی پر پہنچے تو آپ کے رضاعی بھائی حضرت عبد اللہ بن قطر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر مل گئی۔ ان کو بھی آپ نے اثنائے راہ ہی سے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ یحییٰ بن نمیر کے سپاہیوں نے ان کو گرفتار کر کے ابنِ زیاد بن ہناد کے پاس بھیج دیا۔ ان کے ساتھ بھی ہو ہو وہی واقعہ پیش آیا جو قیس بن مسہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آیا تھا۔

بعض ہمارے بیوں کی علیحدگی جب شہادت کی یہ دُور روح فرسا خبریں پہنچیں تو

جو واپس جانا چاہے چلا جائے، حالات بہت خراب ہیں وہ ہم جانے والوں سے کوئی مواخذہ نہیں کریں گے۔ یہ سن کر بعض وہ لوگ جو راستہ میں یہ سمجھ کر شامل ہو گئے تھے کہ شاید کوفہ پر آپ کا قبضہ ہو گیا ہے۔ دائیں یا تیں چھٹ گئے مگر امام عالی مقام علیہ السلام کے اصل ہمارے بیوں میں سے کسی ایک نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑنا پسند نہ کیا۔

کوفہ کی طرف سفر جاری تھا عین وہیں

حُرب بن یزید تمیمی یزید لوعی سے ٹکراؤ کے وقت دُور سے گردوغبار کو دیکھ کر ہمارے بیوں میں سے کسی نے بلند آواز سے تجبیر کہی۔ جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ سامنے گنجان درختوں کا ایک باغ سادھائی دیتا ہے۔ بنو اسد کے دُلو آدمی جو راستہ سے بخوبی واقف اور امام عالی مقام علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا: اس پورے میدان میں باغ تو کجا کہیں ایک درخت بھی نہیں ہے۔ حضرت امام عالی مقام نے فرمایا: ”یہ تو سواروں کی گرد ہے۔“ پھر کچھ سوچ کر بنو اسد کے ان ساتھیوں سے فرمایا: ”یہاں ایسی کوئی جگہ ہے کہ ہم وہاں چلے جائیں اور اس آنے والے سواروں سے آمناسا منانا ہو؟“ کہ شاید کون ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ انہیں طرف ذو حشم کی بستی ہے، وہاں تشریف لے جاتے، لیکن اگر آپ کے ذو حشم پہنچنے سے پہلے وہ لوگ اس طرف چلے جائیں، تو آپ کا مقصود حاصل ہو جائے گا یعنی ذو حشم والے آپ کی حمایت کریں گے، چنانچہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کی طرف جانے والے راستہ کو چھوڑ کر بڑی تیزی کے ساتھ ذو حشم کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن ابھی ذو حشم پہنچے تھے کہ سواروں کی فوج آپہنچی اور آپ کے قافلہ کو روک لیا۔ ان سواروں کی تعداد ایک ہزار تھی کہ جن کو حصین بن نمیر نے قادسیہ سے حُرب بن یزید کی

ماتحتی میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں بھیجا تھا تاکہ وہ ان کو ابن زیاد کے سامنے پیش کرے۔

**حضرت امام عالی مقام اور عربین یزید کی ملاقات** امام عالی مقام علیہ السلام کے

فوجیوں نے اسی جگہ اپنے اپنے خیمے لگاتے تھے۔ بوقت ظہر متوذن نے اذان دی تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے لئے تشریف لائے تو حر کے فوجی بھی آپ کی اقتدار میں آگئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: "اے لوگو! میں از خود تمہارے پاس نہیں آیا ہوں، بلکہ تم نے مسلسل خطوط اور قاصد بھیج کر مجھے بلایا ہے اور اب اگر تم اپنے وعدہ پر قائم ہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں، ورنہ واپس چلا جاؤں۔"

کسی شخص نے آپ کی بات کا جواب نہ دیا۔ بس آپ علیہ السلام کی اقتدار میں نماز پڑھی اور اپنے لشکر گاہ کی طرف چلے گئے۔ بوقت عصر امام عالی مقام علیہ السلام نے قریے مفصل خطبہ دیا اور ان کو جھنجھوڑا تو حر نے کہا آپ بار بار جن خطوط کا ذکر فرما رہے ہیں، واللہ! میں ان کو نہیں جانتا۔ اس پر آپ نے خطوط کی دو بھری ہوئی تھیلیاں اس کے سامنے پھیلادیں۔ حر نے کہا کہ مجھے اس کے بارے میں علم نہیں، مجھے صرف یہ حکم ہے کہ میں آپ کو ابن زیاد کے سامنے پیش کر دوں۔ حضرت امام عالی مقام نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے ہمراہیوں کو سوار ہو کر واپس چلنے کا حکم دیا لیکن حر نے سپاہیوں نے آپ کا راستہ روک لیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو یزید کے فسق و فجور اور اپنی نسبت پاک کے حوالہ سے خوفِ آخرت دلایا۔ حر نے حضرت امام عالی مقام کی گفتگو سن کر رنج و غصہ سے پریشان ہو گیا کہ میں آپ کی گستاخی نہیں کروں گا، مگر سپاہ مخالف ہمراہ ہے اس لئے مجبوراً آپ کا راستہ روکوں گا، مگر آپ کسی جانب نکل جاتیے، یہ حر حکمتِ عمل سے (آپ کو دوسری جانب آگے بڑھاتے مگر) ادھر ادھر سے روکتے جاتے تھے یہاں



تک کہ یہ قافلہ نینوا میں برب فرات جا پہنچا۔ اس جبکہ امام عالی مقام علیہ السلام کے حکم سے، نیچے لگا دیتے گئے۔

اگلے دن ایک قاصد نے حُر بن یزید کو ابن زیاد بد نہاد کا خط دیا جس میں حکم نامہ درج تھا کہ میرے اس قاصد کے پہنچتے ہی حسین کو روک کر کسی ایسے کھلے میدان میں ٹھہراؤ کہ جہاں نہ تو پانی ہو اور نہ ہی کوئی محفوظ جگہ۔ میں نے قاصد کو حکم دے دیا ہے کہ یہ قاصد تعمیل حکم تک تمہارے ساتھ رہے گا۔“

چنانچہ حضرت امام عالی مقام کو حُر نے لب فرات سے نیچے اکھاڑ کر دور کھلے میدان لے جانے کا حکم دیا۔ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے حُر کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، مگر اُس نے صاف صاف کہہ دیا کہ ابن زیاد نے مجھ پر ایک آدمی کو بطور نگران مقرر کیا ہے۔ اس لئے میں اُس کے حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں۔ حضرت امام عالی مقام کے ساتھیوں نے انجھنے کی کوشش کی، مگر آپ نے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ نیچے اکھاڑ دیتے جاتیں ہم جنگ کی ابتدا نہیں کریں گے، اس پر خیمے لب فرات سے دور ایک چٹیل میدان میں نصب کر دیئے گئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جبکہ کا نام دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا کہ کربلا فرمایا:

اللَّهُ أَكْبَرُ أَرْضِ كَرْبُ بَلَاءٍ۔ اللہ اکبر! یہ تو مصائب آزمائش کی سرزمین ہے۔“

یہ واقعہ ۱۲ محرم ۶۱ بروز جمعرات کا ہے۔

اگلے دن عمرو بن سعد کی زیرِ کمان چار ہزار قواد عمرو بن سعد کی کربلا میں آمد پر مشتمل فوج کوفہ سے کربلا آپہنچی۔ ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو اس فوج کا سپہ سالار بنا کر ”دیلیم“ کی سرکوبی کا حکم دیا تھا اور ”رے“ (ایران کے مشہور شہر تہران کا پہلا نام ”رے“ تھا) کی سند گورنری عطا کی تھی۔ یہ فوج روانہ ہونے ہی والی تھی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ پیش آگیا۔ ابن زیاد نے اُسے بلا کر اس مہم پر روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔ عمرو بن سعد نے پہلے تو پودی کوشش

کی کہ وہ یہ گناہ عظیم اپنے سر نہ لے، مگر رے کی گورنری کے لالچ نے اسے اندھا کر دیا اور وہ ایک ایسا جرم کرنے کے لئے تیار ہو گیا جس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے جب عمرو بن سعد کربلا میں پہنچا تو امام عالی مقام علیہ السلام نے اسے پیغام بھیجا کہ میں رؤسائے کوفہ کے بلانے پر آیا تھا، لیکن اگر تم کو یہ بات ناگوار گزری ہو تو میں ایسے چلا جاتا ہوں۔ ابن سعد نے یہ بات ابن زیاد کو لکھ بھیجی۔

ابن زیاد نے اس کے جواب میں لکھا کہ حسین (علیہ السلام) لشکرِ امامِ پرپانی بند سے یزید کی بیعت لو، اگر انکار کرے تو فوراً جنگ کرو اور پانی بند کر دو۔ چنانچہ، محرم الحرام کو عمرو بن سعد نے عمو بن الحجاج کی زیرِ نگرانی پانچ سو سواروں کو نہرِ فرات پر متعین کر دیا، جنہوں نے لشکرِ امامِ پرپانی بند کر دیا۔

مُحِصَّت کی کوشش و شرائط جب بات حد سے بڑھ گئی، تو حضرت امام عالی مقام نے عمرو بن قنطربہ بن کعب انصاری کے ذریعے

عمرو بن سعد کو پیغام بھیجا کہ آج رات لشکر سے الگ ہو کر مجھے ملنا۔ عمرو بن سعد حسبِ وعدہ حاضر ہوا۔ امام عالی مقام نے بڑے احسن طریقہ سے اُسے آخرت کا احساس دلایا اور فرمایا: اگر تم چاہو تو ہم جہاں سے آتے ہیں وہاں واپس چلے جاتے ہیں، اگر منظور نہ ہو تو جس سرحد کی طرف تم کہو، وہاں چلے جاتے ہیں اور اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو ہمیں براہِ راست یزید کے پاس شام بھیج دو۔

عمرو بن سعد نے ابن زیاد کو حضرت امام عالی مقام شمرِ لعین کی خباثت کی مذکورۃ الذکر باتیں تحریر کر دیں۔ ابن زیاد نے یہ خط پڑھا تو کہنے لگا: ”یہ شخص امیر کی اطاعت کرنا چاہتا ہے میں اس کو منظور کرتا ہوں۔“ اس پر شمرِ لعین اٹھ کھڑا ہوا اور بولا: ”کیا تم حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اس درخواست کو قبول کر لو گے، جبکہ وہ تمہارے قبضہ میں ہے؟ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی

قسم! اگر وہ یہاں چلا گیا، تو پھر بھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا اور نہ تم بھی اس کا مقابلہ کر سکو گے۔ میرے خیال میں صحیح بات یہ ہے کہ اُسے یزید کی بیعت پر مجبور کرو۔ اگر وہ نہ مانے تو سزا دو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے پتہ چلا ہے کہ راتوں کو اُس کی اور عمرو بن سعد کی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ (یعنی عمرو قابل اعتماد نہیں ہے)

**شہر کی میدانِ کربلا میں آمد** شمر لعین کا یہ حربہ کارگر ثابت ہوا۔ دشمن

کہا کہ فوراً ابھی روانہ ہو جا اور عمرو کو کہہ کہ وہ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور اُس کے رفقاء کو ہماری اطاعت پر مجبور کرے۔ اگر حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) انکار کر دے تو بلا تامل جنگ کرو۔ اگر عمرو بن سعد حکم نہ مانے تو وہ معزول ہے۔ اس کی جگہ تم کو لشکرِ امیر ہو۔ اس کے ساتھ ہی عمرو کا سر کاٹ کر ہمارے پاس بھیج دو۔ شمر اُسی وقت ابن زیاد کا حکمنامہ لے کر روانہ ہو گیا۔ عمرو بن سعد نے خط کھولا تو لکھا تھا: ”میں نے تمہیں حسین کی طرف اس لئے نہیں بھیجا کہ تم لیت و لعل سے کام لے کر وقت برباد کرو اور اُس کے سفارشی بنو۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ وہ اگر میرے حکم کی اطاعت کرے تو صلح نامہ لکھ کر حسین کو میرے پاس بھیج دو اور اگر وہ انکار کرے تو حملہ کر کے اُس کے ہاتھ پاؤں اور سر کاٹ دو، اُس کے باقی جسم اور سینے کو کھوڑوں کے سمتوں سے پاتمال کروادو۔ اگر تمہیں میرے حکم کے قبول میں ذرا برا بھی تامل ہو تو میں تم کو معزول کرتا ہوں اور تمہاری جگہ شمر امیر لشکر ہے۔“

خط پڑھ کر عمرو بن سعد نے کہا: ”افسوس! میں تو سمجھا تھا کہ میری درخواست قبول کر لی گئی ہے اور تم اکیلے آئے ہو گے۔“ شمر لعین نے کہا: ”تمہاری سوچ غلط ہے، اب بتاؤ کیا چاہتے ہو؟“ عمرو نے کہا: ”مجبوراً حکم کی تعمیل کروں گا۔“

شمر کی طرف سے امان کی پیشکش بروز جمعرات ۹ محرم الحرام کو شمر اپنے  
خیمے کی طرف آیا اور حضرت عباس اور ان کے دوسرے بھائیوں کو بلا کر کہا کہ:  
”اے میری ہمشیرہ کے بیٹو! میری طرف سے تمہیں امان ہے۔“ (یعنی تم میرے پاس  
آ جاؤ، تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا، ان لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو تجھ پر اور تیری  
امان پر کیا تو ہم کو تو امان دیتا ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ کو  
امان نہیں دیتا؟“ شمر یہ جواب سن کر اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔

اس جگہ یہ واضح کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ بد بخت شمر شروع میں صحیح مسلمان  
تھا، اس نے اپنی بہن اُمّ البنین فاطمہ کلابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی بھی امیر المومنین  
سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے کی تھی اور ان کے بطنِ اقدس سے حضرت عمر  
حضرت عباس علمدار، حضرت عبداللہ، حضرت جعفر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم پیدا ہوئے۔  
حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ان شہزادوں میں سے چار میدانِ کربلا میں  
موجود تھے اور اپنے برادرِ بزرگوار حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مرتبہ  
شہادت پر فائز ہوتے۔ چونکہ یہ شمر کے بھانجے بنتے تھے، اس لئے شمر نے  
ان کے امن و سلامتی کا اعلان کیا، مگر جو ان حضرات کا مومنانہ جواب تھا، وہ آپ  
سطورِ بالا میں پڑھ چکے ہیں۔

اسی دن بوقتِ عصر عمرو بن سعد اپنے ہمراہیوں کے ساتھ  
شبِ مہلت حضرت امام عالی مقام کی طرف چلا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
اس وقت اپنے خیمے کے سامنے تشریف فرما تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
نے اسے آتا دیکھ کر کہا: ”بھائی جان اٹھو! مخالفین آ رہے ہیں“ حضرت امام عالی مقام  
نے ان کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت عباس نے روک دیا اور عرض کی کہ پہلے

میں جاتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عباسؓ بیس آدمیوں کے ہمراہ سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ عمرو نے شمر کے ذریعے آنے والے ابن زیاد کے خط کا لفظ بہ لفظ مضمون بتا دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کو مطلع کیا، تو آپ نے فرمایا: اُن سے آج شب کی مہلت لے لو۔ کل جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا ہو جائے گا۔ چنانچہ تھوڑی سی بحث کے بعد اس رات کی مہلت مل گئی۔

**سیدنا امام حسین علیہ السلام کا خط** اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے ہمراہیوں کو جمع کر کے خطبہ دیا جس کا خلاصہ

یہ ہے کہ حمد و صلوة کے بعد آپ نے اپنے ہمراہیوں کی وفاداری جہاں نشاری اور اہل بیت سے محبت کی تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا کہ مجھے یقین کامل ہے کہ یہ لوگ میرے خون کے پیالے میں لڑائی ضرور ہوگی۔ چونکہ یہ صرف میرے درپے ہیں، اس لئے تم کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ تم جہاں چاہو چلے جاؤ اور اگر بہتر ہو تو میرے اہل بیت کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ جب یہ لوگ مجھے اس جگہ دیکھیں گے تو تمہارے لئے رکاوٹ نہیں بنیں گے۔“

**جہاں نشاریوں کی ثابت قدمی** خطبہ کا تمام ہونا ہی تھا کہ ہر طرف سے ایک شورا بھتیجیوں، بھانجیوں اور دیگر ساتھیوں نے رو کر کہا کہ ”یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو دشمن کے زعفران دے کر چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم ایسا ہرگز ہرگز نہیں کریں گے۔ ہم اپنے آپ کو اور اپنے اہل خیال کو آپ پر قربان کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ پیش نہ دکھائے، جو تمہارے بعد ہمیں ملے۔ حضرت مسلم بن عیوبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فکڑے ہو کر عرض کیا: ہم آپ کو چھوڑ کر کیونکر چلے جائیں، ہم تو آپ کا حق ہی ادا نہیں کر سکتے۔ ہم تو آپ کے دشمنوں سے آخری دم تک لڑیں گے، مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میرے پاس کوئی تھیلا



نہ بھی ہوتا، تو میں میدان سے پتھر اور کنکرا اس وقت تک اٹھا اٹھا کر آپ کے دشمنوں پر اور آپ کے مدد مقابل آنے والوں پر پھینکتا، جب تک کہ اپنے آپ کو آپ پر فدا نہ کر دیتا۔“  
ان کی اس تقریر پر پانچ سو سب کے دل بھر آئے۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو دعائیں دیں۔ پھر سب خیموں میں چلے گئے۔

سہ اس کے بعد حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے حضرت زینب کو نصیحت فرمائی کہ چند دردناک اشعار پڑھے، تو حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا برداشت نہ کر سکیں۔ انہوں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ امام عالی مقام علیہ السلام نے فرمایا: ”زینب! تمہارے صبر و تحمل کو کیا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اُس کے حکم پر صابر و شاکر رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے فنا ہونے والی ہے۔ ہمارے جدِ محترم، والد، والدہ اور بھائی، یہ سارے چلے گئے، حالانکہ وہ ہم سے بہتر تھے، وہ نہیں رہے، اب ہماری باری ہے۔ اے میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ کل میں قتل کر دیا جاؤں تو تم صبر کرنا، نوحہ و ماتم نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرنا، صبر کرنا، نوحہ و ماتم سے بچنا، اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ دے گا۔“

اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ خیموں کو خیموں کی حفاظت ایک دوسرے کے قریب کر دو اور ان کے دائیں بائیں خندق کھود کر آگ روشن کر دو اور یاد رکھو کہ کل جب لوگ حملہ آور ہوئے تو خیموں کے روبرو ان سے لڑنا، ہمراہیوں نے بڑی سرعت کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔ اسی اثنائے میں رات ہو گئی، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے ساری رات عبادتِ خداوندی میں گزاری۔

بروز جمعہ ۱۱ محرم الحرام ۶۱ھ صبح نماز فجر کے  
خونی صبح کا آغاز بعد دو ٹوں طرف سے لشکر ہتھیار سنبھالے ایک دوسرے

کے آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے لشکر میں صرف ۳۲ سوار بہم پیادے تھے، یعنی کل تعداد بہتر (بعض نے بیاسی تحریر کی ہے) اہل بیت اطہار کے اکیس حضرات اس کے سوا تھے۔

محترم قارئین کرام! آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت امام عالی مقام قابل غوریات (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لشکر کی کل تعداد شاید ایک سو قریب ہو

جبکہ مد مقابل عمرو بن سعد کا لشکر ہزاروں افراد پر مشتمل تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ چکی تھی کہ ان چند نفوسِ قدسیہ کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے تو ایک بہت بڑے لشکر کو ان کے مقابلہ میں بھیجا گیا، پھر ان کو تین دن تک بھوکا اور پیاسا رکھا گیا۔ علاوہ ازیں ایک چٹیل میدان میں ان کو کھڑا کیا گیا کہ جہاں دھوپ کی شدت سے اوسان ٹھلا ہو رہے تھے۔ اتنے ڈھیروں انتظامات کے باوجود ابن زیاد کا لشکر مقابلہ کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ دراصل قوتِ ایمان وہ عظیم ہتھیار ہے کہ جس کا مقابلہ اس فانی دنیا کے کسی بھی ہتھیار سے نہیں کیا جاسکتا اور جسے دولتِ ایمان میسر آجاتی ہے اور اخلاص و ایقان حاصل ہو جاتا ہے، وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھی بات کر سکتا ہے۔ بصورتِ دیگر یعنی بے ایمان کے نصیبہ میں، بزدلی اور ذلت و رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔

حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کا خطاب جب دونوں طرف سے فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہو گئیں،

اور شقی القلب یزیدی قتلِ اہل بیتِ تمل گئے تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو ایک بار پھر نصیحت فرمانے کے لئے اونٹنی پر سوار ہو کر اشتقیاء کی طرف تشریف لے گئے اور ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! جنگ میں اتنی جلدی نہ کرو، پہلے میری بات غور سے سنو! مجھ پر واجب ہے کہ میں تم کو سمجھاؤں اور اپنے آنے کا سبب بیان کروں۔ پھر اگر میں سچ کہوں، تو میری بات کی تصدیق کرو، اس میں تمہاری سعادت مندی ہے، لیکن اگر تم میرا عذر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، تو پھر سوچا ہو کرو، دراصل میں ہر چیز کو واضح کر دینا چاہتا ہوں تاکہ کوئی بات شبہ کی نہ رہے۔ بے شک میرا اللہ تعالیٰ حامی و ناصر ہے کہ جس نے قرآن کریم کو نازل فرمایا۔ پھر فرمایا لوگو! میرے نسب پر غور کرو، دیکھو میں کون ہوں؟ غور کرو کہ میرا قتل تمہیں جانزہ ہے؟ یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنے پورے حسب نسب کا ذکر فرمایا۔ زبانِ سالِ تہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی بیان کی گئی شان سے لوگوں کو مطلع فرما کر ارشاد فرمایا: ان احادیث رسول کی تصدیق تم صحابہ کرام سے کر لو۔ اگر تمہیں یہ شک ہو کہ خدا نخواستہ میں نے جھوٹی احادیث گھڑ لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم: میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ان (صحابہ کرام) سے پوچھو وہ تمہیں میری شان بتائیں گے۔ کیا تمہیں میرے نواسہ رسول ہونے پر شک ہے؟ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! مشرق و مغرب میں اب میرے سوا تمہارے نبی کا کوئی نواسہ نہیں ہے۔ اگر ہے تو بتاؤ کیا میں نے کسی کو قتل کر دیا ہے، جو مجھ سے قصاص مانگتے ہو؟ کیا میں نے کسی کا مال دبا یا ہے، جو مجھ سے بدلہ طلب کرتے ہو؟“

**اتمام حجت** جب لشکرِ یزید نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو آپ نے ثبت بنی لعی، حجاز بن ابیجر، قیس بن الحارث (دوسلے کوفہ) کو نام بنام پکار کر فرمایا: اَلَمْ تَكْتُبُوا الْكِتَابَ فِي الْقُدُومِ عَلَيْكُمْ۔ (کیا تم لوگوں نے مجھے خط لکھ کر نہیں بلایا؟) اس پر ان بد بختوں نے بلانے اور خط لکھنے کا صاف انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا: بَلْ قَعَلْتُمْ اَيْهَا النَّاسُ اِذْ كَرِهْتُمُوْنِي فَدَعَوْنِي اِلَى الْاَرْضِ۔ (حالانکہ اے لوگو! تم نے ایسے کیا ہے۔ اب جو تمہیں مجھ سے نفرت ہے تو مجھے چھوڑ دو، میں کسی اور جگہ چلا جاؤں گا۔)

قیس بن الاشعث نے کہا کہ تم ابن زیاد کی اطاعت کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ میں ذلیل و خوار ہو کر اس کی اطاعت نہیں کروں گا اور نہ ہی اس کی غلامی کا پرہ اپنی گردن میں ڈالوں گا۔ میں اللہ تعالیٰ سے ہر اس متکبر و مغرور (کہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا) کے مقابلہ میں پناہ مانگتا ہوں جو سب انسانوں کا رب ہے۔ اس قدر فرما کر آپ واپس آ گئے۔

اس کے بعد حضرت زہیر بن القین لشکر اعداء کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو آخرت سے ڈرایا اور حضرت امام عالی مقام کے فضل و شرف سے آگاہ کرنے کی کوشش کی مگر اشقیاء کو بدبختی نے اندھا کر دیا تھا اس لئے کوئی بات نہ بن سکی۔

بالآخر جب حملہ کی تیاری مکمل ہو گئی تو عمرو حر بن یزید کا حسن انتخاب بن سعد کی فوج کے ایک دستہ کا سالار حر بن یزید اس کے پاس گیا اور پوچھا کہ کیا اب جنگ کی جاتے گی؟ عمرو نے جواب دیا کہ ہاں! اس کا ادنیٰ درجہ سردوں کا کٹنا اور بازوؤں کا جسم سے الگ ہونا ہے۔ عمرو نے پوچھا: امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو درخواست کی ہے کیا وہ قابل قبول نہیں؟ عمرو نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میرا اختیار ہوتا تو میں ضرور قبول کر لیتا مگر کیا کروں کہ تمہارا امیر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوئی بات ماننے کو تیار نہیں؟ عمرو نے اپنے گھوڑے کو آہستہ آہستہ حضرت امام عالی مقام کے لشکر کی طرف بڑھانے لگے، مگر ان کی حالت بڑی غمیر تھی۔ ان کے قبیلہ کے ایک آدمی مہاجر بن اوس نے حر کی اس حالت پر تعجب کرتے ہوئے کہا: حر تیری کٹاؤں سے کیا کر رہا ہے؟ عمرو نے جواب دیا کہ: ”جنت و دوزخ کے درمیان کھڑے ہو کر انتخاب کر رہا ہوں کہ جہنم میں گر جاؤں کہ جنت کی طرف جاؤں؟“ پھر کہا، کوئی چاہے مجھے قتل کر دے یا جلا دے، میں تو جنت کو ترجیح دیتا ہوں یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جہنم زدوں میں سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی خدمت میں پہنچ گئے (زبے قسمت) خُرنے عرض کیا کہ اے ابنِ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے، میں وہی ہوں جس نے آپ کو رد کا تھا اور مجھے امید نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے اور آپ کی کوئی بات بھی نہیں مانیں گے۔ اب میں اپنی اُس لغزش کی معافی مانگنے کے لئے حاضر ہوا ہوں تاکہ میں آپ کے قدموں میں اپنی جان قربان کر دوں، کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ یہ توبہ قبول فرمائے گا اور تمہاری لغزشوں کو معاف فرمائے گا۔ اس کے بعد حضرت حر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکرِ اشقیاء کی طرف گئے اور ان کو مخاطب کر کے لعن طعن کیا اور کہا اے بد بختو! کیا حضرت امام عالی مقام کو اے مقصد کے لئے تم نے دعوت دی تھی۔ عجب بات ہے کہ فرات کے پانی سے یہود و نصاریٰ، مجوسی، کتے بے سُر تو سیراب ہو رہے ہیں، مگر ساتھی کوثر شفیعِ محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیارا نواسہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایک ایک بوند پانی کو ترسے۔ اگر تم اپنے اس فعلِ بد سے باز نہ آؤ گے تو روزِ محشر اللہ تعالیٰ تمہیں بھی سیراب نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ثر عطا نہیں فرمائے گا۔ لشکرِ اشقیاء نے جواب دینے کی بجائے تیر برسانے شروع کر دیئے اور حضرت حر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آ گئے۔ اس کے بعد عمر بن سعد آگے بڑھا اور کمان سے تیر جوڑ کر حضرت

## آغازِ جنگ

امام حسین علیہ السلام کی طرف چلا کر بولا: لوگو! گواہ رہنا سب سے پہلے تیر میں نے ہی چلا یا ہے۔ یہ سن کر لشکرِ یزید نے بارش کی طرح تیروں کی ایک بارِ لشکرِ امام عالی مقام

لے یہ سیاہ رو، سیاہ باطن عمرو بن سعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ناخلف بیٹا ہے۔ کل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں سے اول مشرکین کی طرف تیر چلا رہے تھے اور اللہ کے رسول ان کو شاباش دیتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے: اَوْفِیْ یَا سَعْدُ فَاِنَّکَ اَوَّلُیْ وَآخِرُیْ۔ ہاں اے سعد! تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی ملا خطہ ہو کہ آج اسی سعد کا بد بخت بیٹا اُسی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ پر سب سے پہلا تیر چلا رہا ہے۔ ۱۲ منہ



کی طرف پھلاتی۔ اس کے بعد لشکرِ اشقیار سے ابن زیاد کا غلام سالم اور ابن زیاد کے باپ کا غلام یسار میدان میں آتے۔ ان کے مقابل لشکرِ امامِ عالی مقام سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان میں آتے۔ یہ اپنی بیوی کے ساتھ کوفہ سے خدمتِ امامِ عالی مقام میں حاضر ہوئے تھے۔ سالم و یسار نے ان کا نام پوچھا۔ عبداللہ نے بتایا تو وہ دونوں بولے: ہمارے مقابلہ پر زبیر بن العقیں یا حبیب بن مہر یا بریر بن خضیر جیسے لوگوں کو آنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ نے نہایت غصہ میں فرمایا: ”او بدکار حرامی بچے! کیا تو اس قابل ہے کہ تو ان عظیم لوگوں کی تلوار سے قتل ہو؟ تیرے جسم و جان کا فیصلہ کرنے کے لئے میری ہی تلوار کافی ہے“ یہ کہتے ہوئے یسار پر ایسے نپے تلے انداز میں وار کیا کہ اُس بد بخت کے ناپاک جسم کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ساتھی کو داخلِ جہنم ہوتا دیکھ کر سالم آگے بڑھا اور تلوار چلاتی۔ حضرت عبداللہ نے اس کے وار کو روکا تو اُن کی باتیں ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ دوسرے ہی لمحے حضرت عبداللہ کی غضب ناک تلوار نے سالم کی زندگی کا فیصلہ کر دیا۔

حضرت عبداللہ کی بیوی حضرت امّ وہب اس منظر کو کھڑی

**امّ وہب میدان میں دیکھ رہی تھی۔** جب انہوں نے خاوند کے ہاتھ کو کٹا ہوا دیکھا تو بے تاب ہو کر خمیے کی لکڑی اٹھائی اور یہ کہتی ہوئی میدان کی طرف دوڑیں۔ میرے ماں باپ تم پر خدا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نواسوں کے لئے لڑتے لڑتے اپنے آپ کو قربان کر دو۔ حضرت عبداللہ نے اپنی بیوی کو میدانِ جنگ سے واپس جانے کے لئے فرمایا تو وہ بولیں: نہیں نہیں، میں واپس نہیں جاؤں گی جب تک میری زندگی ہے میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی، تمہارے ساتھ ہی جنت میں جاؤں گی۔ امامِ عالی مقام علیہ السلام نے امّ وہب کو میدان میں دیکھا تو فرمایا اے امّ وہب!

اے بعدن روایات کے مطابق ان کا اسم گرامی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے، واپس آجاؤ، عورتوں پر جہاد نہیں ہے۔ یہ حکم شاہی سن کر امروہب کوٹ آئیں۔ عمرو بن الحجاج نے لشکرِ اشقیاء کے گھڑ سوار دستے کو حملے کا حکم دیا تو وہ نیزے تانے میدان میں نکلے، امام عالی مقام کے ساتھیوں نے ان اشقیاء کا تیروں سے ایسا استقبال کیا کہ ان میں سے کئی ایک تو جہنم رسید ہو گئے اور کچھ زخمی ہو کر پسپا ہو گئے اور یوں عمرو بن الحجاج کا حملہ ناکام ہو گیا۔

ابن جوزہ کا عبرتناک انجام امام عالی مقام کی طرف آیا اور دریافت کیا: اَفِيكُمْ الْحُسَيْنُ۔ ”کیا تمہارے اندر حسین ہیں؟“ کسی نے اُس کو جواب نہ دیا۔ اُس نے دوبارہ یہ پوچھا، مگر جواب نہ ملا، تو قیسری مرتبہ بھی اُس نے یہی سوال کیا تو کسی نے جواب دیا کہ ہاں تشریف رکھتے ہیں، تجھے کیا کام ہے؟“ تو وہ بولا: اے حسین! تجھے آتشِ جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔“ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) آپ نے جواباً فرمایا: ”تو جھوٹا ہے میں تو اپنے رحیم و کریم پروردگار کے حضور حاضر ہونے والا ہوں۔“ پوچھا: ”تم کون ہو؟“ اُس نے کہا: ”ابنِ جوزہ۔“ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے دُعا نکلی کہ اَللّٰهُمَّ خُذْهُ اِلَى النَّارِ۔ ”اے اللہ تعالیٰ! اسے آگ کے سپرد فرما۔“ یہ سن کر اُس نے طیش سے گھوڑا دوڑایا۔ گھوڑا اُچھا اتوا ابنِ جوزہ سر کے بل زمین پر گرا، البتہ اُس کا ایک پاؤں رکاب میں اٹکا ہوا رہ گیا، جیسے جیسے گھوڑا دوڑتا جاتا تھا، سنگلاخِ زمین سے ٹکراتا ٹکراتا اس سیاہ بخت کے سر کے پرچے اڑتے جاتے تھے۔ ایک ساعت کے اندر انداس کی لاش گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ مسروق بن وائل جو حضرت امام عالی مقام کو شہید کرنے کی غرض سے ابنِ جوزہ کے ساتھ آگے بڑھا تھا، اس عبرتناک انجام کو دیکھ کر یہ کہتا ہوا واپس پلٹ گیا کہ ”میں اس خاندان سے نہیں لڑوں گا کہ جس کی بددعا میں اتنا زبردست اثر ہے۔“

عبدالقیس کا حلیف یزید بن مقعل الشمری اشقیاء  
سے لڑتا ہوا باہر نکلا۔ اس کے مقابل

میں سید القراء حضرت بریر بن خضیر ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے۔ یزید بن مقل نے  
حضرت بریر سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوست بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ حضرت بریر  
فرمایا تو جھوٹا ہے۔ یزید بن مقل نے کہا کہ تو جھوٹا اور گمراہ ہے۔ حضرت بریر رضی اللہ تعالیٰ  
نے فرمایا: ”ٹھیک ہے ہم میں جو جھوٹا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور وہ سچے  
کے ہاتھوں قتل ہو۔ یزید یہ سن کر تلوار لے کر حضرت بریر پر چھٹا، مگر وار خالی گیا۔ مگر  
اُس نے دوبارہ نیزے کا وار کر دیا۔ حضرت بریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال ہنرمندی سے  
بچتے ہوئے جو تلوار چلائی تو وہ یزید بن مقل کی گود کو کاٹتی ہوئی اُس کا بھیجا چاٹ گئی۔  
بریر ابھی تلوار نکالنے نہ پائے تھے کہ رضی بن منافذ عبدی نے حملہ کر دیا۔ حضرت  
بریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے بازوؤں میں لے کر زمین پر پڑھ دیا۔ قریب تھا کہ  
حضرت بریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خنجر رضی بن منافذ عبدی کو ہمیشہ کی نیند سلا دیتا کہ  
کعب بن جابر ازدی نے حضرت بریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پشت انور پر نیزہ مار دیا  
حضرت بریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخم کے صدمہ سے بے تاب ہو کر اٹھے تو کعب بن جابر نے  
تلوار مار کر آپ کو شہید کر دیا۔ کعب کی بیوی کو اس بات کی خبر ہوئی تو اُس نیک بخت  
نے یہ کہتے ہوئے کعب سے ہمیشہ کے لئے علیحدگی اختیار کر لی کہ میں تجھ جیسے ملعون  
کے ساتھ نہیں رہ سکتی، جو فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تحت جگر سے لڑنے  
کے لئے نکلا اور جس نے سید القراء حضرت بریر بن خضیر ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کو شہید کر دیا۔

ابن خضیر کے بعد حضرت عمر بن قمرہؓ میں

عمر بن قرطہ کی شہادت

س کے بعد عمرو بن قزظہ کا بھائی جو کہ لشکرِ اشقیاء میں شامل تھا، امام عالی مقام کو  
الیاں بکتا ہوا میدان میں نکلا، حضرت نافع بن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیزہ تھام کر  
س کے استقبال کے لئے آگے بڑھے اور لپک کر اس کے نیزہ مار دیا۔ زخم کھاکڑھ  
را، پھر اس کے سامنے یورش کر کے اُسے اٹھالے گئے۔

حزبنِ یزید کی میدان میں آمد مذکورہ بالا صورتِ حال دیکھ کر حضرت حُزبنِ یزید  
امام عالی مقام علیہ السلام سے اجازت لے کر  
میدان میں اُترے اور لشکرِ اشقیاء کو للکار کر مقابلہ کے لئے بلایا۔ ان کے مقابلہ پر یزید بن  
سفیان آیا، حضرت حُر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے ہی وار میں اس کا وارنیا کر دیا۔  
دوسری طرف سے حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ پر لشکرِ اشقیاء سے مزاحم آیا  
رکتے ہی حضرت نافع نے اسے اگلے جہان ارسال کر دیا۔ لشکرِ اشقیاء ان نامور جوانوں  
لے مارے جانے پر ہم گیا اور کوئی بھی تنہا مقابلہ پر آنے کو تیار نہ تھا، عمرو بن الحجاج حضرت  
امام عالی مقام کی شان میں گستاخی کرنے ہوئے لشکرِ اشقیاء کو مقابلہ پر ابھارا اور کہا  
کہ یوں تنہا ایک ایک کر کے نہ جاؤ، بلکہ مجموعی قوت سے حملہ کرو۔ عمرو بن سعد نے اس  
کی اس رائے سے اتفاق کیا، چنانچہ عمرو بن الحجاج نے جانبِ فرات سے حملہ کر دیا۔  
حضرت مسلم بن عوسجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقابلہ کے لئے نکلے، خوب جوہر مردانگی دکھائے۔ آپ کی  
خون آشام تلوار نے بہت سے اشقیاء کی زندگی کا پتہ کاٹا۔ بالآخر لشکرِ اشقیاء نے  
عمرو بن سعد کے بھڑکانے سے آپ پر اجتماعی اور بھڑپور حملہ کر دیا۔ آپ شدید زخمی ہو کر گئے  
اور حضرت عبید بن ہطیر کو امام عالی مقام پر جان قربان کرنے کی وصیت کر کے واصلِ بحق ہو گئے۔  
لشکرِ اشقیاء سے شمر لعین اپنے زیرِ کمان دستہ کو لڑا رہا تھا۔ حضرت امام عالی مقام کے سپاہی  
آپ بڑے شجاع مرتھے، جنگِ آذربائیجان میں آپ نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ آپ نے حضرت  
علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چند مرتبہ قرآنِ کریم پڑھا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ آپ کو اپنا بھائی فرمایا  
کرتے تھے۔ ۱۲ منہ

اگرچہ تعداد میں صرف بتیس سوار تھے، مگر جی توڑ کر جان بازی کے جوہر دکھا رہے تھے، وہ جس طرف جاتے لشکرِ اشقیاء میں بھگدڑ مچ جاتی۔ عز رہ بن قیس نے اس صورتِ حال سے عمرو بن سعد کو آگاہ کیا، تو اُس نے حصین بن نمیر کو کافی تیراندازوں کا کمانڈر کو حکم دیا کہ تم حملہ کر دو۔ حصین بن نمیر پانچ سو تیراندازوں کے ہمراہ حملہ آور ہو گیا۔ شدید تیراندازی کی وجہ سے لشکرِ امامِ عالی مقام علیہ السلام کے سارے گھوڑے زخمی ہو کر بے کار ہو گئے اور لوگوں سارے ہمراہی پابیاہ ہو گئے۔ حضرت حر کا گھوڑا بھی اسی واقعہ میں مر گیا، وہ بھی پابیاہ ہو کر لڑنے لگے۔

لشکرِ اشقیاء زبردست عدوی کثرت کے باوجود  
**حُصینی خیموں پر ناکام حملہ**  
 ان پاک باز جان بازوں کے حملے کا جواب نہ دے سکتا تھا۔ لشکرِ امامِ عالی مقام میں جوش اور اشقیاء میں مایوسی لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی کہ عمرو بن سعد نے خیموں پر حملہ کا حکم دے دیا۔ جو تہی فوج کا دستہ اہل بیت اطہار کے خیموں کی طرف بڑھا، حضرت امامِ عالی مقام کے سپاہی اُن پر عقاب کی طرح چھپے اور جان بازی کے لیے جوہر دکھاتے کہ لشکرِ اشقیاء کئی بد بختوں کی لاشوں کو میدان میں چھوڑ کر بڑی طرح پسپا ہو گیا۔ تب عمرو بن سعد نے حکم دیا کہ دُور سے ہی خیموں پر آگ برسا دو۔ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ڈانٹ کر فرمایا: ”تم لوگ مجھ سے لڑتے ہو تو لڑو، خیموں میں عورتوں اور بچوں کے سوا کوئی نہیں، یہ ظلم نہ کرو۔“ اس ڈانٹ پر عمرو بن سعد تو خاموش ہو گیا شمشیر بولا: مجھے جہنم کی آگ جلاتے، اگر میں ان خیموں کو نہ جلاؤں۔“ اُس کے بعض ساتھیوں نے اسے روکنا چاہا، مگر اُس کی بد بختی نے اسے رکنے نہ دیا، وہ اپنے زیرِ کمان دستہ کے ساتھ خیموں پر حملہ آور ہو گیا۔ چونکہ اُس کی جہنم میں جلنے کی دعا اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت سے نواز دیا تھا، اس لئے حضرت زہیر بن القین صرف دس آدمیوں کے ہمراہ اس کے مقابلہ پر نکلے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان شیروں نے



شمر لعین کی فوج کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ بہت سے سیاہ بخت تو ان کی تلواروں کی لذت چکھ کر اسی وقت جہنم میں چلے گئے، باقی اپنا وقت پورا کرنے کے لئے واپس لوٹ گئے اور خیمے آتش زنی سے محفوظ و مامون رہے۔

اسی دوران نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ حضرت ابو ثمامہ صاعی نماز کی اہمیت نے خدمت امام عالی مقام میں عرض کیا کہ حضور! میں دیکھ رہا ہوں کہ شاید اب ہم چند گھڑیوں کے مہمان ہیں جی چاہتا ہے کہ ہم اپنے رب کے اس حال میں ملیں کہ نماز پڑھ چکے ہوں! حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے ان کو دعا دے کر ارشاد فرمایا کہ ہاں ظہر کا اول وقت ہو گیا ہے۔ ان (عمر واد شمر) کو کہو کہ غھوڑی دیر جنگ کو ملتوی کر دو تاکہ ہم نماز ادا کر لیں، چنانچہ حضرت ابو ثمامہ یا کسی اور صاحب نے لشکرِ اشقیاء کے سامنے یہ درخواست کی، تو حصین بن نمیر بولا: ”یہ نماز قبول نہیں کی جائے گی“ حضرت حبیب بن ماطر نے ترش رو ہو کر فرمایا: ”اد دنیا کے کتے! تو کیا سمجھتا ہے کہ تیری نماز تو قبول ہوگی، مگر اہل بیت اطہار کی قبول نہ ہوگی۔“

مذکورہ جملہ سے متاثر ہو کر حصین بن نمیر نے اشتعال میں آکر گھوڑا دوڑا کر حضرت حبیب بن ماطر پر حملہ کر دیا۔ حضرت حبیب نے پک کر تلوار چلائی، تو گھوڑے کے منہ پر پڑی، گھوڑا الٹ گیا اور حصین بن نمیر اوندھے منہ زمین پر گرا، اس کے سپاہیوں نے اسے یورش کر کے اٹھالیا اور حضرت حبیب پر حملہ آور ہو گئے۔ آپ نے اپنے مقابل بدیل بن حریم نامی مشہور جنگجو کو قتل کیا۔ اسی دوران کسی شقی نے ان کی پشت پر نیزہ دے مارا۔ ابھی آپ سنبھلنے بھی نہ پاتے تھے کہ حصین بن نمیر لعین کی تلوار نے آپ کو جامِ شہادت پلا دیا۔

حضرت حبیب کی شہادت سے حضرت امام رضاؑ کی شہادت عالی مقام کو بہت صدمہ ہوا، بنفس نفیس

میدان میں آنا چاہتے تھے، مگر حضرت حر اور حضرت زبیر بن القین نے روک دیا کہ ابھی ہم جو فدا ہونے کو تیار ہیں، یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ آپ کو زحمت دیں جو حضرت امام عالی مقام نے ان کی مخلصانہ اور نیا زندانہ گذارش کو قبول فرمایا اور ان کو اجازت جنگ دے دی۔ حضرت حر اور زبیر بن القین نے مشترکہ طور پر لشکرِ اشقیاء پر حملہ کر دیا۔ چونکہ یہ دونوں نہایت ہی بہادر، جنگجو اور ماہر جنگ کے سارے داؤ پیچ جانتے تھے اس لئے انہوں نے لشکرِ اشقیاء کا ناک میں دم کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں لشکرِ اشقیاء کے کئی نامی گرامی سردار کٹ گئے، گویا یہ ایک موت تھی جو منہ کھولے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

صلوۃ الخوف کی ادائیگی عین دورانِ جنگ حضرت امام عالی مقام اور آپ کے ہمراہیوں نے صلوۃ الخوف ادا فرمائی

اور پھر لڑنے لگے۔ حضرت حر اور حضرت زبیر لڑتے بھڑتے لشکرِ اشقیاء میں دوڑتے اندر چلے گئے۔ کثیر بن عبد اللہ شعبی اور مہاجر بن اوس نے پشت کی جانب سے حملہ کر کے حضرت زبیر کو شہید کر دیا، اور اسی طرح حضرت حر بھی لشکرِ اشقیاء کے گھیرے میں آ گئے اور مرتبہ شہادت پا گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

اسی طرح ایک ایک دو دو کر کے حضرت اعوان انصار بسوئے جنت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سارے اعوان انصار کہ جن کی تعداد بہتر کے قریب تھی، مرتبہ شہادت پا گئے۔ تو اب اہل بیت اطہار کی باری آگئی۔

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کی شہادت غرض جب سارے اعوان و انصار شہید ہو گئے تو حضرت سیدنا علی اکبر

لے بعض کتب میں ہے کہ حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تمام شہزادوں کے بعد ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ابن الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہا امام عالی مقام کی اجازت سے میدان میں تشریف لائے اور تلوار ہاشمی کے جوہر دکھانے لگے۔ شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے اس نامور دلہند نے لشکرِ اشقیار کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ ان کی تیغ آبدار کئی اشقیاء کا خون چاٹ چکی تو مرہ بن منقذ عبدی نے دھوکے سے پشت انور کی جانب نیزے سے وار کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چکر اکر گر پڑے، بہت سے یزیدی سپاہی دوڑے اور امام عالی مقام علیہ السلام کے پیاسے شہزادے کو جامِ شہادت سے سرفراز کر دیا۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دوسرے شہزادوں کی معیت میں تلواریں لیکر نعشِ اطہر پہنچے اور اشقیار کو دُور ہٹا کر حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لاشہ اٹھا لائے اور خیمہ کے سامنے زمین پر لٹا دیا۔ ابن خلدون کے مطابق آل ابی طالب میں سب سے پہلے شہید آپ ہی ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھا، جبکہ دوسری روایت کے آل ابی طالب میں سے سب سے اول شہید حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے  
**حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل** شہزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 حضرت امام عالی مقام علیہ السلام سے اجازتِ مبارزت لے کر میدانِ کارزار میں تشریف لائے، تو ان کے مقابلہ کے لئے قدامہ بن اسد فراری آگے بڑھا۔ قدامہ نبردِ آزاد و فتونِ حرب میں ماہر تھا۔ وہ کچھ دیر تک تو شہزادہ صاحب کے ساتھ جھڑپیں کرتا رہا۔ بالآخر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے وار کو روکرتے ہوئے تلوار کا ایسا بھروپڑا تھا کہ قدامہ کا ہسم ڈولخت ہو گیا۔ ایک بہادر سوار کو یوں کٹا دیکھ کر کسی میں ہمت نہ تھی کہ انفرادی طور پر سامنے آتا، اس لئے انہوں نے اجتماعی حملہ کر دیا۔ جداءِ مشقی نے آپ پر عقب سے تلوار کا حملہ کیا۔ نوفل بن مزاحم اور عمرو بن صبیح نے نیزے

کا وار کیا، جس سے آپ فردوس بریں کی جانب رحلت فرما گئے۔

حضرت جعفر بن عقیل (رضی اللہ عنہ) ان کے بعد حضرت جعفر بن عقیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کئی یزیدیوں کی زندگی کا فیصلہ کرتے ہوئے عبداللہ بن عزرہ خثعمی کے تیرے ہجام شہادت نوش فرما گئے۔

حضرت عبدالرحمن بن عقیل (رضی اللہ عنہ) حضرت جعفر کے بعد ان کے بھائی حضرت عبدالرحمن بن عقیل (رضی اللہ عنہ) میدان صبر رضا کے شہسوار بن کر نکلے، اور جو ہر ہاشمی دکھانے کے بعد بھائی کے قاتل عبداللہ خثعمی کے تیرے مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

پسرانِ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا حضرت سیدہ زینب بنت سیدنا علی المرتضیٰ عبداللہ بن جعفر طیار (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے ہوئی تھی۔ ان کے دو شہزادے حضرت عون و محمد (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) راستہ میں حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے ساتھ شریک سفر ہوئے تھے (جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے) اولادِ عقیل کے بعد حضرت امام عالی مقام (یعنی ماموں جان ہکی) اجازت سے یہ دونوں شہزادے میدان میں تشریف لائے اور میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے مرتبہ شہادت پا گئے۔ مورخین کے مطابق حضرت عون کا قاتل عبداللہ بن قطبۃ الطائی، جبکہ حضرت محمد کا قاتل عامر بن نہیش تھا۔

حضرت امام عالی مقام علیہ السلام خاندانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ و السلام کے لاشے اکٹھے گئے لاشے کے لاشے ایک ہی جگہ خیموں کے سامنے جمع فرماتے رہے۔ بھانجوں کی جاں نشاری کے بعد اب بھتیجیوں کی باری آگئی۔

چچا محترم یعنی امام عالی مقام علیہ السلام  
 عبداللہ بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت لے کر حضرت عبداللہ بن حسن  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ میں جلوہ گر ہو گئے۔ خاندان نبوت کے اس شیر کے مقابلہ  
 میں ابن سعد نے بختری بن عمرو کو پانچ صد سواروں کے ساتھ بھیجا۔ حضرت امام عالی مقام  
 اس حال کو دیکھا تو فوراً حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام پیروزان، حضرت محمد  
 ناس اور حضرت اسد بن دجانہ کو شہزادہ عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی معاونت میں  
 بھیج دیا۔ ان جوان مردوں نے لشکرِ اشقیاء میں گویا صفِ ماتم بچھا دی۔ یہ چاروں  
 فراد جس طرف بھی رخ کرتے، موت کا مہیب دیوان کے ساتھ ہوتا اور وہ دھڑا دھڑ  
 لشکرِ اشقیاء کو نکلنا چلا جاتا۔ آخر کار پوری فوج نے تیروں، تلواروں اور نیزوں کا مینہ  
 برسا دیا اور شہسوارانِ میدانِ کربلا حاملانِ صبر و رضا کو جامِ شہادت پلا دیا۔

حضرت قاسم بن امام حسن علیہما السلام ایک بھائی کو شہادت کا جام پیتے اور  
 بھائی حضرت قاسم بن امام حسن مجتبیٰ علیہما السلام آگے بڑھے اور اصرار کر کے امام عالی مقام  
 سے اجازت جنگ لی۔ میدانِ حرب میں پہنچ کر حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تعارف  
 پیش فرمایا اور مبارزت طلب کی۔ ابن سعد نے مشہور پہلوانِ ارزق کو مقابلہ کا حکم دیا لیکن  
 ارزق نے حضرت قاسم کے مقابلہ میں نکلنا اپنی توہین سمجھا اور کہا کہ ایک بچے کے مقابلہ  
 پر میرے جیسا نامور بہادر نہیں جایا کرتا۔ میرے چار بیٹے موجود ہیں، ان میں سے کوئی  
 بھی اس کا سر اتار لائے گا۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنے بڑے بیٹے کو مقابلہ کرنے کا اشارہ کیا  
 ارزق کا لڑکا بھوکے شیر کی طرح دھاڑتا ہوا گھوڑے کو دوڑاتا ہوا حضرت امام قاسم  
 کے سامنے آیا اور چاہا کہ اپنی نہایت قیمتی زہر آلود تلوار سے بھرپور وار کرنے لکے مگر حضرت  
 امام قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کے وار کو رد فرما کر ایسا جچا تل نیزہ مارا کہ وہ



بدبخت قلابازی کھا کر گھوڑے کی زین سے فرشِ زمین پر گر پڑا، تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ حضرت قاسم نے اُس کی تلوار کو اٹھالیا۔ بھائی کو خاکِ خون میں لوٹتا ہوا دیکھ کر ارزق کا دوسرا بیٹا بھی میدان میں کودا، لیکن حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اُٹھی ہوئی تلوار اس کا بھیجا بھی چاٹ گئی۔ یہ حال دیکھ کر ارزق کا تیسرا بیٹا انتقام میں اندھا ہو کر گر جتا ہوا میدان کی طرف بھاگا، لیکن حضرت امام قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان سے نکلے ہوئے تیر نے اُسے آگے بڑھنے کی اجازت ہی نہ دی۔ جب یہ تینوں واصلِ جہنم ہو گئے، تو اپنے جگر کے ٹکڑوں کو یوں کسٹے دیکھ کر ارزق مجسمہِ قہر و غضب بن گیا۔ وہ میدان میں نکلنا ہی چاہتا تھا کہ اُس کے چوتھے بیٹے نے اسے وکڑیا اور شانِ اہل بیت میں گستاخیاں بکتا ہوا آگے بڑھا، مگر مقدر کی بات ہے کہ یہ بھی بیت ہی جلد اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ گیا۔ ارزق کی زندگی بھر کی کمانی اُس کے سامنے نذرِ آتش ہو گئی تھی۔ اب اس میں تاب برداشت نہ رہی، وہ انتقام کی آگ میں جلتا ہوا حضرت امام قاسم کی جانب بڑھا۔ آپ کے ہاتھ میں ارزق کے بیٹے کی نہایت قیمتی اور زہراؤں تلوار تھی۔ حضرت امام قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جانتے تھے کہ ارزق نہایت ہوشیار اور تجربہ کار ماہرِ جنگجو ہے، اس کا مقابلہ کرنا آسان نہیں، اس لئے آپ نے ایک داؤ آزما تے ہوئے اُسے فرمایا: ”سنا تھا کہ تو بہت تجربہ کار جنگجو ہے، مگر حیران ہوں کہ تیرے گھوڑے کا تنگ نو (زین کے نیچے والی رسی) ڈھیل ہے کم از کم اسے تو کس لیتا۔“ وہ جھک کر نیچے دیکھنے لگا تو آپ نے بجلی کی سی تیزی سے اُس پر خونِ آشام تلوار کا ہاتھ مارا ارزق کی گردن اُس کے تن سے جدا ہو کر دوڑ جا گری۔ اس کے بعد ابنِ سعد لعین نے اجتماعی حملہ کا حکم دے دیا۔ چنانچہ چاروں طرف سے آپ پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ شیت نامی شقی کا نیزہ آپ کے جسمِ انور کے آر پار ہو گیا اور یوں آپ فردوسِ اعلیٰ کی طرف سدھارے۔

فرزندانِ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

کے شہزادوں کی باری آگئی کہ وہ بھی

یکے بعد دیگرے حُورانِ بہشتی کی گود میں پہنچ جائیں۔

تعالیٰ عنہما حضرت ابو بکر بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
حضرت ابو بکر بن علی رضی اللہ عنہ اپنے برادرِ ذی وقار حضرت امام عالی مقام  
کی اجازت سے میدانِ جنگ میں جلوہ گر ہوئے اور ضربِ حیدری کے جوہر دکھاتے  
ہوئے مرتبہ شہادت پلگئے۔

تعالیٰ عنہم حضرت ابو بکر بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے  
حضرت عمر بن علی رضی اللہ عنہ بعد حضرت عمر بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میدان  
میں اُترے اور انفرادی مقابلہ میں ناقابلِ شکست ہو کر گھمسان کی جنگ میں مرتبہ  
شہادت پر فائز ہوئے۔

تعالیٰ عنہما حضرت عمر بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد  
حضرت عثمان بن علی رضی اللہ عنہ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کی اجازت  
سے حضرت عثمان بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میدانِ کارزار میں تشریف لائے اور لشکرِ اشقیاء  
کو تیغِ ہاشمی کا مزا چکھاتے ہوئے یزیدِ باطلی کے نیزہ کی ضرب سے واصلِ بحق ہو گئے۔  
تعالیٰ عنہم ازاں بعد حضرت سیدنا علی المرتضیٰ  
حضرت عون، جعفر، عبد اللہ رضی اللہ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے  
دیگر شہزادے حضرت سیدنا عون، حضرت جعفر اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ  
عنہم یکے بعد دیگرے میدانِ حرب میں تشریف لائے اور فنِ سپہ گری کا لوہا  
منواتے ہوئے متعدد یزیدیوں کو موت کا مزا چکھایا، بالآخر شہادت کے دوہا  
بن کرتا رنخ و فایں نام پیدا کر گئے۔

تعالیٰ عنہا پے در پے صدمات نے اہل بیت اطہا  
**حضرت عباس بن علی رضی اللہ** کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پیاس کی شدت  
 سے حلق کاٹنا بن چکے تھے۔ شہیدانِ وفا کے لاشے خیموں کے سامنے پتی ہوئی ریت  
 پر خاک و خون میں غلطاں پڑے تھے۔ پسماندگانِ شدتِ غم سے نڈھال ہو چکے تھے۔ ڈر تھا  
 کہ غم و اندوہ اور پیاس کی شدت کہیں ان کے رُوح و بدن کا رشتہ ہی الگ نہ کر دے ایسی  
 ناگفتہ بہ حالت میں حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے برادرِ عزیز اور آپ علیہ السلام  
 کی سپاہِ مبارک کے علمدار حضرت سیدنا عباس بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حاضر  
 خدمت ہوئے اور فرات سے بچوں اور عورتوں کے لئے پانی لانے کی اجازت مانگی  
 امام عالی مقام نے فرمایا کہ اگرچہ اُن سے امید نہیں لیکن اتمامِ حجت کے لئے اجازت دیجئے  
 حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشکیزہ کا ندھے پر لٹکایا، ہاتھیں نیزہ تھا  
 اور گھوڑے پر سوار ہو کر فرات کی طرف چل پڑے، لشکرِ اشقیاء نے جو حضرت عباس کو فرات  
 کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا، تو نیزے اور تلواریں تھام کر سامنے کھڑے ہو گئے۔  
 حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے اہلِ کوفہ و شام!  
 ”کیا تم مسلمان نہیں ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہم مسلمان ہیں۔“ تو آپ نے فرمایا: ”کیا مسلمان  
 یہی ہے کہ تم نے اپنے نبی کی اہل بیت کو شہید کیا، اُن کے بچے اور عورتیں پیاس سے مر رہی  
 رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ کتے اور سور تو فرات کے پانی سے سیراب ہوں، مگر رسول اللہ صلی اللہ  
 تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان پر پانی بند کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، عورتوں اور  
 بچوں کے لئے کھوڑا سا پانی دے دو۔“ اس پر شمر لعین، شیبث بن ربعی، حجر بن الحجاز  
 نے چلا کر جواب دیا: ”اے عباس! جاؤ اپنے بھائی سے جا کر یہ کہہ دو کہ اگر نہرِ فرات اہل  
 آئے اور اُس کا پانی کناروں سے باہر آ جائے کہ پوری دنیا کی زمین اس سے سیراب  
 تب بھی ہم ایک قطرہ آب تمہیں دینے کو تیار نہیں ہیں، جب تک تم یزید کی بیعت قبول نہیں

لیتے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ظالمانہ جواب سنا تو غصہ میں لگے اور  
 تاج کی پرواہ کئے بغیر فرات کی طرف بڑھنے لگے۔ لشکرِ اشقیاء نے روکنا چاہا، مگر  
 آپ لڑتے بھڑتے نہر تک جا پہنچے اور مشکیزہ کو بھر کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ لشکرِ اشقیاء  
 میں شور مچ گیا کہ یہ پانی نہ لے جانے پائیں۔ چنانچہ سب نے ایک بھر لو چمک کر دیا۔  
 حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوب مردانہ وار مقابلہ کیا جو بھی سامنے آیا،  
 پک کر نہ جاسکا۔ نوفل لعین نے اچانک پس پشت سے داسے کندھے پر تلوار چلائی،  
 جس سے دایاں بازو کندھے سے کٹ گیا، آپ نے مشکیزہ کو فوراً بائیں کندھے پر  
 لٹکالیا۔ ایک شقی القلب سیاہ رُونے وار کیا، تو یہ ہاتھ بھی شانہ سے کٹ گیا۔  
 رب ذوالجلال کی بے شمار رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوا اُس پاکباز اور وفا شعار مہستی  
 پر کہ انہوں نے رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیزی کے ساتھ مشکیزہ کو دانتوں سے پکڑ لیا،  
 اور گھوڑے کو سر پٹ خیمہ کی طرف دوڑایا۔ از حد کوشش تھی کہ شہادت سے قبل  
 پانی خیموں تک پہنچ جائے۔ اسی اشار میں ایک دروازہ نے تاک کر البساتیر مارا کہ  
 مشکیزہ پھٹ گیا اور سارا پانی نگاہوں کے سامنے زمین پر بکھر گیا۔ آہ! ہ

قسمت کی کم نصیبی، ٹوٹی کہاں قسمت!

دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں بازو کٹ چکے تھے، جسمِ نازنین  
 تیروں، تلواروں اور نیزوں سے چھلنی تھا، لیکن پانی کو پیاسے بچوں اور خواتین  
 ذی وقار تک پہنچانے کا ایک جذبہ تھا کہ جس کے بل بوتے پر حضرت عباس علیہ السلام  
 آگے بڑھ رہے تھے، مگر مشکیزہ کیا پھٹا، جگر پھٹ گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 گھوڑے کی پشت پر زمین پر گر گئے۔ ظالموں نے چاروں طرف سے گھیرے ہیں  
 لے کر آپ کو شہید کر دیا۔ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام لاشِ مقدسہ پر پہنچے تو

دکھ بھرے لہجے میں یہ فرما رہے تھے: **الْآنَ انْكَسَرَ ظَهْرِي وَقَلَّتْ حِيلَتِي**۔  
 ”اب تو میری کمر ٹوٹ گئی ہے اور میرے اسباب ختم ہوتے جا رہے ہیں۔“  
 (رضی اللہ عنہ) گلستانِ زہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے مہکتے پھول اپنی سدا بہار  
**حضرت علی اصغر** خوشبو سے عالم و دنیا کو معطر فرماتے ہوئے عالم برزخ  
 کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، ایک ننھی سی کلی بنام علی اصغر امام عالی مقام کے  
 پر نور ہاتھوں میں تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی روح پر درخشاں شو سے اپنے ذہنی  
 قلب کو سکون دے رہے تھے کہ ایک بد بخت ترین لعین یزیدی حرمل بن کابل نے  
 تاک کر ایسا تیر مارا کہ وہ حلق علی اصغر کو چھیدا ہوا بازوئے امام حسین علیہ السلام میں  
 پیوست ہو گیا۔ چند لمحوں کے اندر اندر حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے  
 بھائیوں کے پاس فردوسِ اعلیٰ میں تشریف لے جا چکے تھے۔

اب آخر میں حضرت سیدنا امام حسین  
**سیدنا امام حسین علیہ السلام اپنے مقتل میں** رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہتھیار  
 زین تن فرمائے۔ اگرچہ حضرت سیدنا علی اوسط یعنی حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود  
 تھے مگر امام عالی مقام نے اپنے اس بیمار لختِ جگر کو میدان میں آنے سے سختی کے ساتھ روک  
 دیا اور فرمایا: اے لختِ جگر میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مستورات کے ساتھ بطور محرم نہ لگاؤ  
 معین تمہارا ہونا ضروری ہے نانا جان اور ابا جان کی امانتیں میں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔  
 پھر تقویٰ و طہارت، صبر و استقامت اور رضائے خداوندی کے سامنے سر جھکانے کی  
 تاکید فرمائی۔ خاندانِ نبوی کی ذی وقار مستورات اور خصوصاً سیدہ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا  
 اور اپنے اہل خانہ کو صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کی تاکید فرمائی اور  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک سنایا: **لَيْسَ مِنْكُمْ مَنْ شَرِبَ الْخُدُّودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوِ الْجَاهِلِيَّةِ**۔  
 (رواہ بخاری و مسلم عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ)



”وہ ہم میں سے نہیں ہے کہ جس نے اپنے رخسارے پیٹے (ما تم کیا) گمربیان  
پھاڑا اور جہانوں کی طرح چلا یا۔“

اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکرِ اشقیاء کی طرف متوجہ ہوئے اور بطور  
اتمامِ حجت اُن کو آخری مرتبہ پھر سمجھایا، اپنا تعارف کروایا، مگر ان سیاہ بختوں نے  
کچھ نہ سنا، ان کی آنکھوں پر جہالت اور بدنصیبی کا اندھا پڑھ چکا تھا۔ دُنیا کے لالچ نے  
اُن کے ذہن کو عقلِ سلیم سے بے بہرہ کر دیا تھا۔ اس لئے اُن اذلی بد بختوں نے آپ  
علیہ السلام پر حملہ کر دیا۔ مشہور جنگجو ماسر خرب تمیم بن ابی قحاطبہ کہ جس کو اپنے بازو کی  
قوت پر بڑا گھمنڈ تھا، تلوار تھامے امامِ عالی مقام کی طرف بڑھا اور پوری مہارت سے تلوار  
چلائی۔ حضرت امامِ عالی مقام نے خداداد فراست سے اُس کے وار کو رد کر کے جو تلوار  
چلائی، تو اُن واحد میں تمیم بن ابی قحاطبہ حتم رسید ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے یزید ابیطی  
ڈکارتا ہوا آیا وہ کہہ رہا تھا کہ سارے عراق و شام میں میرے مقابلہ کا کوئی جوانمرد نہیں  
میرے تلوار کی کاٹ سے زمانہ واقف ہے اب تمہیں میں مزا چکھانا ہوں۔ یہ لاف زنی  
کرتا ہوا وہ آگے بڑھا۔ ایک دم جھڑپ کے بعد ہی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
اُسے بھی موت کا مزا چکھا دیا۔ پھر بدر بن کاہل کا بیٹا نیزہ لہراتا ہوا آگے بڑھا۔ امام  
عالی مقام نے اسے بھی بہت جلد جہنم رسید فرما دیا۔ بیٹے کے سر کو تن سے جدا ہوتے دیکھ کر  
بدر بن کاہل غصہ میں چیختا چلا تا گھوڑے کو اندھا دھند دوڑاتا اور امامِ عالی مقام کو  
گالیاں بکتا ہوا میدان میں نکلا، مگر کاتبِ ازل نے اسے زیادہ دیر تک کہنے نہ دیا بلکہ  
امامِ عالی مقام علیہ السلام کی تلوار نے اس کے راستہ کی تمام روکاؤں کو دودھ کر دیا اور  
وہ بھی سیدھا جہنم میں جا پہنچا۔ اس کے بعد کسی کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوتی تھی۔  
اسی اثناء میں لعینِ اذلی شمر بد بخت نے اپنے لشکر کے ساتھ امامِ عالی مقام علیہ السلام  
کے خیموں پر حملہ کر دیا۔ امامِ ائمہ کی مقامِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چلا کر فرمایا کہ تف ہے تم پر

اگر تمہارے اندر دینداری اور خوفِ آخرت نہیں ہے، تو کم از کم شرافت کو کیوں چھوڑ دیتے ہو؟  
 خیموں میں میرے اہل و عیال ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ! میرے اہل و عیال کو ان کی بیہودگی  
 سے بچا۔ جب لشکرِ اشقیاء کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا، تو آپ علیہ السلام تلوار کھینچ کر  
 عقاب کی طرح ان پر چھپے۔ یہ تعداد میں تقریباً دس آدمی تھے، جن میں شمر لعین،  
 سنان بن انس، خولی بن یزید، عبدالرحمن جعفی، قثم بن زید، صالح بن حبیب، یزید  
 وغیرہ شامل تھے، ان میں سے کوئی بھی امامِ عالی مقام علیہ السلام کے مقابلہ میں تنہا نہیں  
 آنا چاہتا تھا۔ یہ اجتماعی طور پر آپ کو گھیرے میں لینے لگے۔ دوسرے لشکری بھی ان کے  
 معاون بن گئے۔ امامِ عالی مقام جس طرف بھی حملہ کرتے، یہ ایک دوسرے پر منہ کے بل گرتے  
 پڑتے بھاگ کھڑے ہوتے۔ خیموں کے قریب شور سُن کر سیدہ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا  
 باہر نکلیں اور فرمایا: کاش! آسمان زمین پر ٹوٹ پڑتا۔ امامِ عالی مقام علیہ السلام نے  
 ذی وقار ہمشیرہ محترمہ کو خیمہ میں واپس جانے کا حکم دیا اور خود تنہا لشکرِ اشقیاء کو دھکیل کر  
 خیموں سے دور لے گئے۔ رئیس المورخین علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبری علیہ الرحمہ نے  
 اپنی مشہور زمانہ تصنیف "تاریخ الامم والملوک" جلد چہارم میں ابن زیاد کے لشکری  
 عبداللہ بن عمار کا ایک جملہ نقل فرمایا، جو امامِ عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری کا  
 منہ بولتا ثبوت ہے۔ مناسب ہے کہ اُن ہی کے الفاظ میں وہ جملہ یہاں نقل کر دوں  
 فواللہ ما رأیت مکسوراً قط قد قتل ولده و اهل بيته و  
 اصحابه اربطاً جاشاً ولا امضى جناحاً منه ولا اجولاً مقدماً  
 قالہ ما رأیت قبلہ ولا بعدہ مثله ان کانت الرجال لتکشف  
 من عن یمینہ و شمالہ انکشاف المعنای اذا شد فیہ الذی  
 (طبری جلد ۴، ص ۳۲۵)

"مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے ایسا بہادر کبھی نہیں دیکھا کہ جو ظاہر اٹوٹ پھوٹ

چکا ہو (یعنی سخت ذہنی دباؤ کا شکار ہو) جس کی اولاد جس کے اہل خانہ جس کے سارے  
یار دوست (اُس کی آنکھوں کے سامنے) قتل ہو چکے ہوں، وہ اس قدر خجرات و بہادری  
اور دلیری کے ساتھ لڑے کہ جس طرح میں نے اُن (یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ)  
کو لڑتے دیکھا، ایسا بہادر نہ کبھی پہلے دیکھا ہے نہ بعد میں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ جس  
طرف بھی رخ فرماتے، لشکر اس طرح سے چھٹ جاتا کہ جیسے طاقتور بھیڑیے کے حملے سے  
بھیڑیاں بھاگ جاتی ہیں۔“

ایسے کیوں نہ ہوتا کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی رگوں میں حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کا خون تھا، ان کی پرورش ستیہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں ہوتی اور ان  
کے شکم اطہر میں مصطفیٰ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا لعاب ہے اور شیر بتول تھا۔  
سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

## قدم ان چوئے شہادت برہم کہ کمال سرگرمی سے لڑ رہے تھے

وہ شیروں کی طرح سواروں پر چھپے اور پیادوں کی صفوں کو تہہ و بالا کر دیتے اور بڑے  
بڑے سوراخوں کو ڈھیر کر کے رکھ دیتے۔ آپ بار بار یہ فرماتے جا رہے تھے:  
ترجمہ: کیا تم لوگ میرے ہی قتل کے لئے جمع ہوئے ہو؟ اللہ تعالیٰ کی قسم!  
میرے قتل سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہو گا۔ مجھے یقین کامل ہے کہ میرے قتل سے  
تمہارا سکون برباد ہو جائے گا اور تم سے اللہ تعالیٰ ایسا بدلہ لے گا کہ جس کا تم  
تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم لوگوں نے مجھے قتل کر دیا تو تم میں،  
خون ریزی کا دروانہ کھل جائے گا اور تم پر اللہ تبارک تعالیٰ کا عذاب نازل ہو گا۔  
تم لوگ ناحق اپنے ہاتھوں کو میرے خون سے نہ رنگو۔ دیکھو! میں بے گناہ ہوں  
میرا قتل تمہیں ہرگز جانتہ نہیں ہے۔“

امام عالی مقام علیہ السلام کی اس گفتگو کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا

البتہ کل لشکری آپ کے قتل سے جی چراتے تھے۔ ہر شخص یہ ہی چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا ہی ان کو شہید کر دے تاکہ یہ گناہ عظیم وہ اپنے سر نہ لے۔ شمر لعین لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر چلا آیا کہ ”تمہاری مائیں مرجائیں تم ایک پیادے کو نہیں مار سکتے، قتل ہے تمہاری مردانگی پر“ اگر تم لوگ ایک ایک کنکر پھینکو تو حسینؑ اس کے نیچے دب کر مرجائیں۔ دیکھو اپنے نام اور خاندان کو رسوا نہ کرو، بہادر بنو، آگے بڑھو اور بھاری رگی حملہ کر دو۔“

شمر لعین بے دین کی اس تقریر سے شیطانی لشکر میں ایک ولولہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ یزیدی پیادوں نے آپ علیہ السلام پر تلواروں سے، جبکہ سواروں نے نیزوں اور تبروں سے حملہ کر دیا۔ زر عہ بن شریک تمیمی نے لپک کر آپ کے باتیں بازو اور پھر کندھے پر تلوار چلائی۔ ابوالحنوف خبیث کا تیر آپ کی مقدس پیشانی پر لگا۔ ابھی آپ سنبھلنے نہ پائے تھے کہ سنان بن انس نخعی نے نیزہ مار دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ چکر اکر زمیں پر گر گئے۔ خولی بن یزید نے آگے بڑھ کر سر انور کو کاٹنا چاہا، لیکن اس پر عرشہ طاری ہو گیا اور سر مبارک کاٹنے کی ہمت نہ پڑی، اس پر سنان ابن انس نے خولی کو جھڑکا اور خود آگے بڑھا جبکہ دوسری روایت کے مطابق شمر لعین امام عالی مقام کے سینہ پر نور پر چڑھ بیٹھا اور اپنے ناپاک ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب نواسے کے سر انور کو جسم نازنین سے جدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُونَ ہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر انور خولی کو دے دیا گیا۔ سید الشہداء امام عالی مقام علیہ السلام کا میض مبارک بحر بن کعب نے، پیٹی قیس بن الاشعث نے، مبارک جوتے اسواری نے جبکہ تلوار بنی دارم کے ایک شخص نے لے لی۔ یہ واقعہ عظیمہ دشمن محترم الحرام

۱۱ھ یوم الجمعہ کا ہے۔

حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام

آسمانِ راسخ بود گر خوں ببارد بر زمیں کی شہادت پر انسان تو انسان ہی ہے

زمین و آسمان نے بھی خون کے آلسو بہاتے اور یہ بات اور اقی تاریخ سے ثابت ہے۔  
تاریخ الخلفاء میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ”حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سات دن تک اندھیرا سارا رہا، دیواروں پر دھوپ کا رنگ زرد پڑ گیا تھا اور بہت سے ستارے بھی ٹوٹے۔ آپ کی شہادت کے دن سورج کو گرہن لگ گیا تھا اور مسلسل چھ ماہ تک آسمان کے کنارے سُرخ رہے، بعد میں رفتہ رفتہ وہ سُرخ تو جاتی رہی البتہ افق کی سُرخی جس کو شفق کہتے ہیں آج تک موجود ہے۔ یہ سُرخ شہادتِ حبیبی علیہ السلام سے قبل موجود نہیں تھی اور یہ بھی مروی ہے کہ شہادتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دن بیت المقدس میں جو پتھر بھی اٹھایا جاتا، اس کے نیچے تازہ خون نکلتا تھا۔ عراقی فوج کے پاس جس قدر بھی سنبھ (زعفران کی طرح قیمتی گھاس) موجود تھا سارے کا سارا رکھ بن گیا۔ لشکرِ اشقیانے اپنے لئے اونٹ ذبح کیا، تو اس کا گوشت آگ کی طرح سُرخ ہو گیا۔ جب پکایا گیا تو اتنا شدید کڑوا تھا کہ مُنہ میں نہ رکھا جاسکا۔ ایک سیاہ بخت نے سب دُشتم کیا، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کی تو بحکمِ الہی آسمان سے ستارہ ٹوٹا اور وہ شخص اندھا ہو گیا۔“

(ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء، سرائی شہادتین اور صواعقِ محرقہ)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رواۃ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس

سے بیان کیا کہ وہ فرماتے ہیں: ”میں نے ایک دن دوپہر کے وقت خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کیا۔ دیکھا کہ آپ نہایت پریشان حال ہیں اور آپ پر اس طرح گرد و غبار پڑا ہوا ہے (گویا آپ سفر سے آتے ہوں) آپ کے دست مقدس میں ایک شیشی ہے جس میں خون بھرا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ



تعالیٰ علیہ اکم وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان جاتیں، آپ کے ہاتھ میں یہ کیا ہے؟  
 آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ حسین اور اس کے ہمراہیوں کا خون بہنے جسے  
 آج میں دن بھر جمع کرتا رہا ہوں۔ جب اس خواب کے دن کا حساب لگایا گیا تو وہ  
 امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا دن تھا اور وہی وقت تھا۔ تاریخ الخلفاء،  
 مشکوٰۃ، حضرت سلمیٰ کی روایت حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک  
 دن ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
 کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا کہ وہ رو رہی تھیں۔ میں نے اُن سے رونے کا سبب  
 پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا  
 کہ آپ کا سر انور اور ریش مبارک غبار آلود تھی (گویا طویل سفر سے آئے ہوں) میں نے  
 عرض کیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، میں آپ کو کس حال میں دیکھ رہی ہوں؟"  
 تو آپ نے فرمایا: ابھی ابھی میں نے حسین کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا ہے (یعنی میں  
 کربلا سے آ رہا ہوں) (ترمذی شریف، تاریخ الخلفاء)

بعد از شہادت دشمنان دین نے غیموں کو  
 شہداء کربلا کی تجہیز و تکفین لوٹ لیا اور آپ کی لاش مقدسہ کی بے حرمتی  
 کی۔ بد بخت لعین شمر بے دین نے بیمار شہزادے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ  
 کو شہید کرنے کا ناپاک ارادہ کیا، مگر حمید بن مسلم کے کہنے یعنی منع کرنے سے رُک گیا اور  
 آپ کو بھی قیدیوں میں شامل کر لیا گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر عمرو بن سعد نے اپنے مقتول  
 کو جمع کر کے جنازہ پڑھا اور اُن کو دفن کر کے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا (ابن خلدون  
 کے مطابق لشکر اشقیاء کے مقتولوں کی تعداد اٹھاسی تھی زنجی اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ

لے اوراق تاریخ میں غیموں کو لوٹنے اور لاشہ مقدسہ کی بے حرمتی کی تصویر کشی کی گئی ہے،  
 اسے نقل کرنے کا حوصلہ نہیں پایا۔ قارئین کرام مجھے اس سے معذور سمجھ کر معاف فرمائیں ۱۲

دین اسلام کے ان غداروں نے امام عالی مقام علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت و اصحاب کے لاشہ ہاتے مبارکہ کو اسی طرح پڑے ہنسنے دیا۔ دوسرے دن یعنی المحرم الحرام کو بنو اسد کے کچھ افراد غافریہ نامی بستی سے آتے اور انہوں نے شہداء کرام کے مقدس لاشے دفن کئے۔

**حضرت ایام حسین علیہ السلام کا سرانور** عمرو بن سعد بد بخت نے شہداء کرام کو دیا تھا۔ اس زمانہ میں اس چیز کو بہادری کا ایک انعام سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ۲۲ سر قبیلہ ہوازن کو، ۱۴ سر حصین بن نمیر کے قبیلہ بنی تمیم کو، ۱۳ سر قیس بن اشعث کے قبیلہ بنو کنندہ کو جبکہ چھ سر بلال بن اعور قبیلہ بنو اسد کو دیتے گئے۔

حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کا سرانور خولی بن یزید کو دیا گیا جو حمید بن مسلم ازدی کے ہمراہ ابن زیاد کی طرف روانہ ہو گیا، جس وقت یہ کوئٹہ پہنچے، تو رات ہو گئی تھی، مجبوراً خولی سرانور کو لے کر واپس آیا اور صبح ہوتے ہی ابن زیاد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سرانور کو شمر لعین، قیس بن الاشعث، عمرو بن الحجاج، اور عروہ بن قیس لے کر گئے تھے۔ بہر کیف شہداء کرام کے سروں کو طشتوں میں بھر کر پیش کیا گیا۔ ابن زیاد لعین کے ہاتھ میں سید کی چھڑی پکڑی ہوئی تھی۔ وہ بد بخت بار بار اس چھڑی کو دندان مبارک سیدنا امام عالی مقام علیہ السلام پر اڑاتا تھا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو برداشت نہ کر سکے، چلا کر بولے: ”او بد بخت ابن زیاد! چھڑی کو دوڑ کر لے، مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم، میں نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان دانتوں اور لبوں کے بوسے لیتے ہوئے دیکھا ہے۔“ ابن زیاد بد بخت نے کہا: ”اللہ تعالیٰ تجھے رُلائے، اگر تو قاتلِ عقل نہ ہوتا تو ابھی تیری گردن اڑا دینے کا حکم دے دیتا۔“ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہتے

ہوئے مجلس سے اٹھ آئے کہ اے گروہ عرب! تم سخت نالائق ہو کہ ابن قاطر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تو شہید کر دیا ہے اور ابن مرجانہ کو اپنا حاکم بنا لیا ہے جو بد معاشوں کو نوازتا اور شرفار کو قتل کرتا ہے، لعنت ہے اُن پر جو اس ذلت و رسوائی پر راضی ہوتے۔

## اسیرانِ کربلا کی آمد

اس واقعہ کے دوسرے دن بعد خاندانِ نبوت کے قیدیوں کو ابن زیاد لعین کے دربار میں عمرو بن سعد لے کر حاضر ہو گیا۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں آپ پردہ میں طبوس تھیں جہنم کا کتا ابن زیاد بد نہاد اُن کی طرف اشارہ کر کے بولا: ”یہ کون ہے؟“ اُسے بتایا کہ یہ سیدہ زینب بنتِ قاطر رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ تو وہ آپ علیہا السلام کو مخاطب کر کے بولا: ”اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے کہ جس نے تم کو (معاذ اللہ تعالیٰ) ذلیل و رسوا کیا اور تمہیں قتل کیا اور تمہارے قصے کہانیوں کو جھوٹا ثابت کیا۔“ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواباً فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا بیشمار شکر ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے ہمیں سرفراز فرمایا اور ہمیں ایسا پاک کیا کہ جیسا پاک کرنے کا حق ہے۔“ (آیہ تطہیر تلاوت فرمائی) نہ کہ جیسا تو کہتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ فاسق و فاجر ہی ذلیل و رسوا ہوں گے اور جھٹلائے جائیں گے۔“

ابن زیاد نے کہا: ”چہ خوب! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس کو ذلیل و رسوا کیا ہے؟ کیا تمہارے خاندان والے خوار نہیں ہوئے؟“ (معاذ اللہ تعالیٰ) سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ”میں نے اپنے خاندان میں اچھائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ شہادت اُن کا مقدمہ تھی، سودہ کربلا آئے اور شہید ہو گئے۔ عنقریب تم اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے انصاف طلب کریں گے۔“

لے اس سے غالباً اس بد بخت کی مراد وہ احادیثِ نبویہ ہیں جو شانِ اہل بیت عظام

میں وارد ہوئیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۲ منہ)

ابن زیاد اس جواب پر غصہ میں آگیا اور حکم دیا کہ حضرت زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا کو قتل کر دیا جائے۔ ابن زیاد کے ایک درباری عمرو بن حریث نے فوراً مداخلت کی اور کہا: اے امیر! بہادر لوگ عورتوں کی باتوں کا بدلہ نہیں لیا کرتے۔ خصوصاً جب عورتیں غمزہ ہوں تو ایسے کلمات زبان سے نکل ہی جایا کرتے ہیں، اس لئے آپ غضب ناک نہ ہوں۔“

ابن زیاد نے قتل کا حکم واپس لے لیا، اس کے بعد اُس نے حضرت امام سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ ان کا نام علی بن حسین ہے۔ ابن زیاد نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے علی بن حسین کو نہیں مارا؟ آپ نے خاموشی اختیار کی۔ ابن زیاد نے کہا: تم بولتے کیوں نہیں ہو؟ آپ نے فرمایا: میرا ایک بھائی علی تھا، لوگوں نے اسے شہید کر دیا۔ ابن زیاد ہنس کر بولا: ہاں اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ ابن زیاد نے کہا: تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ یتوفی الا نفس حین موتھا وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ۔ (اللہ تعالیٰ ہی کسی بھی جان کو فوت فرماتا ہے۔ جب اسے موت آتی ہے اور کوئی بھی جان ایسی نہیں ہے مگر یہ کہ اُسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی موت آتی ہے۔)

ابن زیاد بد نہاد نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! تو بھی ان میں سے ہی ہے۔ پھر اُس نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس ظالمانہ حکم کو سن کر سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور رو کر فرمانے لگیں: اے ابن زیاد! کیا ابھی تیرا جی ہمارے خون سے سیراب نہیں ہوا ہے کہ تو اس آخری مرد کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے؟

اگر تیرے اندر ایمان کا کوئی ذرہ باقی ہے تو میں تجھے کہتی ہوں کہ اگر تو اسے قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو ساتھ مجھے بھی قتل کر دے۔“ پھر فرمایا: ”میرے خاندان کی ان عورتوں کے ہمراہ کسی شریف النفس مسلمان کو بھیجا جو ایک سچے مسلمان کی طرح ان کو وطن میں پہنچا دے۔“ ابن زیاد تھوڑی دیر تک حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر لولا! مجھے اپنے رحم پر تعجب آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر میں اس لڑکے (حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو قتل کرتا تو ساتھ ہی اس عورت (حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو بھی ضرور قتل کر ڈالتا۔ اس لڑکے کو ان عورتوں کے ساتھ رہنے دو۔

ازاں بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ شہداء کربلا سراقدرس بازار کوفہ میں کے سروں کو نیزوں پر اٹھا لو۔ کوفہ کے گلی، کوچہ و بازار میں تشہیر کے بعد ان کو دمشق کی طرف لے جاؤ۔ چنانچہ جب لشکر یزید فتح کا تقارہ بجاتا ہوا شہداء کرام کے سروں کو نیزوں پر اٹھائے اہل بیت اطہار کے قیدیوں کے ساتھ بازار کوفہ میں نکلا تو ایک غوفہ عشر بپا ہو گیا۔ اہل بیت اطہار کی اس بے کسی پر اہل کوفہ نے ایسا ماتم کیا کہ بقول علامہ باقر مجلسی مدیدہ روزگار نے ایسا ماتم کبھی نہیں دیکھا، حتیٰ کہ ایک بوڑھے نے اپنی انگلیوں کو دانتوں سے چبا ڈالا حضرت سیدہ امام زین العابدین اور حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نہ رہا گیا۔ آپ نے اہل کوفہ کی زبردستی کو فریاد فرماتے ہوئے فرمایا: ”ارے بد بختو! اب تم ہم پر رونے ہو؟ بتاؤ پھر ہمیں قتل کس نے کیا ہے۔ تمہاری مثال اس عورت کی طرح ہے جو سارا دن سوت کاتتی رہتی ہے اور پھر شام کو خود اپنے ہی ہاتھوں سے ادھیڑ دیتی ہے اب تمہارا کبھی یقین نہیں کیا جائے گا جیسے چاہو کہرو۔“

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب شہید زندہ ہیں حضرت سیدہ شہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرنے کا



دھیزے پر میرے گھر کے قریب سے گزرا، تو میں بالا خانے (چوبارے) کی کھڑکی کے قریب بیٹھا رو رہا تھا، یکایک میں نے دیکھا کہ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے ہونٹ حرکت کر رہے ہیں اور میں نے خود اپنے کانوں سے سنا کہ آپ علیہ السلام پڑھ رہے تھے :-  
 اَمْ حَسِبْتَ اَنْ اَصْحَابُ الْكَهْفِ وَالْزُقَیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیَاتِنَا عَجَبًا الْكَهْفُ:  
 ”کیا تم نے غور کیا کہ وہ جنگل میں غار والے ہماری قدرت کی عجیب نشانیوں میں سے ایک تھے۔“  
 حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بے ساختہ پکارا اٹھا کہ  
 ”اے ابن رسول اللہ علیہ السلام آپ کا واقعہ تو اصحاب کہف کے واقعہ سے  
 زیادہ عجیب تر ہے۔“

جب ازلی بد بخت ابن زیاد بن ہرہاد  
 اسیرانِ کربلا بسوئے شام اسیرانِ کربلا کو گلی گلی کوفہ کو چھ گشت  
 کرانے کے بعد اپنے سیاہ دل کی بھڑاس نکال چکا تو زحر بن قیس اور شمر لعین کے  
 ہمراہ تقریباً پانچ ہزار کے لشکرِ جبار کے ساتھ شہداءِ کرام کے مسروں اور اسیرانِ اہل بیت  
 کو بزیلعین کی طرف روانہ کر دیا۔ بعض روایتوں کے مطابق حضرت امام زین العابدین  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، کوفہ سے شام تک پیدل سفر کروایا گیا، حالانکہ آپ علیہ السلام  
 نہ صرف یہ کہ بیمار تھے، بلکہ بھاری بھر کم ستھکڑیوں اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے  
 آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ تو ستھکڑی، طوق یا بیڑی پہناتے ہوئے کچھ لوے نہ ہی  
 پوسے راستے میں کچھ گفتگو کی، حتیٰ کہ مردانِ صبرِ رضا، شہیدانِ کربلا کا یہ قافلہ  
 دربارِ یزدیہ پلید تک جا پہنچا۔ راستہ میں شکرِ اشقیاء نے حضرت امام عالی مقام  
 علیہ السلام کے سرِ انور سے ظہور پذیر ہونے والی بہت سی کرامتوں کو دیکھا، مگر جس  
 کے نصیب میں کاتبِ تقدیر نے ازلی بد بختی اور روسیایں تحریر فرمادی ہو اُسے صراطِ مستقیم  
 کب میسر آ سکتا ہے؟ (معاذ اللہ تعالیٰ)

## زحر بن قیس و بارزید میں

اسیرانِ کربلا کو پیش کرنے سے قبل زحر بن قیس یزید لعین کے پاس پہنچا اور رپورٹ دیتے ہوئے کہا: میں آپ کو فتح کی بشارت دینے کے لئے آیا ہوں۔ حسین ابن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اپنے اٹھارہ اہل بیت اور معاونین کے ساتھ کوفہ میں آتے۔ ہم نے آگے بڑھ کر ان کو روک لیا اور انہیں کہا کہ امیر المومنین (یزید ملعید) کی بیعت کریں، ورنہ جنگ ہوگی۔ انہوں نے دوسری صورت کو اختیار کیا۔ ہم لوگ بھی مستعد جنگ ہو گئے، چنانچہ آفتاب کے بلند ہوتے ہی ہم نے ان کو گھیرے میں لے لیا، پھر وہ چمکتی تلواروں اور تیز نوکدار نیزوں سے بچنے کے لئے گڑھوں، ٹیلوں اور درختوں کی طرف بھاگے، جس طرح عقاب کے خوف سے کبوتر بھاگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ان کے بھاگنے نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا تیز در تلواروں اور نیزوں نے ان کو قرشِ زمین پر موت کی نیند سلا دیا۔ ان کی لاشیں بے گور کفن اسی میدان میں پڑی ہوئی ہیں۔ ان کے جسموں پر اگر کوئی سایہ ہے تو وہ سورج کی دھوپ کا اور اگر کوئی کپڑا ہے تو صحرا کی ریت کا۔ تیز و تند ہوائیں ان کو الٹ پلٹ کر سکھا رہی ہیں، ان پر رحم کرنے والے قربِ جوار کے کتے اور گدھ ہیں۔ ان کی زیارت کرنے والے وحشی درندے ہیں۔ یہ سن کر یزید ملعید خاموش رہا اور نہ حرکت کوئی انعام نہ دیا۔

پھر یزید لعین کے حکم سے مائے مقدس کو طشتوں میں کھ کر باری سرائور اور یزید ملعید باری یزید بے دین کے روبرو پیش کیا گیا۔ جب امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سراقس اُس بد بخت کے سامنے آیا تو اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دانتوں پر لگا کر یہ شعر پڑھا۔

ترجمہ: ہماری قوم نے اگرچہ انصاف کرنے سے انکار کر دیا تھا، مگر ان تلواروں نے انصاف کر دکھایا کہ جن سے ابھی تک خون ٹپکتا ہے۔

حضرت سمیرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ اُس وقت وہاں موجود تھے وہ

برداشت نہ کر سکے، فوراً ڈانٹ کر بولے: ”او یزید! اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ توڑے، چھڑی  
کو دانتوں سے بٹالے، اللہ تعالیٰ کی قسم! ان لب دندان مبارک کو رسول اللہ صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو مارتے تھے۔“ یہ سن کر یزید پلید بھڑک اٹھا اور غضبناک ہو کر بولا:-  
”او بڑھے! اگر تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی نہ ہوتا تو میں تیری گردن  
اڑا دیتا۔“ یہ کہہ کر انہیں مجلس سے نکال دیا۔ ایسا ہی واقعہ ابن زیاد اور حضرت زید بن ارقم کا ہے۔

پھر قیدیوں کو دربار یزید میں پیش کیا گیا

**مردان صبر و رضا در بارِ شام میں** تو عورتیں شہداء کرام کے مبارک شرٹوں کو

دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں اور رونے لگیں، اس پر پورا دربار سوگوار ہو گیا اور یزید پلید کو اپنی عزت  
بچانے کے لئے مکارانہ روئے اختیار کرتا پڑا۔ اسی اثناء میں حضرت فاطمہ بنت الحسین  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا، نے یزید کو فرمایا: ”بتاؤ کیا یہ بات درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم کی نواسیوں کو قیدی بنایا جائے۔“ یزید نے کہا: نہیں، بلکہ تم آزاد ہو۔ یہ  
کہہ کر یزید نے ان کو اپنے محل سرا میں بھیج دیا۔ پھر حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس حال میں دیکھتے تو گوارا کر لیتے؟  
یزید نے حاضرین کی طرف منہ کر کے کہا: ان کو زنجیروں کی قید سے آزاد کر دو۔ چنانچہ  
زنجیریں کاٹ دی گئیں۔

مصنف ”عقد البقرہ“ نے لکھا ہے کہ جس وقت قیدیان اہل بیت عظام دربار یزید میں  
پیش کئے گئے، تو نعمان بن بشیر انصاری نے کہا: ”ذرا سوچو کہ اگر رسول اللہ  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو اس حال میں دیکھتے تو کیسا سلوک فرماتے؟“ یزید نے  
کہا: ”تم سچ کہتے ہو، ان کے لئے خیمے الاستادہ کر دو اور ضرورت کی سبائشیاں مہیا کرو۔“

اس کے بعد یزید لعین نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

**قاتل کون؟** سے کہا کہ اگر تمہیں کوئی حاجت ہو تو بتاؤ؟ یزید دیکھ رہا تھا

کہ شہادتِ امامِ عالی مقام علیہ السلام کے بعد اُس کے اہل دربار کے تیور بدل رہے تھے کسی بھی لمحے خونِ شہیداں رنگ لاسکتا تھا، اس لئے وہ یہ ثابت کرنے میں کوشاں تھا کہ شہادتِ امامِ عالی مقام میں اُس کا نمایاں حصہ نہیں ہے۔ الغرض یزید کے کہنے پر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "یوں کرو کہ میرے باپ کا قاتل میرے سپرد کر دو تاکہ میں اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کر دوں، دوسرے یہ کہ شہداء کرام کے سر مجھے دے دو تاکہ میں اُن کو بحفاظت دفن کر دوں تیسرے یہ کہ اہل بیت اطہار کو رہا کر دو تاکہ میں ان کو مدینہ منورہ لے جاؤں۔ چوتھے یہ کہ کل جمعۃ المبارک ہے، مجھے خطبہ جمعہ کی اجازت دے دو۔"

آپ کی حاجات سُن کر یزید پلید نے لشکریوں سے پوچھا کہ بتاؤ کس نے "حُسن" (علیہ السلام) کو قتل کیا ہے؟ کسی نے کہا کہ خولی نے، خولی نے فوراً جواب دیا کہ نہیں، بلکہ سنان نے قتل کیا ہے۔ سنان بولا: "یہ کام شمر کا ہے۔" یزید نے شمر سے پوچھا تو وہ بولا: "لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ قَتَلَهُ"۔ یعنی اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جس نے قتل کیا۔" یزید نے جھٹل کر کہا: "پھر کس نے قتل کیا ہے؟" شمر نے بگڑ کر کہا: "جس نے ابن زیاد اور ابن سعد کو سردارِ لشکر بنا کر بھیجا، جس نے ابن زیاد کو حکم دیا کہ حسین سے بیعت نہ کرے، نہ مانے تو قتل کر دو، اصل میں قاتل وہ ہے (یعنی تو خود قاتل ہے)، یہ سُن کر یزید پلید بولا: "تم سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔" پھر حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "سردست قاتل کا ملنا مشکل ہے، البتہ دوسری حاجات پوری کر دی جائیں گی۔" دوسرے دن حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ تقریر پر تاثیر نے یزید کی پریشانی میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس کے اہل دربار اور دیگر عوام یزید پلید سے بدظن ہونے لگے تو اُس نے خطبہ روک دیا اور اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

بعد ازاں یزید لعین نے کوفہ

## لے ہوئے قافلے کی سوتے مدینہ واپسی کے معزول گورنر حضرت

نعمان بن بشیر انصاری کو بلایا وہ ان کو اہل بیت عظام کا ہمدرد سمجھتا تھا اور اسی جرم میں اُسے معزول کیا گیا تھا، یزید نے حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اہل بیت اطہار کو عزت و احترام سے مدینہ طیبہ کی طرف لے جاؤ اور جس قدر ان کا مال و اسباب لوٹا گیا ہے، اُس سے دو گنا ان کی خدمت میں پیش کر دو۔“ پھر بوقت رخصت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یزید نے کہا: ابنِ مرجانہ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو حسین (علیہ السلام) سے ضرور درگزر کرتا، لیکن اللہ تعالیٰ کا جو منظور تھا، وہ ہو گیا، اب جو تمہیں ضرور نہیں ہوں، وہ ضرور لکھنا۔“

الغرض نعمان بن بشیر انصاری اور ایک فوجی دستہ کی معیت میں سر ملے یزید لے کر یہ قافلہ عازم مدینہ طیبہ ہوا۔ راستہ میں محافطین نے یزید کے حکم کی وجہ سے نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے قافلہ اہل بیت اطہار کی نہایت تعظیم و تکریم کی اور پورے راستہ جاں نثار غلاموں کی طرح خدمت و چوکیداری کا فریضہ سر انجام دیتے رہے۔ جب یہ قافلہ مدینہ طیبہ پہنچا تو عجیب سا کہرام برپا ہو گیا، معلوم ہوا ہاتھ کہ گویا قیامت آگئی ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روئے اطہر پر حاضر ہوئے اور نہایت پروردگار انداز میں اپنی داستانِ غم دہرائی۔ اہل مدینہ اس سانحہ عظیمہ پر خون کے آنسو بہا رہے تھے۔ پھر مشہور روایت کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرِ انور کو جنت البقیع میں حضرت فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو مبارک میں دفن کر دیا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)



مذکورۃ الذکر واقعات جو مختلف کتب تواریخ سے نقل  
یزید بد ہے یا بدنام کہتے ہیں۔ ان کے حوالہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ

یزید بجائے خود بُرا نہیں تھا، لیکن ابن زیاد کی وجہ سے اُسے بہت بدنامی ملی اگر غیر جانبداری  
سے دیکھا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ یزید بن معاویہ بڑا مکار اور دغا باز تھا، اُس نے  
محض اپنی حکومت کے استحکام کے لئے یہ چال چلی کہ سانحہ کربلا اس کی رضامندی کے  
بغیر ہوا ہے۔ اگر اُس کا دعویٰ حقیقت الامر میں درست تھا، تو کیا یزید کا کوئی سبب خواہ  
یہ ثابت کر سکتا ہے کہ یزید نے اس واقعہ کے اہم کردار ابن زیاد بد نہاد کو گورنری سے  
معزول کرنا تو درکنار، ڈانٹا تک بھی ہو یا پھر شمر لعین، حصین بن نمیر، عمرو بن سعد،  
سنان بن انس یا دوسرے ظالموں کو کوئی بھی سزا دی ہو۔ نہیں ہرگز ہرگز نہیں بلکہ  
کتب تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید طبعاً ان ظالموں کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول  
دیئے اور انعامات دنیا کی ان پر بارش کر دی، جبکہ اہل بیت اطہار کے ساتھ نرمی اور  
عزت و احترام کا ڈرامہ لوگوں کی لعنت و پھٹکار سے بچنے کے لئے رچایا اسے خوف تھا  
کہ اگر ایسے نہ کیا تو میرا تخت حکومت مجھ سے چھن جائے گا، بالکل جھل کی سیاست کی طرح کہ  
ع۔ باغیاں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

یزید طبعاً کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دینے والوں کے لئے علامہ شمار اللہ ربانی پتی علیہ الرحمہ  
کی نقل فرمودہ یہ عبارت یقیناً تا زیاں عبرت ہوگی۔

ابن مردویہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم  
سے عرض کیا کہ امیر المومنین فرمائیے۔ (آیہ مبارکہ)

الَّذِينَ بَدَّ لَوْا غَمَّتِ اللَّهُ كُفْرًا (سُودَة ابواہیم، آیت)  
سے کون لوگ مراد ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قریش کے وہ دو قبیلے  
جو سب سے زیادہ بدکار تھے۔ بنی مغیرہ، اور بنو امیہ۔ بنو مغیرہ کے شر سے تو بدری

فی میں تمہاری حفاظت ہو چکی ہے، یعنی اُن کا زور ٹوٹ گیا، لیکن بنی امیہ کو ایک وقت تک مزہ اٹانے کا موقع دیا گیا۔ علامہ لغوی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا۔

یزید علامہ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم اور ابن مردویہ نے اسی طرح کا قول حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے نقل کیا۔ علامہ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا۔

**اقول:** بنی امیہ کو حالت کفر میں مزے اٹانے کا موقع دیا گیا، یہاں تک کہ ابوسفیان، معاویہ اور عمر بن العاص وغیرہم مسلمان ہو گئے۔ پھر یزید پلید اور اس کے ساتھیوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اہل بیت کی دشمنی کا جھنڈا بلند کر دیا۔ آخر کار امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ظلماً شہید کر دیا اور یزید نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین ہی کا انکار کر دیا۔ جب وہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر چکا، تو اُس نے چند اشعار پڑھے، جن کا مضمون تھا کہ آج اگر میرے اسلاف ہوتے تو دیکھتے کہ میں آل محمد اور بنو ہاشم سے ان کا کیسا بدلہ لیا ہے۔ یزید نے جو اشعار کہے تھے، اُن میں آخری شعر یہ تھا:

وَلَسْتُ جَنْدَبَ أَنْ لَمَّا نَتَقَمِ

مَنْ بَنَى أَحْمَدَ مَا كَانَ فَعَلَ

”احمد رضی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ (ہمارے بزرگوں کے ساتھ میدان بدر میں) کیا۔ اگر میں نے اُن (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد سے بدلہ نہ لیا، تو میں بنی جندب میں سے نہیں ہوں۔“

یزید پلید نے شراب کو بھی حلال قرار دے دیا تھا۔ دیگر شرعی امور میں بھی تجاوزات کرنے کا مرتکب ہو رہا تھا۔ اُس شراب (خمر) کی تعریف میں بھی چند اشعار کہے، ان میں ایک شعر یہ تھا:

فَإِنْ حَرَمَتْ يَوْمًا عَلَى دِينِ أَحَدٍ

فَعَدَّهَا عَلَى دِينِ مَسِيحِ بْنِ مَرْيَمَ

در اگر شراب آج دین احمد میں حرام ہو بھی گئی، تو کیا ہوا؟ تم اسے مسیح ابن مریم کے دین پر عمل کرتے ہوئے (حلال سمجھ کر) پی لو۔ (تفسیر مظہری جلد ۶ ص ۳۷)

حضرت شیخ محقق الشاہ عبدالحق محدث دہلوی

یزید کی بد بختی پر مہر تصدیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی معروف تصنیف

”جذب القلوب الی دیار المحبوب“ (تاریخ مدینہ) میں علامہ واقفی، قرطبی اور ابن جوزی وغیرہ کے حوالہ سے واقعہ حرہ بنی واثم کو بڑی تفصیل سے نقل فرماتے ہیں۔ نیز یہ واقعہ تمام معتبر کتب تواریخ مثلاً ابن اثیر، عقد الفرید، طبری، ابن خلدون وغیرہم میں موجود ہے کہ ۶۳ھ میں یزید بلید کے حکم سے مدینہ طیبہ کی زبردست توہین کی گئی۔ ”جذب القلوب“ میں ہے کہ شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تمام برائیوں سے عظیم تر برائی وہ ہے جو یزید بلید کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کے اندر واقع ہوئی۔ یزید لعین نے بد بخت ازلی مسلم بن عقبہ مری کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کو بھیجا تاکہ لوگوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ مدینہ مطہرہ کے حرہ میں قتل کرے اور جتنی سختی کر سکتا ہو کرے، چنانچہ اس بے دین مسلم بن عقبہ نے بحکم یزید بلید تیج ن تک حرم نبوی کی بے حرمتی کر کے وادے دینی دی۔ اسی وجہ سے اس کو واقعہ حرہ کہتے ہیں۔ اس بد بخت نے تین ہزار سات آدمیوں کو علاوہ مہاجرین و انصار و تابعین و علمائے شہید کر دیا۔ عورتیں اور بچے بھی اس کے علاوہ ہیں۔ علاوہ سات سو حفاظ قرآن کریم اور قوم قریش کے ستانوں افراد کو ظلم کی تلوار سے ذبح کر دیا فسق و فساد اور زنا کو جائز قرار دے دیا۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ قبیحہ کے بعد ایک ہزار عورتوں نے اولاد زنا جنی

لے زیادہ تفصیل کے لئے اصل کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔ ۱۲ منہ

تھی۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد میں ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ غضب کی بات یہ ہے کہ روضہ انور اور ممبر شریف کی درمیانی جگہ کہ جس کی بابت صحیح حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، وہاں ان کے گھوڑے پیشاب اور لید کرتے تھے۔ بے دین لعین مسلم بن عقبہ لوگوں یزید پلیدی کی بیعت پر اس طرح آمادہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ ہر حال میں یزید کا ہر حکم مانیں، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی کیوں نہ ہو۔ جب مسلم بن عقبہ کے نزدیک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قرآن و حدیث کے موافق بیعت کا ذکر کیا، تو فوراً ان کی گردن اڑا دی گئی۔ مدینہ طیبہ کی خوب خوب بے شرمی کرنے کے بعد یزید پلیدی کے حکم سے اس ظالم لشکر نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا، مگر راستہ ہی میں مسلم بن عقبہ نامراد مر گیا۔ یزید پلیدی کے حکم سے حصین بن نمیر (قاتل اہل بیت) کو سپہ سالار فوج بنا دیا گیا۔ اس سیاہ بخت نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر کے خانہ کعبہ پر منجنیق کے ذریعے پتھروں کی بارش کی، لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شکست نہ دی جاسکی، تو خانہ کعبہ پر آگ کے گولے برسائے گئے۔ جس سے خانہ کعبہ کا پردہ جل گیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے وہ سینک جو اُس مینڈھے کے تھے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلہ میں ذبح کیا گیا تھا اور ان کو بطور یادگار حرم کعبہ میں لٹکایا گیا تھا، وہ بھی جل گئے۔ اسی اثناء میں یزید پلیدی کی موت کی خبر آگئی اور یوں ماہ مقدس ربیع الاول ۶۰ھ میں یہ بد بخت بھاگ گئے اور اہل حرم کو ان کے شر سے نجات ملی۔

تاریخ طبری، کامل ابن اثیر، البدایہ والنہایہ  
**قاتلان اہل بیت کا انجام** صواعق محرقہ وغیرہ کتب میں قاتلان اہل بیت اطہا کے عبرتناک انجام کا کافی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا عذاب بیکبارگی آجانا ہوتا، تو شاید روزِ کربلا ہی مجموعی عذاب نازل ہو جاتا۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدہ ہے :-

مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ - (الانفال: ۳۳)

”اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا کہ آپ ان میں موجود ہیں۔“

اس لئے ان ظالموں پر انفرادی طور پر غضب خداوندی نازل ہوا۔

عمر بن سعد، اس کا بیٹا حفص بن عمرو، شمر لعین، خولی بن عدی، عبد اللہ بن اسید، مالک بن یسیر، حمل بن مالک، حکیم بن طفیل، عمرو بن صبیح، زبید بن رقاد، عبد اللہ بن زیاد اور ان کے علاوہ بہت سے وہ تیرہ بخت تھے کہ جن کو مختار ثقفی نے بڑی بے دردی سے قتل کیا، ان میں سے بعض کو ٹرپتے ہوئے اور بعض کی لاشوں کو جلا دیا گیا جبکہ بعض بد بخت قاتلان اہل بیت ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے زمانہ کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا اور وہ کسی ظاہری قاتل کے بغیر ہی ٹرپ ٹرپ کر داصل بہ جہنم ہوئے۔ اس طرح کئی کئی میدان کربلا میں با دار ظلم بپا کرنے والے سارے کردار اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے

**شہداء کربلا کے اسمائے گرامی** ساتھ میدان کربلا میں جام شہادت پاتے

والے حضرات اہل بیت اطہار کے اسمائے مبارکہ اور تعداد میں اختلاف ہے۔

علامہ ابن اثیر کے مطابق شہدائے اہل بیت اطہار کی تعداد امام عالی مقام کے

علاوہ، ستر ہے، جبکہ ترمذی، اعران، انصار کے تھے۔ شہدائے اہل بیت کے اسمائے مبارکہ

درج ذیل ہیں، حضرات عباس و جعفر و عبد اللہ و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ سارے حضرت

علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے تھے جو کہ حضرت ائمہ البین بیت حرام کے شکم سے

پیدا ہوئے، محمد بن علی (ان کی والدہ اتم ولد تھیں)، ابو بکر بن علی المرتضیٰ (ان کی والدہ لیلا

بنت مسعود تھیں) حضرت امام حسین علیہ السلام کے بیٹے حضرت علی اکبر اور حضرت عبد اللہ

حضرت امام حسن علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ابو بکر، حضرت قاسم حضرت عبد اللہ بن جعفر

کے صاحبزادے (یعنی حضرت سید زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے جگر گوشے حضرت عون



حضرت محمدؐ حضرت عقیل بن ابی طالب کے لخت جگر حضرت جعفرؑ حضرت عبدالرحمنؑ  
 حضرت عبداللہؑ حضرت مسلم بن عقیل کے بیٹے حضرت عبداللہؑ اور حضرت ابی سعید بن عقیل  
 کے بیٹے حضرت محمدؑ (علیہم السلام) یہ کل سترہ اہل بیت سے تھے، باقی تین حضرات  
 اعوان انصار سے تھے۔ (کامل ابن اثیر، جلد رابع، مطبوعہ مصر، ص ۹۷)  
 جلال العیون کی عبارت اس جگہ یوں ہے کہ "تعداد شہداء اہل بیت میں اختلاف ہے۔  
 اکثروں نے ستائیس شہداء کو لکھا ہے۔ سات اولاد عقیل و مسلم سے کہ پہلے شہید ہوئے  
 حضرت جعفر و عبدالرحمن پسران عقیل۔ محمد و عبداللہ پسران مسلم و جعفر پسر محمد بن عقیل،  
 محمد پسر سعید بن عقیل اور بعضوں نے عون و محمد پسران عقیل کو زیادہ کیا ہے اور تین  
 شخص اولاد جعفر طیار سے محمد عون، اور عبداللہ پسر عبداللہ بن جعفر اور نو شخص فرزند ان  
 جناب امیر سے جناب سید الشہداء، عباس۔ عمر۔ عثمان و جعفر و ابراہیم و عبداللہ و اصغر  
 محمد اصغر اور ابوبکر و جناب امیر علیہ السلام اور محمد فرزند عباس اور فرزند جناب امیر  
 حضرت ابوبکر کے شہید ہونے پر اختلاف ہے اور چار شخص فرزند ان امام حسین سے  
 ابوبکر و عبداللہ و قاسم و بشیر اور بعضوں نے بشیر کی جگہ عمر لکھا ہے اور فرزند ان  
 امام حسین سے جو مشہور علی اکبر اور عبداللہ المعروف علی اصغر، جو امام حسین علیہ السلام  
 کی گود میں شہید ہوئے اور بعضوں نے ابراہیم و محمد و حمزہ اور علی اور جعفر اور عمر اور زید کو  
 لکھا ہے۔ ابوالفرج اصفہانی کتاب "مقاتل الطالبین" میں لکھتا ہے کہ جو کچھ معلوم  
 ہے شہادت شہدائے معرکہ کربلا سے وہ یہ ہے کہ فرزندان ابوطالب سے بائیس شخص سے  
 اور ابن نما نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ سترہ فرزندان فاطمہ بن اسد سے  
 اس صحرا میں شہید اور زیارت ناحیہ مقدسہ میں فرزندان امام حسین سے علی و عبداللہ  
 کا ذکر ہے اور فرزندان جناب امیر حضرت عبداللہ و عباس و جعفر و عثمان و محمد اور  
 فرزندان امام حسین (علیہ السلام) سے ابوبکر و عبداللہ و قاسم اور فرزند ان  
 (حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

عبداللہ بن جعفر سے عون و محمد اور فرزندان عقیل سے جعفر و عبدالرحمن و فرزندان مسلم سے عبداللہ و ابی عبداللہ و محمد بن ابوسعید بن عقیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا ذکر ہے۔ یہ اٹھارہ شخص بڑے ہیں۔ اور چار شخص اس زیارت میں باسم مذکورہ ہوتے ہیں۔

## حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کی زوجہ اولیٰ و اولیٰ

۱۔ حضرت لیلیٰ (عند البعض آمنہ) بنت ابی مرہ عروہ بن مسعود ثقفی یہ سردار ثقیف کی صاحبزادی ہیں۔ یہ ابی سفیان کی نواسی اور یزید بن معاویہ کی پھوپھی ادبہن ہیں۔ حضرت سیدنا علی اکبر شبیبہ رسول ان ہی کی اولاد ہیں۔

(۲) حضرت شہر بانو، یہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایران سے قید ہو کر آئیں۔ چونکہ یہ شہنشاہ ایران یزدگرد بن خسرو پر وزیر بن نوشیرواں کی بیٹی تھیں، اس لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بمشورۃ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ان کی شہزادہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی کر دی تھی۔ ان کے صاحبزادے کا نام علی اوسط یعنی حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو ان کا بیٹا کہا جاتا ہے، درست نہیں۔

(حاشیہ گزشتہ صفحہ سے)

۱۔ قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ، حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ، حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے اپنے اپنے شہزادوں کے نام ابوبکر، عمر اور عثمان رکھے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹے کا نام عمر ہی رکھا۔ یہ تینوں نام آپ کی اہل بیت کے شجرہ مبارکہ میں کئی جگہ ملیں گے۔ یہ ان بزرگوں کی خلفائے ثلاثہ سے کمال درجہ محبت کی دلیل ہے، کیونکہ دشمن کے نام پر اپنی اولاد کا نام کوئی نہیں رکھتا، مثلاً کسی نے اپنے بیٹے کا نام معاذ اللہ شمر یا یزید نہیں رکھا۔

(۱۲ منہ)

۳۔ حضرت اُمّ اسحاقؓ یہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو کہ مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) کی صاحبزادی ہیں۔ ان کی اولاد حضرت سیدہ فاطمہ کبریٰ اور حضرت فاطمہ صغریٰ تھیں۔ حضرت اُمّ اسحاق کا پہلا نکاح حضرت امام حسن علیہ السلام سے ہوا تھا، جبکہ نکاح ثانی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔  
۴۔ حضرت رباب بنت امراء القیس بن عدی، یہ قبیلہ بنو کلب سے تھیں، ان کی صاحبزادی کا اسم گرامی حضرت سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ بعض نے حضرت عبداللہ المعروف علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا صاحبزادہ تحریر کیا، لیکن بعض نے ان کو خاتون بنو قضاہ یعنی اُمّ جعفر کا بیٹا لکھا۔

۵۔ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمنؓ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوتی اور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سگی بھتیجی ہیں، ان سے حضرت محمد بن حسین پیدا ہوئے۔

۶۔ حضرت اُمّ جعفرؓ یہ قبیلہ بنو قضاہ سے تھیں۔ ان سے حضرت جعفر پیدا ہوئے۔ بعض نے حضرت علی اصغر کو بھی ان کا ہی بیٹا تحریر کیا ہے۔

۷۔ بنت ابومسعود انصاریؓ، عند البعض ان سے حضرت صغریٰ فاطمہ پیدا ہوئیں، لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت صغریٰ فاطمہ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی اُمّ اسحاق تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

اس اعتبار سے حضرت امام حسینؓ عالی مقام علیہ السلام کے پانچ شہزادے یعنی حضرت علی اکبرؓ، حضرت علی اوسطؓ (امام زین العابدینؓ)، حضرت عبداللہ علیؓ، حضرت محمدؓ، حضرت جعفرؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)، اور تین شہزادیاں حضرت فاطمہ الکبریٰؓ، حضرت فاطمہ الصغریٰؓ اور حضرت سکینہؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) تھیں۔

ان شہزادوں میں آپ کی نسل پاک حضرت سیدنا امام زین العابدینؓ علی اوسط رضی اللہ عنہ

سے چلی۔ ذیل میں امام عالی مقام علیہ السلام کی نسل پاک سے بعض مشہور اور نامور شہزادوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ رتبہ کریم اپنی شانِ کریمی کے مطابق شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین  
اولاً حضرت امام علی اوسط زین العابدین علیہ السلام کا ذکر خیر کیا جاتا ہے:

## حضرت امام علی اوسط زین العابدین علیہ السلام

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے سوا، اہل بیت اطہار کے سارے مہم مرتبہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ رتبہ کریم کو منظور تھا کہ نسلِ حسین علیہ السلام قیامت تک باقی رہے۔ اس مقصد کے لئے حضرت سیدنا علی اوسط امام زین العابدین علیہ السلام کا انتخاب ہوا۔

فرقہ اثنا عشریہ آپ کو چوتھا امام تسلیم کرتا ہے، یعنی پہلے امام سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، دوسرے امام حضرت سیدنا حسن مجتبیٰ علیہ السلام، تیسرے امام حضرت سید الشہداء شہید کربلا امام حسین علیہ السلام اور چوتھے امام حضرت سیدنا علی اوسط زین العابدین علیہ السلام۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی کنیت ابو محمد، ابو الحسن اور ابو بکر تھی۔ آپ کے القاب سید، سجاد اور زین العابدین ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت مدینہ طیبہ میں ۳۳ھ میں ہوئی۔ بعض روایتوں کے مطابق ۳۶ھ یا ۳۸ھ ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت شہربانو ہیں جو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایران سے اسیر ہو کر آئی تھیں۔ جس کا واقعہ اختصاراً یوں ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ برکت نشان میں جب ایران فتح ہوا تو شہنشاہ ایران یزدگرد کی تین لڑکیاں گرفتار ہو کر مدینہ طیبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچیں، تو حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

کے مشورہ سے ان تینوں شہزادیوں میں سے ایک شہزادی کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دوسری کو حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور تیسری کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عقد میں دے دیا گیا۔ چنانچہ ان کے بطحا طہر سے حضرت سیدنا زین العابدین بن حسین، حضرت محمد بن ابوبکر صدیق کے بیٹے حضرت قاسم بن محمد اور حضرت عبداللہ بن عمر کے بیٹے حضرت سالم بن عبداللہ پیدا ہوئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

**واقعہ کربلا کے بعد حضرت امام زین العابدین وقار اور شرافت نسب علیہ السلام اکثر و بیشتر روتے ہی رہتے تھے۔**  
 جب آپ ملک شام سے واپس مدینہ طیبہ پہنچے، تو اہل مدینہ نے چاہا کہ وہ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو جائیں اور آپ کو اپنا امیر المومنین بنالیں، مگر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ جب عرض کیا گیا کہ حضور ہم اہل کو فہم نہیں ہم اہل مدینہ ہیں۔ ہم آپ کے قدموں میں جان قربان کرنے کی بیعت کرنے کو آئے ہیں، تو آپ نے فرمایا: ”بس اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھے معاف کرو، میرے سینے میں اس قدر زخم ہیں کہ مزید کی گنجائش نہیں، مجھے خلافت و سلطنت کے نام سے وحشت سی معلوم ہوتی ہے کہ اسی کے شبہ میں میرے والدِ ذی وقار کو ذبح کر دیا گیا، نوجوانوں کے علاوہ شیر خوار بچوں کو تیز و تبر کا نشانہ بنا دیا گیا اور بے دردی سے تڑپا دیا گیا اور سنو! اگر تم مجھے خلافت کے لئے مجبور کر دو گے، تو میں مدینہ طیبہ چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔“  
 اہل مدینہ غم زدہ حالت میں واپس چلے۔ اگرچہ ظاہری طور پر سلطنت بنو امیہ کے ہاتھوں میں تھی، مگر دلوں کے بادشاہ ہمیشہ یہی رہے۔ بطور مثال ایک واقعہ سپردِ قلم ہے، جب مروانی سلطنت کا تاجدار ہشام بن عبدالملک بن مروان حج بیت اللہ کے لئے آیا تو طوافِ کعبہ کے بعد استلامِ حجرِ اسود کا ارادہ کیا مگر رش اتنا زیادہ تھا کہ وہ حجرِ اسود



تک نہ پہنچ سکا۔ ناچار ایک طرف منبر بچھو کر بیٹھ گیا اور حاجیوں کے اس سیلے والے کو دیکھنے لگا۔ اس کے گرد اگر داس کے ہی درباریوں اور خوشامدی شامیوں کا جھمکھٹا تھا اتنے میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تشریف لائے اور طواف کعبہ کے بعد جو نہی استلام حجر اسود کی نیت سے آگے بڑھے، تو لوگوں نے آپ کو آتادیکھ کر فوراً دور وہ صفت پانڈھ لی اور متوجہ کھڑے ہو گئے۔ شہزادہ صاحب پورے وقار کے ساتھ استلام حجر اسود سے فارغ ہوتے، تو ایک شامی حیران ہو کر بولا: ”یہ کون شخص ہے کہ جس کا اہل حرم پر اس قدر رعب و ہبہ ہے کہ کوئی ان سے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتا؟“ ہشام نے تیوری چڑھا کر کہا: ”معلوم نہیں یہ کون ہے، میں تو اسے نہیں جانتا۔ ہشام نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ مبادا اہل شام ان کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں، اور مجھے تنہا نہ چھوڑ دیں۔ مشہور شاعر فرزدق اسی مجلس میں موجود تھے، وہ بولے: وَاللّٰهُ اَکْبَرُ فُلْہ۔“ ”مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ان کو جانتا ہوں۔“ ہشام نے تیور بدل کر کہا: مَنْ هٰذَا؟ ”یہ کون ہے؟“ فرزدق نے فوراً فی البدیہہ ایک طویل قصیدہ کہا جس میں امام زین العابدین علیہ السلام اور آپ کے خاندان کی خوب خوب تعریف کی اور یہاں تک کہا کہ هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةَ اَنْ كُنْتَ جَاهِلَہٗ بِجَدِّہٖ اَنْبِیَاءُ اللّٰہِ قَدْ خَتَمُوْا اللّٰہُ شَرَفَہٗ قَدْ رَآ عَظَمَہٗ جَرٰی بِذَ الْاٰلِیْہِ لَہٗ فِیْ لَوْحِہٖ الْقَلَمِ لَیْسَ قَوْلُکَ مِنْ هٰذَا بظاہِرٍ الْعَرَبِ تَعْرِفُ مِنْ اَنْکَرٍ وَالْعَجَمِ

۱۔ یہ تیسرا شعر پر مشتمل ایک ایسا قصیدہ ہے کہ جس کا ہر شعر اپنی مثال آپ ہے طوالت کے خوف سے یہاں صرف تین اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ ۱۲ منہ

چونکہ ان اشعار میں ہشام بن عبد الملک کو بھی جھنجھوڑا گیا تھا، اس لئے اس نے فرزوق کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے بارہ ہزار درہم فرزوق کے لئے بھیجے، فرزوق نے درہم اس پیغام کے ساتھ واپس کر دیئے کہ مدحتہ للہ لا للعطاء والصلۃ۔

”میں نے اُن کی مدح صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کی ہے مال و دولت یا صلہ کے لئے نہیں“ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے وہ درہم دوبارہ فرزوق کی طرف بھیج دیئے اور فرمایا اے کہہ دو، انا اهل البيت اذا وهبنا شیئاً لا نعود فیہ۔

”ہم اہل بیت جس کسی کو کوئی چیز عطا فرماتے ہیں، تو پھر اسے واپس نہیں لیتے۔“

آخر ابو الفرس فرزوق نے تبرکاً وہ درہم لے لئے۔ (اوراق غم)

مرقوم ہے کہ ایک دن آپ تہماز تہجد میں

**لقب زین العابدین کی وجہ تسمیہ مشغول تھے کہ شیطان لعین ایک سانپ**

کی شکل میں نمودار ہوا، اُس نے اپنی شکل دکھا کر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز میں وسوسہ ڈالنے لگا۔ آپ نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہ دی، اُس نے آپ کے پاؤں کا انگوٹھا منہ میں ڈال لیا، مگر آپ نے پرواہ نہ کی۔ پھر اُس نے سختی کے ساتھ کاٹا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شدید تکلیف تو ہوئی، مگر آپ نے نماز نہ توڑی، یہاں تک کہ نماز مکمل ہو گئی۔ بعد از نماز آپ نے پہچان لیا کہ یہ تو شیطان ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سختی کے ساتھ اُسے ڈانٹا اور بھاگ جانے کا حکم دیا۔ جب سانپ چلا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر دوبارہ نماز شروع فرمادی۔ اسی اشارہ میں آپ نے سنا کہ ہاتھ غیبی آپ کو پکار کر کہہ رہا ہے بھانت زین العابدین۔ انت زین العابدین۔ یہ چیز ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور جس کا خوف خداوندی درجہ جتنا زیادہ بلند ہوتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ

۱۰ شواہد النبوة

سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ کے بارے میں یہ قول ہے کہ جب آپ وضو فرماتے، تو آپ پر کیچی سی طاری ہو جاتی اور چہرے کا رنگ لہو جاتا۔ جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی، تو فرمایا: ”تم جانتے ہو (نماز میں) کس کے حضور حاضر ہونا ہے۔“ یعنی یہ حالت اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے کے خوف کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی۔ اس وقت آپ حالت سجدہ میں تھے۔ لوگوں نے دیکھا تو شور مچا دیا کہ یا ابنِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ السلام) آگ بھڑک اٹھی ہے، آگ بھڑک اٹھی ہے، مگر آپ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ لوگوں نے بھاگ دوڑ کر کے آگ بجھا دی۔ اس دوران آپ نے پورے اطمینان سے نماز مکمل فرمائی، تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور! آپ نے نماز کیوں نہیں توڑی؟ حالانکہ جس کمرے میں آپ نماز پڑھ رہے تھے، اسے آگ لگ گئی تھی۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ”مجھے اس دنیا کی آگ کے مقابلہ میں دوزخ کی آگ کی زیادہ فکر ہے۔“ (شواہد النبوة)

**کرامات** محبوب بندوں کی عزت افزائی کے لئے ان کے ہاتھوں خرق عادات چیزوں کا اظہار فرماتا ہے۔ جب کسی ولی اللہ سے ایسی ہی بات سرزد ہوتی ہے تو اسے کرامت (یعنی عزت و تکریم) کہا جاتا ہے۔ بزرگانِ دین کے نزدیک عظیم ترین کرامت اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول مکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکموں پر استقامت سے عمل کرنا ہے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی اسوۂ نبوی پر احسن ترین طریقہ سے عمل کرتے ہوئے گزری۔ اس کے ساتھ آپ کے ہاتھوں بہت سی خرق عادات باتوں کا ظہور ہوا، جن میں چند ایک یہاں نقل کی جاتی ہیں:

امام زہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جب عبدالملک بن مروان نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قید کیا، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

ہاتھ اور پاؤں زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔ اس سختی کے باوجود قید خانہ پر محافظوں کا بہرہ لگا ہوا ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ میں اس حال میں آپ کو دیکھ کر دہڑا اور کہا: کتنا اچھا ہوتا کہ آپ کی جگہ میں پابند سلاسل ہوتا اور آپ سلامت رہتے۔ آپ نے فرمایا: زہری! اللہ تعالیٰ تیرا بھلا کرے، تو کیا سمجھتا ہے کہ مجھے ان طوق و سلاسل کی وجہ سے تکلیف ہے؟ اگر میں چاہوں تو یہ ابھی اتر جائیں، لیکن ایسی مثالیں قائم رہنی چاہئیں تاکہ خوفِ خداوندی کا غلبہ ہے اور آخرت میں آسانیاں ہوں۔ اس کے بعد سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آسانی کے ساتھ اپنے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے آزاد کروائے اور فرمایا: میں عنقریب ان کی قید سے رہا ہو جاؤں گا۔ اس واقعہ کے چار دن بعد جبکہ سخت ترین پہرہ لگا ہوا تھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کمرے سے گم ہو گئے۔ آپ کو بہت تلاش کیا گیا، مگر آپ نہ ملے۔ زہری فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں عبدالملک بن مروان کے پاس گیا، اس نے مجھ سے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا، تو میں نے جو کرامتیں آپ کی دیکھی تھیں، وہ بیان کر دیں۔ عبدالملک نے کہا: بات یہ ہے کہ جب میرے گماشتوں نے اُن کو گم کر دیا تو وہ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: عبدالملک! مجھے بتا کہ تیرے اور میرے درمیان کیا جھگڑا ہے؟ میں نے کہا: ذرا ٹھہریے۔ ”وہ فرمانے لگے: ”نہیں، بالکل نہیں ٹھہروں گا۔“ یہ کہہ کر آپ باہر چلے گئے۔ ”مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھ پر اسی کا اس قدر عجب و جلال اور دبدبہ طاری ہوا کہ میں اُن کو روک بھی نہ سکا اور وہ تشریف لے گئے۔“

ایک دن آپ صحرا میں اپنے احباب کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اتنے میں وہاں ایک بہرنی آئی اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا پاؤں زمین پر مار کر چیخنے لگی۔ حاضرین نے عرض کیا کہ اے ابنِ رسول اللہ (علیہ السلام) یہ بہرنی کیا کہتی ہے؟ آپ نے فرمایا: بہرنی شکایت کرتی ہے کہ تمہارا ساتھی کل میرا بچہ اٹھا لیا ہے، میں نے دودھ نہیں پلایا۔

حاضرین میں سے بعض کو یہ سن کر تعجب ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچہ اٹھانے والے شخص کو بلایا اور فرمایا کہ ”ہر فی تمہاری شکایت کرتی ہے کہ تم اس کا بچہ اٹھا لاتے ہو اور ابھی اُس نے دودھ بھی نہیں پیا ہے۔ اب وہ مجھ سے بچہ کی واپسی کی درخواست کرتی ہے۔ اگر تم چاہو تو وہ دودھ پلا کر بچہ تمہیں واپس کر دے گی۔“ اُس شخص نے بچہ لا کر پیش کر دیا۔ ہر فی بچہ کو دودھ پلانے لگی۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اُس آدمی سے فرمایا کہ ”ہر فی بچے کو ماں سے جدا نہ کرے بلکہ آزاد کر دے“ وہ شخص مان گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر فی کو بچہ لے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی، تو وہ چوڑیاں بھرتی ہنور مچاتی بچے سمیت جنگل کی طرف بھاگ گئی۔ حاضرین نے عرض کیا: ”یا ابن رسول اللہ (علیہ السلام) اب کیا کہہ سکتی تھی؟“ تو فرمایا: ”تمہیں ان الفاظ میں دعا دے رہی تھی،

جَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرًا۔ اللّٰهُ تَعَالٰی تمہیں جزائے خیر دے۔“

ایک مرتبہ استیلام حجرِ اسود کرتے ہوئے ایک مرد اور عورت کے ہاتھ حجرِ اسود سے چمٹ گئے۔ ہر چند اُن کو جدا کرنے کی کوشش کی گئی، مگر حجرِ اسود سے ہاتھ نہ چھوٹ سکے، اتنے میں امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ لوگوں نے احوالِ واقعی عرض کیا، تو آپ نے آگے بڑھ کر اپنا دست مبارک اُن کے ہاتھوں کو لگایا تو وہ فوراً رہا ہو گئے۔

منہال بن عمرو کہتے ہیں کہ میں ایام حج میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، تو آپ نے مجھ سے خزمہ بن کاہل اسدی (قاتلانِ امام عالی مقام علیہ السلام میں سے ایک بدبخت یہ تھا، کے متعلق پوچھا، تو میں نے عرض کیا کہ وہ کوفہ میں موجود ہے۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے:

اَللّٰهُمَّ اَوْقِدْ حَرًّا جَدِيدًا اَللّٰهُمَّ اَوْقِدْ حَرًّا مِنْ النَّارِ

”اے اللہ تعالیٰ (اس بدبخت) پر ایسے کی حرارت بھڑکا دے، اے اللہ تعالیٰ، اُسے آگ کی گرمی سے جلا دے“



منہال بن عمرو کہتے ہیں کہ میں کوفہ واپس گیا تو مختار بن عبید ثقفی خروج کر چکا تھا چونکہ میں اُس کا دوست تھا، اس لئے میں اُسے ملنے کے لئے گیا تو وہ کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا، میں بھی اُس کے ساتھ ہولیا۔ پھر ہم ایک ایسی جگہ پہنچے، جہاں مختار نے کسی شخص کا انتظار کرنا تھا۔ پھر وہ شخص پیش کر دیا گیا، میں نے دیکھا کہ وہ خزیمہ بن کاہل اسد تھا۔ مختار ثقفی نے کہا: الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے قبضے میں دے دیا ہے۔ پھر مختار نے جلاؤ کو حکم دیا کہ خزیمہ کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دو، پھر اُس نے آگ جلانے کا حکم دیا اور خزیمہ کو آگ میں جلا دیا گیا۔ میرے منہ سے بے ساختہ سبحان اللہ نکلا، تو مختار نے اس کا سبب دریافت کیا، تو میں نے اُسے حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدعا کا قصہ سنا دیا۔ (شواہد النبوة)

سنت سیدنا امام زین العابدین علی اوسط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ رحلت مبارکہ کی تاریخ میں اختلاف ہے بعض نے ۱۸ محرم الحرام ۹۶ھ تحریر کی۔ شیخ طوسی نے ۲۵ محرم الحرام ۹۶ھ اور کلینی نے ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ تحریر کی ہے۔ اسی طرح کلینی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالہ سے عمر شریف ستاون برس تحریر کی۔ کشف الغمہ نے اٹھاون برس اور بعض نے انسٹھ تحریر کی۔ (جلال العیون جلد دوم)

عام کتب میں درج ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھ اولادِ اطہار صاحبزادے تھے اور ان ہی سے آپ کی نسل مبارکہ چلی،

جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

حضرت امام محمد باقر۔ عبد اللہ الباقر۔ زید الشہید۔ عمر الاشرف۔

حسین الاصغر۔ علی الاصغر۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

لیکن ”ریاض الانساب“ نے دس نام مزید تحریر کئے ہیں۔ یعنی :-

حضرت مہدی - مادی افسس - حسن - اسماعیل - علی افسس - جعفر - طاہر عقیل  
 ابراہیم - ناصر رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کی شہزادیوں کی تعداد دو تھی، یعنی حضرت ام کلثوم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔  
**حضرت سیدہ ام کلثوم** آپ کی شادی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے  
 پوتے حضرت داؤد بن حسن مشنی سے ہوئی۔ ان کے  
 لطن اطہر سے حضرت سلیمان پیدا ہوئے۔ حضرت سلیمان کی نسل داؤد - اسحاق اور حسن  
 سے جاری ہوئی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

**حضرت سیدہ خدیجہ** آپ کی شادی حضرت محمد بن عمر بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 سے ہوئی۔ ان کے لطن اقدس سے حضرت عمر حضرت  
 عبداللہ حضرت عبید اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پیدا ہوئے۔

**شہزادگان کی اولاد** (۱) حضرت امام محمد باقر کے تین صاحبزادے تھے۔  
 حضرت امام جعفر صادق - حضرت ثابت

المعروف اصغر اور حضرت زید عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)  
 (۲) حضرت عبداللہ الباہر حضرت محمد تھا۔ محمد کے بیٹے کا نام اسماعیل تھا۔  
 ان کی نسل تہران، قم اور جرجان کے علاقہ میں پائی جاتی ہے۔

**حضرت عمیر الاشرف** (۳) رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے صاحبزادے کا نام علی اصغر تھا، جن کے  
 تین صاحبزادے تھے۔ حضرت قائم،  
 حضرت عمر اشجری حضرت ابو محمد الحسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان ہی سے آگے نسل چلی۔

**حضرت حسین الاصغر** (۴) رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے چار صاحبزادے تھے۔ حضرت  
 عبداللہ حضرت عبید اللہ حضرت عیسا الاعرج حضرت علی

اور حضرت ابو محمد الحسن سلیمانؑ حضرت حسینؑ الاصفہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ  
 ۵۷ھ کو مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ جنت البقیع میں مزار مقدس ہے۔ ان کی اولاد  
 عرب عجم میں پائی جاتی ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

ت حضرت علیؑ الاصفہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پانچ صاحبزادے تھے، حضرت عمرؑ حضرت  
 (۵) حضرت علیؑ حواری۔ حضرت حسنؑ۔ حضرت حسینؑ، حضرت  
 مکتوفؑ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان سے نسل مبارک جاری ہے۔

ت حضرت زیدؑ الشہید رضی اللہ عنہ ان کے چار صاحبزادے تھے، حضرت یحییٰؑ، حضرت  
 (۶) حضرت زیدؑ الشہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسینؑ ذی الدعدہ۔ حضرت عیسیٰؑ مومن الاشبال  
 اور حضرت محمدؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان کی نسل پاک بھی جاری و ساری ہے۔

حضرت زیدؑ الشہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہشام بن عبدالملک کے عہد حکومت میں  
 دعویٰ خلافت کیا۔ بہت سے لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی جن میں دیگر شہروں  
 کے علاوہ صرف کوفہ کے پندرہ ہزار اشخاص نے بیعت کی۔ ان کے مقابلہ میں یوسف  
 ثقفی لشکر لے کر آیا تو حسب عادت دیرینہ اہل کوفہ اپنے امام کو چھوڑ کر بھاگ گئے  
 حضرت زیدؑ الشہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غصہ میں آکر فرمایا: رَفَضُونَا الْيَوْمَ۔  
 اُسی دن سے رافضی کا لفظ بولا جانے لگا۔ اس جنگ میں آپ نے ۵۱ھ صفر ۱۲ھ  
 میں جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بعمر ۱۸ برس  
 مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ حضرت حسینؑ ذی الدعدہ ۶۵ھ میں اصل  
 بحق ہوئے۔ آپ کی اولاد کرام سادات ترمذی کہلاتی ہے۔

(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)



گزشتہ صفحہ سے آگے

عمرو بن لُحیہ

ابو منصور محمد

ابی عبد اللہ حسین

ابو الحسن زید

داؤد

حمزہ

علی

محمد

حسین

یوسف

محمد

علی

یوسف

محمد (عرف گیسو دراز)

احمد محدث

حسن ظفر

علی زید

عبد اللہ

ابو طاہر

محمد طاہر

عبد اللہ

ابو بکر

عثمان

کمال الدین ترمذی

گزشتہ صفحہ سے آگے

محمد بن زید الشہید

عبد اللہ

زید

عبد الواحد

محمد

بختیار

کامل

وجہیہ الدین

محمد آدم

مہدی

ہاشم

ابو جعفر

ابو عبد اللہ

ابو جعفر

ابو جعفر

ابو جعفر

ابو جعفر

ابو جعفر

ابو جعفر

ابو جعفر

ابو جعفر

ابو جعفر

ابو جعفر

ابو جعفر

ابو جعفر



## حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پانچویں امام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ اس اعتبار سے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نجیب الطرفین ہیں۔

**ولادت** آپ کی ولادت باسعادت بروز جمعۃ المبارک یا بروز شنبہ ولادت باسعادت تیسری ماہ صفر المظفر ۱۱۵۷ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔  
(شواہد النبوة - جلال العیون)

دوسری روایت کے مطابق آپ کی ولادت ماہ رجب المرجب میں ہوئی۔ (جلال العیون)  
آپ کا نام محمد، کنیت ابو جعفر اور القابات باقر، نام، کنیت اور لقب ہادی اور شاکر ہیں۔ باقر کی وجہ تسمیہ میں درج ہے کہ باقر کا لفظی معنی پھاڑنا، چیرنا، شکافتہ ہیں اور آپ باقر العلوم یعنی حقائق علمیہ کو کھول کر بیان کر دینے والے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ ”تم میرے اس فرزند کو یاد رکھو، جس کا لقب باقر ہے“ (جلال العیون)  
حضرت سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جبکہ آپ کی بصارت ختم ہو چکی تھی میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے جواب دے کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے بتایا کہ میں محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہوں۔“ تو انہوں نے فرمایا: اے میرے بیٹے! میرے قریب آؤ، جب میں ان کے قریب ہوا، تو انہوں نے میرے ہاتھوں کو دھو کر عقیدت

سے) چوم لیا، پھر پاؤں چومنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ (بطور احترام) میں نے  
 احتراز کیا، تو انہوں نے فرمایا: ”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو سلام بھیجا۔“  
 میں نے جواباً کہا: ”والسلام علی رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!“ پھر میں نے حضرت  
 جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ دربارِ نبوی میں میرا ذکر کس طرح ہوا تھا؟  
 تو انہوں نے فرمایا: ”ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت فیض  
 میں حاضر تھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے جابر! ہو سکتا ہے کہ  
 تمہاری ملاقات میرے ایک فرزند سے ہو، اُس کا نام محمد بن علی بن حسین ہے۔  
 اللہ تبارک تعالیٰ میرے اس بیٹے کو انوارِ علم و حکمت سے نوازے گا۔ جب تم ایسے ملو  
 تو اُس کو میرا سلام کہنا۔“ (شواہد النبوة)

خود حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اے جابر! شاید تو حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اُس بیٹے  
 سے ملاقات کرنے کے لئے زندہ رہے کہ جس کا نام محمد ہے۔ وہ دینِ علوم و دینیہ کی  
 خوب خوب اشاعت و ترویج کرے گا، جب تیری اُس سے ملاقات ہو اسے میرا سلام کہنا۔“  
 بعض روایات میں اتنا زائد ہے کہ ”اے جابر! اس ملاقات کے بعد تمہاری  
 زندگی کے چند روز باقی ہوں گے۔“ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے چند روز  
 بعد ہی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ (شواہد النبوة)

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت سی کرامات  
**کرامات مشہور ہیں، جن میں سے چند ایک نقل کی جاتی ہیں:-**  
 فیض بن مطر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا

اے سبحان اللہ تعالیٰ! حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شاید فرما کر خبر دینا بھی

کس قدر یقینی ہے - ۱۲ منہ

اور دل میں سوچا کہ نمازِ عشاء ادا کرنے کے لئے ان سے جگہ کے بارے میں پوچھوں۔  
 ابھی میں اپنے دل کی بات کو زبان پر نہ لایا تھا کہ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے  
 ایک حدیث بیان فرمادی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی کشادہ زمین پر  
 کہ جہاں گھاس بکھرت ہو، نماز ادا فرمالیا کرتے تھے۔ دگو یا میرے سوال کرنے سے پہلے ہی  
 جواب دے دیا۔

ایک اور راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ  
 ہشام بن عبد الملک کے زیر تعمیر مکان کے قریب سے گزرا۔ اس وقت ہشام اپنے محل کا سنگ بنیا  
 رکھ رہا تھا۔ آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ گھر خراب و خستہ ہو جائے گا،  
 اور لوگ اس کی مٹی تک اکھاڑ لے جائیں گے۔ یہ سچ کہ جن سے اس محل کی بنیاد رکھی جا رہی  
 ہے، کھنڈرات میں بدل جائیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے آپ کی اس بات سے بڑا  
 تعجب ہوا کہ کیا واقعی ہشام کا گھر تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ لیکن میں نے خود اپنی  
 آنکھوں سے دیکھا کہ جب ہشام فوت ہوا تو ہشام کے بیٹے ولید بن ہشام نے اپنے باپ  
 کے اس محل کو مسمار کر دیا اور مکان کی بنیاد کے سچے کھنڈرات کی  
 صورت میں نظر آنے لگے۔

مروی ہے کہ ایک دن حضرت محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریفہ میں بیٹھے  
 ہوئے تھے۔ اُن دنوں حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ رحلت فرما  
 چکے تھے، اچانک مسجد میں داؤد بن سلیمان اور منصور دوانقی حاضر ہوئے۔ داؤد  
 بن سلیمان تو حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب آ پہنچا، جبکہ  
 منصور دوانقی جبکہ مسجد نبوی شریفہ میں بیٹھے گیا۔ حضرت امام محمد باقر  
 علیہ السلام نے اس کی طرف دیکھ کر داؤد سے فرمایا، منصور دوانقی میرے پاس کیوں  
 نہیں آیا؟ داؤد نے اُس کی جانب سے معذرت پیش کی تو آپ نے فرمایا، عتق

منصور مخلوق پر حاکم بن جائے گا، مشرق و مغرب تک اس کی حکومت ہوگی۔ اس کی عمر بھی طویل ہوگی۔ اس کے پاس اس قدر خزانے جمع ہوں گے کہ قبل ازیں کسی نے اس قدر خزانے جمع نہ کئے ہوں گے۔ داؤد اکٹھے اور سارا واقعہ منصور کو سنایا۔ منصور فوراً حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میں صرف آپ کے رعب و جلال اور عزت و اکرام کی وجہ سے حاضر خدمت نہ ہوا، وگرنہ کوئی شے مانع نہ تھی۔ پھر پوچھا کہ ”داؤد کیا کہتا ہے؟“ فرمایا: ”سچ کہتا ہے، ایسے ہی ہوگا۔“ منصور نے پوچھا کہ کیا ہماری سلطنت آپ کی سلطنت سے پہلے ہوگی؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں؟“ پھر اُس نے پوچھا: ”ہماری سلطنت زیادہ دیر چلے گی یا بنو امیہ کی۔“ آپ نے فرمایا: ”تمہاری سلطنت زیادہ دیر چلے گی، لیکن بچوں کے ہاتھوں میں ہوگی، جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں، وہ اس سے یوں کھیلے گے۔ بس میں نے اپنے والدِ گرامی سے یہی کچھ سنا۔“ چنانچہ جب منصور دوانقہ کی سلطنت بنا تو اُسے حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتوں پر بڑا تعجب ہوا کہ وہ حرف بحرف سچ ثابت ہوتی ہیں۔

ایک ثقہ راوی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ مجھے بتایا گیا کہ حضرت کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہیں، تم ابھی انتظار کرو۔ میں باہر کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ باہر آئے، جنہوں نے تنگ عبائیں پہن رکھی تھیں، ان کے ہاتھ اور پاؤں پر دستا نے اور مونے چڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے السلام کہا اور چلے گئے۔ اس کے بعد میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ ”یہ لوگ جو ابھی ابھی گئے ہیں، کون تھے؟“ ان کو پہچان نہیں سکا۔“ آپ نے فرمایا: ”یہ جنت تھے۔“ میں نے پوچھا کہ کیا وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ”ہاں، جس طرح تم حلال و حرام کے بارے میں سوالات پوچھتے ہو (یعنی علومِ دینیہ سیکھتے ہو)

وہ بھی پوچھنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ (شواہد النبوة)

**رحلت مبارکہ** حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخِ رحلت میں اختلاف ہے۔ مشہور ہے کہ رحلت مبارکہ ۱۱۴۰ھ میں ہوئی۔ بعض نے ۱۱۴۱ھ اور بعض نے ۱۱۴۲ھ بھی تحریر کی ہے۔ کلینی نے بسند معتبر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ ۱۱۴۰ھ میں ہوئی۔ عمر مبارکہ ستاون برس کی تھی اور مدتِ امامت خلافتِ ائمہ سال و دو ماہ تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (جلال العیون جلد ثانی) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرقہ منورِ جنت البقیع شریفہ میں حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلے مقبرے میں ہے۔

آپ علیہ السلام کے آٹھ صاحبزادے تھے۔ یعنی حضرت اولادِ اطہر۔ امام جعفر صادق۔ حضرت عبداللہ۔ حضرت قاسم۔ حضرت حش۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت ابوتراب۔ حضرت زید۔ حضرت ثابت۔ (ریاض الانساب ص ۷۳) (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

## حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرقہ امامیہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھٹا امام تسلیم کرتا ہے۔ زہد و تقویٰ اور ورع میں اپنی مثال آپ تھے۔

آپ کی ولادت یا سعادت کی تاریخ میں اختلاف ولادت یا سعادت ہے۔ جلال العیون میں بعض نے سن ولادت ۸۰ھ بعض نے ۸۶ھ بھی تحریر کی ہے، لیکن مشہور ترین سن ۸۰ھ ربیع الاول ۸۳ھ ہے۔ بعض نے ماہِ رجب ۸۳ھ لکھی ہے۔



نام و نسب آپ کا اسم گرامی جعفر، کنیت ابو عبد اللہ، جبکہ عن بعض ابواسماعیل (لیکن مشہور کنیت ابو عبد اللہ ہی ہے) جبکہ شہر ترین لقب صادق ہے۔ آپ کے والد ذی وقار حضرت محمد بن علی بن حسین علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، جبکہ والدہ محترمہ کانسب یوں ہے، حضرت ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، جبکہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نانی حضرت ام فروہ کی والدہ کا نام حضرت اسماء بنت عبد الرحمن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھا، یہی کا قول ہے کہ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بار رحم دیا، یعنی دوا عتبار سے نسبت مبارکہ ہے۔

آپ کا قدمیانہ، مانل بلبندی، نورانی چہرہ، گورازنگ بلند حلیہ مبارکہ اور خوبصورت بینی اور بال گھنگھریالے تھے۔

ایک بن ابن عکاشہ آپ کے والد ماجد آپ کی شادی خانہ آبادی حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، جبکہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس محفل میں موجود تھے۔ ابن عکاشہ نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ "ماشاء اللہ اب تو جعفر جوان ہو گئے ہیں، ان کی شادی ہونی چاہیے، آپ ان کی شادی کیوں نہیں کرتے؟" اس وقت حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک سرمہ پھیل تھی کہ جس میں سونا تھا۔ آپ نے وہ پھیل ابن عکاشہ کو عطا فرمادی اور حکم دیا کہ جاؤ ایک کوٹہ خرید لاؤ۔ ابن عکاشہ کہتے ہیں کہ ہم پردہ فروش کے پاس گئے، تو اُس نے کہا کہ تمام کنیزیں اور غلام فروخت ہو چکے ہیں، ہاں البتہ دو لونڈیاں باقی ہیں، لیکن ان کی

قیمت زیادہ ہے۔ ہم نے کہا کہ انہیں باہر لاؤ تاکہ ہم انہیں دیکھیں۔ وہ دونوں باہر آئیں، تو ہم نے اُن میں سے ایک کو پسند کر لیا، پھر برودہ فروش سے قیمت پوچھی تو اُس نے کہا، ”ستتر ہزار دینار۔“ ہم نے کہا کہ قیمت بہت زیادہ ہے۔ کچھ کم کر لو۔ وہ بولا ”ایک کوڑی بھی کم نہ ہوگی۔“ ہم نے کہا، ہمارے پاس پتھیلی ہے، ہم نہیں جانتے کہ اس میں کس قدر رقم ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ پتھیلی میں جو ہے تو لے لے اور لونڈی ہمیں دے دے۔“ برودہ فروش کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا، جس کا سر اور داڑھی سفید تھی۔ اُس نے کہا، ”پتھیلی کھول کر تو دیکھو اس میں کیا ہے؟“ برودہ فروش نے کہا، ”پتھیلی ممت کھولو، یاد رکھو اگر ستتر ہزار سے ایک کوڑی بھی کم ہوتی، تو لونڈی نہیں بیچوں گا۔“ سفید ریش بزرگ نے کہا، ”مگر پتھیلی کھول کر دیکھ لینے میں ہرج بھی کیا ہے۔“ چنانچہ جب پتھیلی کھولی گئی تو اُس میں سے سونے کے ٹکڑے نکلے اور جب اُن کا وزن کیا گیا تو اُن کی مالیت پورے ستتر ہزار دینار کے برابر تھی نہ تو ایک کوڑی بھی کم اور نہ ہی زیادہ۔ چنانچہ ہم اُس لونڈی کو خرید کر حضرت محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہو گئے۔ اس وقت حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہیں موجود تھے۔ ہم نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام ماجرا کہہ سنایا۔ آپ کی زبان مبارک پر فوراً الحمد للہ کے الفاظ آئے۔ پھر لونڈی سے اُس کا نام پوچھا تو اُس نے کہا میرا نام ”حمیدہ“ ہے۔ آپ نے فرمایا ”دُنیا و آخرت میں حمیدہ و محمود ہے۔“ پھر آپ نے پوچھا، ”تم باکرہ ہو یا غیر باکرہ؟“ اُس نے کہا کہ میں باکرہ ہوں۔“ آپ نے فرمایا، ”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی خوبصورت لونڈی برودہ فروشوں کے ہاتھوں محفوظ رہ سکے۔“ حمیدہ نے کہا، ”جب فروش بُرائی کی نیت سے میرے قریب آتے، ایک سفید ریش بزرگ آگے بڑھ کر اُس کے منہ پر طمانچہ مارتے اور اُسے مجھ سے دُور کر دیتے۔ ایسا کئی مرتبہ ہوا۔“ یہ سن کر حضرت محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لونڈی کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی ملک میں دے دیا اور پھر اس پاکباز خاتون کے شکم اقدس سے بہترین شخصیت حضرت سیدنا موسیٰ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

رب کریم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عزت و عظمت کے بلند ترین کرامات مقام پر فائز فرمایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کرامت کسی محیر العقول شے کا کسی سے صادر ہو جانا نہیں ہے، کیونکہ خرقِ عادتِ شے تو کبھی کافر سے بھی ظاہر ہو جاتی ہے جسے استدراج کہتے ہیں جس طرح کہ حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے آنے والے جادو گروں نے لوگوں کی نظر میں لکڑیوں و رسیوں کو سانپوں کی شکل میں بنا دیا۔ آپ کے نزدیک حقیقی کرامت اللہ تعالیٰ کے احکامات پر استقامت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ مطہرہ کی مکمل پابندی کا نام ہے۔

منقول ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کچھ عرصہ تک حاضر خدمت رہا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور مروت اُس سے دریافت نہ فرمایا کہ تم یہاں کیوں آتے ہو؟ جب وہ واپس جانے لگا، تو آپ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو کیا بتا سکتے ہو کہ تم کس مقصد کے لئے آتے تھے؟ اُس نے کہا کہ ”اگر سچ کہوں تو آپ کی دل شکنی ہوگی۔ آپ نے حق میزبانی خوب ادا فرمایا ہے، اس لئے دل نہیں چاہتا کہ آپ کی دل شکنی ہو۔ اگر جھوٹ بولوں تو گنہ گار ہوتا ہوں۔“ آپ نے ارشاد فرمایا، ”تم سچ بولو اور بغیر کسی پچکچا ہٹ کے سچ بولو، سچ سن کر ہم بہت خوش ہوتے ہیں۔“ اُس نے عرض کیا کہ میں نے سنا تھا کہ آپ بہت بڑے صاحبِ کرامت ہیں مگر میں ایک عرصہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ میں نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ یہ سن کر آپ مسکرا دیئے اور فرمانے لگے ”بھائی! مجھے بتاؤ اس تمام عرصہ میں تم نے میرا کوئی بھی عمل (یعنی کھانا، پینا، سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا وغیرہ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ کے خلاف دیکھا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں۔ میں نے آپ کا ہر عمل عین سنت نبوی کے مطابق پایا۔ آپ نے فرمایا: پھر اس سے بڑھ کر اُمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق ارزانی عطا فرمادے؟ (شنید و خواند)

لیکن اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خرقِ عادات کرامات کا ظہور نہیں ہوا، بلکہ حق یہ ہے کہ کتبِ سیرت میں آپ کی بہت سی خرقِ عادت کرامات کا تذکرہ جا بجا موجود ہے۔ چند ایک بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں:

(۱) جاہ پرست لوگ ہمیشہ اہل حق کے دشمن ہو ا کرتے ہیں، ایسے ہی ایک نوجوان غرض اور ناعاقبت اندیش شخص نے خلیفہ منصور عباسی کے پاس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت سی ناحق شکایات لگائیں اور اسے اس قدر بھڑکایا کہ منصور عباسی آپ کو شہید کرنے کے درپے ہو گیا۔ چنانچہ اُس نے ربیع کو حکم دیا کہ حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) کو دربارِ شاہی میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ آپ تشریف لاتے تو منصور نے کہا ”کیا آپ میرے ملک میں فتنہ پھیلانا چاہتے ہیں؟“ آپ نے جواباً فرمایا: اگر میں فتنہ و فساد کا ارادہ کروں، تو اللہ تعالیٰ مجھے ہلاک کرے۔ میں نہ تو فتنہ انگیزی چاہتا ہوں نہ ہی خوں ریزی۔ نہ میں نے کبھی خلافت کی خواہش کا اظہار کیا ہے اور نہ ہی کبھی عملی طور پر کچھ کیا ہے۔ آپ کو میرے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے، وہ غلط ہے، دروغ گوئی ہے۔ خلیفہ آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر بولا: آپ سمجھتے ہیں آپ میرے پاس تشریف لے آئیے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تختِ شاہی پر منصور کے پہلو میں جا بیٹھے۔ خلیفہ نے بتایا کہ آپ کے خلاف فلاں شخص نے باتیں کی ہیں۔ پھر خلیفہ نے اس شخص کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا اور اس سے پوچھا کہ جو باتیں تم نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کی ہیں، ان کی حقیقت کیا ہے؟

اُس نے کہا: سب کچھ سچ ہے۔“ خلیفہ نے پوچھا: کیا تم قسم اٹھا سکتے ہو؟ اُس نے کہا: ”ہاں!“ پھر یوں قسم اٹھانا شروع کی: **بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالَمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ۔** (قسم ہے اُس کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ہر قسم کے ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اُسے خلیفہ! میں اسے قسم دیتا ہوں۔“ خلیفہ نے کہا: ”ہاں!“ آپ اسے قسم دیں۔“ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ یوں کہو: **بِرِیْتٍ مِنْ حَوْلِ اللّٰهِ وَقُوَّتِهِ وَالنَّجَاةِ اِلَى حَوْلِیْ وَقُوَّتِیْ لَقَدْ فَعَلَ كَذَا وَكَذَا جَعْفَرُ وَقَالَ كَذَا وَكَذَا جَعْفَرُ** (میں تیری اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے اور نجات سے اپنی قوت اور حفاظت کی طرف، بے شک جعفر نے ایسے ایسے کیا ہے اور جعفر نے ایسے ایسے کہا ہے) وہ شخص اس طرح قسم اٹھانے سے احتراز کرنے لگا، لیکن مجبور کرنے پر آخر کار اسی طرح قسم اٹھالی۔ قسم اٹھاتے ہی وہ زمین پر گر پڑا اور حاضرین کے سامنے تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گیا۔ خلیفہ منصور نے حکم دیا کہ اس ملعون کو گھسیٹ کر باہر لے جا۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ منصور آپ پر سخت ناراض تھا، لیکن جب آپ اس کے پاس تشریف لائے تو آپ نے زیر لب کچھ پڑھا، جس سے اس کا سارا غصہ جاتا رہا۔ آپ نے کیا پڑھا تھا؟ تو آپ نے فرمایا، میں نے اپنے جد امجد حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلقین کردہ یہ دُعا پڑھی تھی:

**يَا عِدَّتِيْ عِنْدَ شِدَّتِيْ وَيَا غَوَّتِيْ عِنْدَ كَرْبَتِيْ اَحْرِثْنِيْ بِعَيْنِكَ الَّتِي لَا تَنَامُ وَ اَكْنِفْنِيْ بِرُكْنِكَ الَّذِي لَا يَرَامُ۔**  
ربیع کہتے ہیں کہ میں نے یہ دُعا یاد کر لی اور جب بھی کوئی مشکل آتی تو میں نے یہ دُعا پڑھ لی، تو وہ مشکل آسان ہو گئی۔



ربیع کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے اس شخص کو قسم پوری کرنے سے قبل دوسری قسم کیوں دی؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”جب بندہ یحسونی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتا ہے تو اسے حلم کی دولت عطا ہوتی ہے اور وہ اپنی سزا سے مطلع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے اسے وہ قسم دی جسے تم نے سنا۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُس کا بہت جلد مَوَ اُخذہ فرمایا۔ (شواہد النبوة جلد ۱، العیون) (۲) ایسے ہی ایک اور موقع پر خلیفہ منصور عباسی نے لوگوں کے بہکاوے میں آکر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا اور جلا دوں کو حکم دیا کہ میں نے امام جعفر بن محمد (علیہما السلام) کو اپنے دربار میں بلایا ہے۔ جب وہ دربار میں آئیں اور میں اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھوں (یا اپنا تاج اتاروں) تو تم فوراً اُن کو شہید کر دینا۔ لیکن جب آپ تشریف لائے، تو منصور سخت ہسیت زدہ ہو گیا، وہ لرزہ بر اندام برہنہ پا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استقبال کے لئے آگے بڑھا اور بڑے احترام و اکرام کے ساتھ آپ کو تخت شاہی پر بٹھایا اور خود بڑے ادب و احترام سے دوزانو ہو کر سامنے بیٹھ گیا۔ اور کہا کہ اے ابی رسول اللہ اگر کوئی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیں۔“ آپ نے فرمایا کہ ”مجھے اس کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں کہ آپ مجھے دربار میں نہ بلایا کریں، جب میرا جی چاہے گا خود آجایا کروں گا۔“ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور واپس تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد منصور اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا اور رات گئے تک سوتا رہا، یہاں تک کہ اُس کی نماز بھی قضا ہو گئی، پھر وہ اٹھا اور نماز ادا کی۔ اُس کے مصاحبوں نے اُس سے اُس کی اس حالت کے بارے میں دریافت کیا، تو اُس نے بتایا کہ جب حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ بہت بڑا اور اتنا زبردست اثر دیا تھا کہ جو میرے پاس

مل کو اپنے جبروں میں دبا سکتا تھا، وہ اپنی زبان حال سے مجھے یوں کہتا ہوا محسوس  
 ہوتا تھا کہ اگر تو نے ذرا سی بھی گستاخی کی تو تجھے محل سمیت نرگل جاؤں گا۔ میں اُس  
 کی قہر آلود نظروں کی تاب نہ لا سکا اور مجھ پر دہشت طاری ہو گئی۔ میں نے فوراً  
 حضرت امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے معافی مانگی۔“

(تذکرۃ الاولیاء - شواہد النبوة - جلال العیون)

(۳) ایک ثقہ راوی کا بیان ہے کہ خلیفہ منصور نے میرے ایک دوست کو  
 قید کر دیا۔ یوم عرفہ میری ملاقات حضرت امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ہوئی۔  
 آپ نے مجھ سے میرے دوست کے بارے میں پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ ”محضور!  
 وہ بے چارہ قید میں ہے۔“ یہ سُن کر آپ نے اپنے ہاتھ مبارک دعا کے لئے اٹھائے  
 پھر ایک ساعت بعد فرمایا: ”خدا کی قسم (میری دعا کی برکت سے) تمہارے دوست کو  
 بری کر دیا گیا ہے۔“ راوی کہتا ہے کہ جب میں حج سے واپس پلٹا تو میرا وہ دوست  
 مجھے ملنے کے لئے آیا۔ میں نے پوچھا کہ تم کب سے رہا ہوئے ہو؟ اُس نے بتایا کہ مجھے  
 یوم عرفہ عصر کے وقت رہائی ملی۔“ (شواہد النبوة)

(۴) ایک مرتبہ آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بیش بہا قیمتی لباس زیب تن کئے تشریف فرما  
 تھے۔ کسی شخص نے بطور اعتراض کہا کہ ایسی قیمتی لباس آپ اہل بیت کے لئے مناسب  
 نہیں، تو آپ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آستین پر پھیرا۔

تو اسے آپ کا لباس ٹاٹ سے بھی کھردرا محسوس ہوا۔ اُس نے حیران  
 ہو کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”هَذَا لِلْمَخْلُوقِ وَهَذَا لِلْحَقِّ۔“  
 یعنی ”یہ (پہلا نظر آنے والا) مخلوق کیلئے ہے اور یہ (دوسرا کھردرا) حق کیلئے ہے۔“ (تذکرۃ الاولیاء)

ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کی

دشمندگی کی تعریف خدمت میں حاضر تھے۔ آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا:

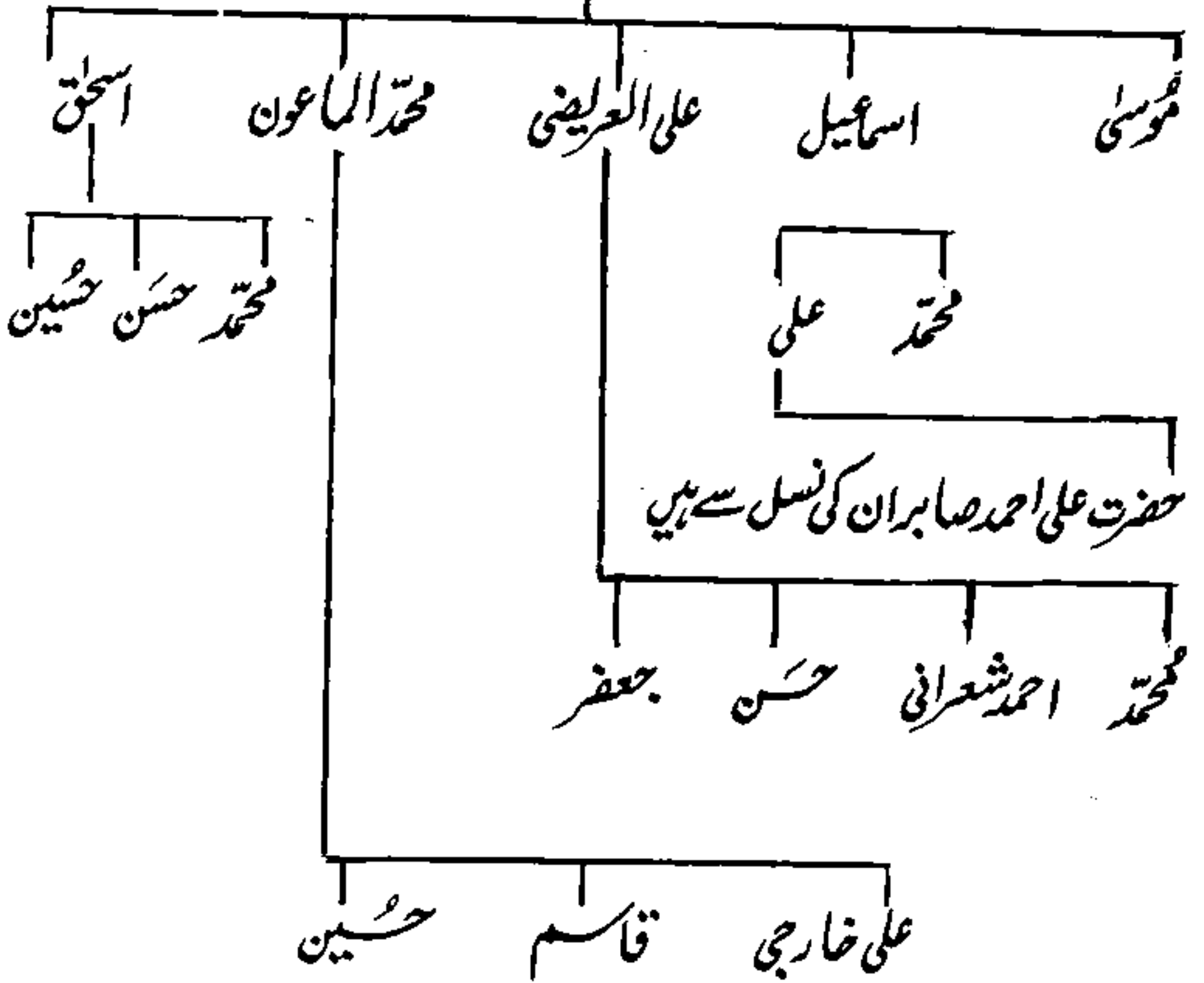
بتائیے ! دانشمند کسے کہتے ہیں ؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کیا کہ جو اپنی بھلائی اور بُرائی میں امتیاز کر سکے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”یہ امتیاز تو جانور بھی کر لیتے ہیں، کیونکہ جو اُن کی خدمت کرتا ہے اسے ایذا نہیں پہنچاتے، لیکن جو تکلیف دیتا ہے، وہ اسے کاٹ کھاتے ہیں۔“ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کیا کہ پھر آپ ہی فرمائیے کہ ”دانشمند کون ہے؟“ فرمایا: ”جو دو بھلائیوں میں سے بہتر بھلائی کو اختیار کرے اور اگر دو بُرائیوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنا ناگزیر ہو تو نسبتاً کم بُرائی کو اختیار کرے۔“ (تذکرۃ الاولیاء)

**رحلتِ مبارکہ** جلال العیون میں ہے کہ ”اس میں اختلاف نہیں کہ وفاتِ آنحضرت ۱۲ سالہ صبر میں واقع ہوئی۔ مشہور یہ ہے کہ ماہِ شوال میں آپ نے وفات پائی۔ بعض نے بروزِ پیرہ ۱۲ ماہِ رجب ۱۲ سالہ تحریر کیا۔ اکثر نے عمر مبارکہ سینسٹھ سال تحریر کی، جبکہ بعضے اڑسٹھ سال تحریر کرتے ہیں اور کشف الغمہ میں اکہتر سال کی روایت ہے۔ (جلال العیون جلد ۲)

جلال العیون میں مزید لکھا ہے کہ خلیفہ وقت کے ایما پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر آلود انگور کھلاتے گئے جو کہ آپ کی شہادت کا سبب بنے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلما تم، کلینی نے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل تجہیز و تکفین و تدفین کی کہ آپ نے فرمایا: ”میں نے والدِ بزرگوار (حضرت امام جعفر صادق) کو دو جامہ سفید مصری میں کہ جس میں حضرت نے احرام حج باندھا تھا، ایک اور پیراہن کہ جسے آپ عموماً پہنے رہتے تھے اور ایک وہ عمامہ شریف کہ جو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے آپ تک پہنچا تھا۔ علاوہ ازیں ایک بُردِ یمانی کہ جسے چالیس دینار میں خریدا تھا اور اس کی آج کل قیمت چار سو دینار ہے (ان کپڑوں میں) کفن دیا گیا اور انہیں ان کے والدِ بزرگوار کے پہلو میں جنت البقیع شریفہ کے اندر دفن کر دیا گیا۔ (مذکورہ)

# اولاد اطہار حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ



صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی  
آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا۔

## حضرت امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق رضی اللہ عنہما

حضرت امام موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زہد و تقویٰ اور علم و بردباری میں اپنی مثال آپ تھے۔ اثنار عشری آپ کو امام ہفتم مانتے ہیں۔

ابو بصیر سے مروی ہے کہ جس سال حضرت سیدنا ولادت یاسعدت موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ متولد ہوئے۔

اس سال میں حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حج پر روانہ ہوا۔

جب ہم منزل ابواء پر پہنچے، تو حضرت امام جعفر علیہ السلام نے دوپہر کا کھانا طلب فرمایا۔ اسی دوران حرم محترم کے خیمہ سے حضرت حمیدہ (امم موسیٰ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کا پیغام ملا کہ آثار ولادت شریفہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد

حضرت امام جعفر صادق نے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے

ولادت یاسعدت کی ہمیں خوشخبری سنائی۔ (خلاصہ روایات جلال العیون)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت یاسعدت مورخہ نو یادیس صفر المنظر

۲۸ھ بروز اتوار کو ہوئی۔ (شواہد النبوة)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوالحسن

کنیت، اسم گرامی اور لقب ابوالبرہیم، اسم گرامی موسیٰ اور

لقب مبارک کاظم تھا۔

حق یہ ہے کہ لقب کاظم کے بہترین مصداق بھی آپ ہی تھے کہ آپ نے باوجود

مستجاب الدعوات ہونے کے اپنے بدترین دشمنوں سے بھی کمال درجہ علم و بردباری اور عفو و درگزر سے کام لیا۔

لہ ابواء مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار مقدس اسی جگہ تھا۔



آپ کی والدہ محترمہ اُمّ ولد (لوندی) تھیں۔ ان کا  
**والدہ ماجدہ** اسم گرامی حضرت حمیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ ان کا  
واقعہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیان میں گزر چکا ہے۔  
حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے کے  
**شرف و کرامات** بہت بڑے فقیہ، کریم اور تخی تھے۔ کتب سیرت میں  
آپ کی طرف بہت سی کرامات منسوب ہیں جن میں سے چند ایک ندرہ قارئین کرام ہیں:  
(۱) حضرت شفیع بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں دورانِ سفر حج  
سرزمین قادسیہ کی جانب جا نکلا۔ میں نے ایک نہایت خوبصورت، بلند قامت  
نوجوان کو دیکھا۔ اُس نے پشتینہ کا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ سر پر عمامہ اور  
کندھے پر شملہ تھا، وہ اہل قافلہ کے قریب سے گزرا اور تنہا ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔  
میں نے سوچا کہ یہ نوجوان شاید کوئی درویش ہے اور چاہتا ہے کہ اس سفر میں وہ  
دوسرے مسلمانوں کے لئے بوجھ بن جائے کیونکہ اُس کے اپنے پاس کوئی زادِ مال نہیں  
میں نے ضروری سمجھا کہ اسے رزق کر دوں تاکہ وہ اس کام سے باز آجائے۔  
اس مقصد کے لئے جوں ہی میں اُس کے قریب پہنچا تو اُس نے کہا: ”اے شفیع!  
**اِجْتَنِبُوا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔**  
”زیادہ گمان (یعنی بدگمانی) سے پرہیز کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔“  
یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ یہ عجیب بات ہوئی، یہ نوجوان نہ  
صرف میرا نام جانتا ہے، بلکہ جوابات میرے دل میں تھے، اُس کا جواب بھی قرآن کریم  
کی آیہ مبارکہ سے دے دیا۔ یقیناً یہ کوئی مردِ با خدا ہے۔ تجھے اس سے معافی مانگنی  
چاہیے۔ چنانچہ میں نے ہر چند اُن کو تلاش کیا، مگر کہیں نہ پاسکا۔ جب قافلہ اگلی منزل  
پر پہنچا، تو میں نے اُسی نوجوان کو مشغول نماز دیکھا۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔

اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، میں نے پھر چاہا کہ اس سے معافی مانگو۔ چند لمحے  
 رکنے کے بعد میں اس کی طرف بڑھا، تو اُس نے کہا: ”اے شفیق! قرآنِ کریم کی یہ آیت مبارکہ  
 پڑھو: وَإِنِّي غَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ“  
 ”اور میں تو ہر اس شخص کو بخشنے والا ہوں جس نے بھی توبہ کی، ایمان لایا، نیک اعمال  
 کئے اور ہدایت پائی۔“ یہ کہا اور مجھے چھوڑ کر چل دیا۔ میں نے سمجھا کہ یہ نوجوان ابدالوں  
 میں ہے جس نے دوبارہ میرے دل کی بات جان لی۔

پھر میں نے اُسے ایک کنوئیں پر کھڑا دیکھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چرمی ڈول  
 تھا۔ اُس نے پانی نکالنا چاہا تو ڈول اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئیں میں جا گرا۔  
 اُس نے آسمان کی طرف چہرہ کر کے کہا: اَنْتَ سَرِّقِي اِذَا ظَلُمْتَ الْمَاءَ وَ  
 قُوَّتِي اِذَا اَسْرَدْتُ الطَّعَامَ اَللّٰهُمَّ سَيِّدِي اِلٰی غَيْرِهَا فَلَا  
 تَقْدِرُ مَا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے کنوئیں کے پانی کو اوپر آتے دیکھا  
 اس نوجوان نے سطحِ آب سے ڈول اٹھا لیا اور وضو کر کے چار رکعت ادا کی، پھر ریت  
 کے ایک ٹیلے کی جانب چل دیا اور مٹھی بھر ریت پانی کے ڈول میں ڈالی، اُسے خوب بلایا  
 اور پی گیا۔ یہ دیکھ کر میں نے اُس کے پاس گیا اور سلام مسنونہ کہا، اُس نے میرے سلام کا  
 جواب دیا۔ میں نے اُس نوجوان سے کہا کہ میں تیرا پس خوردہ (پینے کے بعد بچا ہوا) پانی  
 پینا چاہتا ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم درجہ عطا فرما رکھا ہے۔“ اس نے  
 کہا: ”اے شفیق! ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ظاہر و باطن کی نعمتیں مجھے ملتی رہتی ہیں، اس لئے تو  
 بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں نیک گمان رکھ، پھر اُس نے وہ ڈول مجھے دے دیا۔ جب  
 میں نے پانی پیا، تو وہ ستوا اور شکر تھے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے آج تک ایسی  
 لذیذ اور شیریں شے کوئی نہیں پی۔ میں نے خوب سیر سیراب ہو کر یہاں تک کہ کئی دن  
 تک مجھے کھانے پینے کی حاجت نہ رہی، اس کے بعد وہ نوجوان مجھے نظر نہ آیا۔

جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو میں نے اُس نوجوان کو نماز تہجد پڑھتے ہوئے دیکھا، وہ نہایت ہی خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہا تھا، اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بارگاہِ رب العزت میں عجز و نیاز کا یہ سلسلہ ساری رات جاری رہا۔ نماز فجر کے بعد اُس نے طوافِ کعبہ کیا، پھر مسجدِ حرام سے باہر نکل گیا، میں بھی اُس کے پیچھے گیا تاکہ معلوم کر سکوں کہ یہ نابغہ روزگار ہستی کون ہے۔؟ میں نے دیکھا کہ اُن کے بہت سے غلاموں اور خادموں نے اُن کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا اور التّسلام علیک یا ابنِ رسول اللہ کہہ کر اُن سے مل رہے تھے۔ میں نے کسی سے اُن کا تعارف چاہا تو پتہ چلا کہ یہ حضرت امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ ”اس پاک سیرت سید سے لسی ہی باتوں کا صدور ہونا چاہیے، ان کے اس اعلیٰ کردار پر کچھ تعجب نہیں، کیونکہ یہ انہی کا حصہ ہے۔“ (شواہد النبوة)

(۲) ہارون رشید نے اپنے مصاحبِ خاص علی بن یقطین کو خوش ہو کر نہایت عمدہ خلعت عطا کی۔ اس میں بہت ہی نفیس قسم کے کپڑے کی بنی ہوئی ایک گڈری شامل تھی۔ چونکہ علی بن یقطین کے دل میں حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمال درجہ محبت تھی، اس لئے انہوں نے یہ کپڑے بمعہ گڈری اور بہت سی دوسری چیزوں کے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اقدس میں بطورِ نذرانہ پیش کر دیں۔ حضرت امام عالی مقام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باقی تو سب چیزیں قبول فرمالیں، لیکن وہ گڈری یہ کہہ کر واپس لوٹا دی کہ اس کو نہایت احتیاط سے سنبھال کر کھنا بوقتِ مشکل یہ تمہارے کام آئے گی۔ اس واقعہ کے چند روز بعد علی بن یقطین اپنے کسی غلام پر سخت ناراض ہوا اور چاہا کہ اُسے سزا دے تو وہ بھاگ کر ہارون الرشید کے پاس چلا گیا اور اپنے آقا علی بن یقطین کے غضب سے بچنے کے لئے ہارون رشید کے پاس اُس کی شکایت کر دی اور کہا کہ میرے آقا نے آپ کی بجائے امام موسیٰ کاظم کو اپنا

آقا نسیم کر لیا ہے اور اُس نے بہت سا مال و اسباب اُن کی خدمت میں بھیجا ہے۔  
 حتیٰ کہ آپ نے جو ازراہ اعزاز و اکرام اسے ایک گڈری عطا فرمائی تھی، وہ بھی اُن کو  
 دے دی ہے۔ ہارون رشید نے یہ سنا تو آگ بگولا ہو گیا، اُس نے فوراً ایک ملازم بھیج کر  
 علی بن یقطین کو اپنے دربار میں طلب کر لیا اور پوچھا کہ جو گڈری میں نے تجھے ازراہ اعزاز و  
 اکرام پہنائی تھی، وہ کہاں ہے؟ علی بن یقطین نے کہا کہ ”وہ میرے پاس ہے۔“ ہارون رشید  
 نے کہا کہ اُسے ابھی میرے سامنے پیش کرو۔ علی بن یقطین نے اپنے ایک درغلام کو بلایا  
 اور کہا کہ میرے گھر کے فلاں کمرے میں اس قسم کا ایک نفیس صندوق رکھا ہوا ہے،  
 اُس کی چابی فلاں کنیز کے پاس ہے، اُس سے چابی لے کر صندوق کو کھولو، اس کے  
 اندر ایک سرسبز برتن ہے، اسے لے آؤ۔ چنانچہ غلام گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد  
 مطلوبہ برتن لے آیا۔ ہارون رشید کے حکم سے برتن سے مہر کو توڑ کر ڈھکنا اٹھایا گیا  
 تو اس سے وہی گڈری نکلی جو کہ عطا کی گئی تھی جسے خوب عطر و گلاب میں بسا کر بڑی عزت  
 کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ ہارون رشید نے اسے دیکھا تو اسے علی بن یقطین پر تسلی ہوئی  
 اور اُس کا غصہ بھی جاتا رہا، اُس نے خوش ہو کر علی بن یقطین کو گڈری واپس لوٹادی  
 اور کہا ”جاؤ سدا خوش و خرم رہو، آئندہ میں کبھی تمہارے بارے میں کسی کے کہنے میں  
 نہیں آؤں گا۔“

(۳) ایک اوی کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ طیبہ حاضری کا پروگرام بنایا تو  
 میرے ایک دوست نے مجھے کچھ رقم دے کر کہا کہ یہ سودِ مینا رہیں، جب تو مدینہ طیبہ جاتے  
 تو انہیں حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اقدس میں میری طرف  
 سے ہدیہ پیش کر دینا، جبکہ کچھ رقم میرے پاس تھی اور میں بھی اسے حضرت امام  
 موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب میں  
 مدینہ منورہ پہنچا تو غسل کیا اور خوشبو وغیرہ لگا کر حاضری کا ارادہ کیا۔ احتیاطاً دو

کی دی ہوئی رقم گنتی تو وہ ننانوے دینار تھے، میں نے دوبارہ گنا تو تعداد ننانوے ہی تھی چنانچہ ایک دینار میں نے شامل کر دیا تاکہ سو کی تعداد پوری ہو جائے کہ شاید راستے میں کہیں کھو گیا ہو گا۔ پھر میں حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی طرف سے ہدیہ پیش کر کے عرض کیا کہ ”میرے ماں آپ پر قربان ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یہ ہدیہ پیش خدمت ہے“ قبول فرمائیں۔“ آپ نے کمال شفقت سے ہدیہ قبول فرمایا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ ”ھنور آپ کے ایک اور غلام نے بھی نذرانہ بھیجا ہے، اجازت ہو تو پیش کروں؟“ فرمایا: ”لے آؤ۔“ اس پر میں نے وہ تھیلی پیش کر دی۔ فرمایا: ”اسے زمین پر رکھ دو۔“ میں نے دیناروں کی تھیلی زمین پر رکھ دی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا دست مبارک تھیلی پر رکھا، تو میرا دینار دوسروں دیناروں سے الگ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ”اٹھا لو یہ تمہارا ہے۔ اس شخص نے تول کر بھیجے تھے گن کر نہیں اور ہمیں وزن پر اعتبار ہے عدویرہ نہیں۔“ (شواہد النبوة)

(۴) حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عباسی خلیفہ مہدی بن منصور کے حکم پر بغداد لاکر قید کر دیا گیا، تو ایک شب مہدی بن منصور نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو خواب میں دیکھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

هَلْ خَسَيْتُمْ اَنْ قَوْلَكُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ فَتَقَطَّعُوا۔

”تمہارے کیا پھتن ہیں کہ اگر تمہیں زمین پر حکومت دی جائے تو تم فساد پھیلاؤ اور قطع رحمی کرو؟“ مہدی نے یہ خواب دیکھا تو گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ ربیع فرماتے ہیں کہ ابھی رات کا کچھ حصہ باقی ہی تھا کہ اُس نے اُسی وقت مجھے بلایا، میں گیا تو وہ مذکورہ آیہ مبارکہ بڑی خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کر رہا تھا۔ مہدی بن منصور نے مجھے حکم دیا کہ بھی جاؤ اور موسیٰ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قید خانہ سے نکال کر میرے پاس لے آؤ، میں نے تعمیل حکم کی اور آپ کو لے آیا۔ مہدی بن منصور نے آپ کو گلے لگایا، پھر اپنے



پاس بٹھا کر اپنا خواب سُتایا اور کہا کہ کیا ایسے نہیں ہو سکتا کہ آپ میرے اور میری اولاد کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! نہ تو میرا یہ ارادہ ہے اور نہ ہی یہ بات مجھے زیب دیتی ہے کہ میں ایسا کروں۔ مہدی نے کہا کہ آپ نے بالکل درست فرمایا ہے۔ پھر اُس نے مجھے (ربیع کو) حکم دیا کہ ان کی خدمت میں ابھی دس ہزار دینار پیش کرو اور سامانِ سفر بھی تیار کر دینا کہ آپ اپنے اہل مدینہ طیبہ روانہ ہو جائیں۔ میں نے راتوں رات تمام بند و بست کر دیا اور آپ کو الوداع کہنے کے لئے دُور تک ساتھ گئے تاکہ کوئی بد بخت آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔ چنانچہ آپ (بحمد اللہ تعالیٰ) بخیر و عافیت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ (مذکورہ)

عباسی خلیفہ نے آپ کو دوسری مرتبہ مدینہ منورہ سے بغداد رحلتِ مبارکہ طلب کیا اور قید کر دیا، کیونکہ بعض بدخواہوں نے خلیفہ کے کلمہ حضرت امام علیہ السلام کے خلاف خوب خوب بھرے تھے۔ چنانچہ آپ بروز جمعۃ المبارک مورخہ ۲۵ رجب المرجب ۸۶ھ کو خلیفہ عباسی ہارون الرشید کی قید میں فوت ہوئے آپ کا مزار پُرپانوار بغداد شریف میں ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ ہارون رشید کے حکم سے یحییٰ بن خالد برمکی نے آپ کو کھجوروں میں زہر ملا کر کھلا دی تھی اور اسی کے صدمے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

مرقوم ہے کہ جب آپ کو زہر دیا گیا، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: آج مجھے زہر دیا گیا ہے، اس سے میرا سارا بدن زرد ہو جائے گا، پھر اس کے اثر سے نصف بدن سبز ہو جائے گا، اور جب اس کا شدید اثر ظاہر ہوگا، تو بدن سیاہی مائل (ہیلگوں) ہو جائے گا۔ پھر میری شہادت ہو جائے گی، چنانچہ ایسے ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ (شواہد النبوة) اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثیر اولاد عطا فرمائی۔ عندہ بعض آپ اولادِ اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ۲۲ بیٹے اور ۳ بیٹیاں تھیں ان میں

حضرات عبدالرحمن، عقیل، قاسم، یحییٰ، داؤد لاؤلد تھے، جبکہ حضرات فضل - احمد،  
 سلمان کی اولاد صرف بیٹیاں تھیں۔ حضرات حسین، ابراہیم، حسن، زید اور وارث  
 اولاد میں علماء نسب اختلاف رکھتے ہیں۔ حضرت امام علی رضا، ابراہیم اصغر عباسی،  
 سماعیل، اسحاق، حمزہ، عبداللہ، عبید اللہ، اور جعفر سے آپ کی نسل جاری ہوتی۔  
 حضرت سلطان الہند خواجہ السید معین الدین حسن سنجری حشمتی اجمیری، حضرت خواجہ  
 فقیر کاکی اور محمد جلال الدین بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ آپ ہی کی نسل پاک سے ہیں۔  
 اللہم صل وسلم وبارک علی سیدنا و مولانا محمد  
 وعلی آلہ واصحابہ و عترتہ اجمعین۔

## حضرت امام علی رضا بن حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہما

نام و کنیت آپ کا اسم گرامی علی، کنیت ابو الحسن اور لقب ضائع تھا۔  
 نام و کنیت آپ اثنا عشریہ کے آٹھویں امام ہیں۔

آپ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں بروز پنج شنبہ گیارہ ربیع الاول  
 مولد ۱۵۲ھ کو ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ، آپ کی دادی محترمہ  
 حضرت حمیدہ بربری کی کنیز تھیں، ان کو کئی ناموں سے پکارا جاتا تھا، مثلاً نجمہ،  
 اروی، شمانہ، اُم البنین وغیرہ۔ جلال العیون میں خیزران، حقراور شقرا۔ نام  
 بھی لکھتے ہیں۔

شواہد النبوة میں ہے کہ ایک شب حضرت حمیدہ بربری نے خواب میں حضور نبی محترم،  
 شفیع محترم، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ  
 نجمہ کی شادی اپنے بیٹے موسیٰ سے کرو، کیونکہ اس کے لہجہ سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا  
 جو روتے زمین پر بہترین مولود ہوگا، چنانچہ حضرت نجمہ کا نکاح حضرت موسیٰ کاظم (رضی اللہ عنہما)

سے ہوا اور ان سے حضرت ابوالحسن علی الرضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔  
**نت کتب سیر و تواریخ میں آپ کی بہت سی کرامات مذکورہ ہیں،**  
**فصل کرامات ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:**

۱، خلیفہ بنو عباس مامون الرشید نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو جب بھی آپ اُسے ملنے کے لئے تشریف لے جاتے تو خلیفہ کے امرار و وزار اور خدام و چشم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے اور مامون کے حجرۂ خاص کے دروازے پر آویزاں پردہ اٹھا دیتے تاکہ آپ اندر تشریف لے جائیں۔ کچھ عرصہ تک تو یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔ پھر اغوا شیطان سے ان درباریوں میں آتش بغض و حسد بھڑک اٹھی۔ وہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ آئندہ نہ تو آپ کے استقبال کے لئے کھڑے ہوں گے اور نہ ہی احترام آگے بڑھ کر پردہ اٹھائیں گے۔ لیکن جب آپ تشریف لاتے تو یہ سارے کے سارے بے اختیار اٹھ کھڑے ہوتے اور تقاضائے ادب کو بروئے کار لاتے ہوتے آگے بڑھ کر پردہ بھی اٹھا دیا۔ ان سب کو اپنے اس فعل کا احساس تب ہوا، جب آپ اندر تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو لعن طعن کیا اور پختہ عہد کیا کہ آئندہ ایسا ہرگز نہ کریں گے۔ پھر جب آپ بارگاہ تشریف لاتے تو وہ خدام و چشم اٹھ کر کھڑے ہوتے اور سلام بھی عرض کیا لیکن پردہ اٹھانے کی پھلت و عل سے کام لیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تیز ہوا کا ایک جھونکا بھیجا جس نے پردہ اٹھا دیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خراماں خراماں اندر تشریف لے گئے، اس کے ساتھ ہی ہوا بند ہو گئی اور پردہ نیچے گر گیا، اور جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو مشیت الہی سے پھر ہوا کا جھونکا آیا اور پردہ اٹھ گیا۔ اہل دربار نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو بے ساختہ بول اٹھے کہ جسے اللہ تعالیٰ خود عزت عطا فرماتے، دنیا کی کوئی طاقت پست نہیں کر سکتی، انہوں نے توبہ کی اور آئندہ بدستور خدمت رائج رہنے لگے۔ (شواہد النبوة)

(۲) مرقوم ہے کہ نباخ کے ایک شخص (راوی کو نام بھول گیا) نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نباخ کی اُس مسجد میں تشریف فرما ہیں کہ جہاں حاجی آکر ٹھہر کر رہتے ہیں۔ وہ خوش نصیب کہتے ہیں کہ میں نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں ایک طباق رکھا ہوا تھا جس میں صیجانی کھجوریں تھیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے طباق میں سے مسٹھی بھر کر کھجوریں عطا فرمادیں۔ میں نے گنا تو ان کی تعداد سترہ تھی۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اس خواب سے تعبیر یہ لی کہ میری عمر کے صرف سترہ سال باقی ہیں۔

اس واقعہ کے تقریباً بیس روز بعد میں نے سنا کہ حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ اسی مسجد میں تشریف لاتے ہیں، میں فوراً حاضر خدمت ہوا۔ میں نے آپ کو بعینہ اسی جگہ تشریف فرما دیکھا کہ جہاں خواب میں رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ چکا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھی اسی طرح ایک طبق کھجوروں کا پڑا ہوا تھا، میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا، تو آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور مسٹھی بھر کر کھجوریں مجھے عطا فرمادیں، میں نے گنا تو سترہ تھیں۔ میں نے عرض کیا کہ اے ابنِ رسول اللہ! مجھے کچھ مزید کھجوریں عطا فرمادیں، تو آپ نے فرمایا: ”اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تجھے ان سے زیادہ عطا فرماتے، تو میں بھی تجھے ضرور دے دیتا۔“ (شواہد النبوة)

(۳) ابو اسماعیل سندی کہتے ہیں کہ میں حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو مجھے عربی کی الف۔ یا بھی نہیں آتی تھی۔ میں نے انہیں سلام عرض کیا تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا۔ پھر میں نے اپنی زبان میں گفتگو شروع کی، تو آپ نے میری مادری زبان میں میری ہر بات کا جواب دیا۔ واپسی پر میں نے عرض کیا: ”صیجانی کھجوروں کی ایک قسم کا نام، جیسے میروم، صفاوی، عجوہ وغیرہ۔“

کیا کہ مجھے عربی نہیں آتی آپؑ عافرائین کما اللہ تعالیٰ مجھے عربی سکھا دے۔ یہ سُن کر آپؑ نے اپنا دستِ اقدس میرے ہونٹوں پر پھیرا تو مگّا اُمّی وقت میں نے عربی بولنا شروع کر دی۔ (مذکورہ)

مرقوم ہے کہ عباسی خلیفہ مامون الرشید نے آپؑ

**ولی عہد مقرر کرنے کا سبب** رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔

مامون الرشید کے ایک نہایت مستعد اور مقرب بارگاہ نے بغض و حسد کی وجہ سے مامون سے کہا کہ آپؑ نے بنو عباس سے خلافت کو نکال کر علی رضا کے گھر بھیج دیا ہے، حالانکہ یہ لوگ بنو عباس کے بدخواہ ہیں۔ ولی عہدی کا کام جو آپؑ نے کیا ہے، اگر یہ اچھا ہوتا تو آپؑ کے آباء اجداد یہ کام ضرور کرتے (یعنی تم نے امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ولی عہد مقرر کر کے بُرا کیا ہے) مامون الرشید نے جواب دیا: ”ان کی ولی عہدی میری محبت و الفت کی وجہ سے نہیں، بلکہ وہ عوام میں بیٹھ کر ان کو اپنی بیعت و خلافت کی طرف آمادہ کرتے تھے میں نے اُن کو ولی عہد بنا لیا تاکہ وہ نہ صرف لوگوں کو میری بیعت و خلافت کی طرف بلاتے رہیں، بلکہ میری خلافت کا بھی اقرار کرتے رہیں۔ مجھے ان کی طرف کھڑے ہونا اسی لئے میں نے (سیاسی چال چلتے ہوئے) ان کو اپنا ولی عہد مقرر کر لیا تاکہ کوئی فتنہ رونما نہ ہو، کیونکہ عوام الناس کے دل میں ان کا بہت احترام پایا جاتا ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ آہستہ آہستہ ان کا اثر و رسوخ ختم کر دیا جائے اور ان کے ماننے والوں کو لالچ دے کر ان سے الگ کر دیا جائے اور جب یہ تنہا رہ جائیں گے تو یہ کام آسان ہو جائے گا کہ کسی عباسی کے ہاتھوں قتل ہو جائیں یا پھر قید خانہ میں جان دے دیں۔

مامون الرشید کو بدخواہ مسلسل برا بیچتے کرتے رہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو حضرت امام سیدنا علی رضا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے جان چھڑائی جائے۔ چنانچہ دشمنانِ دین کے درغلانے سے مامون الرشید نے قتلِ امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پروگرام بنا لیا۔ (روا اللہ تعالیٰ اعلم)

(مختلف کتب سیرت)



آپ کی شہادت اور کرامات ابو الصلت سے مروی ہے کہ ایک دن میں حضرت امام رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ فلاں قبر پر جاؤ وہ قبر ہارون الرشید کی ہے۔ اس کے چاروں اطراف سے تھوڑی تھوڑی سی مٹی اٹھا لاؤ۔ میں آپ کے حکم کے مطابق مٹی اٹھا لیا۔ آپ نے مٹی کو سونگھا اور پھینک دیا۔ پھر فرمایا: معتز میرے لئے اس جگہ قبر کھودی جلتے گی جس میں سے اتنا بڑا پتھر ظاہر ہوگا کہ خراسان کے سارے گورکن مل کر بھی اُسے نہیں اٹھا سکیں گے۔ مجبوراً وہ اس گڑھے کو بند کر دیں گے۔ پھر فرمایا کہ فلاں جگہ کی مٹی لاؤ، میں اُس جگہ کی مٹی لے آیا۔ آپ نے اُسے سونگھ کر فرمایا: ”اُس جگہ میرے لئے قبر کھودیں گے جو سات ہاتھ گہری ہوگی۔ پھر اس کے درمیان شق (قبر کا درمیانی گڑھا) کھودنے کی کوشش کریں گے۔ جب فرمانِ شاہی پورا نہ ہوگا، تو لحد بنائیں گے، جو دو ہاتھ چوڑی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسے جس قدر چاہے گا، فراخ فرما دے گا۔ میری قبر کا گڑھا کھودتے وقت قبر کے سرہانے کی جانب سے کچھ تری سی نمودار ہوگی، اور تم وہی کرنا جس کی میں نے تم کو تعلیم دی ہے، پھر اس تری سے پانی جوش مارے گا، یہاں تک کہ لحد پانی سے بھر جائے گا۔ اس پانی میں تجھے نہایت چھوٹی چھوٹی سی مچھلیاں نظر آئیں گی، روٹی کا یہ ٹکڑا جو میں تجھے دے رہا ہوں، اس کو چھوٹا چھوٹا کر کے پانی میں ڈال دینا تاکہ وہ مچھلیاں اس کو کھالیں۔ جب کچھ نہ بچے گا تو ایک بڑی مچھلی ظاہر ہوگی جو ان سب کو چٹ کر جائے گی۔ آخر الامر وہ مچھلی بھی غائب ہو جائے گی، پھر تم پانی پر ہاتھ رکھ کر وہ کچھ کہنا جو میں نے تمہیں سکھایا ہے۔ اس پر پانی کی سطح کم ہونا شروع ہو جائے گی، یہاں تک کہ سارا پانی زمین میں جذب ہو کر جگہ کے معمول کے مطابق خشک ہو جائے گی۔ تم یہ سب کچھ مامون الرشید کی موجودگی میں کرنا۔

اور اے ابو الصلت! کل میں مامون کو ملنے کے لئے آؤں گا۔ اگر میں سر پہ کوئی

چیز پہن کر آؤں تو مجھ سے کوئی کلام نہ کرنا، لیکن اگر کوئی چیز نہ پہنی ہوئی ہو تو بات کر لینا۔  
دوسرے دن صبح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیار ہو کر بیٹھ گئے اور مامون کے  
غلام کا انتظار فرمانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر بعد غلام نے آکر کہا کہ مامون الرشید نے  
آپ کو یاد کیا ہے، تشریف لے آئیں۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُسی وقت  
مامون کے دربار میں تشریف لے گئے، وہاں مختلف طباق میں تازہ میوہ جات چُنے ہوئے  
تھے۔ مامون کے ہاتھ میں انگوروں کا ایک خوشہ تھا۔ جو نہی آپ دربار میں گئے مامون  
آپ کو دیکھ کر تیزی سے اُٹھا اور آگے بڑھ کر آپ کو گلے لگالیا۔ آپ کی پیشانی پر بوسہ کر  
احترام سے بٹھایا۔ پھر وہ انگور کے خوشے آپ کو دے کر کہا: ”آپ نے کبھی ان سے بہتر انگور  
بھی دیکھے ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”اُن سے بہتر انگور جنت کے ہیں۔“ مامون نے کہا:  
”انگور کھاتے۔“ آپ نے انگور کھانے سے معذرت چاہی تو مامون نے بات بڑھا کر کہا:  
”آخر آپ انگور کیوں نہیں کھاتے؟ شاید آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے انگوروں میں کچھ ملا دیا  
ہے۔“ یہ کہہ کر اُس نے آپ کے ہاتھ سے انگور کا خوشہ لے کر اُس میں سے چند انگور ٹوڑ کر  
کھائے اور کہا کہ ”دیکھو میں کھاتا ہوں“ آپ بھی کھائیں۔ اس پر آپ نے بھی اس خوشے  
سے دینے والے کھائے اور بقیہ خوشہ طباق میں رکھ دیا اور اُٹھ کھڑے ہوئے مامون  
نے پوچھا: ”آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ فرمایا: ”جہاں تم نے مجھے بھیجا ہے۔“ پھر سرانور پر  
عمارہ شریف سجاتے باہر تشریف لائے اور اپنے مکان کی طرف چل دیئے۔ گھر آکر اپنے بستر  
پر لیٹ گئے اور مجھے حکم دیا کہ گھر کا دروازہ بند کر دو، میں نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وسلم اپنے بستر پر آرام فرما رہے تھے۔ میں حیران و ششدر کھڑا رہا۔ اچانک گھر میں ایک ایسا شخص داخل  
ہوا کہ جسے میں نے قبل ازیں نہ دیکھا تھا، اُس کی شکل و صورت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
میں سے بہت حد تک ملتی تھی۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں تو اُنہوں  
نے فرمایا: میں حضرت امام علی رضا کا بیٹا محمد ہوں (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) میں اپنے والدِ ذی قنات

کی ملاقات کے لئے مدینہ طیبہ سے آیا ہوں۔ جب وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے، اپنے لخت جگر کو سینے سے لگایا، پیشانی مبارک کو چومے اور بڑے پیار سے اپنے بستر پر بٹھالیا، پھر دیر تک از و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر امام علی رضا علیہ السلام بستر پر دراز ہو گئے۔ اسی دوران آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال پُر ملال ہو گیا۔ حضرت محمد بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے اپنے والدِ ذی وقار کی رحلتِ مبارکہ کو بڑی شدت سے محسوس کیا، مگر دامنِ صبر و استقامت کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ پھر مجھے حکم دیا کہ بیت المال میں جاؤ اور وہاں سے پانی اور تختہ لے آؤ۔ میں نے عرض کیا کہ بیت المال میں پانی اور تختہ موجود نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، ”جو میں کہتا ہوں اُس کی تعمیل کرو۔“ میں بیت المال گیا تو وہاں پانی اور تختہ کو موجود پایا جنہیں میں لے آیا، میں نے چاہا کہ غسل دینے میں آپ کی مدد کروں لیکن حضرت امام محمد بن علی رضا (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے مجھے منع فرما دیا اور خود غسل دیا۔ پھر مجھے حکم دیا کہ بیت المال میں ایک صندوق پڑا ہوا ہے، اس میں کفن اور سامانِ جنوط موجود ہے اسے لے آؤ، میں بیت المال گیا اور دیکھا کہ وہاں ایک صندوق موجود تھا حالانکہ اس سے قبل میں نے اسے کبھی نہ دیکھا تھا۔

حضرت امام محمد بن علی رضا (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے اپنے والدِ ذی وقار کو کفن پہنایا پھر نمازِ جنازہ کے بعد مجھے فرمایا کہ ”تابوت بھی لے آؤ۔“ میں نے عرض کیا کہ ”کیا بڑھئی سے تیار کروالائے؟“ فرمایا کہ ”نہیں بیت المال سے لے آؤ۔“ میں بیت المال گیا تو وہاں تابوت موجود تھا، حالانکہ اس سے قبل وہاں کوئی تابوت نہیں تھا۔ میں تابوت لے آیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تابوت میں لٹا دیا گیا۔ پھر مامون الرشید مع اپنے غلاموں کے گریہ و زاری کرتا ہوا، گرمیوں چاک کرتا اور منہ پر طمانچے مارتا ہوا آیا اور پکار کر کہا: یا سید اہل فجعت یا سید اہل۔

بعد ازاں ان کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے اور قبر کھودی گئی تو بعینہ ان ہی چیزوں

کا ظہور ہوا کہ جن کی خبر قبل ازیں امام علی رضا علیہ السلام دے چکے تھے۔ مامون الرشید نے ان مشاہدات کو دیکھا تو کہا کہ ان سے زندگی میں بھی ایسی ہی عجیب و غریب باتوں کا ظہور ہوتا تھا۔ بعد از وفات بھی ان کی کرامات ظاہر ہو رہی ہیں اور پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کر دیا گیا۔ (شواہد النبوة) واللہ تعالیٰ اعلم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورضوانا عنہ)

## حضرت سیدنا محمد بن علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اثناعشریہ والے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نویں امام مقرر دیتے ہیں۔

**ولادت باسعادت** آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں ماہ رجب المرجب ۱۹۵ھ میں ہوئی۔

**نام، کنیت و لقب** آپ علیہ السلام کا اسم گرامی محمدؐ، کنیت ابو جعفرؐ اور لقب "جوآذ" اور "تقی" تھے۔ عام طور پر آپ کو محمد تقی کہا جاتا ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) والدہ کا نام "خیزران" یا "ریحانہ" تھا۔ یہ ائمہ ولد (ننڈی) تھیں۔

**جرات اور بے باکی و حق گوئی** مرقوم ہے کہ حضرت علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ کے بعد جبکہ حضرت امام

محمد تقی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی عمر مبارکہ صرف ۱۲ سال کی تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغداد کے ایک بازار میں دوسرے بچوں کے ساتھ کھڑے تھے کہ اتنے میں مامون الرشید آگیا۔ خلیفہ وقت کو آتا دیکھ کر سارے بچے بھاگ گئے، مگر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اپنی جگہ کھڑے رہے۔ مامون الرشید آپ کے قریب پہنچا تو پوچھا کہ آپ کیوں کھڑے رہے، جبکہ دوسرے بچے بھاگ گئے۔ آپ نے برجستہ جواب دیا: "اے امیر المؤمنین، راستہ

متنگ تو نہیں ہے کہ جسے کشادہ کرنے کی ضرورت ہو کہ آپ گزر سکیں اور نہ ہی میں نے کوئی جرم کیا ہے کہ ڈر کر بھاگ جاؤں اور مجھے یہ بھی اُمید ہے کہ آپ کسی کو نا کردہ گناہ کی سزا بھی نہیں دیتے۔ مامون الرشید کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طرزِ تکلم بہت پسند آیا۔ اُس نے پوچھا: ”برخوردار! تمہارا نام کیا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”محمد“۔ مامون الرشید نے پوچھا: ”تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟“ فرمایا: ”حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس پر مامون الرشید بہت خوش ہوا اور جدِ صہر جانا چاہتا تھا چلا گیا۔

جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے ہوئے تو مامون الرشید نے اپنی بیٹی اُم الفضل کا نکاح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔ چونکہ وہ نازوں پٹی شہزادی تھی جبکہ حضرت امام محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں دولتِ دنیا کی کوئی بھی حیثیت نہیں تھی، اس لئے ان دونوں کے درمیان کچھ شکر رنجی سی پیدا ہو گئی۔ اُم الفضل نے اپنے باپ مامون الرشید کو شکایت لکھ بھیجی۔ نیز یہ بھی لکھا کہ آپ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں ان کو منع کیا جائے۔“ مامون نے اس کے جواب میں لکھا: ”اے میری بیٹی، ذرا غور سے سُن! میں نے تیرا نکاح ان سے اس لئے نہیں کیا تھا کہ ان پر حلال چیز (یعنی دوسری شادی) کو حرام قرار دے دوں۔ خبردار! آئندہ آپ کے خلاف کوئی بات مجھے تحریر نہ کرنا۔“ (شواہد النبوة)

**شرف و کرامات** چونکہ مامون الرشید پر حضرت محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والدِ ذی وقار حضرت علی رضا اور دادِ محترم حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شہید کرنے کا داغِ بدنامی لگا ہوا تھا، اس لئے مامون نے یہ داغ دھونے کے لئے اپنی بیٹی اُم الفضل شمانہ کا نکاح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کرنے کے بعد آپ کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ آپ اپنی زوجہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو راستہ میں تھوڑی دیر کو فہمیں رُکے۔ کوفہ کی مسجد میں میری ایک رخت



تھا جو بھی بار آور نہ ہوا تھا۔ حضرت امام محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بانجھ درخت کی جڑ کے قریب بیٹھ کر وضو فرمایا اور وضو کا پانی اس درخت کی جڑوں میں ڈال دیا، اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔ نماز ادا کرنے کے بعد دیکھا تو درخت پر نہایت لذیذ شیریں اور بغیر گٹھلی کے بیر لگے ہوئے تھے، جنہیں لوگ بطور تبرک کھا رہے تھے۔

جب مامون الرشید کا انتقال ہوا، تو آپ نے فرمایا، اس کے تیس ماہ بعد ہم بھی اس جہان فانی سے رخصت ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا جب مامون الرشید کی رحلت کو تیس ماہ (اڑھائی سال) پورے ہوئے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

ایک راوی کا بیان ہے کہ مجھے ایک برگزیدہ شخص نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں بھیجا تاکہ میں آپ کا کوئی کپڑا اس کے کفن کے لئے لے جاؤں۔ میں نے حاضر ہو کر سلام اور مدعا عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا، وہ شخص اب اس سے بے نیاز ہو چکا ہے، یہ سن کر میں واپس آ گیا، لیکن آپ کا اشارہ نہ سمجھ سکا۔ یہاں تک مجھے پتہ چلا کہ وہ شخص میرے پہنچنے کے تیرہ چودہ روز پہلے ہی فوت ہو چکا ہے، اور لوگ اسے دفن بھی کر چکے ہیں۔

**رحلت مبارکہ** آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ ۲۶ ذوالحجہ بروز بدھ ۲۲۱ھ کو خلیفہ معتصم باللہ (عباسی خلیفہ) کے ایام خلافت میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ معتصم باللہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دے دیا تھا، لیکن صاحب شواہد النبوة نے اس کا انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بات درست نہیں ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور بغداد شریف میں مرجع خلافت ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا محترم حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اطہر کے عقب میں ہے۔ (شواہد النبوة)

# حضرت سیدنا علی بن محمد بن علی بن موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی علی تھا۔ کنیت  
اسم گرامی، کنیت و القاب ابو الحسن تھی۔ ان کو ابو الحسن ثالث بھی کہا جاتا

ہے۔ القابات ہادی، عسکری اور النقی ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی النقی، یا علی  
دی کے نام سے مشہور ہیں۔ اثنار عشری فرقہ آپ کو دسواں امام مانتا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی شمانہ تھا۔ یہ اُم ولد (لوٹدی)  
والدہ ماجدہ تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مامون الرشید کی بیٹی اُم الفضل کی  
ونڈی تھیں، جبکہ بعض نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ اُم فضل بنت مامون الرشید ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت تیسرے  
ولادت باسعادت رجب المرجب ۱۲ھ کو مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

حضرت سیدنا امام علی نقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت عالی مرتبت عالم دین اور  
رحم دلی، عبادت و ریاضت، امانت و دیانت، زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔  
آپ مستجاب الدعوات، مجسمہ خشیت، پیکر سبر و رضا، مجسمہ اخلاص و اخلاق اور  
صاحب جود و سخا تھے۔

ایک مرتبہ خلیفہ متوکل بیمار ہو گیا اور اس کے جسم پر پھوڑا نکل آیا۔  
کرامات اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔ درد کی شدت خلیفہ کے لئے  
نا قابل برداشت تھی۔ متقربین خلیفہ میں سے فتح بن خاقان نے ایک شخص کو آپ رضی اللہ تعالیٰ  
کی خدمت میں بھیجا تاکہ آپ کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک  
معمولی سی چیز کا نام لے کر فرمایا کہ اسے پھوڑے پر باندھ دو۔ جب مجوزہ شے خلیفہ  
کے پاس لائی گئی تو حاضرین نے مذاقاً کہا کہ اس سے کیا ہوگا؟ یہاں تو بڑی بڑی قیمتی

ادویات ناکام ہو گئیں، مگر فتح بن خاقان نے اس کی پرواہ نہ کی، اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجویز فرمودہ شے پھوڑے پر باندھ دی۔ بس اُس شے کے پھوڑے پر رکھنے کی دیر ہی تھی کہ پھوڑا بہنے لگا اور جس قدر گندامواد تھا، سارے کا سارا خارج ہو گیا اور بتدریج پھوڑے کو آرام آ گیا۔ جب متوکل کی والدہ نے اسے صحت یافتہ دیکھا تو اُس نے خوش ہو کر ایک تھیلی میں دس ہزار دینار ڈال کر اس کا منہ بند کر کے اپنی مہر لگائی اور حضرت امام علیہ السلام کی خدمت اقدس میں پیش کر دی۔

جب متوکل کو صحت کاملہ مل گئی، تو چند دن بعد کسی نے متوکل کو ورغلا یا کہ حضرت امام علیہ السلام کے پاس بہت ساز و موافق اور اسلحہ ہے، وہ کسی بھی وقت قیرے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں۔ متوکل نے اپنے ایک خاص دربان سعید حاجب سے کہا کہ تم رات کے وقت اچانک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں چھاپہ مارو اور جس قدر مال و دولت اور اسلحہ ہا تھ لگے لے آؤ۔ سعید حاجب کا بیان ہے کہ میں اپنے ساتھ سیڑھی لے گیا تاکہ دیوار پھلانگنے میں آسانی ہو۔ تو جب میں رات کے گھپ اندھیرے میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاشانہ انور میں داخل ہوا تو مجھے کچھ دکھائی نہ دیا، مجھے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کیا کروں اور کدھر جاؤں۔ اچانک اندر سے آواز آئی کہ اے سعید بھڑو! میں چراغ لے کر آتا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ چراغ لے کر تشریف لے آئے۔ میں نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُون کا لباس زیب تن فرما رکھا تھا، سر مبارک پر بھی اُون ہی کا کلاہ تھا، اور آپ کے لئے ٹاٹ کا مصلیٰ بچھا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”میرا سارا گھر تہارے سامنے ہے جس چیز کی ضرورت ہو اٹھا کر لے جاؤ۔“ سعید کہتے ہیں کہ میں نے سارا گھر چھان مارا، مگر دیناروں کی ایک تھیلی کہ جس پر خلیفہ کی والدہ کی مہر لگی ہوئی تھی اور تاحال بند تھی۔ اس کے سوا مجھے کچھ نہ ملا۔ میں نے اُس تھیلی کو اٹھالیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا

”یہ مصیبت بھی اٹھا کر دیکھو۔“ میں نے مصیبت اٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے نیام میں بند ایک تلوار پڑی تھی۔ میں دونوں چیزیں لے کر خلیفہ کے پاس پہنچا تو خلیفہ نے اپنی والدہ سے اس تھیلی کے بارے میں دریافت کیا، تو اس نے بتایا کہ میں نے منت مانی تھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تجھے اس خبیث مرض سے شفا دے تو میں ام عالی مقام کی خدمت میں نذرانہ پیش کروں گی۔ چنانچہ میں نے یہ نذر پوری کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسی طرح کی دیناروں کی ایک اور تھیلی لے لو اور تلوار سمیت دونوں تھیلیاں حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کر دو۔ (اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدخواہوں اور آپ کے حاسدوں کو خوب ذلیل و رسوا کیا)

سعید کہتے ہیں کہ جب میں دونوں تھیلیاں اور تلوار لے کر خدمت انور میں حاضر ہوا تو شرمندگی کی وجہ سے نظریں جھکاتے ہوئے تھا۔ میں نے قدم بوسی کر کے عرض کیا کہ ”میں رات بلا اجازت آپ کے کاشانہ اقدس میں اس لئے داخل ہو گیا تھا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا تھا (کیونکہ دشمنوں نے آپ کے خلاف خلیفہ کے پاس بہت سی شکایات کی تھیں)، یہ سن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خادموں کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ دوران سفر ایک خادم نے عرض کیا کہ میرا بیٹا بے اولاد ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اولاد دینے عطا فرمائے۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ ”ٹھیک ہے تم اس بچے کا نام محمدؐ رکھنا۔“ یہ دیکھ کر کسی دوسرے خادم نے بھی اپنے بے اولاد بیٹے کے لئے اولاد دینے کی دعا کی گزارش کی تو آپ نے فرمایا، بیٹے کئی بیٹوں سے

۱۔ شواہد النبوة کے مطابق درباریوں نے ہی خلیفہ کو بتادیا تھا کہ تمہاری بیماری پر تمہاری والدہ نے منت مانی تھی کہ تم صحت یاب ہو جاؤ تو وہ امام پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں دینار پیش کرے گی۔

مضل ہے، چنانچہ پہلے خادم کے ہاں لڑکا اور دوسرے کے ہاں لڑکی ہوتی۔

ایک مرتبہ ایک دعوتِ ولیمہ میں امراء سلطنت اور دیگر بہت سے افراد شریکِ طعام تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ خوشی کے اس موقع پر ایک لڑکے کا احترامِ امام اور آدابِ محفل سے بالکل عاری، اپنی شوخیوں اور طنز و مزاح سے پوری محفل کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا، اُسے بے ہنگم شور مچاتے اور قہقہے لگاتے ہوئے دیکھ کر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اے شوخ و بے ادب لڑکے! کیوں ہنسی کے گول گیتے بنے جا رہے ہو؟ آج کے تین دن بعد تمہارا ٹھکانا قبر ہوگی۔ یہ سنتے ہی اُس کا رنگ فق ہو گیا اور ٹھیک تیسرے دن وہ فوت ہو گیا۔ (شواہد النبوة) خلیفہ متوکل پرندے پالنے کا بہت شوقین تھا، اس لئے محل میں قسم قسم کے پرندے موجود تھے، جن کے چھپانے سے بعض اوقات کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی، لیکن جب حضرت امام علی النقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محل کے اس حصہ میں تشریف لے جاتے، تو سارے پرندے بیاس ادب فوراً خاموش ہو جاتے اور جب تک آپ وہاں تشریف فرما رہتے، کوئی پرندہ نہ بولتا، لیکن جو نہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محل سے باہر تشریف لاتے، پرندے پھر سے شور مچا دیتے۔ (مذکورہ)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلتِ مبارکہ سنہ ۲۰۱ھ  
رحلتِ مبارکہ کو عباسی خلیفہ مستنصر باللہ کے زمانہ میں بمقام

مسجد من راعی، بصرہ ۲۴ سال ہوئی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسلِ پاک حضرت امام حسن

اولادِ اطہار عسکری اور حضرت عبداللہ ابو عبداللہ جعفر

رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے چلی۔ بعض حضرات ان کو جعفر کذاب بھی کہتے ہیں، جس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلتِ مبارکہ



کے بعد دعوتی امامت کر دیا تھا۔ آپ علیہ السلام کی اولاد آپ کو جعفر تو آب کے نام سے یاد کرتی ہے، اور خود کو رضوی کہلاتی ہے۔

ابو عبد اللہ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو کثرین بھی ہے۔ کثر ساٹھ قفیز کو کہتے ہیں۔ چونکہ آپ ایک سو بیس بچوں کے باپ تھے، اس لئے ان کو اس کنیت کے ساتھ پکارا گیا۔ ان کی وفات ۲۷۱ھ کو ہوئی۔ ان کی نسل ان کے چھ فرزندوں سے چلی، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) اسماعیل حریف (۲) یحییٰ الصوفی (۳) ہارون (۴) علی المختار (۵) ادریس (۶) طاہر۔

ان میں سے اسماعیل اور یحییٰ کی اولاد مصر میں پائی جاتی ہے۔ علی المختار کی اولاد میں سے حضرت سیدنا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نہایت مشہور ہوئے۔

حضرت ہارون بن ابو عبد اللہ جعفر کی اولاد میں سادات امروہ بہت مشہور ہیں، جبکہ علی المختار کی اولاد میں حضرت محمد نازک اور حضرت جلال الدین بخاری (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے شہرت پائی۔ (کتاب الانساب)

۱۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک محض یہ دعویٰ اتنا بڑا مجرم نہیں کہ نسلِ رسولِ کریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور امام علی (علیہ السلام) کے تحت جگر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو ہمیشہ کیلئے لفظِ کفر سے یاد کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کا ہر فرد ہمارے لئے لائقِ صدا احترام و ذی وقار ہے، بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا باغی نہ ہو۔ صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ، سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وعلوتہ وبارک وسلم۔

۲۔ آپ کی رحلت مبارکہ ۱۲ ربیع الاول شریف ۳۳ھ کو دہلی میں ہوئی (واللہ تعالیٰ اعلم)

## حضرت سیدنا امام حسن عسکری بن علی النقی رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گیارھویں امام کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی حسن، کنیت ابو محمد اسم گرامی، کنیت و لقب القاب زکی، سراج اور عسکری تھے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ماہ رمضان المبارک ۲۳۲ھ کو شہر مکرّم مدینہ طیبہ

میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ اُم ولدہ دکنیرہ تھیں۔ ان کا اسم گرامی سوسن تھا لیکن اس کے سوا ان کو دوسرے ناموں سے بھی پکارا جاتا تھا۔ حضرت امام علی النقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نام "حدیث" رکھا ہوا تھا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت درجہ مقرب بارگاہ ایزدی شرف و کرامات بکند پایہ عالم دین، عبادت ریاضت، زہد و تقویٰ، جود و سخا اخلاق و اخلاص اور صبر و رضا میں یکتائے روزگار تھے۔

محمد بن علی بن ابراہیم (رحمہما اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں معاشی اعتبار سے سخت تنگ دست ہو گیا۔ میرے والد ذی وقار نے مجھے خدمت امام علیہ السلام میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ میں اور والد محترم علی بن ابراہیم بن موسیٰ عازم سفر ہوئے۔ راستہ میں دوران گفتگو والد صاحب نے فرمایا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام پانچ صد درہم عطا فرمادیں، تو ہم ان میں سے دو سو درہم کے کپڑے، دو سو درہم کا آٹا، اور ایک سو درہم سے دیگر اشیائے ضرورت خرید لیں گے۔ میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ اگر آپ تین سو درہم بھی عطا فرمادیں، تو کافی ہیں کہ ان میں سے ایک سو درہم کا آٹا، ایک سو درہم کا کپڑا خرید لیں گے، جبکہ بقیہ ایک سو درہم سے میں سواری کھائے

ایک گدھا خرید کر کوہستان (مزدوری کے لئے) چلا جاؤں گا اور یوں گزارا ہو جائے گا۔ اسی سوچ و بچار میں ڈوبے ہم دونوں باپ بیٹا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولتکدہ پر حاضر ہو گئے۔ ابھی ہم نے دستک تک نہ دی تھی کہ اچانک آپ کا غلام باہر آیا، اور کہنے لگا، ”علی بن ابراہیم اور ان کا بیٹا محمد اندر آجائیں، پہنچنا بچہ ہم دونوں کا شانہ اقدس میں حاضر ہو گئے اور سلام مسنونہ عرض کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا: ”اے علی! تم اب تک میرے پاس آنے سے کیوں رُکے ہو؟ ملاقات کے لئے کیوں نہیں آتے؟“ میرے والد نے عرض کیا کہ ”اے میرے آقا! اس حال میں آتے ہوئے شرم و امنگیں تھیں۔“ پھر ہم تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھے اور اجازت لے کر واپس چلے آئے۔ جب ہم کا شانہ اقدس سے باہر نکلے، تو آپ کا غلام ہمارے پیچھے آیا، اُس کے ہاتھ میں دو تھیلیاں تھیں۔ اُس نے ایک تھیلی والدِ محترم کو دے کر کہا، ”اس میں پانچ سو درہم ہیں۔ یہ آپ کی طرف امام صاحب نے بھیجے ہیں۔ ان میں سے دو سو درہم کپڑوں کے لئے، دو سو آٹے وغیرہ کے لئے اور ایک سو درہم دیگر اخراجات کیلئے ہیں۔“ پھر دوسری تھیلی مجھے تھماتے ہوئے حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیغام دیا کہ اس میں تین سو درہم ہیں، ایک سو کپڑوں کے لئے، ایک سو آٹے کے لئے اور ایک سو گدھا خریدنے کے لئے، لیکن خبردار کوہستان کی طرف نہ جانا، بلکہ کسی اور جگہ چلے جاؤ۔“ اس کے ساتھ ہی جگہ مذکورہ کا اشارہ بھی دے دیا۔ میں نے حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایات پر من و عن عمل کیا تو وہاں میری شادی بھی ہو گئی اور اُسی دن مجھے دو ہزار درہم بھی مل گئے۔

معلوم ہے کہ خلیفہ مُستعین باللہ کے پاس ایک خچر تھا جو اس قدر سرکش تھا کہ کوئی بھی شخص نہ تو اس پر زین کس سکتا تھا اور نہ ہی سوار ہو سکتا تھا۔ خلیفہ کے مصاحبوں میں سے ایک خشارتی ذہن نے کھنے والے نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ یہ خچر حضرت امام

حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیں، وہ خود ہی اسے رام کر لیں گے، حالانکہ اس کے دل میں یہ خیال بد تھا کہ آپ جب خچر پر سوار ہونا چاہیں گے، تو یہ آپ کو نقصان پہنچائے گا، تو یہ آپ پر ہنسیں گے اور یوں اس کے خبتِ باطن کو تسلی ہوگی۔

خلیفہ مستعین باللہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا، آپ تشریف لے آئے۔ اس وقت خچر مذکورہ سرائے کے صحن میں کھڑا تھا۔ آپ نے اس کے قریب جا کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو وہ پسینہ میں شرابور ہو گیا۔ پھر آپ خلیفہ کے پاس تشریف لے گئے، تو اس نے آپ کا حد درجہ اکرام و احترام کیا، آپ نے بھی اس کی بڑی عزت کی پھر خلیفہ نے آپ کو اپنے پہلو میں بٹھالیا اور عرض کیا کہ ”یہ سرکش خچر ہے، آپ اسے لگام دے کر اس پر زین کس دیں۔“ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کام کے لئے اپنے خادم کو حکم دیا کہ تم جاؤ۔ خلیفہ بولا، ”نہیں یہ کام آپ خود کریں۔“ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور خچر کو لگام دے کر زین کس دی مستعین باللہ نے عرض کیا کہ ”کیا ہی اچھا ہو، اگر آپ اس پر سواری بھی فرمائیں۔“ یہ سن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خچر پر سوار ہو گئے، اور سرائے کے صحن میں ہی دوڑانے لگے، اس دوران خچر نے کسی قسم کی کوئی سرکشی نہ کی، پھر آپ نیچے اتر آئے۔ مستعین نے پوچھا ”حضرت یہ خچر کیسا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”میں نے اس سے اچھا خچر کہیں نہیں دیکھا۔“ مستعین نے وہ خچر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ہدیہ پیش کر دیا۔ آپ نے قبول فرما کر اپنے خادم کو فرمایا کہ اسے پکڑ لو۔ خادم نے آگے بڑھ کر خچر کو پکڑ لیا اور اس نے آئندہ کسی قسم کی کوئی سرکشی نہ کی۔ (شواہد النبوة)

علامہ نور الدین عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا۔ ذہن میں یہ بھی تھا کہ چوتھے روز کے بخار کا علاج بھی دریافت

کروں گا، مگر اتفاقاً یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی اور میں نے عریضہ میں اس بارے میں کچھ بھی نہ لکھا، لیکن جب امام عالی مقام علیہ السلام کی طرف سے جواب آیا تو میرے سوال کا جواب ارشاد فرماتے ہوئے درج تھا۔ تم چوتھے روز کے بخار کا علاج پوچھنا چاہتے تھے، مگر لکھنا بھول گئے، دیکھو آیہ مبارکہ: **يَا نَاسُ كُوفُوا بِرُؤُوسِكُمْ** وَ سَلَامًا عَلٰى اٰبِىْ اٰهِيْمَ کا غدیہ لکھ کر بخار زدہ کے گلے میں باندھو بحکم خداوند کریم آرام ہوگا۔ میں نے اُن کے فرمان کے مطابق ایسے ہی کیا تو جو تھے روز کا بخار جاتا رہا۔ (شواہد النبوة)

**رحلت مبارکہ** آپ کی رحلت مبارکہ بمقام مُسْتَرْمَن رَأٰی (جس کو عام طور پر سارہ یا سرین رائے کہتے ہیں) مورخہ ۲۶ ربیع الاول ۲۶۰ھ بروز جمعۃ المبارک کو ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خلیفہ وقت نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھانے میں زہر دے دی تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم!) حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والدِ بڑی وقار حضرت علی النقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

**اولادِ اطہار** آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہزادے حضرت محمد مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

**حضرت محمد بن حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ**

**اسم گرامی، کنیت اور لقب** آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی "محمد" کنیت ابو القاسم۔

القابات: حجتہ اللہ، مہدی۔



**تاریخ ولادت** آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت مقام ولاد یا سعاد سرمن رانی میں مورخہ ۵ شعبان المعظم ۱۲۵۵ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی اُم ولد (یعنی لونڈی) تھیں۔ ان کا اہم گرامی درجہ یا صیقل یا سوسن تھا۔ اس کے سوا بھی دوسرے نام مذکور ہیں۔

شواہد النبوة کے مطابق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت تیسرے رمضان المبارک ۱۲۵۸ھ کو سرمن رائے میں ہوئی۔

**عام حالات** حضرت امام محمد مہدی بن حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اواخر عمری میں ہی نہایت دانشمند صاحب فہم و ذکاوت پیکرِ عفت و طہارت اور زہد و تقویٰ میں بلند مرتبت اور رازدارِ طریقت و شریعت اور جلیل الرائے حقیقت و معرفت تھے۔ فرقہ انصارِ عشریہ کا عقیدہ ہے کہ آپ سرمن رائے کے ایک غار میں بعمر چار سال غائب ہوئے تھے، اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیامت سے قبل نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت ظاہر ہوں گے اور احادیث نبویہ (صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیٰ صاحبہا) کے مطابق جس مہدی نے قربِ قیامت کے وقت دنیا میں تشریف فرما ہو کر زمین کے ظلم و ستم کو عدل و انصاف سے تبدیل کر دینا ہے اور پورے کثرۃ ارض پر پرچمِ اسلام کو بلند کر کے شرک و بدعت، کفر و ضلالت کا قلع قمع کرنا ہے، وہ یہی حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم)

۱۔ اس بندہ ناچیز مولف کتاب ہذا نے ایک رسالہ بنام "علاماتِ قیامت اور امام مہدی (علیہ السلام)" تحریر کیا ہے، جس میں حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشانیاں درج کی گئی ہیں۔ شائقین اگر چاہیں تو ضرور مطالعہ فرمائیں۔ ۱۲۰ منہ

اجمالی تذکرہ دواردہ امام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بمطابق روایات مشہورہ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ السلام)

بوقت رحلت	مزار مقدس	عموم مبارکہ	سیر ارتحال	آوارہ آطلہا	مولد	والدہ محترمہ	اسم ذیشان	تاریخ
خليفة برحق تھے	بجف اشرف	۶۳ سال	۲۱ رمضان المبارک	۱۸ صاحبزادے	خانہ کعبہ مکہ مکرمہ	حضرت فاطمہ طہرینہ	امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱
معاویہ بن ابوسفیان	جنت البقیع	۶۶ سال	۹ شعبہ مدینہ منورہ	۱۲ صاحبزادے	۵ رمضان المبارک ۳ مدینہ منورہ	حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا	حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲
یزید بن معاویہ	کربلا معلیٰ عراق	۵۶ سال	۱۰ محرم الحرام ۱۱ شعبہ کربلا معلیٰ	۵ صاحبزادے	۵ شعبہ کربلا معلیٰ ۳ مدینہ منورہ	حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا	حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳
عبد الملک ولید بن	جنت البقیع	۵۷ سال	۲۵ محرم الحرام ۹۵ شعبہ مدینہ منورہ	۱۶ صاحبزادے	۱۵ جمادی الثانی ۳۸ مدینہ منورہ	حضرت شہر بانو رضی اللہ تعالیٰ عنہا	حضرت سیدنا امام علی ووسطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۴
عبد الملک	جنت البقیع	۵۷ سال	ذو الحجۃ ۱۱ھ	۸ صاحبزادے	۳ صفر المنظر ۵۷ مدینہ منورہ	حضرت سیدہ فاطمہ بنت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہا	حضرت سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵
ابو جعفر منصور	جنت البقیع	۶۵ سال	۱۸ ربیعہ الحرام ۱۸ شعبہ مدینہ منورہ	۵ صاحبزادے	۳ ربیع الاول ۳۸ مدینہ منورہ	حضرت قائم رضی اللہ تعالیٰ عنہما	حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۶

۱۲	حضرت شیخ شلی	والدہ محترمہ	کا اسم گرامی	مولد	اولاد اطفال	سیرت احوال	عمق یاد	منارِ مقتدر	بوقتِ رحلت
۱۱	حضرت شیخ امام محمد مہدی	حضرت شیخ امام حسین مہدی	حضرت حمیدہ بربری	۱۰ صفحہ المنطقہ	۲۲ صاحبزادے	۲۵ رجسٹر الحرج	۵۸ سال	کاظمین بغداد	خلیفہ
۱۰	حضرت شیخ امام علی نقی	حضرت شیخ امام علی نقی	حضرت ام البنین	۱۱ ربیع الاول	۵ صاحبزادے	۲۳ صفحہ المنطقہ	۵۴ سال	مشہد	مامون الرشید
۹	حضرت شیخ امام محمد تقی	حضرت شیخ امام محمد تقی	حضرت خیزران	۱۹۵۵ مدینہ منورہ	۲ صاحبزادے	۲۲ ذوالحجہ ۲۲۲ھ	۲۵ سال	کاظمین	معتقہ بالند
۸	حضرت شیخ امام علی نقی	حضرت شیخ امام علی نقی	حضرت خیزران	۲۱۲ مدینہ منورہ	۲۰ صاحبزادے	۲۵ رجسٹر الحرج	۴۱ سال	سرمن رائی	المستفہ بالند
۷	حضرت شیخ امام حسین مہدی	حضرت حمیدہ بربری	حضرت حمیدہ بربری	۲۳۲ مدینہ منورہ	۱ صاحبزادہ	۲۸ ربیع الاول	۲۸ سال	سرمن رائی	معتقہ بالند
۶	حضرت شیخ امام محمد مہدی	حضرت حمیدہ بربری	حضرت حمیدہ بربری	۲۵ شعبان المعظم ۲۵۵ھ	۱ صاحبزادہ	۲۸ ربیع الاول	۲۸ سال	سرمن رائی	معتقہ بالند
۵	حضرت شیخ امام محمد مہدی	حضرت حمیدہ بربری	حضرت حمیدہ بربری	۲۵ شعبان المعظم ۲۵۵ھ	۱ صاحبزادہ	۲۸ ربیع الاول	۲۸ سال	سرمن رائی	معتقہ بالند
۴	حضرت شیخ امام محمد مہدی	حضرت حمیدہ بربری	حضرت حمیدہ بربری	۲۵ شعبان المعظم ۲۵۵ھ	۱ صاحبزادہ	۲۸ ربیع الاول	۲۸ سال	سرمن رائی	معتقہ بالند
۳	حضرت شیخ امام محمد مہدی	حضرت حمیدہ بربری	حضرت حمیدہ بربری	۲۵ شعبان المعظم ۲۵۵ھ	۱ صاحبزادہ	۲۸ ربیع الاول	۲۸ سال	سرمن رائی	معتقہ بالند
۲	حضرت شیخ امام محمد مہدی	حضرت حمیدہ بربری	حضرت حمیدہ بربری	۲۵ شعبان المعظم ۲۵۵ھ	۱ صاحبزادہ	۲۸ ربیع الاول	۲۸ سال	سرمن رائی	معتقہ بالند
۱	حضرت شیخ امام محمد مہدی	حضرت حمیدہ بربری	حضرت حمیدہ بربری	۲۵ شعبان المعظم ۲۵۵ھ	۱ صاحبزادہ	۲۸ ربیع الاول	۲۸ سال	سرمن رائی	معتقہ بالند

## باب ہشتم:

## حضور اکرم نبی محترم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر متعلقین

یوں تو ہر صاحب ایمان کا حضور نبی کریم، رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت درجہ ارفع و اعلیٰ اور گہرا تعلق ہے۔

خلاقِ عالم ربِّ کائنات اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ کافرمانِ ذی شان ہے کہ  
 الذِّبِّيَّ اَوَّلِيَّ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنَ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجِهِ اَمْهَلَتْهُمْ  
 ”یعنی حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایمان والوں کے لئے ان کی جانوں سے بھی زیادہ اولیٰ (قریب، مالک، حق دار) ہیں اور ان کی ازواجِ مطہرات ایمان والوں کی روحانی مائیں ہیں۔“ (الاحزاب: ۶)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور رحمتِ عالم شفیعِ عظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام ایمان والوں کے قریب اور ان کے ملجا و ماویٰ بھی ہیں اور ان کے روحانی باپ بھی ہیں۔ تو جس طرح روح کے بغیر جسم مردہ اور بے کار ہوتا ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق کے بغیر دعوتِ ایمان مردہ اور بے کار ہے۔ کوئی شخص خواہ خود کو کتنا بھی صاحبِ ایمان کیوں نہ سمجھتا ہے عند اللہ وہ صاحبِ ایمان نہیں ہے، کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ  
 ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا  
 تَسْلِيمًا (النساء: ۶۵)

لے اولیٰ کا معنی قریب، حق دار، مالک ہے۔ یہاں یہ سب معانی درست ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

”تو ر اے محبوب علیک الصلوٰۃ والسلام، تمہارے رب کی قسم! وہ (اس وقت تک) صاحبِ ایمان نہیں ہوں گے، جب تک کہ وہ تمام تنازعات میں آپ کو اپنا حاکم (آقا) نہ بنائیں اور تم (اُن کے تنازعات کا) جو بھی فیصلہ فرما دو، وہ اس کے بارے میں اپنے دل میں (کسی قسم کی کوئی) رکاوٹ نہ پائیں، بلکہ مکمل طور پر تہ دل سے قبول کر لیں۔“

قبولیت فیصلہ کی یہ حالت تب ہی ممکن ہے، جب محبت اور قرب اپنے معراج کو پہنچ جاتے ہیں کہ محبت اپنے محبوب کی نہ صرف ہر سہ راہ کو اپنا اپنا اپنے لئے حرزِ جان سمجھتا ہے، بلکہ اس کے ہر حکم اور خواہش کے سامنے اس طرح تسلیم خم کر دیتا ہے کہ اس کے قلبِ صادق میں اعتراض و انکار کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی، یہی ایمان اور یہی اسلام ہے۔ اسی چیز کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ہنوز نبی اکرم رسولِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

(رواہ بخاری و مسلم شریف عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

”تم میں سے (اُس وقت تک) کوئی بھی صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میں اُس کو اُس کے والدین، اُس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“

ظاہر ہے کہ انسانوں میں وہ خود بھی، اس اعتبار سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی شخص میرے آقا رسولِ عربی (فداہِ رُوحی و جسدی، اُمّی و ابی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو والدین، اولاد اور دیگر اعزاء و اقرباء تو درکنار اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ رکھے گا۔ وہ شخص دنیا والوں کی نظر میں مولوی، مفتی، قاری، علامہ، پیر صاحب حضرت صاحب تو ہو سکتا ہے، مگر ربِّ کعبہ کی قسم صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتا۔

مذکورہ بالا مختصر سی گفتگو سے معلوم ہوا کہ ہر صاحبِ ایمان کا رسولِ اکرم نبی محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت مضبوط اور گہرا قلبی تعلق ہے۔



بایں سبہ اس باب میں ان عظیم شخصیات کا اختصاراً تذکرہ کیا جاتا ہے کہ جن کو  
بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں خصوصی مقام و مرتبہ حاصل تھا۔  
وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

## رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ آلَهُ وَسَلَّمَ كُدُّوهُ پلانے والی خواتین

عرب میں رواج تھا کہ جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو وہ اپنے قبیلہ کی  
بجائے کسی دوسرے قبیلہ کی کسی بہترین انا (دودھ پلانے والی دایہ) کو تلاش کرتے  
اور کوشش کرتے کہ کسی ایسی عورت (دایہ) کا انتخاب کیا جائے جو فصاحت و بلاغت  
اور سیرت و کردار کے اعتبار سے بلند مرتبہ ہو۔ خطۂ عرب کے اسی رواج کے تحت  
میرے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (فداہ رُوحی و جسدی، امی و ابی)  
کو آپ کی والدہ ماجدہ، طیبہ طاہرہ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے  
علاوہ دیگر کئی عورتوں نے دودھ پلانے کا شرف حاصل کیا بعض مورخین و ارباب سیر  
نے ان کی تعداد آٹھ، بعض نے اس سے بھی زائد بتاتی ہے۔ عمومی طور پر جن ناموں پر  
اتفاق ہے، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) سب سے اول آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ  
طیبہ طاہرہ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شیر مبارک  
نوش جاں فرمایا۔

(۲) حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کے اسم گرامی کی قرأت میں  
قد سے اختلاف ہے۔ بعض جگہ "ثویبہ" ہے اور بعض جگہ "ثوبیہ" (واللہ تعالیٰ اعلم)  
ان کا تعلق خاندان بنو سلمہ سے تھا۔ آپ رسول اکرم نبی محترم، شفیع معظم  
رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو لہب کی کینز تھیں حضور نبی کریم

رؤف و رحیم صاحبِ خلقِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی، تو بے  
خوشی سے بے تابانہ انداز میں، دوڑتی ہوئی ابولہب کے پاس آئیں اور اُسے خوش خبری  
سنائی کہ تمہارے مرحوم بھائی عبداللہ کے ہاں مولودِ مسعود کی جلوہ گری ہوئی ہے۔ ابولہب  
نے اسی خوش خبری کے صلہ میں ان کو آزاد کر دیا اور حکم دیا کہ ”جاکر میرے بھتیجے کو دودھ  
پلاؤ۔“ چنانچہ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد میرے آقا رسولِ عربی  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم کو دودھ پلانے کا شرف حضرت ثویبہ ہی کے حصہ میں آیا۔  
(۳) حضرت سیدہ اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان کا اصل نام ”برکتہ“ اور  
کنیت اُم ایمن تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حبشی الاصل تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب  
یوں ہے: اُم ایمن برکتہ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان  
آپ حضرت سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیز تھیں، جو  
وراثت میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم کو ملیں۔

حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پہلی شادی عبید اللہ بن زید الحبشی سے  
ہوئی اور ان سے حضرت امین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے ”برکتہ“ کی کنیت  
اُم ایمن ہوئی۔ ان کا دوسرا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا،  
جن سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت سیدہ اُم ایمن  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال پیر ملال حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے  
دور خلافت میں ہوا، جبکہ ان کے بڑے صاحبزادے حضرت امین رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
غزوہ حنین میں داؤد شجاعت دیتے ہوئے مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

ان کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم وسلم بہت زیادہ محبت فرماتے تھے بعض اوقات  
خود اپنے دست مبارک سے ان کا چہرہ دھوئے اور کپڑے تبدیل فرماتے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدہ اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بہت احترام فرماتے تھے، بلکہ ارشاد فرماتے: اُمّی بَعْدَ اُمّی۔ (یہ میری امی (والدہ محترمہ) کے بعد امی ہیں۔) اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اپنے لختِ جگر حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر اپنے شوہر نامدار حضرت سیدنا عبد اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی قبر انور کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئیں تو اپنی معتمد علیہا کنیز حضرت اُمّ ایمن (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو بھی ساتھ ہی لے گئی تھیں۔ جب واپسی پر مقام ابواء پر سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بوقتِ رحلت حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وصیت کی تھی کہ میرے لختِ جگر نورِ نظر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اچھے طریقے سے حفاظت پرورش کرنا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارکہ صرف چھ برس کی تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی دم توڑتی ہوئی والدہ محترمہ کے بڑھانے کھڑے زار و قطار آنسو بہا رہے تھے، جبکہ شدتِ غم سے نڈھال اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آغوشِ محبت میں لے کر دلا سادے رہی تھیں۔ اُس وقت سے لے کر آخر دم تک حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خدمتِ نبوی کا اہم ترین فریضہ بطریقِ احسن سرانجام دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ مَعْدِنِ الْجُودِ وَالْعَطَاءِ  
مَنْبَعِ الْعِلْمِ الْحِلْمِ وَالْحَيَاءِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ دَائِمًا أَبَدًا۔

(۴) حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی باقاعدہ رضاعت کا شرف جس عظیم المرتبت خاتون کے حصّہ میں آیا، وہ حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

جہنوں نے تقریباً ۲ سال تک حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا۔ آپ کا اہم گرامی حلیمہ اور کنیت ”اُمّ کبشہ“ تھی۔ ان کا سلسلہ نسب یوں ہے:

سیدہ حلیمہ بنت ابی ذویب، عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصر بن قصتیہ بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفۃ بن قیس بن عیلان بن الیاس۔ اس جگہ یعنی حضرت الیاس پر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سلسلہ نسب، نسب نبوی میں شامل ہو جاتا ہے، چونکہ آپ بنو ہوازن کی شاخ بنو سعد بن بکر سے تعلق رکھتی تھیں، اس لئے ان کو حلیمہ سعدیہ کہا جاتا ہے۔

حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شوہر کا نام حارث ہے اور سلسلہ نسب یوں ہے: الحارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ بن ملان (ابن ہشام کے نزدیک رفاعہ بن ہلال)، بن ناصر بن قصتیہ بن سعد بن بکر ہوازن۔ گویا ”ناصرہ“ سے حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کے خاوند کا سلسلہ نسب ایک ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ دونوں اولاد اسماعیل علیہ السلام سے ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسب عالی میں شامل ہو جاتے ہیں۔

علامہ ابن ہشام علیہ الرحمہ حضرت ابن اسحاق کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں:-

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بہن بھائی جو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھیں، وہ یہ ہیں: عبداللہ، انیسہ اور خدامتہ۔ خدامہ کا اصلی نام ”الشیماء“ تھا، لیکن خدامہ کے نام کا غلبہ ان کے اصلی نام پر ہو گیا وہ اپنے خاندان میں خدامتہ کے نام سے ہی پہچانی جاتی تھیں۔

معلوم ہے کہ ”الشیماء“ نے اپنی والدہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت و کیکہ بھال میں اہم ترین کردار ادا کیا۔

اس جگہ یہ واقعہ دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جب سق آٹھ بحری میں غزوہ حنین کے بعد قیدی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کئے گئے تو ان میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی ہمیشہ الشیما بھی تھیں، انہوں نے بارگاہ اقدس میں عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں تو آپ کی بہن شیمما ہوں۔“ (اور مجھے قید کر لیا گیا ہے) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اُس کا ثبوت کیا ہے؟“ تو شیما نے عرض کیا: جب آپ بچپن میں بسلسلہ رضاعت ہمارے گھر میں تشریف فرما ہوئے تھے اور میں آپ کو گود میں اٹھایا کرتی تھی۔ ایک دن میں نے آپ کو تنگ کیا، تو آپ نے مجھے کاٹ لیا تھا۔ یہ کہہ کر شیما نے کاٹنے کا نشان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دکھایا جسے دیکھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے پہچان لیا اور وہ واقعہ نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شدت جذبات میں اُن کے احترام کے لئے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اپنے سر انور سے چادر مبارک اُتار کر زمین پر بچپادی اور حضرت شیما کو اُس پر بیٹھنے کا حکم ارشاد فرمایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی رضاعی والدہ کو یاد کر کے تادیر آنسو بہاتے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شیما سے ارشاد فرمایا: ”تم جو چاہو مانگو میں تم کو دوں گا، تم جس کی سفارش کرو، میں قبول کروں گا۔ چنانچہ شیما نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی قوم (بنو ہوازن) کے قیدیوں کو کہ جن کی تعداد چھ ہزار تھی اسے بخش دینے کی سفارش کی، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ سب کے سب قیدی ان کو بخش دیئے۔ اللہ اکبر! کیا دنیا بھر میں کسی بھی انسان کی ایسی فیاضی، عظیم مہربانی اور وفا شعاری کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ (نہیں ہرگز نہیں)

۱۔ معلوم ہوا کہ کسی کی محبت یا احترام میں کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرنا اور اکرام سے بٹھانا سنت نبوی علیہ السلام ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)



اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شیما سے ارشاد فرمایا:  
 ”اگر تم چاہو تو میرے پاس ہو تمہیں انتہائی محبت و احترام حاصل رہے گا اور اگر تم اپنی  
 قوم کے پاس رہنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں“ شیما نے عرض کیا: میں یہی چاہتی  
 ہوں کہ اپنی قوم کے پاس واپس چلی جاؤں (کہ میرا قبیلہ اور اعزاز و اعتبار وہیں ہیں)  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سا مال و دولت اور نوٹ بکریاں بکھول نامی  
 ایک غلام اور ایک کنیز عطا فرما کر پورے عزت و احترام سے اُن کو رخصت فرمادیا۔  
 ایسا ہی ایک واقعہ حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں  
 مشہور ہے۔ حضرت ابو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک ضعیف العمر عورت حاضر ہوئی۔  
 رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُس کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور  
 اُن کے لئے اپنے سر مقدس سے چادر اُتار کر زمین پر بچھا دی اور اُس خوش نصیب عورت کا  
 ہاتھ پکڑ کر بڑی قدر و منزلت کے ساتھ چادر پر بٹھا دیا اور خود ان کھسائی تشریف فرما  
 ہو گئے۔ اماں جی نے جب تک چاہا محو گفتگو رہیں۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 نے پوری توجہ اور محبت کے ساتھ اُن کی باتوں کو سنا اور جب وہ جانے لگیں۔ تو  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سا مال و اسباب عطا فرما کر بڑے احترام  
 کے ساتھ اُن کو رخصت فرمایا۔ حضرت ابو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نکحایہ کرام  
 سے پوچھا: ”یہ خوش نصیب خاتون کون ہے؟“ جن کا اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 اس قدر احترام فرما رہے ہیں“ تو مجھے بتایا گیا: ”یہ وہ نیک بخت خاتون ہے جس نے  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔“

○ ان کے علاوہ سعدیہ نام کی ایک اور خاتون اور قبیلہ عواہک کی تین خواتین شامل ہیں  
 البتہ ان خواتین میں دودھ پلانے کی سب سے زیادہ خدمت حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے  
 سرانجام دی۔

# حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی خُدم

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ :  
 آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو حمزہ اور والد کا نام مالک بن نضر تھا  
 جو کہ مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلہ بنو خزرج سے متعلق تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کی والدہ اُمّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اصل نام میں اختلاف ہے۔ مختلف اقوال  
 کے مطابق ان کا نام رملہ، سہلہ، ملیکہ، غمیصہ اور رمیصہ بیان کیا گیا ہے مگر آپ  
 کی کنیت اُمّ سلیم ہی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد مالک بن نضر کو  
 حالت کفر میں قتل کر دیا گیا۔ بعد ازاں حضرت اُمّ سلیم مسلمان ہو گئیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)  
 اسی دوران ایک اور مشرک زید بن سہل جن کی کنیت ابو طلحہ تھی اور تیر اندازی میں بہت  
 شہرت رکھتے تھے، انہوں نے حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیغام نکاح دیا، مگر  
 آپ نے انکار کر دیا اور ساتھ ہی دعوت اسلام دے ڈالی۔ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 مسلمان ہو گئے۔ پھر حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اب میں تم سے  
 شادی کے لئے تیار ہوں کہ تم بلا شرط مسلمان ہو چکے ہو۔ چنانچہ حضرت اُمّ سلیم کی  
 حضرت ابو طلحہ سے شادی ہو گئی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

ہجرت مدینہ سے قبل جن انصار مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے  
 دست مبارک پر بیعت عقبہ کی تھی اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ طیبہ  
 میں حلوہ گری فرمانے کی دعوت دی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کئے  
 اپنی جان و مال اور عزت و آبرو قربان کرنے کا عہد کیا، اُن جاں نثار صحابہ کرام میں حضرت  
 ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ میدان بدر اور بعد کے غزوات میں بھی ہمراہ

نبویؐ ہے۔ آپؐ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ ۳۱ھ میں بعمر ۷۰ سال ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ اُمّ سلیم بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت جاں نثار صحابیہ تھیں۔ حضور نبی اکرمؐ

نبی محمّدؐ رحمۃ عالم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان پر خصوصی شفقت فرماتے

خود اُمّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

اکثر ہمارے گھر تشریف لاتے اور قیلولہ (دوپہر کا آرام) فرماتے۔ میں آپؐ کے

چمڑے کا بستر بچھا دیتی۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نیند میں نسبت

زیادہ پسینہ آتا تھا۔ میں (چمڑے کے بستر سے) اس پسینہ کو جمع کر لیتی اور اپنی خوشبو

ملا لیتی (ایک دن میں جو بستر شریفہ سے پسینہ مبارک جمع کر رہی تھی تو) رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اے اُمّ سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟“ میں نے عرض

کیا: ”یہ آپؐ کا پسینہ مبارک ہے، ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملاتے ہیں، کیونکہ یہ نہایت

ہی عمدہ اور بہترین خوشبو ہے۔“

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: ”ہم اپنے

بچوں کے لئے اس سے برکت کی اُمید رکھتے ہیں۔“ اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: ”تو نے بہت اچھا کیا۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں

جلوہ گر ہوئے، اُس وقت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارکہ ۷ برس کی تھی۔

آپؐ کی والدہ ماجدہ نے ان کو بارگاہ رسالت مآب میں بطور خادم پیش کر دیا، جسے

آقائے نعمت رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شرف قبولیت سے نوازا۔

آپؐ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گھریلو کام کاج کی خدمت

سرا انجام دیتے تھے۔ حضور اکرمؐ نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپؐ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر

خصوصی شفقت فرماتے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ علم دین کی اشاعت و تبلیغ کے لئے بصرہ تشریف لے گئے اور بصرہ میں ہی ۹۱ھ میں آپ رات مبارکہ فرما گئے۔ آپ کی اولاد کا شمار ایک شوہے۔ بعض اقوال کے مطابق آپ کی اولاد کی تعداد اسی ہے، جن میں اٹھتر لڑکے اور دو لڑکیاں شامل ہیں۔ (الکمال فی اسماء الرجال)

(۲) حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام کعب اور آپ کی کنیت ابو الفرس تھی۔ آپ مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلہ بنو اسلم سے تعلق رکھتے تھے۔ مرقوم ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار اصحابِ صفہ میں ہوتا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ کے قدیم اصحاب میں سے ایک تھے۔ سفر و حضر میں حضور اکرمؐ نبی محترمؐ، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت فیضِ درجت میں حاضر رہتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصی خدمت بارگاہِ رسالت میں وضو وغیرہ کے لئے پانی پیش کرنا، مسواک شریف سنبھالنا اور نعلین مقدس اٹھانا تھا۔ (زہبے مقدس زہبے نصیب) اس خدمتِ عالیہ کا بارگاہِ اقدس سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عظیم الشان صلہ عطا فرمایا گیا۔ خود حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ أَيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوءٍ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِي سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْحَيَاةِ قَالَ أَوْغَيْرَ ذَلِكَ قُلْتُ هُوَذَاكَ قَالَ فَأَعَنِي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ - (صحيح مسلم)

”میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں رات بسر کیا کرتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور وضو اور دیگر ضروریات کے لئے

پانی وغیرہ پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دن چھوڑ دیتے رحمت جوش میں آیا تو، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: ”ربیعہ مانگ کیا چاہتا ہے؟“ اس پر میں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، میں آپ سے جنت میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں۔“ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ربیعہ! اس کے سوا اور بھی (جو تیرے جی میں آئے) مانگ لے۔ (ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام، میرے لئے یہی سب کچھ ہے، جو میں نے مانگ لیا ہے۔“ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”تو میرا معاون بن اپنی جان کے ساتھ، مسجدوں کی کثرت کے ذریعہ سے (یعنی کثرت کے ساتھ نمازیں ادا کیا کر) (صحیح مسلم شریف)

سبحان اللہ تعالیٰ و بحمدہ! نگاہ نبوت کی ضیاء پاشیوں سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کر لینے والے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کس قدر عالی قدر اور نقطہ سنج تھے کہ ایک مختصر سے جملے میں کائنات کی عظیم ترین نعمت کو مانگ لیا، بلکہ یوں کہیے کہ سب کچھ ہی مانگ لیا، کیونکہ اصل کائنات کو جو مانگ لیا اور محض جنت کی بجائے مالک جنت کو مانگ لیا۔ اسی لئے تو عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام میرے لئے یہی سب کچھ ہے، گویا

تجھ کو تجھی سے مانگ کر لی مانگ ساری کائنات

اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دُعا کے بعد

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلمہ میں عالم فانی سے

ملا لا اعلیٰ کی طرف انتقال فرما گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و رضوانہ ۱

(۳) حضرت عبید اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حضور نبی اکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دارِ ارقم میں تشریف لے جانے سے قبل شرفِ ایمان سے مشرف ہوئے، بلکہ مرقوم ہے۔ رسولِ معظم، نبی مکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت فرمانے کے بعد اسلام قبول کرنے والوں میں آپ چھٹے شخص ہیں، یعنی آپ سے قبل محض پانچ افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضور رحمتِ عالم، شفیعِ عظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی کرم نوازی فرماتے ہوئے ان کو اپنے پاس رکھ لیا۔ اس سرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خاص الخواص خدام میں شامل ہو گئے۔

حضرت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ یمن سے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے، تو ایک زمانہ تک ہم ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں سے سمجھتے رہے، اس لئے کہ یہ اور ان کی والدہ حضور سید عالم کو محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانہ مقدس میں اسی طرح رہتے تھے جیسے کہ اسی گھر کے ایک فرد ہوں۔ (بخاری شریف)

خاص خادم ہونے کی وجہ سے ”صاحب النعل“ (نعلین مبارک سنبھالنے والے) صاحبِ لوسادۃ (تکیہ پیش خدمت کرنے والے) ”صاحبِ لمطهرة“ (وضو اور غسل کے لئے پانی پیش کرنے والے) آپ کے القاباتِ مبارکہ ہیں، کیونکہ اکثر و بیشتر یہ خدمات آپ ہی سرانجام دیتے تھے۔ اگرچہ دوسرے صحابہ بھی یہ خدمات دیتے تھے، جیسا کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں گزر چکا ہے، لیکن اکثر یہ ذمہ دار اور خدمت گزاری آپ ہی کی ہوتی۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر سمیت تمام غزوات میں ہمکابِ نبوی رہے۔ بیعتِ رضوان میں بھی کہ جس کا ذکر خصوصی طور پر قرآن کریم میں ہے آپ شامل رہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے بارے میں ارشاد گرامی ہے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناؤں، تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بناؤ نیز فرمایا کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم کو اس طرح پڑھنا چاہتا ہو جس طرح نازل ہوا ہے تو وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ کے موافق پڑھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب ہجرتین ہیں، کیونکہ آپ نے پہلی ہجرت حبشہ کی طرف فرمائی، جبکہ دوسری ہجرت مدینہ منورہ کی جانب کی۔

غزوہ بدر کے اختتام جنگ پر حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ ابو جہل لعین کے بارے میں تحقیق کرو کہ کس حال میں ہے، کیونکہ حضرات معاذ و معوذہ فرزند ان حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں وہ سخت مجروح ہو چکا تھا۔ جب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس کے سر ہانے پہنچے تو وہ درد کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کے سینہ پر کینہ پر پاؤں رکھ کر اپنی تلوار سے اُس کی گردن کاٹنا چاہی، تو تلوار کند ہونے کی وجہ سے گردن نہ کٹی۔ پھر آپ نے ابو جہل کے پہلو سے اُس کی تلوار نکالی اور گردن کاٹنے لگے تو ابو جہل لعین نے کہا کہ میری پوری گردن کاٹنا تاکہ میرا سر باقی سروں میں اونچا رہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس کا سر کاٹ کر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور ابو جہل کی بات بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سجدۂ شکر ادا فرمایا اور حکم دیا کہ مجھے اُس کی لاش پر لے چلو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور سید عالم رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ابو جہل کی لاش پر لائے تو حضور نبی کریم سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْرَاکَ مِنْ هٰذَا فِرْعَوْنَ، هٰذِهِ الْاَمَّةُ ط جُرُوحٌ اِلَى الْقَلْبِیْب۔

”ساری کی ساری تصریفیں اُس اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہیں کہ جس نے تجھے ذلیل و رسوا فرمایا۔ یہ اس امت کا فرعون تھا، اس کو کھینچ کر گرٹھے میں ڈال دو۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسمانی اعتبار سے نحیف اور کمزور، رنگ مبارک گندمی تھا، پستہ قد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جن اصحاب کو فتویٰ کا اختیار تھا، اُن میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت مبارکہ کے بعد آپ کو فہم میں مسند قضا کے مالک یعنی چیف جسٹس بنا دیئے گئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بیت المال کی ذمہ داری بھی ان ہی کو سونپ دی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی ایام تک نبھائی۔ پھر آپ مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے اور تقریباً ساٹھ برس کی عمر پاکر ۳۲ھ کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی نماز جنازہ امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور حجت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔

(۴) حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام رباح اور والدہ محترمہ کا اسم گرامی ”حمامہ“ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ آپ کے خاندان کا تعلق ان قبائل کے ساتھ تھا جو قدیم زمانہ سے حبشہ اور یمن کے درمیان آباد تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ گہرا گندمی (سیاہ)، قد دراز اور بدن نحیف اور کمزور تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں سُرخ، رخساروں پر گوشت کم، سینہ کشادہ جبکہ آواز بہت بلند اور بارعب تھی، گو آپ کے جسم انور پر کثرت سے بال تھے، مگر ریش مبارک (داڑھی) ہلکی تھی۔

قبولِ اسرار حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابتداءً

غلامی کی وجہ سے براہِ راست دربارِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضری کا موقع نہ ملا تھا، بلکہ اعلانِ توحید کے اولین ایام میں آپ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ و ترغیب سے مسلمان ہوئے۔ جب حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر ہوئی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور ان کے قبولِ اسلام کو عرب کے باہر اشاعتِ اسلام کا پیش خیمہ قرار دیا۔

قبولِ اسلام کے وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارکہ تقریباً تیس برس کی تھی۔ قبولِ اسلام پر آپ کو امیہ بن خلف نے شدید ترین ایذا تیں دیں، کیونکہ اس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیہ بن خلف کی غلامی میں تھے۔ وہ کبھی تو آپ کو پتی ہوئی ریت پر اوٹھے منہ لٹا کر کمر پر بھاری بھر کم پتھر رکھوا دیتا تاکہ آپ حرکت نہ کر سکیں اور کبھی اونٹ یا گائے کی کھال میں لپیٹ کر آگ لگاتے سورج کی دھوپ میں لٹا دیتا۔ بعض اوقات لمبے لمبے کانٹے پورے جسم میں جا بجا بے دردی سے چبھ دیتا اور کبھی لوہے کی تنگ درہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنا کر اور ہاتھ پاؤں بندھوا کر جھلسا دینے والی دھوپ میں ڈلوادیتا اور گردن یا پاؤں کو رستی باندھ کر اپنے دوسرے غلاموں کو حکم دیتا کہ ان کو بازاروں میں گھسیٹیں۔ رت ذوالجلال کی پیشا رحمتوں کا نزول ہو عزم و استقامت کے اس کوہِ گراں پر کہ آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی۔ اسی طرح کئی دن گزر گئے۔ پھر مشیتِ ایزدی کو منظور ہوا کہ اس فاشعارِ غلام حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس ظالم کے پنجہ ظلم و استبداد سے نجات دلوا دی جائے۔ ہوا بوں کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس دن ادھر سے گزرے اور معمول کے مطابق اس عاشقِ صادق کو ترالیف برداشت کرنے اور احداً احداً کے نصرے لگاتے ہوئے دیکھا تو امیہ سے

فرمایا کہ اس غلام کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا کہ تیری آخرت سنور جائے۔  
 اُمیہ نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ ”اگر اس کا اتنا ہی مرد  
 ہے تو تم اسے خرید لو۔ مزید یہ کہ میں تمہارا مقروض ہوں، اس طرح قرضہ بھی ادا ہو جائے  
 گا۔“ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خریدنے  
 کے لئے تیار ہو گئے۔ اُمیہ نے اپنے ساتھیوں کو چپکے سے کہا کہ ”دیکھنا اب میں اس  
 (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ کیسا کھیل کھیلتا ہوں۔“ پھر  
 حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر بولا: ”اس کی قیمت معلوم ہے؟“  
 آپ نے ارشاد فرمایا: ”بتاؤ کیا قیمت لوگے؟“ اُس نے کہا کہ قرض کی سبکدوشی کے علاوہ  
 آپ کا غلام ”نسطاس“ وئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”مجھے منظور ہے۔“ اُمیہ سن کر  
 بولا ”نسطاس کی بیوی بھی ساتھ ہی دینا ہوگی۔“ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 نے فرمایا: ”چلو یہی سہی۔“ اُمیہ کو پھر شرارت سُجھی اور کہا: ”اُس کی بیٹی بھی میرے حوالہ کرنا ہوگی۔“  
 سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی منظور کر لیا کیونکہ یہ سارے کے سارے ابھی  
 تک مُشرک تھے اور ایمان نہیں لائے تھے۔ اُمیہ نے کہا: ”تمہیں مزید دو سو دینار بھی دینا ہوں گے۔“  
 حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”اُمیہ تجھے بار بار وعدہ خلافتی کرتے  
 اور جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آتی۔“ اُمیہ نے لات و عزری کی قسم اٹھا کر کہا کہ اس  
 کے سوا اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کو  
 بھی قبول کر لیا اور یوں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بد بخت اُمیہ بن خلف کی غلامی سے  
 آزاد ہو گئے۔ (تہذیب و تاریخ دمشق)

دوسری روایت کے مطابق حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُمیہ  
 بن خلف کو دو سو نہیں، بلکہ دو ہزار دینار (سونے کے ٹکڑے) دے کر خریدا۔ اُمیہ نے  
 حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ



کرنے ہوئے ایک فقہرہ لگایا اور کہا: ”ابو بکر! میں تم کو بڑا عقلمند سمجھتا تھا مگر تم نے ایک کالے حبشی غلام کی اتنی بڑی قیمت لگا دی، حالانکہ اس کی قیمت چالیس پچاس دینار سے زیادہ نہیں تھی۔“ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا، اُمیہ اگر میرے قبضے میں یمن کی سلطنت بھی ہوتی اور بلال کے بدلہ میں تو مجھ سے وہ طلب کر لیتا، تو (رب کعبہ کی قسم) میں یہ سودا بھی قبول کر لیتا۔ چند ہزار دینار کی بھلا حقیقت ہی کیا ہے؟ (سبحان اللہ تعالیٰ و بحمدہ) (سیرت ابن ہشام، الاستیعاب)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکیرا بگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ خوش ہوئے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سینہ انور سے لگاتے ہوئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ”ابو بکر! تم نے بلال کی خریداری میں مجھے کیوں شریک نہ کر لیا؟“ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکر اور بلال دونوں آپ کے غلام ہیں۔ میں بلال کو آزاد کرتا ہوں۔ اس عمل پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بے حد مسرور ہوئے۔ (مختلف کتب سیرت و تواریخ)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی خزانچی تھے۔ عمومی معاملات میں رقم کی ادائیگی اور وصولی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ تھی۔

جب رسول محترم نبی مکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور اذان کی ابتداء ہوئی، تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اذان کی ذمہ داری بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ دی اور یوں اسلام میں پہلے مؤذن ہونے کا شرف بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آیا۔

حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے سارے وہ مؤذنین جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اذان دیتے ہیں۔ قیامت کے دن جنت کی سواریوں پر، سواری ہو کر جنت کا لباس زیب تن فرمائے، سرورِ پرتابِ عظمت سجائے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت کلماتِ اذان دہراتے ہوئے جنت کی طرف جائیں گے۔ (سبحان اللہ تعالیٰ زہے مقدر)

اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت دیکھیں کہ غزوہ بدر کے دن اُمیہ بن خلف بھی میدانِ جنگ میں موجود تھا۔ جب کفار کو ہزیمت ہوئی، تو اس نے بھاگنے کی کوشش کی۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشان دہی پر انصارِ صحابہ نے اسے گرفتار کر لیا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنے ہاتھوں، اس بد بخت کو قتل کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مبارک دیتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: ”مبارک ہو اے بلال! اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و برکت سے نوازے، تم نے دشمنِ خدا (اُمیہ بن خلف) سے اپنا انتقام لے لیا ہے۔“ (اسد الغابۃ استیعاب، نوٹ، علامہ وقادی اور صاحب مدارج النبوة الشیخ عبدالحق، محدث دہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قتلِ اُمیہ بن خلف کے بارے میں مختلف روایات نقل کی ہیں، جن کے مطابق اُمیہ کی نشان دہی کرنے والے یہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، لیکن قتل کرنے والے دوسرے انصارِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔

(وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ)

**وَصَلَّىٰ مَبَکَر**، حضور سید عالم فخر بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلتِ مبارکہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت مضطرب رہے۔ مدینہ طیبہ کے کوچہ و بازار کو دیکھ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنسو نہ ٹھمتے تھے۔

زمانہ فاروقی میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجاہدین اسلام کے ساتھ فتح دمشق کے لئے روانہ ہوئے۔ جب سالہ شام فتح ہوا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شام میں مستقل سکونت کی درخواست پیش کی اور ساتھ ہی یہ کہ ان کے اسلامی بھائی حضرت ابورویحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ان کے ساتھ دمشق یا حلب میں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اجازت دے دی اور ان بزرگوں کو نہ صرف وہاں مناسب مقدار میں زرعی زمین عطا کر دی گئی، بلکہ دربار خلافت سالانہ پانچ ہزار درہم وظیفہ کی رقم بھی ان کی خدمت میں پیش کی جاتی رہی۔ ان ہی ایام میں مشہور صحابی حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان بھی یہاں آکر آباد ہو گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ہاں اپنے دینی بھائی کے لئے پیغام نکاح بھیجا جسے قبول کر لیا گیا اور انہوں نے اپنی دو لڑکیاں ان دونوں بلال اور ابورویحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نکاح میں دے دیں۔

جب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک شام کا سفر اختیار فرمایا، تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر مقام جابیر پر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استقبال فرمایا اور پھر اس پورے سفر میں ہم رکاب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہے۔

بالآخر سالہ کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ایک دن جب آپ بیمار تھے اور آپ کی زوجہ محترمہ آپ کے پاس بیٹھی رو رہی تھی مگر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا ہے تھے کہ کتنی خوشی کی بات ہے کہ کل میں اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملوں گا۔“ مرقوم ہے کہ اس واقعہ کے دوسرے دن بعد تیریسٹھ برس کی عمر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رحلت فرما گئے۔

آپے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مقدس دمشق میں ”باب الصغیر“ نامی قبرستان میں ایک کمرہ کے اندر موجود ہے۔ ان کے ساتھ ہی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر منور ہے اور اس چار دیواری سے متصل حضرت بی بی سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار مبارک ہے۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

۵۔ حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

آپے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام زید، والد کا نام حارثہ اور دادا کا نام شراحیل تھا، آپ کا تعلق مشہور قبیلہ بنو قضاہ کی شاخ بنو کلب سے ساتھ تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا اور یہ قبیلہ طے بنو معن سے تھیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی کا نام جبلہ اور ہمیشہ کا نام اسماء تھا۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارکہ ابھی صرف آٹھ برس کی ہی تھی کہ والدہ کے ساتھ ننھیال جاتے ہوئے آپ کا قافلہ ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گیا۔ مال و اسباب کے ساتھ لٹیرے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اغوا کر کے لے گئے۔ جبکہ

دوسری روایت کے مطابق حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ننھیال میں تھے کہ بنو فزارہ نے قبیلہ طے پر اچانک حملہ کیا اور مال و اسباب علاؤ قبیلہ طے کے کئی افراد کو قیدی بنا کر اغوا کر لیا۔ ان میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔

بعد ازاں یہ لٹیرے ڈاکو دوسرے قیدیوں کے ساتھ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ کی منڈی ”سوق عکاظ“ میں فروخت کے لئے لے گئے، وہاں سے اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے ان کو حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے چار سو درہم میں خرید لیا۔ جب تا جدار عرب عجم شفیع معظم، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا تو جنابہ سیدہ نے حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

کو بارگاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بطورِ مہمان پیش کر دیا جسے رسولِ محترم  
نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بخوشی قبول فرمایا۔

دوسری طرف جب حارثہ بن شراحیل کو راہزنوں کے ہاتھوں اپنے لختِ جگر  
کے اغوا کا پتہ چلا تو بد نصیب باپ فوراً رنج و الم سے دیوانہ ہو گیا اور یوں دھاڑیں مار مار کر  
رویا کہ گویا زمین و آسمان کا کلیجہ پھٹ گیا۔ وہ قریہ قریہ، بستی بستی زید زید پکارتا  
پھرتا تھا، وہ کبھی تو جنگلوں اور بیابانوں میں اپنے نورِ نظر کو آوازیں دیتا، اور کبھی  
غاروں میں اُسے تلاش کرتا اور جب تھک مار کر نہ ڈھال ہو جاتا، تو پھر سوزاندانہ میں  
ایسے فراقیہ اشعار پڑھتا کہ دوست تو دوست، دشمن بھی رو دیتے۔ کتب سیرت و تاریخ میں  
حارثہ کے کئی اشعار منقول ہیں، اُن میں سے چند ایک کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں،  
”زید کے لئے میں بہت رویا پیٹا، مگر مجھے معلوم نہیں کہ میرا لختِ جگر  
کہاں چلا گیا؟“

”اے کاش کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ زندہ ہے تاکہ میں امید کا چراغ روشن  
رکھوں۔۔ یا پھر۔۔ کہیں اُس نے جامِ اجل تو نہیں پی لیا؟ کہ میں مایوس ہو جاؤں  
” اللہ تعالیٰ کی قسم! میں بار بار پوچھتا بھی ہوں، مگر سمجھ بھی نہیں جانتا کہ  
وہ کس نرم زمین میں دفن ہو گیا ہے یا پھر سنگلاخ پہاڑوں نے نگل لیا ہے۔“  
”اے میرے جگر کے ٹکڑے! اے کاش! اے کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ  
تیری واپسی کبھی ممکن ہے؟ کیونکہ تیری واپسی سے میری اجڑی دنیا آباد ہو جائے گی۔“  
”جب سورج طلوع ہوتا ہے تو مجھے اس کی یاد تڑپا دیتی ہے کہ شاید  
یہ دن میرے بیٹے پر کیسا گزرے گا؟ اور جب رات اپنا سیاہ دامن  
پھیلا دیتی ہے، تب بھی اس کی یاد میں لرز جاتا ہوں۔“ کہ شاید اُسے  
چین سے سونا بھی نصیب ہوتا ہو گا کہ نہیں،



”جب ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آتے ہیں تو اُس کے فراق کی آگ مزید بھڑک اٹھتی ہے، آہ! میں کتنے غم میں ہوں اور کتنا بد نصیب ہوں۔“

”اے میرے نورِ نظر! میں تیری تلاش میں زمین کا کونہ کونہ چھان ماروں گا۔ اگر میرا اونٹ تھک کر گر گیا، تو میں سیدل بھی تجھے تلاش کرتا رہوں گا۔“

”یہاں تک کہ (تو مل جائے یا پھر) مجھے موت آجائے، کیونکہ ہر جان نے بالآخر مرنا ہے، اگرچہ اُمیدِ زندگانی نے اسے دھوکہ دے رکھا ہے۔“

”میں قیس اور عمر کو وصیت کرتا ہوں۔ نیز یزید اور جبلة (یزید کے بھائی) کو بھی وصیت کرتا ہوں کہ (میرے مرنے کے بعد بھی) وہ زید کی تلاش جاری رکھیں۔“

اسی طرح کئی سال و ماہ گزر گئے۔ پھر یوں ہوا کہ بنو کلب کے چند آدمی حج بیت اللہ کے لئے آئے تو انہوں نے بازارِ مکہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو پہچانی لیا۔ انہوں نے حضرت زید کو ان کے والد کی حالتِ زار کے بارے میں مطلع کیا اور بتایا کہ وہ اُن کے فراق میں کس طرح نوحہ کناں ہیں۔ والدِ محترم کی داستانِ غم سن کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رو پڑے۔ بنو کلب کے لوگوں نے یہ سنا کہ حضرت زید کو اپنے ساتھ لے جائیں لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور اس مفہوم کا پیغام اپنے باپ کے نام بھیجا کہ:

”میں اگرچہ اپنے خاندان سے دور ہوں، مگر میں اپنی قوم سے شدید محبت کرتا ہوں میں خادِ کعبہ کے حوا میں مشعرِ حرام کے قریب رہتا ہوں، تم اس غم کو بھول جاؤ کہ جس نے تمہیں شدید پریشان کر رکھا ہے۔ یوں قویہ بقریہ گھوم پھر کر دنیا کی خاک نہ چھانو۔ میری طرف سے مطمئن ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے کہ میں بنی معد کے اس معزز خاندان سے ہوں، جو پشتِ با پشت سے صاحبِ عزت و وقار ہے۔“

بنو مطلب کے ان لوگوں سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا مکمل طور پر پتہ دریافت کیا اور میں میں واپس جا کر حارثہ بن شراحیل کو اس کے گمشدہ لخت جگر کے مل جانے کی خوشخبری سنائی، تو مایوس و غمزدہ باپ فرط مسرت سے بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آتے ہی اُس نے مکہ مکرمہ جانے کی تیاری شروع کر دی اور پھر اپنے بھائی کعب اور بیٹے جہلہ کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ممکنہ حد تک تیز رفتاری سے سفر طے کرتے ہوئے یہ مختصر سایہ قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا اور سستلے بغیر یہ لوگ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ سالہا سال سے اپنے نورِ بصیر سے کچھڑا ہوا باپ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگا۔ رسولِ محترم نبی مکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تسلی دی، تو سسکیاں بھرتے ہوئے حارثہ بن شراحیل نے بارگاہ اقدس میں کچھ اس انداز سے اپنی گزارش پیش کی کہ:

ترجمہ: اے صاحبِ قریش! اے ابنِ عبدالمطلب! اے حرمِ کعبہ کے متولی! اے غریبوں کے والی! اے مصیبت زدہ لوگوں کی دستگیری کرنے والے۔ میں ایک ٹوٹے ہوئے دل والا مصیبت زدہ شخص ہوں، اللہ تعالیٰ کے نام پر میرا لختِ جگر مجھے ملوادو اور مجھ پر مزید احسان کرو کہ مجھے اجازت دو، میں اُسے اپنے ساتھ لے جاؤں اس کی آزادی کے لئے میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوں۔ اگر آپ منہ مانگی قیمت پر بھی اُسے میرے حوالہ کر دیں، تو یہ آپ کا احسانِ عظیم ہو گا۔“

حضور نبی اکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غمزدہ حارثہ کی ڈھارس بندھاتے ہوئے سوال فرمایا، تمہارا لختِ جگر کون ہے؟

اُس نے کہا: ”آپ کا غلام زید۔“

حضور نبی محترم، رسولِ مکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا،

”زید جو پسند کرے وہی مجھے منظور ہے، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے کسی قسم کا کوئی کوئی عذر نہیں، میں بغیر کسی قدیہ (قیمت) کے اُسے تمہارے حوالہ کر دوں گا، تم اسے لے جانا، لیکن اگر وہ میرے پاس نہ رہنا چاہے تو میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ اسے زبردستی اپنے سے جدا کر دوں۔“

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فیصلہ سُن کر حارثہ خوشی سے جھوم اٹھا، اور بولا: ”مجھے یہ فیصلہ منظور ہے۔ بے شک آپ نے ہمیں استحقاق سے بڑھ کر عطا فرمایا۔“ اس کے بعد حضور نبی اکرم رسولِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دربارِ عالیہ میں طلب فرمایا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی نظر میں اپنے باپ، چچا اور بھائی کو پہچان لیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلال اور پاسِ ادب کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے یہاں تک کہ حضور رحمتِ عالم شفیعِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا، ”زید جانتے ہو، یہ کون لوگ ہیں؟“

انہوں نے عرض کیا، جی ہاں! یہ میرے والد صاحب، یہ چچا محترم اور یہ بھائی جان ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”آگے بڑھو اور ان کو سلام کرو۔“ حکم پاتے ہی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور ان سب سے ملے۔ اس موقع پر ہجرو فراق کا ترپایا ہوا باپ اپنے کھوئے ہوئے لختِ جگر کو سینے سے چمٹا کر اس قدر رویا کہ دائرِ طہی اور کپڑے آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ یہ ایک ایسا رقت آمیز منظر تھا کہ حاضرینِ محفل بھی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ جب ذرا سکون ہوا تو رسولِ مکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”زید یہ تمہارے باپ، چچا اور بھائی تمہیں لینے کے لئے آئے ہیں، جبکہ میری حالت سے تم بخوبی واقف ہو، میری طرف سے تمہیں پورا اختیار ہے، اگر تم جانا چاہو تو جاسکتے ہو تمہیں اجازت ہے۔“

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً جواب دیا۔ ”اے میرے آقا! اے میرے  
مُرتی! (علیک الصلوٰۃ والسلام) آپ کی ذات پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔  
اللہ تعالیٰ کے لئے مجھے اپنے پاس رہنے دیجئے، مجھے مت بھیجتے۔ یہ سن کر عارثہ بن  
شرحیل حیران و ششدر رہ گئے اور بولے،  
”زید! افسوس کہ تم باپ، چچا، بھائی، خاندان اور وطن پر غلامی کو  
ترجیح دے رہے ہو؟“

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا، ”یہ میرے آقا (علیہ الصلوٰۃ والسلام)  
مجھ پر اس قدر مہربان ہیں کہ حقیقی والدین بھی اپنی اولاد کے حق میں اتنے رحم و شفقت نہیں  
ہوتے، اس لئے میں اُن کی غلامی کو ہزار ہا آدمیوں پر ترجیح دیتا ہوں۔“  
حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب با صواب پر حضور سرور کونین  
سید المرسلین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس قدر مسرور ہوئے کہ حضرت زید  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی وقت آزاد کر دیا۔ پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر حرم کعبہ میں تشریف  
لے گئے اور قریش کے مجمع عام میں اعلان فرما دیا،

”اے لوگو! گواہ رہنا، آج سے زید میرا بیٹا ہے، میں اس کا اور یہ میرا وارث ہے“  
حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد عارثہ، چچا کعب اور بھائی جبلہ نے جب  
حضور نبی اکرم رسول معظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ شفقت و مہربانی  
دیکھی، تو فطر مسرت سے بے خود ہو گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کریم النفس  
دریادلی اور عنایات بے پایاں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لطیف خاطر حضرت زید رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ کو بارگاہ مصطفوی میں چھوڑ کر خوش و غرم اپنے وطن واپس آ گئے۔ اس  
واقعہ کے بعد لوگوں نے ان کو ”زید بن محمد“ کہنا شروع کر دیا۔

جب حضور نبی اکرم رسول محترم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

اعلانِ نبوت فرمایا، تو فوراً بلا تاخیر و تردد حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ ساتھ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایمان لے آئے۔ عام طور پر جو یہ کہا جاتا ہے کہ غلاموں میں سب سے اول حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لے آئے۔ یہ جملہ ایک اعتبار سے درست نہیں ہے، کیونکہ اس وقت حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ غلام نہیں تھے، بلکہ آپ اس وقت آزاد تھے۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشنودی مصطفیٰ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ہجرت مدینہ منورہ سے چند سال قبل ایک مرتبہ دورانِ گفتگو حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص کسی عورت جنتی کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو اسے اُمّ ایمن (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کر لینا چاہیے۔“

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دائی تھیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی بے حد تعظیم فرماتے تھے اور ان کو ”اُمّی بعد اُمّی“ (یعنی میری ماں کی وفات کے بعد میری ماں) فرمایا کرتے تھے۔ گو حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمر میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہیں زیادہ بڑی تھیں مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کی خاطر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیا اور ان کے بطنِ اطہر سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ اسامہ بھی ”حبِ رسول“ کے لقب سے مشہور ہوتے۔

سلسلہ میں حضور نبی کریم صاحبِ خلقِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی



پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب حبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے خود رسول کریم ﷺ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حق مہر ادا کیا۔ اس نکاح سے قبل حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاندان نبوت کے ایک فرد کی حیثیت سے حضور سرور عالم نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو علیحدہ مکان لے دیا اور امور خانہ داری کا ضروری سامان بھی مرحمت فرما دیا۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً ایک سال تک حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں رہیں۔ پھر طباع کی عدم موافقت کی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکمت تھی۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ یعنی اس کی منکوحہ کو ہمیشہ کے لئے اس کے منہ بولے باپ پر حرام سمجھا جاتا تھا۔ اسی لئے جب طلاق پوری ہو گئی تو حضور نبی مکرم رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منشا الہی کے مطابق پیغام نکاح دیا اور پھر حکیم خداوندی سے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اقہات المؤمنین میں شامل ہو گئیں۔ اس پر منافقین یہودی و نصاریٰ اور دیگر مشرکین نے بڑا شور مچایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا۔ ان فتنہ پرور لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے رب کائنات جل شانہ نے سورۃ الاحزاب کی یہ آیہ مبارکہ نازل فرمائی۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ  
 ”حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے بھائی یا باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔“

اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو حکم دیا کہ:  
 اَدْعُوهُمْ اِلٰى اَبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (الاحزاب)  
 ”(منہ بولے بیٹوں کو) ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے بلایا کرو، یہ ہی بات  
 اللہ تعالیٰ کے حضور بہت زیادہ انصاف والی ہے۔“

چنانچہ اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زید بن محمد کی بجائے زید  
 بن حارثہ کہا جانے لگا۔ اور جاہلیت کی رسم متبلیٰ کو اسلام نے ختم فرما دیا۔

**شہادت:** حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غزوہ موتہ میں سپہ سالار فوج بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ اگر  
 زید مرتبہ شہادت پر فائز ہو جائیں، تو ان کے بعد جعفر بن ابی طالب علم اسلام تھام لیں  
 اگر یہ بھی جام شہادت پی جائیں، تو علم اسلام عبداللہ بن رواحہ کو عطا ہوگا اور اگر یہ  
 بھی شہادت پا جائیں، تو جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا اہل ایمان کا سپہ سالار بنا دے گا۔ (رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہم) ارباب سیر و معاذی اور محدثین عظام بالاتفاق بیان فرماتے ہیں کہ جنگ  
 موتہ کے وقت رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی شریف میں رونق افروز تھے اور  
 بہت سے صحابہ کرام علیہم الرضوان حاضر خدمت تھے۔ یکایک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ  
 وسلم نے میدان جنگ کے واقعات کا ذکر فرمانا شروع کر دیا۔ گویا کہ جنگ عین آپ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں کے سامنے ہو رہی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 نے فرمایا: ”زید شہید ہو گئے، اب جعفر بن ابی طالب نے علم اسلام تھام لیا ہے (پھر فرمایا)  
 جعفر بھی شہید ہو گئے۔ اب علم عبداللہ بن رواحہ کے ہاتھوں میں ہے۔ (پھر فرمایا)  
 اب علم اُس شخص نے تھام لیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے“

(مراد اس سے حضرت خالد بن ولید تھے) (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)  
 بخاری شریف میں ہے کہ جب آپ یہ ذکر فرما رہے تھے، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی مبارک آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔  
(تفصیلی واقعہ غزوہ موتہ سہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں)

یوقت شہادت کتاب الاصابہ کے مطابق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارک  
بچپن برس کی تھی جبکہ طبقات ابن سعد کے مطابق آپ کی عمر مبارکہ اکیاون یا  
باون برس کی تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

علامہ ابن اثیر نے "أسد الغابہ" میں نقل کیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قد شریف  
نسبتاً پست اور رنگ گندمی تھا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندگی میں پانچ نکاح کئے۔ ان کی اولاد و ازواج  
کے نام مبارک درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کے شکم اطہر سے حضرت  
اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔

(۲) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا: حضور سرور کائنات  
فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی جانی کی صاحبزادی صاحبہ جو کہ بعد میں  
اُمّ المومنین کے منصبِ عظیمہ پر فائز ہوئیں۔

(۳) حضرت اُمّ کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کی پھوپھی زاد بہن اروی بنت کریم کی بیٹی تھیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ  
عنہ ان کے سوتیلے بھائی تھے۔ یعنی دونوں کی والدہ ایک تھی۔ ان کے شکم سے  
زید بن زید اور رقیہ بنت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم پیدا ہوئے۔

(۴) حضرت درّہ بنت ابی لہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت درّہ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور نبی کریم سید عرب و عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا

ابولہب کی بیٹی تھیں، جو شرفِ ایمان سے مشرف ہوئیں۔  
 (۵) ہند بنت عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہا، یہ حضرت زبیر بن عوف  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی ہم شیرہ تھیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 کی پھوپھی زاد بہن اور حضرت اُمّ المؤمنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سگی  
 بھتیجی تھیں۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تین اولادوں حضرت اُسامہ،  
 حضرت زید، حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت زید اور حضرت رقیہ  
 بچپن میں ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، جبکہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
 کو حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت محبوب صحابی بننے  
 کا شرف حاصل ہوا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ)  
 ان حضرات ذی وقار کے علاوہ بعض دیگر صحابہ کرام کے ذمہ بھی کچھ خدمات  
 تھیں۔ ان میں حضرت عقبہ بن عمرو، حضرت سعد، حضرت عامر، حضرت بکیر،  
 حضرت اسود بن مالک، حضرت ایمن، حضرت ثعلبہ، حضرت سالم، حضرت  
 سابق اور حضرت ہلال بن عمارت (رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں) یلیقح لابن جوزی

## باب نہم:

” دیکھو جو اک نظر . . . . . دریا حباب میں ”

## نسبِ مصطفیٰ ﷺ

شمارہ سلسلہ	آباء اکرام	اُمہات اکرام	اُمہات کے دوصیال اور نخیال
۱	دخاوند، حضرت عبداللہ	زوجہ، ستیا آمنہ	دوالد کا نام، حبیب بن عبد مناف بن زہیرہ بن کلاب (دیکھو سلسلہ ۷۱ آبار نبوی) دوالدہ کا نام، برہ بنت عبد العزیٰ بن عبدالدار بن قصی (دیکھو سلسلہ ۷۲ آبار نبوی)
۲	عبد المطلب	فاطمہ	دوالد کا نام، عمر بن عائد بن عمران بن محزوم بن یقطہ بن مرہ (آبار نبوی میں ساتواں نام، دوالدہ کا نام، حمزہ بنت عبد بن عمران بن محزوم بن یقطہ بن مرہ - دیکھو سلسلہ ۷۳ آبار نبوی)
<p>۱۔ یعنی حضرت ستیا آمنہ خاتونِ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد ماجد اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نانا جلیں اور والدہ سے مراد حضرت آمنہ خاتونِ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ہیں اسی طرح یہ سلسلہ ہے حضرت عبداللہ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا جو حضرت عبد المطلب کے نام کے سامنے درج ہے علیٰ ہذا القیاس</p>			



شمار سلسلہ	آبائہ اکرام	اقربائہ العظام	اقربائہ کے دو حصال اور تنصیال
۳	دخاوند ہاشم	زوجہ سلمیٰ	<p>دوالد کا نام، عمرو بن زید بن لبید بن خدا بخش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار (قیم اللہ) بن ثعلبہ خزرجی۔</p> <p>دوالد کا نام، عمیرہ بنت صخر بن حبیب بن الحارث بن ثعلبہ بن مازن بن النجار (ساکن مدینہ)</p>
۴	عبد مناف	عاتکہ	<p>دباپ کا نام، مرہ بن ہلال بن فالج بن کرون بن ثعلبہ بن بہتہ بن سلیم بن منصور از نسل سلسلہ کے آبائہ نبوی</p> <p>دوالدہ کا نام، ماویہ عرف صفیہ بنت ہزہ بن عمرو بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن۔ از نسل سلسلہ کے آبائہ نبوی</p>
۵	قصی	حجۃ	<p>دباپ کا نام، خلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ (من الخزاعہ) دوالدہ کا نام، ہند بنت عامر بن النضر بن عمرو بن عامر (من الخزاعہ)</p>
<p>۱۔ یہ غیر عربی یعنی فارسی نام ہے، شاید یہ کتابت کی غلطی ہے۔ کتاب "رحمۃ اللعالمین" ص ۲۸ صفحہ دوم، مطبوعہ کراچی پریس ہی نام درج ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)</p>			

شمار سلسلہ	آبائہ الکرام	اُمہات العظام	اُمہات کے دوھیال اور ننھیال
۶	رخاوند کلاب	د زوجہ فاطمہ	د والد کا نام، سعد بن سیل (حیر) بن عوف بن عامر الحارثی کان اقل من بنی جدار الکعبۃ فقیہ سیل ۴ عماد مار (ازد شنوہ - د والدہ کا نام، طریفہ بنت قیس بن لہویہ بن بن حبیب بن کنانہ بن عمرو بن القیس بن فہر بن عمرو بن قیس بن عیلان بن السیاس - دیکھو سلسلہ ۷۱ آبائہ نبوی
۷	مرہ	ہند	د والد کا نام، سریر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک د آبائہ نبوی میں بارہواں نام، د والدہ کا نام، امامہ بنت عبد مناف بن کنانہ دیکھو سلسلہ ۱۲ آبائہ نبوی
۸	کعب	حشہ	د والد کا نام، شیبان بن محارب بن فہر (قریش) دیکھو سلسلہ ۱۱ آبائہ نبوی د والدہ کا نام، حشہ بنت وائل بن قاسط بن ہنب بن افضل بن صعمی بن جدیلہ -
۹	لوتی	کاویہ	د والد کا نام، کعب بن القین (دوہو النعمان) بن حبیب بن شیع اللہ بن اسد بن ویرہ

شماره سلسلہ	آبائے الکرام	امہات العظام	اقہات کے دوھیال اور نھیال
	(خاوند)	(زوجہ)	بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قصاعہ - (والدہ کا نام) عاتکہ بنت کابل بن عذرہ -
۱۰	عنا ب	عاتکہ	(والدہ کا نام) یخلد بن نصر بن کسانہ - (دیکھو سلسلہ ۷۱۱ آبائے نبوی) (والدہ کا نام) انیسہ بنت شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ بن مصعب بن علی بن بکر بن وائل -
۱۱	فہر الملقب بہ قریش	لیلیٰ	(والدہ کا نام) حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ (دیکھو سلسلہ ۷۱۲ آبائے نبوی) (والدہ کا نام) سلمیٰ بنت طابخہ بن الیاس - (دیکھو سلسلہ ۷۱۱ آبائے نبوی)
۱۲	مالک	جندلہ	(والدہ کا نام) عامر بن حارث بن مضاض بن زید بن مالک (بنو جہرم) (والدہ کا نام) ہند بنت الطلیح بن مالک بن حارث (بنو جہرم)
۱۳	نضر	عکرشہ	(والدہ کا نام) عدنان (حارث) بن عمرو بن قیس بن عیلان بن مضر (سلسلہ ۷۱۱ آبائے نبوی) (والدہ کا نام) (واللہ تعالیٰ اعلم)
۱۴	کسانہ	بترہ	(والدہ کا نام) مہربن اؤ بن طابخہ (رخت تمیم) بن مراد (طابخہ مدرکہ کا بیٹا تھا) (سلسلہ ۷۱۱) (والدہ کا نام) (واللہ تعالیٰ اعلم)

شمار سلسلہ	ابیاتہ الکرام	امہاتہ العظام	امہات کے ذہبیات اور فضیلات
۱۵	خزیمہ	حوانہ، ہند	(دوالد کانام) سعد بن قیس بن عیلان بن اللیاس (سلسلہ ۱۷ آبار نبوی) (دوالد کانام) وعدنت الیاس (سلسلہ ۱۸)
۱۶	مدکہ	سلمیٰ	(دوالد کانام) اسلم بن الحاف بن قضاہ (دوالد کانام) (واللہ تعالیٰ اعلم)
۱۷	الیاس	لسلی (خندف)	(دوالد کانام) حلوان بن عمران بن الحاف بن خزاعہ (دوالد کانام) ضریرہ بنت بعلبہ بن نزار (دیکھو سلسلہ ۱۹ آبار نبوی)
۱۸	مضر	رباب	(دوالد کانام) حیدہ بن معد (سلسلہ ۲۰ آبار نبوی) (دوالد کانام) (واللہ تعالیٰ اعلم)
۱۹	نزار	سودہ	(دوالد کانام) عکب بن ریش بن عدنان (سلسلہ ۲۱ آبار نبوی) (دوالد کانام) (واللہ تعالیٰ اعلم)
۲۰	معد	معانہ	(دوالد کانام) جوشم بن حلیمہ بن عمر بن بکر بن جرم (دوالد کانام) سلمیٰ بنت حارث بن مالک بن عسہم (از بنو جرہم)
۲۱	عدنان	محدود	(دوالد کانام) لہم بن حلیم بن جدیس بن جاشم بن ارم - (دوالد کانام) (واللہ تعالیٰ اعلم)

(دوالد رحمۃ اللہ علیہ)

# سیرِ طیبہ سال و ماہ کے آئینہ میں، واقعات مشہور

○ ۱۲ ربیع الاول سن عام الفیل اپریل ۵۹۷ء، بروز پیر کو صبح صادق قبل از طلوع آفتاب عالم کتاب سِرَاجاً مَنِيّاً یعنی آفتابِ بہالت رونق افروز عالم ہوا۔

○ تقریباً ایک ہفتہ بعد — حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوشِ محبت میں جلوہ گری فرمائی۔

○ پانچ سال کی عمر شریفہ میں — دوبارہ والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوشِ شفقت میں تشریف لائے۔

○ چھ سال کی عمر شریفہ میں — مقام ابواب پر والدہ محترمہ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے انتقال فرما گئیں۔

○ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقم امین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مکہ واپس آئے۔

○ آٹھ سال کی عمر شریفہ میں — دادا محترم حضرت عبدالمطلب رحلت فرما گئے اور چچا حضرت ابوطالب کی زیرِ کفالت، تشہیف لے گئے۔

○ بارہ سال کی عمر شریفہ میں — ملکِ شام کی جانب پہلا تجارتی سفر فرمایا۔

○ پچیس سال کی عمر شریفہ میں — حضرت سیدہ ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔

○ تینس سال کی عمر شریفہ میں — قوم نے بالاتفاق صادق اور امین کا لقب دیا۔

○ ۳۵ سال کی عمر شریفہ میں — قبائل عرب کی طرف سے حکم یعنی ثالث بن کر دیوارِ قبلہ میں حجرِ اسود کے نصب کا وہ عظیم الشان فیصلہ فرمایا کہ



سارے لوگ عیش عیش کر اٹھے۔

○ ۳۷ سال کی عمر شریفہ میں — غارِ حرا کی خلوت اور عبادات و ریاضات میں زبردست اضافہ ہو گیا — اسی سال حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اپنے زیرِ کفالت لے لیا۔

○ ۳۸ سال کی عمر شریفہ میں — پہلی وحی نازل ہوئی اور اعلانِ نبوت فرمادیا۔ گویا مبارک زندگی ایک نئی پہچ پر گامزن ہو گئی۔

○ ۳۹ سال کی عمر شریفہ یعنی ۳۰۰۰ نبوی تک . . . تقریباً چالیس مرد و عورت ایمان لائے۔

○ ۴۵ سال کی عمر شریفہ ۵۰۰ نبوی میں — جب مشرکین مکہ کا ظلم حد سے بڑھ گیا، تو ہجرت حبشہ کی اجازت ملی اور متعدد صحابہ کرام ہجرت کر کے ہمیشہ روانہ ہو گئے۔

○ ۴۶ سال کی عمر شریفہ ۵۰۰ نبوی میں — حضرت سیدنا اسد اللہ و رسولہ امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لے آئے

○ ۴۷ سال کی عمر مبارکہ ۵۰۰ نبوی میں — کفار مکہ نے معاشرتی مقاطعہ یعنی مکمل بائیکاٹ کر دیا اور شصب ابی طالب میں محصور کر دیا۔

○ ۵۰ سال کی عمر مقدسہ ۵۰۰ نبوی میں — معاشرتی مقاطعہ ختم ہو گیا

اسی سال حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور محبوب و محترم چچا حضرت ابوطالب انتقال فرما گئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے عام الحزن قرار دیا۔ اسی سال حضرت سودہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اسی سال اہل مکہ نے ظالمانہ سلوک کیا۔

○ ۵۱ برس کی عمر شریفہ <sup>۱</sup>الہ نبوی میں ————— مدینہ طیبہ کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

○ ۵۲ برس کی عمر شریفہ <sup>۲</sup>الہ نبوی میں ————— مدینہ طیبہ میں مزید بارہ آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا اور مدینہ طیبہ میں گھر گھر چرچا ہونے لگا۔

○ ۵۳ برس کی عمر شریفہ <sup>۳</sup>الہ نبوی میں ————— مزید بہتر آدمیوں نے اسلام پر بیعت کر لی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

○ ۵۴ سال کی عمر شریفہ <sup>۴</sup>الہ میں ————— مسجد قبا، شریفہ اور مسجد نبوی شریفہ کی تعمیر ہوئی۔ اسلام پہلی نماز جمعہ یہاں ادا کی گئی۔ اذان کی ابتدا ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسلام قبول کیا۔ عاشورہ کا روزہ رکھا گیا۔

○ ۵۵ سال کی عمر شریفہ <sup>۵</sup>الہ میں ————— سیدہ زاہدہ طاہرہ طیبہ عابدہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے شادی ہوئی۔ زکوٰۃ، روزہ اور جہاد فرض ہوئے پہلی مرتبہ نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ ادا کی، قربانی کی گئی۔

○ ماہِ رجب المرجب میں بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا۔ مشہور غزوہ بدر شکست اسلام میں اضافہ کا باعث بنا۔ شہزادی رسول کو نین سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی۔

○ ۵۶ سال کی عمر شریفہ میں ————— غزوہ غطفان، کعب بن اشرف اور ابورافع یہودیوں کی شراٹگیری اور ان کا قتل، حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح اور غزوہ احد وقوع پذیر ہوئے۔

○ ۵۷ سال کی عمر شریفہ ۵۷ھ میں — سر یہ بیتہ موتہ بنو عامر

کی چال بازی قرآن کی شہادت، غزوہ بنو نضیر ہوا۔ بیکاری پر رحم اور چوی پر ہاتھ لٹنے کی سزا دی گئی۔ اُمّ الخبابت شراب کی قطعی حرمت کا اعلان ہوا۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

○ ۵۸ سال کی عمر شریفہ ۵۸ھ میں — غزوہ بنو مصطلق۔

آیہ تیمم کا نزول، قضیہ افک، غزوہ بنو قریظہ اور غزوہ خندق وقوع پذیر ہوئے۔

○ ۵۹ سال کی عمر شریفہ ۵۹ھ میں — عند الجہو فرضیت

جج بھی اسی سال ہوئی، جبکہ بعض علماء کے نزدیک ۵۹ھ میں جج فرض ہوا۔

روا اللہ تعالیٰ اعلم، اسی سال حضور نبی مکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کی طرف سفر فرمایا اور مقام حدیبیہ پر صلح حدیبیہ

ہوا۔ اسی سال اسی جبکہ بیعت رضوان کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔

بعض سیرت نگار حضرات کے نزدیک اسی سال شاہان و سرداران زمانہ کے

نام حضور نبی اکرم شفیع اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خطوط تحریر کرواتے،

جبکہ عند البعض خطوط ۵۹ھ میں لکھے گئے۔ (روا اللہ تعالیٰ اعلم)

○ ۶۰ سال کی عمر شریفہ ۶۰ھ میں — خیبر فتح ہوا۔

حضرت صفیہ اور حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حلقہ اقبہات المؤمنین

میں داخل ہوئیں۔ یہودیوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دیا۔

گدھے اور متعہ کی حرمت کا اعلان ہوا اور فیک فتح ہوا۔

○ ۶۱ سال کی عمر شریفہ ۶۱ھ میں — سر یہ موتہ واقع ہوا۔

مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ غزوہ حنین اور طائف وقوع پذیر ہوئے۔ حضرت سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور شہزادی مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت شریفہ ہوئی۔

حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایمان لائے

○ ۶۲ سال کی عمر شریفہ ۹ھ میں — اعمال (گورنروں) کی مختلف

علاقوں کی طرف روانگی، وفود کی آمد واقعہ ایلا وغزوہ تبوک (جیش عسرت)

مسجد حزار کی تعمیر اور انہدام، عبداللہ بن ابی راس المنافقین کی موت،

سورۃ التوبہ کا نزول اور حرم کعبہ میں سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

کا اس کی تلاوت اور اعلان فرمانا۔ نیز حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی زیر قیادت مسلمانوں کا پہلا باقاعدہ حج کرنا اس سال کے اہم واقعات میں سے ہیں۔

○ ۶۳ سال کی عمر شریفہ ۱۰ھ میں — مسلمانوں کا پہلا باقاعدہ حج کرنا اس سال کے اہم واقعات میں سے ہیں۔

طلیحہ بن خویلد اور سجاح بنت الحارث وغیرہ نے جھوٹی نبوت کا اعلان کیا۔

○ ۶۴ سال کی عمر شریفہ ۱۱ھ میں — حضرت ابراہیم بن رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ اسی سال ذوالحجہ میں حضور نبی اکرم

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع فرمایا اور مشہور خطبہ ارشاد فرمایا۔

○ ۶۵ سال کی عمر شریفہ ۱۲ھ میں — اسی سال کے ابتدائی مہینوں

میں حضور نبی مکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور ۱۲ ربیع الاول

بروز پیر داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرما گئے۔

رَأَيْتُ اللَّهَ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى حَبِيبِهِ

مَنْبَعُ الْجُودِ وَالْكَوْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحَيَاءِ وَالْحِكْمَةِ وَعَلَى آلِهِ وَ

أَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ كَثِيرًا كَثِيرًا۔ (مدارج النبوة، تليق، کتب سیرت)

## اُمّہات المؤمنین کے اسمائے گرامی

۱	حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد	۷	حضرت جویریہ بنت حارث
۲	حضرت زینب بنت زمعہ	۸	حضرت زینب بنت جحش
۳	حضرت عائشہ صدیقہ بنت	۹	حضرت امّ حبیبہ بنت ابی سفیان
	حضرت ابوبکر صدیق	۱۰	حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب
۴	حضرت حفصہ بنت حضرت	۱۱	حضرت میمونہ بنت الحارث
	عمر فاروق اعظم	۱۲	حضرت ماریہ قبطیہ
۵	حضرت زینب بنت خذیمہ		رضی اللہ تعالیٰ عنہن
۶	حضرت امّ سلمہ بنت ابی امیہ		الیٰ یوم الدین

## شہزادگان ذریٰ شان کے اسمائے گرامی

۱	حضرت سیدنا واسم	۳	حضرت سیدنا ابراہیم
۲	حضرت سیدنا عبداللہ		رضی اللہ تعالیٰ عنہم
	دلیلۃ طہران کے القاب خفّی واللہ تعالیٰ اعلم		علیٰ حبیبہ محمد وعلیٰ آلہ وسلم

## شہزادیان ذریٰ شان کے اسمائے گرامی

۱	حضرت سیدہ زینب	۴	حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء
۲	حضرت سیدہ رقیہ		رحماتون جنت
۳	حضرت سیدہ امّ کلثوم		رضی اللہ تعالیٰ عنہن
	وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ رسولہ سید الانبیاء محمد وعلیٰ آلہ وذریٰ ائمہ		واحدہ واجمعیۃ



# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں کے نام

۱	حارث،	۹	تشم
۲	حضرت زبیر	۱۰	ضدار
۳	حضرت عبد مناف	۱۱	عیداق
	عند البعض عمران المعروف حضرت	۱۲	مُصعب
	البوطالب	۱۳	عبد الکعبہ
۴	حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۴	البولہب
۵	حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ	نوٹ:	بعض کتب سیرت میں گیارہ چچاؤں
۶	مقوم		کے نام ہیں، اُن میں مقوم کو ساقط
۷	جسل		کر دیا گیا ہے، جبکہ جسل ہی نام مغیرہ
۸	مغیرہ		درج ہے۔ (ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ)

## عَمَّات یعنی پھوپھیوں کے اسماء گرامی

(رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

۱	حضرت اُمّ حکیم بیضا	۴	حضرت اروی
۲	حضرت صفیہ	۵	حضرت عائکہ
۳	حضرت امیمہ	۶	حضرت برہ

## حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دُومہ شریک بھائی

۱	حضرت ستینا امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲	اس کی قرأت میں اختلاف ہے "جمل" یعنی شمشیر تراں، "جمل" یعنی پازیب یا بیڑی۔

۲	حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵	ابو سفیان بن مغیرہ بن حارث
۳	حضرت عبداللہ ابوسلمہ بن عبدالاسد		بن حضرت عبدالمطلب
۴	حضرت عبداللہ بن حلیمہ سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۶	مسروح بن ثویب

محضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دودھ شریک شہداء

۱	حضرت حذافہ عرف شیمابنت	۲	انیسہ
	حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳	حدیثہ

محضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے داماد

۱	حضرت ابوالعاص بن ربیع	۳	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ
	رضی اللہ تعالیٰ عنہ		بن حضرت ابوطالب
۲	حضرت عثمان غنی ذو النورین		کریم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم
	عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ		❖ ❖ ❖

محضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نو اسے اور نو اسیا

۱	حضرت علی بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۶	حضرت سیدنا محسن بن علی المرتضیٰ
۲	حضرت امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا		(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)
۳	حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما		(یہ چھوٹی عمر میں ہی انتقال فرما گئے تھے)
۴	حضرت امام حسن مجتبیٰ بن علی المرتضیٰ	۷	حضرت سیدہ زینب بنت علی المرتضیٰ
۵	حضرت امام حسین بن علی المرتضیٰ	۸	حضرت سیدہ ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ
	(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)		(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

## رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے والی حلیہ و شکل و احضار القدر

۱	حضرت سیدنا آدم علیہ السلام	۷	حضرت سیدنا امام حسین
۲	حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام	۸	حضرت علی اکبر بن امام حسین
۳	حضرت جعفر بن ابی طالب	۹	حضرت سائب بن عبید
۴	حضرت قثم بن عباس	۱۰	حضرت مسلم بن معتب
۵	حضرت ابوسفیان بن حارث	۱۱	حضرت کالس بن ربیعہ
۶	حضرت سیدنا امام حسن		(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

## حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محافظ (پہرہ)

۱	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ	۶	حضرت ابویوب انصاری
۲	حضرت سیدنا ابوبکر صدیق (بدریں)	۷	حضرت ذکوان بن عبد قیس انصاری
۳	حضرت سعد بن ابی وقاص	۸	حضرت محمد بن مسلمہ انصاری
۴	حضرت سعد بن معاذ	۹	حضرت سیدنا بلال حبشی
۵	حضرت عباد بن بشر		(رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ایضاً

## حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذنین

حضور نبی محترم رسول مکرم، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چار مؤذن تھے۔ دو مدینہ میں: (۱) حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔  
 (۲) حضرت ابن اُمّ مکتوم قرشی العامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (نا بینا صحابی تھے)  
 جبکہ (۳) مسجد قبا کے مؤذن حضرت سعد القرظہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

(۴) مکہ مکرمہ میں — مسجد بیت الحرام میں حضرت مخدومہ اوس بن غیرہ بن خمیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مؤذن مقرر فرمایا گیا تھا۔

کتب سیرت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت فاروق اعظم نے حضرت سعد العتراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو قبا سے مدینہ طیبہ بلوایا تھا تاکہ مسجد نبوی شریفہ میں اذان دیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجاز مقدس پر حجاج بن یوسف کے زمانہ حکومت یعنی ۹۷ھ تک بقید حیات رہے (واللہ تعالیٰ اعلم) (مدارج النبوة)

## بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شعرا کرام اور خطیب

روضۃ الاحباب وغیرہ میں ہے کہ رسول اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں مرد و شعراء کرام کی تعداد تقریباً ایک سو ساٹھ اور خواتین شعراء کی تعداد بارہ تھی، لیکن وہ شعراء کرام کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت میں کافروں کی بھج اور مذمت کرنے میں نہایت مشہور ہوئے، ان کی تعداد تین ہے:-

۱۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ بیخ پناہ کے نہایت مشہور ترین اور نامور خطیب حضرت سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ جنہوں نے بنو تمیم کے خطیب کے جواب میں ایسا فصیح و بلیغ خطبہ دیا تھا کہ سردار بنو تمیم اقرع بن حابس حیران و ششدر رہ گئے تھے اور اپنے خطیب پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برتری کو تسلیم کر لیا تھا۔



# اعلانِ نبوت سے قبل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست

- ۱۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- ۲۔ حضرت حکیم بن حزام رئیس مکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- ۳۔ حضرت حماد بن ثعلبہ الازدی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ

## بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبان

واضح ہو کہ حضور نبی کریم رؤف رحیم صاحبِ خلق عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کئی کاتبان تھے جن میں بعض توحی کی کتابت کیا کرتے تھے اور بعض سلاطین اُمراء وغیرہ کے نام خطوط لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح بعض صدقات کے اموال کی کتابت کرتے، بعض مدانات، معاملات اور شروط وغیرہ لکھا کرتے تھے۔ چونکہ میرے آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (فداہِ روحی و جسدی) کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے خط و کتابت سے منزہ فرمایا تھا اور عام صحابہ بھی مذاقِ عرب کے مطابق اس بہر سے نا آشنا تھے، اس لئے جو صحابہ فنِ تحریر سے متصف تھے، انہی کو اس خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ کاتبوں کا تقرر اس طرح تھا کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما وحی کی کتابت کیا کرتے تھے۔ اگر یہ دونوں حضرات موجود نہ ہوتے، تو حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ خدمت سرانجام دیتے۔ لیکن صاحبِ استیعاب فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پہلے وحی لکھا کرتے تھے۔ پھر یہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحی کتابت کے لئے صحابہ کرام میں لازم ترین شخص تھے۔



حضرت محمد بن سعد علیہ الرحمہ نے علامہ واقدی علیہ الرحمہ کے حوالہ سے نقل فرمایا  
 مدینہ منورہ میں سب سے اول جس شخصیت نے وحی کی کتابت کی وہ حضرت ابی بن کعب  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اگر یہ حاضر خدمت نہ ہوتے، تو حضور نبی اکرم رسول رحمت  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خصوصیت کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کو بلا تے اور وحی الہی کی کتابت کرواتے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم)  
 ذیل میں اُن کاتبین حضرات کے اسماء گرامی قدر نقل کئے جاتے ہیں کہ جنہوں  
 نے بارگاہ اقدس میں خدمت کتابت سرانجام دی۔

شمار	اسمائے گرامی کاتبان	شمار	اسمائے گرامی کاتبان
۱	حضرت سید ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳	حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲	حضرت سید عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۴	حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳	حضرت سید عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۵	حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۶	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵	حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۷	حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۸	حضرت علامہ الحضری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷	حضرت سعد بن ابی قاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۹	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸	حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۰	حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۹	حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۱	حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۰	حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۲	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۱	حضرت ابان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۳	حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۲	حضرت حنظلہ عنسیل الملائکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ		ابن عبداللہ بن ابی سلول

شمار	اسمائے گرامی کتاباں	شمار	اسمائے گرامی کتاباں
۲۴	حضرت جہم بن صلت بن محزمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۵	حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۵	حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۶	حضرت عبداللہ بن اوسم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
۲۶	حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۷	حضرت معیقب بن ابی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
۲۷	حضرت العلاء بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۸	عبداللہ المعروف ابن خطل مرتد
۲۸	حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۹	عبداللہ بن سعد بن ابی سرح
۲۹	حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ		یہ دونوں آخری مذکورہ کاتب
۳۰	حضرت بريد اسلمی بن الحبيب رضی اللہ تعالیٰ عنہ		مرتد ہو گئے تھے اور رسول کائنات
۳۱	حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ		آقا فخر موجود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر
۳۲	حضرت ابولمہ بن عبدالاسد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)		الزام تراشی کرتے تھے کہ وہ اپنی طرف
۳۳	حضرت حوایط بن عبدالعسری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)		سے قرآن بناتے ہیں اور ہم ان کے
۳۴	حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ		معاون و مددگار تھے۔
	ان میں آخر الذکر عبداللہ بن سعد نے فتح مکہ کے وقت		توبہ کر لی تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم و عیلمہ اتم)

اے یاد رہے کہ یہ حصن بن نمیر وہ نہیں کہ جس نے میدانِ کربلا میں اپنے دامن کو خونِ اہل بیت سے داغدار کیا تھا، بلکہ یہ حصن بن نمیر دوسرے شخص ہیں۔  
(ملاحظہ ہو مدارج النبوة)

## حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے موالی حضرات

یاد رہے کہ ”موالی“ لفظ مولیٰ کی جمع ہے جو کہ محبت، غلام، آقا، آزاد شدہ غلام، ابنِ اُخت، ابنِ عتم وغیرہ کے کثیر معانی رکھتا ہے۔ اس جگہ وہ اصحابِ مراء میں کہ جو کچھ عرصہ تک دراجِ عرب کے مطابق بارگاہِ اقدس و اطہر میں بطور غلام رہے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد فرما دیا۔

- ۱۔ حضرت ابواسامہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔
- ۲۔ حضرت اُسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) یہ حضرت زید بن حارثہ کے بیٹے ہیں۔
- ۳۔ حضرت ثوبان بن بجد و مسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ حیر کے رہنے والے تھے۔
- یہ حضور نبی اکرم رحمتِ عالم شفیعِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد فرما دیا۔ یہ ہمیشہ خدمتِ اقدس میں حاضر رہے۔
- ۴۔ حضرت ابوبکیشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ بدر والے اور بعد والے سال غزوات میں شامل رہے۔ ۳۱ برس میں وفات پائی۔
- ۵۔ حضرت آنسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بعض نے ابو آنسہ ذکر کیا ہے۔
- ۶۔ حضرت شقران رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کے وقت انہوں نے ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چادرِ مبارکہ کو قبرِ انور میں بچھا دیا تھا تاکہ کوئی دوسرا اس کو نہ اڑھے۔
- ۷۔ حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ حبشی تھے، یہ کبھی کبھی حضور نبی اکرم نورِ محترم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اذان بھی دیتے تھے۔
- ۸۔ حضرت یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ حضور نبی اکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔ ان کو اہلِ مزنیہ نے شہید کر دیا تھا اور اونٹ ہنکا کر لے

گئے تھے، بالآخر وہ گرفتار کر کے قتل کر دیئے گئے۔

۹۔ حضرت ابو رافع اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- امام بخاری علیہ الرحمہ نے ان کا نام اسلم، جبکہ بعض دیگر محدثین کرام نے ان کا نام ثابت، ابراہیم زید یا ہر مز لکھا (واللہ تعالیٰ اعلم)۔  
۱۰۔ حضرت ابو موسیٰ ہبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- یہ مزنیہ کے رہنے والے تھے۔

ان کو ابو موسیٰ ہب کہا جاتا تھا۔

۱۱۔ حضرت ابو الہبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- اصحابہ میں ان کا نام رافع درج ہے، یعنی نام رافع اور کنیت ابو الہبی۔

۱۲۔ حضرت مدغم رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- یہ ایک حبشی غلام تھے، ان کو ربنا عمر بن یزید نے بارگاہ اقدس میں پیش کیا تھا۔ روزِ خیر تیر لگنے سے شہید ہو گئے۔

۱۳۔ حضرت زید بن ہلال بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- بعض نے ان کا نام حضرت زید بن ہلال بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر کیا۔

۱۴۔ حضرت عبید بن عبدالغفار رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- ان کو عبداللہ بن الغفار بھی کہا جاتا تھا۔

۱۵۔ حضرت ابو عبد الرحمن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- ان کا لقب ان کے اصل نام پر غالب آ گیا۔ سفینہ کشتی کو کہتے ہیں کہ یہ لقب ان کو بارگاہ اقدس سے ایک سفر میں ملا تھا۔ ان کو حضرت سفینہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہا جاتا ہے۔

۱۶۔ حضرت مابور قبطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- یہ خواجہ سرائے تھے۔ ان کو متوقس

شاہ اسکندریہ نے سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ بارگاہ اقدس میں بھیجا تھا۔

۱۷۔ حضرت واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- بعض نے ان کا نام ابو واقد تحریر کیا۔ صاحب استیعاب نے ان کو واقد ہی لکھا ہے۔

۱۸۔ حضرت ابو ضمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ؛ روضۃ الاحباب کے مطابق ان کا صحیح نام سود یا پھر روح ہے۔ ان کے والد کے نام میں بھی خاصا اختلاف ہے۔ بعض نے "سند" اور بعض نے "شیر زاد" تحریر فرمایا۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ان کو ذی یزن کی اولاد میں سے تحریر کیا ہے۔ ابو حاتم نے ان کو سعد ضمیری تحریر کیا ہے۔ ان کے پوتے کا نام حسین بن عبد اللہ تھا۔ خیال ہے کہ ابو ضمیرہ نامی ایک اور صحابی بھی ہیں، جو کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے۔

۱۹۔ حضرت عسب بنی اللہ تعالیٰ عنہ؛ ان کا اصل نام احمر یا قرہ تھا (استیعاب) اصابہ میں ہے کہ احمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام کا نام ہے۔ جو اپنی کنیت ابو عسب سے پہچانے جاتے ہیں۔ امام ابو داؤد، ابن ماجہ، احمد اور طحاوی نے حضرت حسن بصری (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے حوالہ سے ان سے اس طرح روایت کیا کہ: حَدَّثَنِي أَحْمَرُ مَوْلَا رَسُولِ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) (مدارج النبوة)

۲۰۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک غلام حضرت ابو عسبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ (استیعاب، اصابہ۔ روضۃ الاحباب)

۲۱۔ حضرت ابو رافع اسلم بن عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ؛ روضۃ الاحباب میں اس نام پر کافی بحث فرمائی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ ابو رافع اور اسلم بن عبیدہ دو جدا جدا نام ہیں۔ نیز اسحق بن سلیمان نے سعد بن عبد الرحمن سے روایت کیا کہ ابو رافع اور اسلم حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دو خادم تھے، لیکن دیگر حضرات نے ابو رافع اسلم ایک ہی نام مانا ہے اور ان میں امام بخاری بھی شامل ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

۲۲۔ حضرت اقلح رضی اللہ تعالیٰ عنہ؛ ان سے کئی احادیث مبارکہ مروی ہیں۔



۲۳۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں میں سے ایک تھے۔ خیال رہے کہ ایک حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہنوئی تھے کہ جن گھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا، یہ وہ سعید بن زید نہیں ہیں۔ (رواۃ اللہ تعالیٰ اعلم)

۲۴۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں۔ یہ وہ خوش قسمت صحابی اور غلام ہیں کہ جن کی شان

میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سَلَمَانٌ مِنَّا أَهْلُ الْبَيْتِ۔ (سلمان میرے اہل بیت سے ہیں، فرمان نبوی کے مطابق آپ کا

شمار ان نفوسِ قدسیہ میں ہوتا ہے کہ جنت جن کے داخلے کی مشتاق ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا تفصیلی واقعہ اس بندہ ناچیز

مؤلف کتاب ہذا سید محمد سعید الحسن نے اپنی دوسری تالیف "سیرت امام الانبیاء" (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں درج کیا ہے۔ شائقین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

۲۵۔ حضرت انجشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ حبشی غلام تھے، نہایت ہی خوش آواز تھے۔ یہ اُونٹوں کو تیز چلانے کے لئے حدی خواں تھے۔

۲۶۔ زید بن ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اسماء الرجال کی کتب کے مطابق یہ زید بن ہلال بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا ہیں، لیکن صاحب "وفتہ الاحیاء" نے اس کا انکار فرمایا ہے۔

۲۷۔ حضرت ابو ریحانہ شمعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ان کی کرامت بہت مشہور ہے کہ یہ کشتی میں سوار تھے کہ ان کی سوئی دریا میں گر گئی۔ انہوں نے اللہ تبارک تعالیٰ کی بارگاہ

میں عرض کیا: خدا تعالیٰ کی قسم! اے خدا! میری سوئی کو واپس عطا فرما۔ اس دعا کے مانگتے ہی سوئی دریا کی سطح پر نمودار ہو گئی اور آپ نے اسے اُٹھالیا۔ (مدارج النبوۃ)

۲۸۔ حضرت ضمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: استیعاب میں ان کو ضمیرہ بن ابی ضمیر مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم لکھا گیا ہے۔ ان کو اہل مدینہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے پوتے کا نام حسین بن عبد الملک تھا جن سے احادیث مروی ہیں)

۲۹۔ حضرت عبد اللہ بن اسلم ہاشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: امام احمد نے بطریق ابن لہیہ، بکر بن سوہاء، حضرت عبد اللہ بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ حضور نبی اکرم آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام تھے۔

۳۰۔ حضرت فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ یمن کے رہنے والے تھے۔ محمد بن سعد نے واقفی سے نقل کیا کہ یہ بعد ازاں شام میں سکونت پذیر ہو گئے۔ وہیں ان کی آل و اولاد ہے۔

۳۱۔ حضرت کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں ہے کہ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کے غلام تھے۔

۳۲۔ حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ: حاکم نیشاپور نے ان کی اولاد کے حوالہ نقل کیا کہ ان کا نام ناہیہ تھا اور یہ مجوسی تھے۔ جب یہ بارگاہ نبوی میں پیش ہوئے تو اسلام لے آئے۔ حضور نبی اکرم نور مجسم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے ان کا نام محمد رکھ دیا۔

۳۳۔ حضرت نہیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: برورن "شریک" اصاہہ میں ہے کہ ان کے والد کا نام اسود تھا اور یہ حبشی الاصل تھے۔

۳۴۔ حضرت ابو بکرہ نفیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ روز طائف حضور نبی اکرم رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کی ملک میں آئے تھے اور اسی وقت آزاد کر دیئے گئے۔ ان کی وفات بصرہ میں ہوئی اور ان کی وصیت کے موافق حضرت ابو بردہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

۳۵۔ حضرت ہرمز ابوکیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ: استیعاب میں ابوکیسان

بجائے صرف کیسان درج ہے، ان کو ہرمز کہا جاتا ہے۔

۳۶۔ حضرت وردان رضی اللہ تعالیٰ عنہ: حضرت حکمرہ، حضرت ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام کھجور کے پیڑ سے گر کر فوت ہوئے۔

۳۷۔ ابواشیلہ راشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کے غلام تھے، ان کا پہلا نام "ظالم" تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا  
أَنْتَ مَلِكٌ شِدِّیْ ثُمَّ رَاشِدٌ مَّوَدَّ اِیْ دُنِّیْ سَمِیْ اَنْتَ مَلِكٌ رَاشِدٌ مَّوَدَّ اِیْ دُنِّیْ۔

۳۸۔ حضرت ابوحنسیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "اصابہ" میں ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ

نے اُن کو مہاجرین میں شمار کیا ہے۔

۳۹۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ خاندان بنو قریظہ سے تھے اور مکاتیب تھے۔

بدل کتابت سے عاجز آگئے تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خرید کر آزاد فرمادیا۔  
خیال رہے کہ یہ مسجد نبوی کے ستون والے ابولبابہ نہیں ہیں۔

۴۰۔ حضرت ابولقیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اصابہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حبشی یا کوئی غلام زمانہ فاروقی تک حیات ہے۔

خوف بعض سیرت نگاروں نے ان کے سوا اور کبھی کسی اسمائے گرامی نقل فرماتے ہیں، مگر وہ

اختلافی ہیں مثلاً ابوکیسر کہ یہ نام کتب اسماء الرجال میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے

بڑی صحابی کا تو ملتا ہے، مگر کسی غلام کا نہیں۔ اسی طرح ذکوان اور سار کہ بعض نے ان کو حضرت

عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام ذکر کیا، جو درِ طائف اُن کو ملا تھا وغیرہ وغیرہ ہم نے کوشش

کی ہے کہ اس جگہ صرف وہ اسمائے گرامی درج کئے جہاں جو تحقیق کی کسوٹی پر پورے اُتریں، باقی علم

اللہ تعالیٰ کو ہے۔

## حضور و کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد یعنی سفراء

رسول محترم حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف علاقوں یا بادشاہوں یا حاکموں کی جانب قاصد یا سفیر روانہ فرمائے۔ سفیر کا انتخاب نہایت احتیاط کے ساتھ کیا جاتا ہے، کیونکہ اُس نے اپنے آقا کی نمائندگی کرنا ہوتی ہے اور اپنے آقا کے احکامات و خواہشات کو بطریق احسن فریق ثانی تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اس عظیم منصب پر نہایت درجہ فادار اور دانا لوگوں کو فائز کیا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ نبوت نے جن خوش قسمت افراد کو اپنی نمائندگی کے لئے منتخب فرمایا یا قاصد بنایا، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

شمار	اسمائے گرامی سفراء	بص قوم یا حاکم کی طرف بھیجے گئے
۱	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	قریش مکہ کی جانب
۲	حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ہرتل روم کی جانب
۳	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	مقوتس شاہ مصر کی جانب
۴	حضرت سلیم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ہوہ بن علی اور ثمامہ بن اثال کی جانب
۵	حضرت عمرو بن امتیہ الضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت نجاشی شاہ حبش کی جانب
۶	حضرت عبداللہ بن خذافہ السہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بدخت شاہ ایران خسرو پرویز کی جانب
۷	حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حارث بن ابی شمر شاہ غسان کی جانب
۸	حضرت عمرو بن العاص سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	جیفر و عبدسیران جلندی رتسان عمان کی جانب
۹	حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	مندربن سیاوی حاکم بحرین کی جانب

شمار	اسمائے گرامی سفراء	جس قوم یا حاکم کی طرف روانہ کئے گئے
۱۰	حضرت مہاجر بن امیہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حارث بن کلال حمیری کی جانب
۱۱	حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	اہل یمن کی جانب
۱۲	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ	اہل یمن کی جانب
۱۳	حضرت عبید بن عبد اللہ الجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ذوالکلاع حمیری کی جانب
۱۴	حضرت عباس بن ربیعہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حارث، مسروح اور نعیم بن عبد اللکلال کی جانب

**رسول محتشم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر کردہ مخلصین کرام**  
 یعنی وہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہ جن کو حضور نبی کریم رسول عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قبائل اور علاقوں کا انتظام سونپے رکھا تھا، جو وہاں سے جزیہ صدقات اور عشر و زکوٰۃ وصول فرماتے، گویا وہ ان علاقوں کے تحصیل دار تھے۔

شمار	اسمائے گرامی و مخلصین	علاقہ یا قبیلہ
۱	حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	مدینہ طیبہ
۲	حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	یمن
۳	حضرت صفوان بن صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو عمرو
۴	حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو طے و بنو اسد
۵	حضرت عباد بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو سلیم، بنو مزنیہ
۶	حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو کلاب



شمار	اسمائے گرامی قدح حاصلین کرام	علاقہ یا قبیلہ
۷	حضرت زافع ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو جہنیہ
۸	حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو سعد
۹	حضرت بشر بن سقیان ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو کعب
۱۰	حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ	شجران
۱۱	حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غیبہ
۱۲	حضرت عمرو بن العاص ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو تزارہ
۱۳	حضرت زیاد بن لبید ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضر موت
۱۴	حضرت ابان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بھرن
۱۵	حضرت عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	تیمار
۱۶	حضرت عبداللہ بن لیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو زببان
۱۷	حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو غفار۔ بنو اسلم
۱۸	حضرت ابو جہم بن حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو لیث

## حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدنی نقیبؐ

اعلانِ نبوت کے تیرھویں سال جب انصارِ مدینہ یعنی اوس و خزرج کی ایک کثیر جماعت بغرض حج مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئی، تو ان میں سے اہل ایمان کہ جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق ہتر مرد اور دوسری روایت کے موافق بہتر مرد اور دو عورتوں پر مشتمل تھی۔ یہ سب ایام تشریف کی ایک شب عقبہ میں حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کے لئے جمع ہوئے۔ حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بیعت فرمایا

توان میں سے بارہ حضرات کو اپنی جانب سے نقیب مقرر فرمایا تاکہ وہ آج احوال کے محافظ و نگہبان بنیں۔ یہ واقعہ نبوت کے تیرھویں سال ذوالحجۃ المکرم میں پیش آیا اور اس کے محض تین ماہ بعد ہجرت کا قصہ پیش آیا۔ کتب تواریخ سپر میں اس بیعت کو بیعت عقبی کبریٰ یا بیعت عقبی ثانی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ گنتی کے اعتبار سے یہ بیعت عقبی ثالث بنتی ہے۔ وہ حضرات کہ جن کو حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نقیب بننے کا شرف حاصل ہوا، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

شمار	اسمائے گرامی نقباء	شمار	اسمائے گرامی نقباء
۱	حضرت اسید بن حضیر	۷	حضرت سعد بن عبادہ
۲	حضرت ابوالہشیم بن الٹیہان	۸	حضرت منذر بن عمرو
۳	حضرت سعد بن نشیمہ	۹	حضرت برادر بن مسرور
۴	حضرت اسعد بن زرارہ	۱۰	حضرت عبداللہ بن عمرو
۵	حضرت سعد بن ربیع	۱۱	حضرت عبادہ بن الصامت
۶	حضرت عبداللہ بن رواحہ	۱۲	حضرت رافع بن مالک (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ان حضرات ذی وقار میں نو قبیلہ بنو خزرج میں سے تھے، جبکہ تین بنو ادس سے اور یہ سب کے سب قبائل مدینہ مکرمہ کے رؤسا میں سے تھے۔

مدینہ منورہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نائبین حضور نبی محترم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ پر تشریف لے جاتے، تو کسی کسی صحابی کو اپنا نائب مقرر فرما دیتے تاکہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی تک مدینہ طیبہ میں انتظام و انصرام اور مسجد نبوی شریفہ میں نماز پڑھانے کی ذمہ داری سنبھالے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب بننے کا شرف حاصل کرنے والے خوش نصیب افراد کے اسمائے گرامی کتب سیر میں جو مذکور ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

شمار	اسمائے گرامی قدرنا تبین	جس غزوہ کے موقع پر
۱	حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمبذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بدر کے موقع پر
۲	حضرت سعد بن عبادہ خزرجی ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ ابوار //
۳	حضرت سعد بن معاذ اوسی ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بواط //
۴	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ عثیرہ //
۵	حضرت زید بن حارثہ ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ سفوان //
۶	حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بنو سلیم //
۷	حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمبذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بنو قینقاع //
۸	حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمبذر ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ سوق //
۹	حضرت عثمان غنی بن عفان ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بنو غطفان //
۱۰	حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بجران //
۱۱	حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ اُحد //
۱۲	حضرت عثمان غنی بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ ذات الرقاع //
۱۳	حضرت عبداللہ بن عبد اللہ ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بدر الصغری //
۱۴	حضرت سیاح بن عطفہ القفاری ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ ومة الجندل //
۱۵	حضرت ابوذر الغفاری ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بنو مصطلق //
۱۶	حضرت نمیلہ بن عبد اللہ ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ خیبر //
۱۷	حضرت ابورہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	فتح مکہ //
۱۸	حضرت محمد بن مسلمہ انصاری ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ تبوک //

خیال رہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضور نبی کریم محبوب ربّ عظیم، رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اپنے اہل و عیال پر اپنا نائب و خلیفہ بنایا تھا، جبکہ مسجد نبوی شریف میں نماز پڑھانے کی ذمہ داری حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا عند البعض حضرت عبداللہ ابن اقم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سونپی تھی۔

مذکورہ بالا غزوات کے علاوہ بھی کئی غزوات ہوئے اور عموماً نیابت کی ذمہ داری حضرت عبداللہ ابن مکتوم یا ابن کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ادا کی) (ملہج - تلیقہ)

## حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر فرمودہ عمال یعنی گورنرز

حضور نبی اکرم رسول محترم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف علاقوں میں انتظام و انصرام سلطنت سنبھالنے کے لئے عمال یعنی گورنرز مقرر فرمائے۔ ان کو "والی مملکت" بھی کہا جاتا ہے۔ ان منتخب شدہ حضرات کے اسمائے ذیشان درج ذیل ہیں:

شمار	اسمائے گرامی و تدعمال	علاقہ
۱	حضرت باذان بن ساسان، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والی یمن
۲	حضرت شہر باذان، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والی صنعاء
۳	حضرت علاء بن الحضرمی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والی بحرین
۴	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم	والی یمن

شمار	اسمائے گرامی قدر عتال	علاقہ
۵	حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والی صنعاء
۶	حضرت مہاجر بن امیہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والی کسندہ
۷	حضرت عمرو بن العاص ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والی عتال
۸	حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والی نجران
۹	حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والی تیس
۱۰	حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والی مکہ مکرمہ
۱۱	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والی حبشہ
۱۲	حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والی قارب
۱۳	حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والی تھنموت

## عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مفتی حضرات ذی وقار

شمار	حضرات مفتیان	شمار	حضرات مفتیان
۱	حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸	حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲	حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۹	حضرت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳	حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۰	حضرت سیدنا عذیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۱	حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵	حضرت سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۲	حضرت سیدنا ابو ذر داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶	حضرت سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳	حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷	حضرت سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۴	حضرت سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(تلیقہ لای بن جوزی)



حضورِ سیدِ عالمِ نبیِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کے زیرِ استعمال رہنے والی بعض اشیاء

اس جگہ رسولِ مکرم نبیِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خورد و نوش، لباس و اسلحہ اور بعض پالتو جانوروں کا اختصاراً تذکرہ ہوگا۔ اس کی تفصیل مؤلف کتاب ہذا کی دوسری تالیف ”رہبرِ زندگی مع طہِ نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام)“ ملاحظہ فرمائیں۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہایت سادہ بسترِ استعمال بسترِ مبارک فرماتے۔ مثلاً چمڑے کا بستر کہ جس میں کھجور کی چھال بھری

ہوتی تھی۔ (بخاری - مسلم - ترمذی)

ایک ٹاٹ تھا کہ جسے دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا تھا۔ ایک دن پوہرا کر کے بچھایا تو منع فرما دیا اور حکم دیا کہ اسے پہلے ہی حال پر رہنے دو۔ (شمائل ترمذی) کبھی کھجور کی محض ایک چٹائی پر بغیر کچھ بچھاتے آرام فرماتے۔ (مدارج النبوة) یہ بھی چمڑے کا تھا۔ اس میں کھجور کی چھال نہایت عمدگی سے تکیہ مبارک بھری ہوتی تھی۔

حضورِ نبیِ محترم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سادہ اور لباسِ مقدس کم قیمت والا لباس زیب تن فرماتے۔ کبھی کبھی بیانِ جواز کے لئے قیمتی لباس زیب تن فرمایا، مگر اسے جلد اتار کر کسی دوسرے کو فوراً ہی عطا فرما دیا کرتے۔ سفید لباس کو بہت زیادہ پسند فرماتے۔ عموماً روتی کا لباس زیب تن فرماتے۔ صوف اور کتان کا لباس بھی کبھی پہن لیا کرتے تھے۔ جُتہ، قبا، قمیص، تہبند، عمامہ

ٹوپی - چادر - حُلّہ - موزہ - نعلین یہ سب آپ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے  
 زیب تن فرماتے - سبز رنگ کی لمبی چادر بہت پسند تھی، اسے بریمنانی یا حیرہ کہا جاتا  
 تھا - سُرخ رنگ کا لباس مردوں کو منع فرماتے اور فرماتے "یہ عورتوں کو دے دو" -  
 البتہ سُرخ دھاریوں والا حُلّہ زیب تن فرمایا - اسی طرح بعض اوقات دوسرے رنگ  
 یعنی ہلکے کلر کے لباس بھی استعمال فرماتے - عمامہ شریف نہایت محبوب لباس تھا - اس  
 کے نیچے ٹوپی پہنتے اور کبھی ٹوپی کے نیچے ایک چھوٹا سا رومال رکھا جاتا تاکہ تیل عمامہ شریف  
 کو نہ لگے، لیکن اُس کپڑے کو کبھی بھی میل کچیل نہ دیکھا گیا نہایت صاف ستھرا ہوتا -  
 عمامہ شریف نہایت متنوّط ہوتا، نہ تو بہت بڑا اور نہ ہی بہت چھوٹا - شملہ دونوں  
 کندھوں کے درمیان چھوڑتے - آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیاہ، سفید اور  
 زرد رنگ کا عمامہ شریف استعمال فرمایا، لیکن سفید عمامہ شریف بکثرت باندھا  
 کرتے تھے - غرضیکہ لباس نہایت نفاست سے استعمال فرمایا کرتے -

انگوٹھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس پر  
 مہر مبارک محمد رسول اللہ کندہ تھی - آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 نے کسی دوسرے کو یہ الفاظ لکھوانے سے منع فرما دیا تھا - آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 نے چاندی کے نگینے والی انگوٹھی بھی پہنی، اسے عموماً دائیں ہاتھ میں پہنا، لیکن کبھی بائیں  
 میں بھی پہنا اور انگوٹھی کا نگینہ پتھیلی کی جانب رکھتے - بیت الخلاء میں جاتے وقت  
 انگوٹھی شریفہ اتار لیتے -

مُسرّہ خوشبو اور سیل وغیرہ اگرچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مُسرّہ  
 یا خوشبو کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ نہ صرف  
 یہ کہ آنکھیں قدرتی طور پر سرسبز رہتی تھیں، بلکہ جسم انور سے ہمیشہ بھینی بخشنی خوشبو  
 مہکتی رہتی تھی اور پسینہ مبارک تو ایسا خوشبودار تھا کہ دنیا کی کوئی خوشبو اس کا مقابلہ

نہیں کر سکتی، مگر پھر بھی تعلیم اُمت کے لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تیل کنگھی،  
اور سُرہ و خوشبو کا استعمال فرمایا اور اہل ایمان کو ان کے استعمال کا حکم دیا۔  
لیکن مردوں کے لئے حنا اور زعفران کی خوشبو پسند نہ تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کا ارشاد گرامی ہے کہ ”مردانہ خوشبو وہ ہے کہ جس کی خوشبو پھلتی تو ہو مگر رنگ غیر محسوس ہو،  
جبکہ زنانہ خوشبو وہ ہے کہ جس کا رنگ نظر آئے، مگر خوشبو غیر محسوس ہو (نسائی۔ ترمذی)  
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسواک کا بہت اہتمام فرماتے  
**مسواک** تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عموماً پیلو کی مسواک  
استعمال فرمائی۔ اگرچہ اس کے سوا بھی کئی درختوں کی مسواک استعمال فرمائی۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چار پانی پر بھی آرام فرمایا  
**چار پانی شریفہ** کرتے تھے۔ اس چار پانی کی پٹی یعنی بازو اور پائے  
رشاخ کی لکڑی کے تھے، اس پر چمڑے کا بستر بچھا دیا جاتا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مقدس میں  
**عصا مبارک** (عموماً عصا مبارک کہتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
ایسی چھڑی بھی زیر استعمال لائے کہ جس کا ایک سر اٹھٹھا اور طویل تقریباً ایک گز تھا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لکڑی اور مٹی کے  
**قدح مبارک** بنے پیالے میں پانی، دودھ اور شہد وغیرہ نوش جانا  
فرمایا۔ ایک پیالہ شیشے کا بھی تھا جسے کسی بادشاہ نے خدمت اقدس میں ہدیہ  
بھیجا تھا۔ ایک توڑے تنار پتھر کی تھی۔ ایک برتن کہ جسے ”قصعہ“ کہا جاتا ہے،  
وہ بھی زیادہ احباب کی موجودگی کی صورت میں زیر استعمال لاتے

مدارج النبوة میں ہے کہ یہ برتن اتنا بڑا ہوتا ہے کہ کئی آدمی اکٹھے بیٹھ کر اس میں  
کھانا کھا سکتے ہیں۔

# آلاتِ حرب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کئی تلواریں تھیں۔  
 تلواریں البتہ یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ساری ایک ہی وقت میں  
 جمع تھیں یا مختلف اوقات میں زیر دست اظہر رہتیں۔ اُن میں سے بعض کے  
 نام یہ ہیں: (۱) ماثور (۲) غضب (۳) مخدّم (۴) رسوب۔  
 (۵) قلعی (۶) قضب (۷) ذو الفقار۔

حضور نبی اکرم نور مجسم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 زرہ شریف نے متعدد زرہ ہیں زیب تن فرمائیں، ان میں سے بعض کے نام  
 حسب ذیل مرقوم ہیں: (۱) سعدیہ یا صعدیہ (۲) فضہ (۳) ذات الفضول  
 (۴) ذات الحواشی و ترا (۵) حریف (۶) روحا۔

حضور نبی کریم محبوب ربّ عظیم، رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ  
 خود اور ڈھال علیہ وآلہ وسلم نے میدان جنگ میں خود یعنی لوہے کی ٹوپی  
 بھی استعمال فرمائی اور ڈھال بھی۔ کتب سیر و احادیث میں ڈھالوں کے یہ نام  
 درج ہیں: (۱) ازلق (۲) فتق (۳) دوسر۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کئی نیزے  
 نیزے اور حربہ اور حربے تھے، اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔  
 (۱) مشوی (۲) نبغہ (۳) بلغہ (۴) عنترۃ الصتر۔

۱۔ لوہے وغیرہ کی جیکٹ کہ جسے دشمن کے برہ تلوار سے پختے کیلئے پہنا جاتا تھا۔  
 ۲۔ سر پر ڈھنے کی ٹوپی یا ہلٹے وغیرہ لوہے وغیرہ کی وہ شے کہ جسے ہاتھ میں پکڑ کر دشمن کفار  
 سے بچا جاتا ہے ۳۔ لمبا برچھا ۴۔ چھوٹا سا برچھا جسے دشمن پر دُور سے پھینکا جاتا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنی قینقاع  
کمانیں کے اسلحہ خانہ سے چھ کمانیں اپنے لئے منتخب فرمائیں۔ جن کے نام

بعض کتب میں یوں درج ہیں: (۱) الزورار (۲) الروح حار (۳) الصفراء۔  
(۴) البیضار (۵) الکتوم (۶) شوخط۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دبیز کپڑے کے خیمے استعمال  
کیے فرمائے۔ علاوہ ازیں چمڑے کے خیمے بھی استعمال فرمائے۔

## موشی

حضرت سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
گھوڑے کے علمائے سیر نے دس گھوڑے بیان فرمائے ہیں اور ان کے نام  
بھی ذکر کئے، جو درج ذیل ہیں: (۱) سبک (۲) مزتجہ (۳) لزاز (۴) طیف  
(۵) ورد (۶) ضریس (۷) طرب (۸) ملاوح (۹) سبحہ (۱۰) بجر۔

نوٹ: بعض ناموں میں اختلاف بھی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کئی اونٹ تھے، ان میں ایک  
اونٹ اونٹنی کا نام قصوی تھا۔ یہی وہ مبارک اونٹنی تھی جس پر ہجرت فرمائی۔  
حضرت نبی کریم ﷺ ورحیمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سات دودھ  
بکریاں دینے والی بکریاں تھیں۔ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کا دودھ  
بارگاہِ اقدس میں پیش کرتیں۔ ”تسویر الازہار“ کے مطابق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کی ایک مخصوص بکری تھی کہ جس کا دودھ نوش جاں فرمایا کرتے تھے۔ بعض روایات میں  
بکریوں کی کل تعداد ایک سو تھی۔ جب ایک سو پڑ کوئی بکری بڑھ جاتی تو اسے یا تو صدقہ  
کر دیا جاتا یا پھر ذبح کر لیا جاتا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)



حضرت حضور نبی کریم ﷺ روف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعذرت تھے۔  
چچران میں سے ایک کا نام ”دُل“ تھا جسے شاہ اسکندریہ نے ام المومنین  
سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہدیہ بھیجا تھا۔

حضرت نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے  
دراز گوشس تین دراز گوش (گدھے) تھے، ان میں سے ایک دراز گوش  
شاہ اسکندریہ نے ہدیہ پیش کیا تھا، دوسرا فروہ بن عمرو نے اور تیسرا حضرت  
سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت فیض درجت میں لائے تھے۔ ان میں سے  
ایک کا نام یعفور تھا۔

## خورد و نوش

حضرت نبی کریم رسول عظیم ﷺ روف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی ظاہری حیات  
میں تھوڑا بہت کھانا تناول فرمایا۔ بعض اوقات کئی کئی روز تک کاروزہ رکھتا،  
جیسے یوم وصال کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی زیادہ پیٹ بھر کر  
کھانا تناول نہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جن کھانوں کو تناول فرمایا  
ان میں اُونٹ، بکری، نیل گائے، خرگوش، مرغ، جباری (ایک پرندہ) اور  
مچھلی کا گوشت شامل ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھنا ہوا اور شوربے  
والا دونوں طرح کا گوشت تناول فرمایا۔ اہل عرب گوشت کو سکھایا کرتے تھے جسے  
”قذیفہ“ کہا جاتا ہے بعد میں پکالیا جاتا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی تناول  
فرمایا۔ مزید برآں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ثرید (یعنی گوشت کے شوبے میں پی ہوئی  
دوٹی) کو بھی تناول فرمایا اور اسے بہت پسند فرمایا۔ مچھلی بھی تناول فرمائی۔ سبزیوں میں کدو  
بہت پسند تھا۔ نیز سرکہ، روغن زیتون، گھی، پنیر، مکھن بھی تناول فرمایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ

ملکیہ آلہ وسلم میٹھی اشیاء کو بہت پسند فرماتے تھے، البتہ جس کھانے میں کوئی بُودا  
 تھے مثلاً پیاز یا لہسن ہوتا، اسے تناول نہ فرماتے۔ نہ ہی ایسی اشیاء کھا کر مسی میں  
 نے کی اجازت دیتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قسم کے پھل بھی  
 تناول فرماتے۔ صحابہ کرام کی عادت تھی کہ جب بھی کوئی نیا پھل آتا تو اسے بارگاہِ  
 رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تحفۃً پیش کر دیتے۔ (ترمذی شریف)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جن پھلوں کو تناول فرمایا، ان میں سے بعض یہ ہیں  
 کھجور، خربوزہ، لکڑی، انگور۔ انجیر، پیلو وغیرہ اور کبھی کھجور اور مکھن، کھجور اور  
 خربوزہ، کھجور اور لکڑی ہا ہم ملا کر بھی تناول فرماتے۔ لہ

پینے کی اشیاء میں حضور سید عالم رحمت کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے  
 پانی کے علاوہ دودھ، دودھ کی لسی، شہد، نمید و نقیم اور ستو وغیرہ بھی نوش جاں فرماتے  
 خیال ہے کہ رسول محتشم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صوم وصال رکھے  
 تو صحابہ کرام نے بھی صوم وصال رکھے، مگر وہ برداشت نہ کر سکے، تو رسول اللہ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے مجھ جیسا کون ہو سکتا ہے؟ میں تو  
 اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی، (اللہ) ہمیشہ  
 اسی طرح معراج کی شب فردوسِ اعلیٰ کی کن کن نعمتوں (اشیاء خورد و نوش) کو تناول  
 یا نوش جاں فرمایا، ان سے یا تو خالق کائنات جل شانہ واقف ہے جو کہ منعم حقیقی ہے یا  
 پھر اس کے محبوب سید خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام، جو اس کی نعمتوں کے حقیقی مستحق ہیں  
 انسان تو بس یہ ہی عرض کر سکتا ہے کہ واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ اعلم۔

لہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اشیاء خورد و نوش اور ان سے متعلق احکامات کی تفصیل کے لئے  
 ملاحظہ ہو کتاب رہبر زندگی مع طب نبویؐ، کھجور یا متقی کو کوٹ کر پانی میں ملا کر پانی میٹھا کر لینا۔ اگر تازہ  
 حالت میں ہو تو اسے نقیم کہتے ہیں اگر کچھ دیر پڑا ہے تو نمید ہے اگر جھاگ پیدا ہو جائے تو پینا حرام ہے کہ اسے خر کہتے ہیں۔

# رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوباتِ اقدس کی دریافت

محضور نبی اکرم، رسولِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف سلاطین زمانہ کی جانب جو خطوط ارسال فرمائے تھے، ان میں سے بعض بحال موجود ہیں اور اہل محبت کے لئے سرمایہ حیات ہیں۔ ایک طویل عرصہ (کئی سو سال) تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ نامے اطہر کا اصلی حالت میں باقی رہنا ایک معجزہ سے کم نہیں۔ ذیل میں ان خطوط مبارک کے دریافت کی تاریخ درج کی جاتی ہے تاکہ شائقین کے علم میں اضافہ ہو۔

اسلامی ڈائجسٹ "بڈی" ہرقل روم کے نام مکتوباتِ اقدس کی دریافت شماره جون ۱۹۷۷ء کے مطابق "یہ نامہ اطہر ۱۹۷۶ء میں دریافت ہوا۔ تاریخ اسلامی کے اس نادر تحفے کو متحدہ عرب امارات کے سربراہ سلطان زید بن آل نیہان نے لاکھوں ڈالر خرچ کر کے اپنے ملک میں منتقل کر لیا" اور یہ کسی بھی مخطوطہ کی انتہائی قیمت ہے۔ لے

روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی، ۱۳ اپریل ۱۹۷۷ء کے مطابق اردن کے حکمران شاہ حسین نے ۱۱ اپریل ۱۹۷۷ء کو شب ٹی۔ وی پر عوام سے خطاب کے دوران بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ اقدس ان کے پاس ہے۔ یہ بہن کی کھال پر سیاہی سے تحریر کیا گیا ہے۔ یہ خط مبارک ان کے دادا سلطنتِ اردن کے بانی شاہ عبداللہ مرحوم کو ملا تھا۔ (خلاصہ خبر "نوائے وقت" راولپنڈی)

تاریخی طور پر اس مکتوبِ اقدس کا ساتویں صدی ہجری تک اسپین میں موجودگی کا پتہ چلتا چھٹی صدی ہجری کے مشہور مورخ علامہ سہیلی نے اپنے زمانہ میں اس کی اسپین میں موجودگی کا پتہ دیا ہے۔ شارح صحیح بخاری علامہ قسطلانی کے مطابق ۱۲۷۲ء میں ملک منصور قلاؤن

لے ابتدائی طور پر سلطان نے دس لاکھ ڈالر کی پیش کش کی تھی - ۱۲ منہ

اسپین کے شاہ الفونسو کے پاس اپنا سفیر بھیجا تو شاہ الفونسو نے اس سفیر سیف الدین کو  
مکتوب اقدس دکھایا تھا۔ یہ سونے کے ڈبے میں رکھا ہوا تھا۔ شاہ اسپین نے سفیر  
پور بتایا کہ یہ پیغمبر اسلام کا وہ خط ہے جو ہمارے دادا قیصر روم کے نام بھیجا گیا تھا (قسطانی ص ۶۱)  
علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں: جب شاہ قلاوڑن کا سفیر  
صر روم کے پاس قسطنطنیہ (استنبول) گیا، تو اس نے سفیر کو دکھانے کے لئے شاہی خزانہ  
ایک طلائی ڈبہ منگوایا، اس میں ریشمی دمال میں لپیٹا یہی نامہ اقدس رکھا ہوا تھا۔  
صر روم نے کہا یہ تاریخی خط تمہارے رسول محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمارے بزرگ  
فل کو تبلیغی طور پر لکھا تھا جسے آج تک ہم نے بڑی حفاظت کے ساتھ شاہی خزانے میں نبھال  
رہا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کی یہ گھیت ہے کہ جب تک یہ خط مبارک ہمارے پاس ہے گا،  
ہمارا ملک ہمارے ہاتھ میں ہے گا، اس لئے ہم اس کی بہت زیادہ حفاظت اور احترام کرتے  
ہیں اور عام عیسائیوں سے بچا کر رکھتے ہیں تاکہ ہمارا ملک محفوظ رہے اور ہمارے پاس باقی ہے۔  
(زرقانی علی المواہب جلد اول)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ خط مبارک بنو امیہ کے عبدالرحمن الداخل  
نے جس نے اُنڈلس میں اسلامی حکومت قائم کی تھی، کے پاس پہنچا اور یہ خط تقریباً نو سو سال  
اُنڈلس (ہسپانیہ) میں رہا۔ پھر وہاں اسلامی حکومت کے زوال اور عربوں کے اخراج کے ساتھ  
خط دوبارہ مکہ مکرمہ پہنچا اور شریف مکہ شاہ عبداللہ جو کہ شرقی اردن کے شاہ حسین کے  
دادا اور اردن میں ہاشمی سلطنت کے بانی تھے، ان کی ملکیت میں آیا۔ شاہ عبداللہ نے یہ خط  
اپنی بیوی ملکہ نجیہ کو حق مہر میں دے دیا۔ چند سال قبل ملکہ اردن سے ترک وطن کر کے لندن  
چلی گئی اور نامہ اقدس سوئٹزرلینڈ کے ایک بینک میں محفوظ کر دیا گیا۔ اس خط کا سائنسی  
تجزیہ اور علمی تحقیق کرنے والوں میں برطانیہ کی لیڈزیونیورسٹی کے پروفیسر اور مصر کے ممتاز  
انشورڈاکٹر عزالدین ابراہیم بھی شامل تھے جو ابوظہبی کے سلطان کے امور ثقافتی ورثہ

مشیر بھی ہیں۔ شیخ زید بن سلطان النہیان کی ہدایت پر اس خط کی صحت اور تحقیق مطالعہ کے لئے عرب اور برطانوی فضلاء و ماہرین پر مشتمل ایک بورڈ نے اس خط پر طویل عرصہ تک سائنسی انداز میں تحقیق کی۔ نیشنل ٹینس میوزیم کے ماہرین نے بھی اس خط کے اصلی ہونے کی تصدیق کی ہے۔ جسے بعد ازاں لندن کی ایک فرم سودتھ بینر کی وساطت سے فروخت کے لئے پیش کیا گیا۔ شیخ زید بن سلطان النہیان نے اس خط مبارک کے لئے دس لاکھ ڈالر کی رقم کی پیش کش کی جسے قبول کر لیا گیا۔

ابوظہبی کے شاہی محل کے میوزیم میں اس نامہ اقدس کی نمائش کے لئے خطیر رقم صرف کر کے ایک عظیم الشان ہال تعمیر کیا گیا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے بھی خصوصی انتظامات کئے گئے ہیں۔

(مکتوبات نبوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سفارتی نظام)

## مکتوب گرامی بنام حضرت شاہ نجفی راشدی کی دریافت

مملکت عزیز پاکستان حفظہ اللہ تعالیٰ کے عظیم سکالر معروف دانشور جناب ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں:-

۱۱ مئی ۱۹۳۹ء کو جب میں نے آکسفورڈ میں عربی کتبائے مدینہ پر ایک لیکچر دیا اور ان کتبائے خط کا مقابلہ سابق میں دستیاب شدہ مکتوب نبوی سے کیا تو پروفیسر مارگولیوٹ نے جلسے میں بیان کیا کہ ”ایک مکتوب نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو کہ نجاشی کے نام بھیجا گیا تھا دریافت ہو گیا ہے اور وہ اسکاٹ لینڈ کے ایک شخص کے پاس ہے۔“ جسے کے بعد میں نے پروفیسر مارگولیوٹ کے توسط سے اس شخص کو ایک خط لکھا۔ کئی ماہ بعد اس کا جواب حیدرآباد میں ملا۔ خط نویسنده مسٹر ڈنلوپ کا قیام ان دنوں شام میں تھا۔ جواب میں مکتوب طہم کی ایک نقل جو ہاتھ سے کی گئی تھی منسلک تھی اور وعدہ تھا کہ اسکاٹ لینڈ واپسی پر مجھے فوٹو



بھیجا جائے گا۔ نیز یہ کہ اس پر ایک مضمون جلد ہی لندن کے ایک سالہ ”جے آر۔ اے۔ ایس“ میں بھی چھپے گا۔ اتنے میں جنگ شروع ہو گئی اور میں حیدر آباد میں مصروف ہو گیا اور یہ مضمون سنہ ۱۹۴۷ء میں اسی رسالہ میں صفحہ ۵۴ تا ۶۰ پر چھپا۔ کافی دنوں بعد ہندوستان پہنچا اور مکتوب گرامی کے فوٹو کا بلاک بھی وہیں شائع ہوا۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے:

”یہ خط مبارک ایک جھپٹی پر لکھا ہوا ہے، جو ساڑھے تیرہ انچ لمبی اور نو انچ چوڑی ہے اس میں حروف کی شکل گول اور جلی ہے، اس لئے آسانی سے پڑھے جاسکتے ہیں۔ یہ بھوئے رنگ کی سیاہی سے لکھا ہوا ہے اور خط اطہر کی سترہ سطریں ہیں۔ آخر میں ایک انچ قطر کی گول مہر کا نشان ہے جو فوٹو میں صاف نہیں۔“ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۱۲۳)

## مکتوب گرامی قدر بنام شاہ مقوقس کی دستیابی

اس مکتوب مقدس کی دریافت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ تحریر کرتے ہیں کہ ”موسیو بارتل می نامی قاہرہ میں ایک نوجوان فرانسیسی مستشرق ہیں۔ عربی زبان پر بھی اسے عبور حاصل ہے۔ وہ کچھ عرصہ سے مصر کی قدیم زبان کا مطالعہ کر رہے ہیں اور خاص طور پر قبطی زبان کے مخطوطات تلاش کر رہے ہیں جو کہ مصر کے تنہائی پسند راہبوں کے قبضہ میں ہیں اور عہد سلف کے متعلق نہایت قیمتی آثار پر مشتمل ہیں۔“

ایک من وہ انجیم کے قریب ایک اہب خانہ میں گئے، وہاں سے ایک عربی مخطوطہ دستیاب ہوا۔ اس کی جلد سے معلوم ہوتا تھا کہ دراصل یہ کسی ایسی کتاب کے لئے تیار کی گئی تھی جو خاصے بڑے حجم کی ہوگی۔ یہ جلد کناروں پر خراب ہو گئی تھی۔ اس کے اندر کچھ قبطی حروف دکھائی دے رہے تھے۔ چنانچہ موسیو بارتل می نے ان اوراق کو یکے بعد دیگرے جدا کیا تو ان کے اندر دونوں پہلوؤں پر چمپی ہوئی کھال یا جھپٹی کا ایک ٹکڑا نظر آیا جسے دو جگہ سے کیڑے نے چاٹ لیا تھا، اس کا بغور مطالعہ کرنے سے عربی کے حروف میں

سے لفظ مجتہد پڑھ لینے میں کامیابی ہوئی۔ اس پر دلچسپی بڑھ گئی کہ یہ دستاویز خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ چنانچہ اس نے پوری احتیاط کے ساتھ کھال کو الگ کرنے کی کوشش کی اور جب اسے جگو کر نرم دینے لگے، تو چند الفاظ مدہم پڑ گئے۔ پھر چند ساتھیوں کی مدد سے اس کھال یا بھتی سے جو عبارت نمایاں طور پر پڑھنے میں آسکی۔ (اس سے معلوم ہوا کہ وہ رسول آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوب گرامی کی تخریب ہے جو آپ نے مصر کے قبطی بادشاہ مقوقس کے نام ارسال فرمایا تھا۔) آگے خط کی عبارت درج ہے جو کہ مکتوب گرامی کے فوٹو میں دیکھی جاسکتی ہے، بہر نوع یہ اصل مکتوب اقدس جو فرانسیسی مستشرق موسیو بارتلمی کو ایک قبطی راہب کی انجیل پر چپکا ہوا ملا، اور (کھال) پر لکھا ہوا تھا، اس نے ترکی کے سلطان عبدالحمید خان کے ہاتھ تین سواشر فی (پاؤنڈ) میں فروخت کر دیا۔ سلطان نے اس کو سونے کے فریم میں لگو کر شاہی محل (توپ کاپی) کے خزانے میں دوسرے تبرکات نبوی کے ساتھ حفاظت سے رکھوا دیا۔

(رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سفارتی نظام)

## مکتوب گرامی قدر نام کسری پرویز کی دستیابی

عموماً کتب سیر و تواریخ کے مطابق بدبخت کسری پرویز نے نامہ اطہر کو چاک کر کے پھینک دیا تھا۔ البتہ خطیب بغدادی علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں:

انَّ عبد الله بن حذافه اسْمَعَةَ كَلَامًا غَلِيظًا بَعْدَ انْ مَرَّقَ الْكِتَابَ ثَمَّ قَالَ اَدْرَجَ كَسْرِي لَهُ شَقًّا مِنْ حَرِيرٍ قَاهِدًا

لرسول الله - (تاریخ بغداد)

جب کسری نے مکتوب اقدس کو چاک کر ڈالا تو حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے بہت سخت کلامی کی۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد کسری نے اس شہید شدہ خط کو

رستمی کپڑے میں لپیٹ کر (طنزاً) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو واپس مے دیا کہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مے دینا۔

اس وقت کون جانتا تھا کہ جس نامہ اطہر کو چاک کیا گیا ہے وہ تو تقریباً ڈیڑھ ہزار سال بعد بھی موجود ہوگا، لیکن کسری کی سلطنت بہت جلد تباہ و برباد ہو جائے گی۔

ڈاکٹر حمید اللہ کہ جنہوں نے بحیثیت خود اس مکتوب گرامی کی زیارت کی۔ وہ لکھتے ہیں:-

۲۲ مئی ۱۹۶۳ء بمطابق ۲ ذوالحجہ ۱۳۸۲ھ کو بیروت کے ”وزنامہ الحیات“ میں ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے اس نامہ مبارک کا فوٹو بھی چھاپا اور مفصل تحقیقی مقالہ بھی تحریر کیا۔ انہوں نے لکھا: ”لبنان کے سابق وزیر خارجہ (ہنری فرعون کے والد نے

پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر یہ دستاویز دمشق میں ڈیڑھ سو اشرفی میں خریدی یا تو اسے خود اسے معلوم نہ تھا یا یہ کہ اُس نے اپنے اہل خاندان کو نہ بتایا کہ یہ کیا چیز ہے؟ بہر حال ۱۹۶۲ء

کے آخر میں جب اس (ہنری فرعون) نے ان کے سپرد کیا کہ اس کو پڑھنے کی کوشش کریں۔ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد لکھتے ہیں: گزشتہ نومبر ۱۹۶۲ء کے آخر میں ہنری فرعون نے میرے

پاس کھال کا ایک ٹکڑا بھیجا۔ اس پر کوئی رسم الخط سے ملتی ٹھلکتی تحریر تھی۔ کھال کی حفاظت کے لئے اس کے نیچے سینر کپڑا چسپاں کیا گیا تھا، اس کو ایک فریم میں لگا دیا گیا تھا، لیکن

مروزرمانہ کی وجہ سے کپڑا بالکل گل چکا تھا، ہر فریم کے سہارے وہ کھال باقی رہ گئی تھی۔ جب میں نے اس خط کے الفاظ باریک بینی سے حل کرنے اور پڑھنے شروع کئے،

تو عظیم انکشاف ہوا کہ یہ ہی خط ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شاہ فارس کسری کے نام تحریر فرمایا تھا، جس میں اس کو دعوت اسلام دی گئی تھی۔

یہ ایک رق (بالوں سے صاف کھال) ہے، جو ایک سینر کپڑے پر (کہ جس کا رنگ مروزرمانہ سے تبدیل ہو گیا ہے) چسپاں ہے اور کپڑا بھی مالیدہ ہو گیا ہے اور یہ

سب ایک کپڑے کے فریم میں جڑا ہوا ہے۔ مزید برآں کہ:

(۱) جھٹی (کھال) نرم پُرانی اور گہرے خاکی رنگ کی ہے، اس کے کنارے کالے پڑ گئے ہیں۔  
 یہ ۲۸ سینٹی میٹر لمبی اور ساڑھے اکیس سینٹی میٹر چوڑی ہے۔ (۲) یہ جھٹی مستطیل سی ہے،  
 مگر چوڑی یکساں نہیں ہے اوپر سے زیادہ چوڑی ہے نیچے سے کم۔ (۳) اس پر عبارت پندرہ  
 سطروں میں ہے، مگر کوئی سطر ساڑھے تین سینٹی میٹر اور کوئی ساڑھے اکیس سینٹی میٹر ہے۔  
 (۴) عبارت کے نیچے ایک گول مہر ہے، جس کا قطر تین سینٹی میٹر ہے۔

(۵) اس میں ایسے نشانات ہیں جیسے اوپر سے نیچے کی طرف پانی بہایا گیا ہو، اسی لئے  
 بعض حروف مٹ گئے ہیں اور بعض جگہ مدھم پڑ گئے ہیں۔ مہر کی عبارت بھی مٹ گئی ہے،  
 بجز حرف ”ر“ کے جو مہر کے درمیان ہے اور یہ غالباً ”رسول“ کی ”ر“ ہے (خود بین سے غور  
 کریں تو پورا لفظ رسول نظر آتا ہے) مہر رسالت اسی طرح تھی۔ یعنی اوپر لفظ اللہ  
 و درمیان میں رسول اور نیچے لفظ محمد۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

(۶) جھٹی کو بھاڑنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ وہ تیسری سطر دائیں طرف سے وسط تک  
 چر گئی، پھر اس کے بعد عرض میں پھٹنا بند ہو گیا اور طول میں چاک ہوتا ہوا دسویں سطر تک پہنچ گیا۔  
 اس پھٹن کی شکل (۷) ہے۔ (۷) اس کھال کو بعد میں باریک کھال کے ٹانگے لگا کر سیدھا  
 کیا ہے، مگر یہ ٹانگے ”رق“ کی طرح کی عمدہ کھال کے نہیں ہیں، بلکہ یہ معمولی کھال کے ہیں اور یہ  
 بھی صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان ٹکڑوں کی عمر اصل مکتوب سے کم ہے۔ (۸) مکتوب کے  
 رسم الخط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی اور غیر ترقی یافتہ ہیں لکھا گیا ہے، اسی لئے اس میں کوئی  
 صنعت ہے اور نہ ترتیب۔ سطریں بھی سیدھی نہیں ہیں۔ نیز یہ بات اس دور کو مستعین کرنے میں  
 خاص مُعین و مددگار ہوتی ہے کہ اس کے بعض کلمات جو سطر کے آخر آتے ہیں، وہ اگر اس سطر میں  
 پورے نہ آ سکے، تو اس کے بعض حروف اس کے بعد والی سطر کے شروع میں لکھ کر پورے کئے  
 گئے ہیں۔ اس زمانے کے رسم الخط کے مطابق مکتوب میں نقطے نہیں ہیں۔“

(ماہنامہ ”البلاغ“ کراچی بحوالہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سفارتی نظام)

عکس نامہ اقدس منسوب بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
 الحمد للہ رب العالمین  
 والصلوٰۃ والسلام  
 علی سیدنا محمد  
 وعلی آلہ الطیبین  
 الطہارین

قیصر روم کے نام

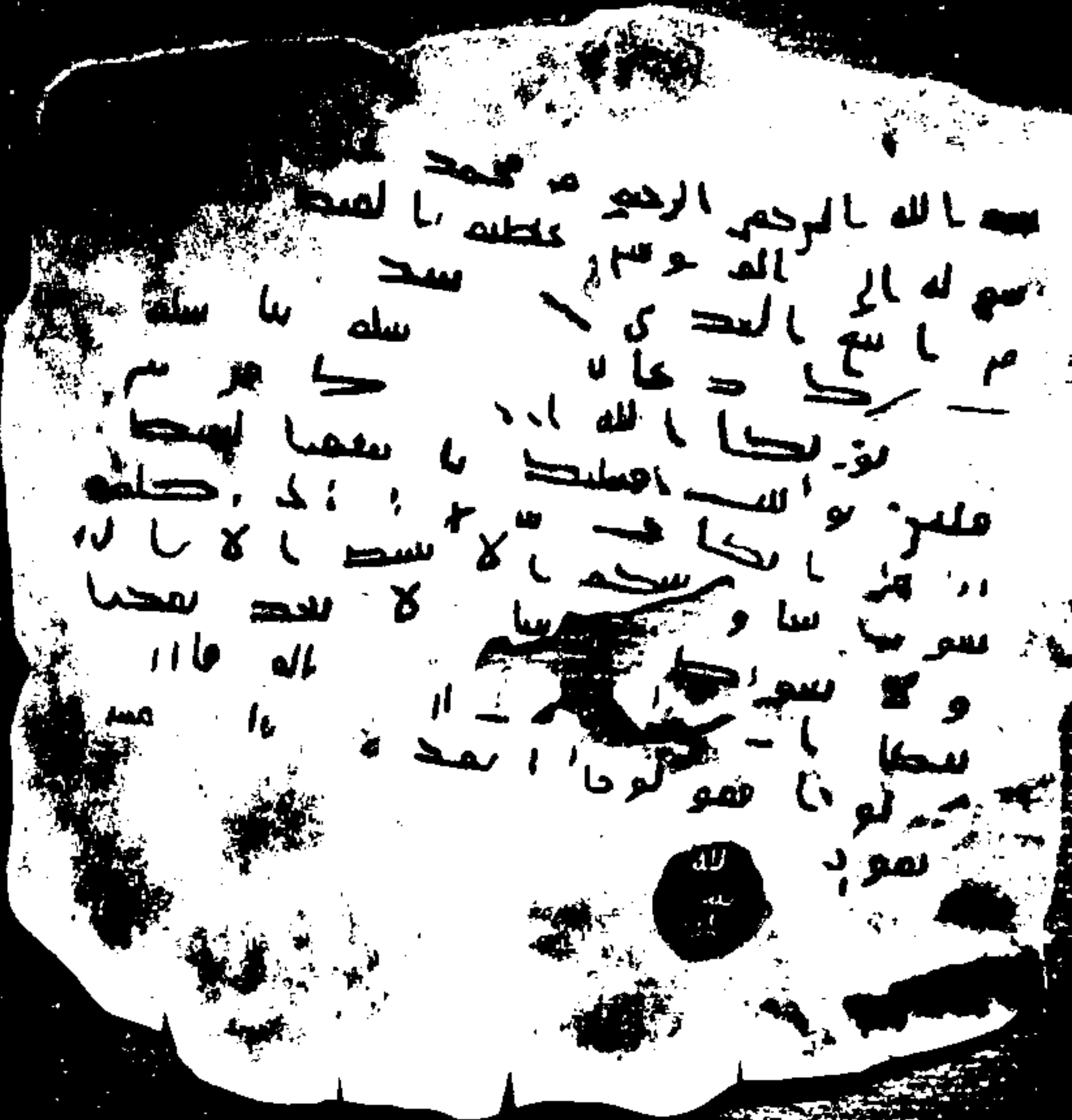


عکس نامہ اقدس منسوب بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
 من محمد رسول اللہ الابرار  
 من عظمہ العسہ رسولہ علی من  
 اسع القدیام والی اکتمہ اللہ  
 فی اللہ الذی لا مالہ الا ۳۸ الفلاد  
 القدوس السلام المؤمن من العسہ  
 و اسعدا من من مرہ ر  
 اللہ و حمہ العا ہا ا  
 ل اللہ الحسین فہم  
 و کہ و عہ کما کلہ اذ و لہ و  
 ابی اذ عہ الی اللہ و عہ  
 لہ و الی الہ علی اللہ  
 لہ و عہ الی اللہ و عہ  
 سور اللہ و الی اللہ و عہ  
 الی اللہ عہ و عہ  
 و عہ و عہ و عہ  
 الی اللہ

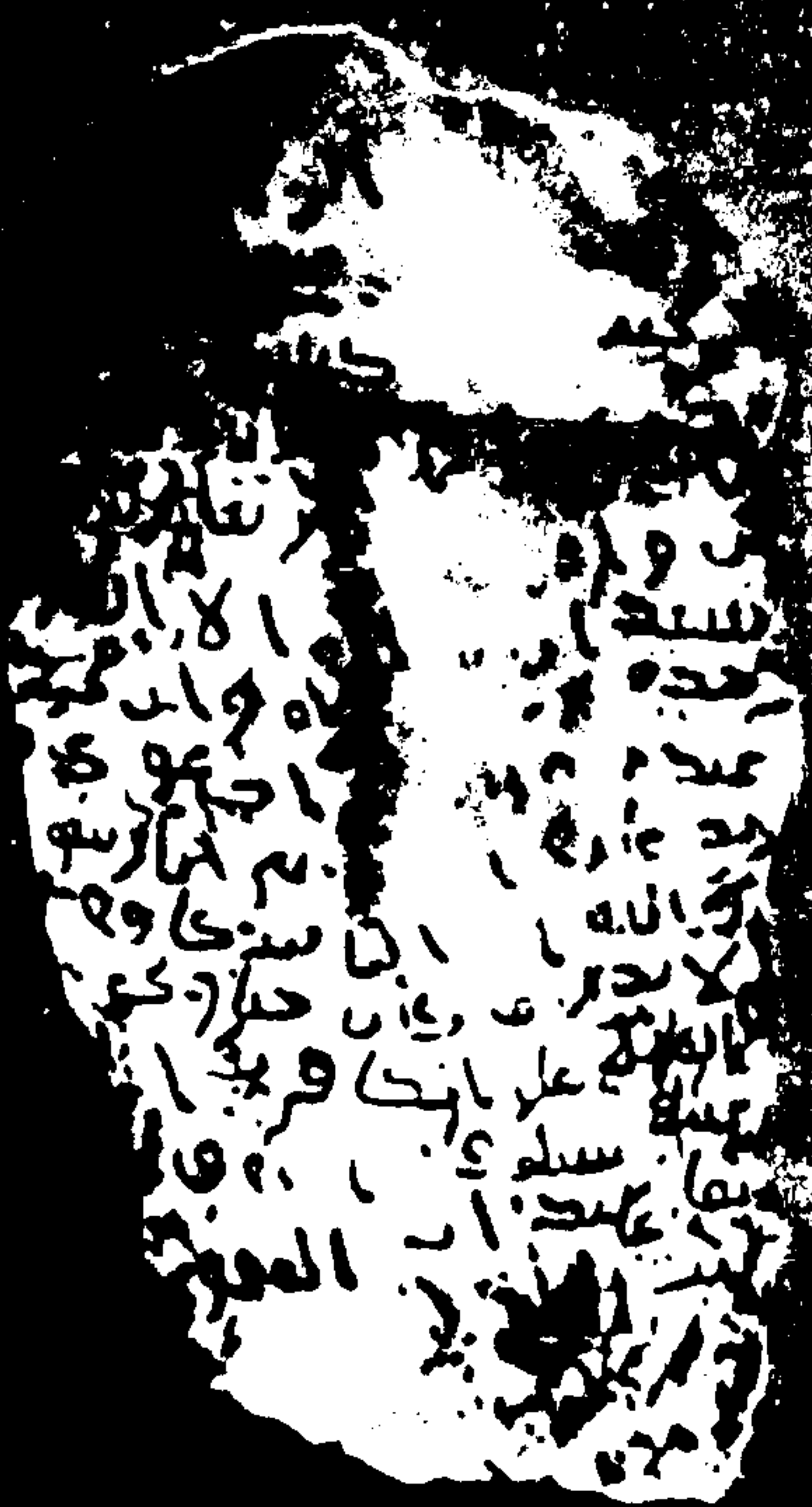
اصحما نجاشی شاہ حبشہ کے نام

عکس نامہ اقدس منسوب بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم



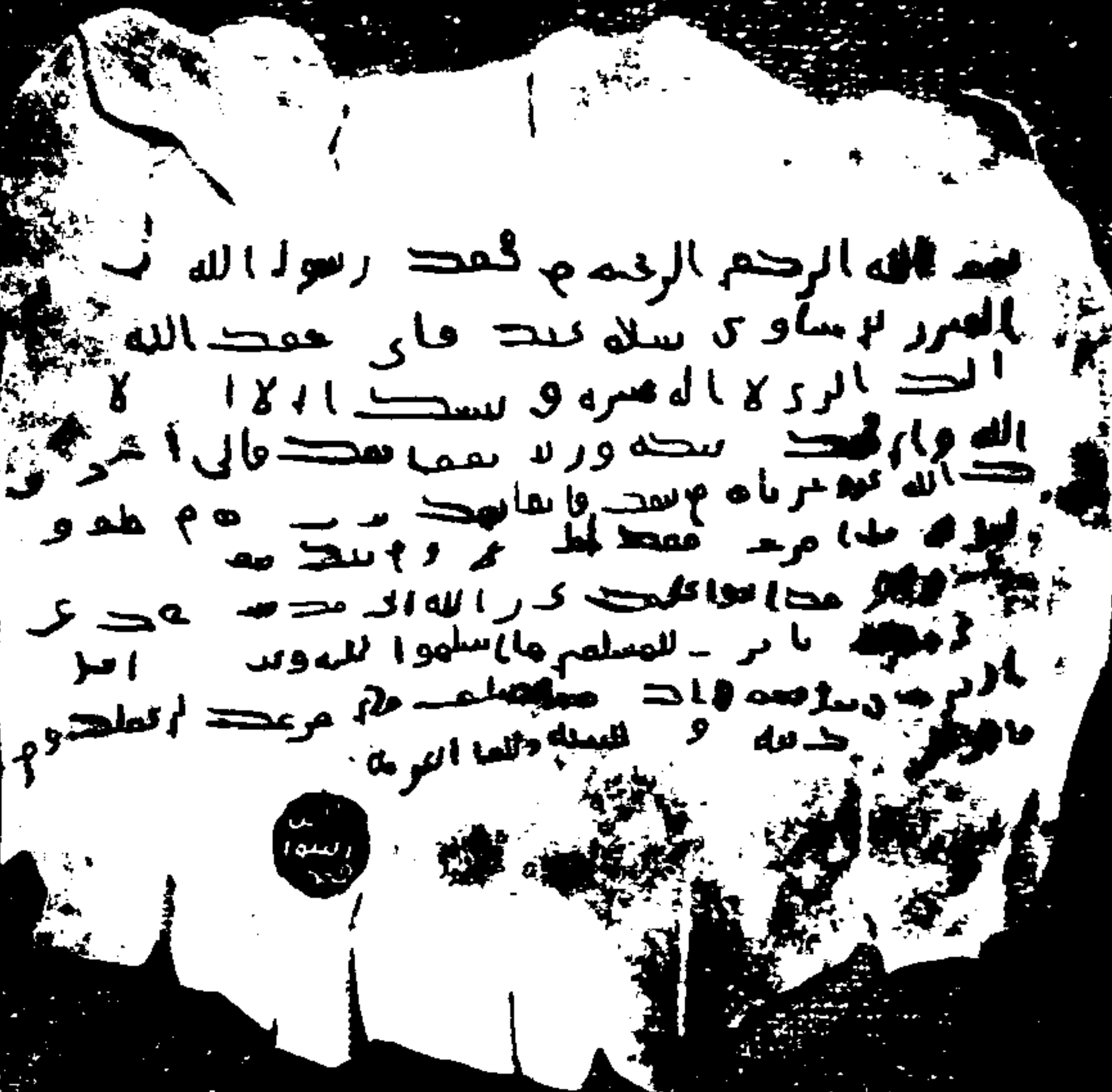
موقوفہ مصر کے نام

عکس نامہ اقدس منسوب بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ۸۰۶



خسرو پرویز شاہ ایران کے نام

عکس نامہ اقدس منسوب بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم



منذربن ساوی کے نام

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی انگھوٹھی مبارکہ کا عکس

اسے بطور مہر سلاطین زمانہ کو بھیجے جانے والے خطوط پر لگایا جاتا تھا



سیرت طیبہ کے ایک روشن، لکڑش اور حسین پہلو  
پر لکھی جانے والی منفرد کتاب

# مُصطفیٰ خاندانِ نبوی

● حضور ﷺ کے رشتہ داروں اور اعزّہ و اقارب کے احوال کا بیان

● مستند روایات، مکمل حوالہ جات کے ساتھ

● غیر ضروری تفصیلات اور طوالت سے پاک

● حضور ﷺ کے دیگر متعلقین، آپ ﷺ کے رضاعی رشتہ دار، آپ ﷺ کے ہم شکل

مدنی نقیب، خلفاءِ راشدین، کاتبینِ وحی، بارگاہِ اقدس کے مفتیانِ کرام، شعراء،  
خطباءِ کرام اور مؤئینِ ذی وقار کا بیان

● حضور ﷺ کے مقرر فرمودہ، تحصیل دار، گورنرز، قاضی، محافظ و پہرے دار اور دیگر

بہت سے متعلقین کا تذکرہ

● کبار رسالت مآب ﷺ سے شاہانِ زمانہ کے نام لکھے گئے خطوط، رنگین تصاویر و مزیّن

مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ کے فیصل آباد

041-2626046 (ج)